بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

خاتم النبیین۔ رحمة للعالمین۔

صاحب الکتاب۔ سرور کائنات

کے نام

جن پر کروڑوں اربوں درود وسلام

''ہر قسم کے جملہ حقوق بحق مصنف ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد محفوظ ہیں۔کسی ادارہ یا فرد کو مصنف سے تحریری اجازت کے بغیر کتاب یا اس کے کسی حصہ کو کسی بھی طرح چھاپنے، کاپی کرنے یا محفوظ کرنے یا الیکٹرانک طریقہ سے منتقل کرنے کی اجازت نہیں''۔

کتاب: انوار الفرقان تفسیر اسرار القرآن
(دور حاضر کے انسانی مسائل کا حل قرآن مجید کے ذریعے)

مصنف: ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد

پبلشر: الحفیظ ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد

پہلا ایڈیشن: تعداد 1000

پرنٹر:

ایڈریس: نمبر H-2، لین 17، ڈی ایچ اے، فیز 2، اسلام آباد

ای میل: drmharshad@gmail.com

ویب سائٹ: www.alhafeeztrust.org

ISBN

اللّٰھم اَرِنی الحقَ حقاً و ارزقنی اتباعَہُ

اللّٰھم اَرِنی الباطل باطلاً و ارزقنی اِجتنابَہُ

اے اللہ! مجھ پر حق کی حقانیت واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما

اے اللہ! مجھ پر باطل کا بطلان واضح فرکر اور مجھے اس سے بچنا عطا فرما

(آمین)

عرض مفسر

الحمد للہ رب العالمین ، الصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین و علی آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین و علی من تبعھم باحسن الی یوم الدین

قرآن مجید الہامی کتب میں وہ کتاب ہے جو موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ مستند اور محفوظ طریقہ سے ابتدائے وحی سے لے کر آج تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے اور اس لحاظ سے سب سے محفوظ اور قابل اعتبار کلام ہے جو انسانیت کی راہنمائی کے لئے آیا، کر رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ انسان ذی شعور و ذی عقل حیوان ہے ۔ اس عقل وشعور کی وجہ سے اختیار کا حامل ہے، وہ مخلوق جسے اختیار دیا گیا ہے اس سے جو عمل ہوگا اس کی وہ ذمہ دار ہوگی۔ اس لئے اس کی رہنمائی بھی ضروری تھی تا کہ غلط اور صحیح میں امتیاز ہو سکے اور اس مقصد کے لئے خالق انسان نے اس کی رہنمائی کے لئے اس کی جنس (نوع انسانی) سے بندوں کو چنا اور پھر ان کو اپنے احکام وتعلیمات بذریعہ وحی پہنچائے جو انسانیت کے پاس الہامی کتب کی صورت میں ہیں۔ انسانی ذہن میں اصلاح وفساد دونوں پہلو بدرجہ اتم موجود ہیں اسے لئے انسانی عقل اور سمجھ پر مکمل بھروسہ کامیابی کے لئے سو فیصد کی حد تک صحیح نہیں اس وجہ سے وحی کی رہنمائی انسانیت کے لئے ضروری تھی اور رہنمائی کی تکمیل کے لئے قرآن مجید نازل ہوا۔ نزول قرآن کے وقت عرب کی حالت دنیا کی بدترین سماجی حالت تھی۔ چونکہ حضور ﷺ کی نبوت عرب میں ہوئی ۔ اس لئے قرآن پاک کی بھی زبان عربی ہے۔ کلام فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ اور انسانیت کی رہنمائی کے لئے مکمل ترین ہدایت نامہ ہے۔ تمام علوم جن کا تعلق انسانیت سے ہے ان کا ذکر اور اصولی رہنمائی اس میں موجود ہے۔ ”مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ“ ترجمہ: ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (سورۃ انعام، آیت 38)۔ کیونکہ آخری ہدایت کا پیغام ہے اس کو سمجھنے کے لئے علوم کی ضرورت ہے تا کہ اس کی تشریح وتوضیح کی جا سکے، بالخصوص غیر عرب اقوام کے لئے اس کا ترجمہ اور تفسیر، تشریح یا تاویل بہت اہم ہے تا کہ پیغام کے مقصد سے آگاہ ہو سکیں۔ قرآن پاک چونکہ ہدایت کا پیغام تھا، جس ذات اقدس ﷺ پر نازل ہوا اس نے اس کا روز اول سے پورا اہتمام کیا۔ حفظ یعنی زبانی یاد کیا گیا اور اسے تحریر میں بھی لایا گیا۔ تحریر کی صورت ابتدائی تھی بہر حال جو موجود تھی اسے استعمال کیا گیا۔ صحابہ کرام جو تحریر کر سکتے تھے ان میں ایک جماعت اس کام کے لئے مختص تھی چونکہ موجودہ کاغذ کا وجود نہیں تھا اس لئے پتھر کی سلوں، چمڑے کے ٹکڑے، کھجور کے پتوں، درختوں کے چوڑے پتوں، بانس کے ٹکڑے، جانوروں کی ہڈیوں پر تحریر کیا جاتا اور مختلف افراد کے پاس آیات تحریر تھیں۔ اکثر صحابہ کرام کو یاد تھیں کیونکہ اس وقت چیزوں کو یاد کرنے کا رواج زیادہ تھا۔ عربوں کو بالخصوص اپنی یاداشت پر ناز تھا۔ طویل قصیدے، ہزاروں اشعار، نسب نامے ازبر یاد ہوتے تھے اور یاد پر سب

سے زیادہ بھروسہ کیا جاتا تھا۔ ابتداء میں اسی وجہ سے زیادہ زور حفظ قرآن پر تھا۔ عربوں کے لئے اس کا حفظ کرنا کتابت کے مقابلہ میں بہت آسان تھا اس لئے اکثر صحابہ کرام حافظ قرآن تھے۔ مساجد کی حیثیت ایک سماجی مرکز کی تھی جہاں تعلیم بھی دی جاتی اور اس میں حفظ قرآن کا خصوصی اہتمام کیا جاتا۔ جب جنگ یمامہ میں بہت سارے حفاظ قرآن شہید ہو گئے اور بڑھتی ہوئی اسلامی سلطنت میں حفاظ کرام مختلف اطراف میں جذبہ جہاد کی وجہ سے مدینہ شریف سے منتشر ہو رہے تھے تو تدوین قرآن کا حکومتی سطح پر اہتمام ہوا۔ یہ ذمواری سب سے اہم کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی اور یہ کام خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں سرانجام پایا۔ حضرت زید بن ثابت رض اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ ان کے پاس تقریباً سارا قرآن مجید لکھا ہوا تھا اس کے باوجود ہر آیت کو دو افراد کے ذریعے تصدیق کر کے لکھا گیا اور اسے ایک حکومتی دستاویز بنا کر خلیفہ وقت کے سپرد کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو لہجہ قریش پر سرکاری طریقہ سے تمام گورنروں کو ایک ایک نسخہ (کاپی) ارسال کر دیا تاکہ اس کو ایک حکومتی اور سرکاری دستاویز بنا کر رکھا جائے۔ آج تک دنیا میں وہی نسخہ استعمال ہو رہا ہے۔ استعمال میں یگانت کے لئے اور اندازِ قرأت کے لئے باقاعدہ تجوید کا فن اور علم ایجاد ہوا۔ قرآن مجید کی برکت کی وجہ سے خطاطی، علم صَرف، علم نحو، فصاحت و بلاغت، علم فقہ، اصول فقہ، علم تفسیر اور اصول تفسیر وجود میں آئے اور پھلے پھولے۔

نزول قرآن:۔

مکمل قرآن مجید کا نزول مکہ شریف اور مدینہ شریف میں تقریباً بائیس سال کے عرصہ میں ہوا اس کا ایک بہت بڑا فائدہ اس کی حفاظت، تدوین اور اس پر عملی زندگی میں تطبیق، مسلمانوں کے حالات و واقعات کے مطابق رہنمائی اور اسی طرح کے حالات کے لئے مستقبل میں انسانیت کی رہنمائی کی سہولت میسر آئی۔ قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت، اعلیٰ بیانی اس طویل عرصہ میں اہل عرب کے لئے ایک بڑا چیلنج رہی اور بالآخر ایک معجزہ اور کلام خداوندی ماننے پر مجبور ہو گئے۔ وحی کی ابتداء مکہ شریف میں ہوئی جب آپ ﷺ چالیس برس کے تھے اور پہلی آیت روایت کے مطابق ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ'' ہے جو کہ رمضان المبارک کے ماہ میں نازل ہوئی۔ نزول وحی کی کیفیت کتب حدیث اور سیرت میں درج ہے چونکہ غیر معمولی کلام کا جب نزول ہوتا تو آپ ﷺ کی کیفیت مختلف ہو جاتی، چہرہ انور سردیوں میں بھی پسینے سے شرابور ہو جاتا، کپکپی طاری ہو جاتی، چہرہ مبارک زرد پڑ جاتا، آپ ﷺ کو بہت زیادہ بوجھ محسوس ہوتا تھا، اس قدر بوجھ ہوتا کہ سواری بھی بیٹھ جاتی اور وحی کی کیفیت و آواز بعض اوقات گھنٹیوں اور کبھی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آتی۔ کیفیت ختم ہونے پر آپ ﷺ پر جو القاء ہوتا، وہ سارا یاد ہوتا تھا اور وہ آپ ﷺ صحابہ کرام کو بتاتے اور تحریر کا حکم فرماتے تھے۔

موقع یا شان نزول:۔

آیات کے موقع نزول کو تمام صحابہ کرام نے اہتمام کے ساتھ یاد رکھا اور اپنے درس و تدریس میں دوسروں تک پہنچایا۔ نزول کے لحاظ سے کچھ سورتیں مکمل طور پر مکہ شریف میں نازل ہوئیں۔ ان کے مضامین اس وقت کے حالات کی ضرورت کے مطابق تھے اور کچھ سورتیں مدینہ شریف میں نازل ہوئیں۔ان کے مضامین و احکام اس وقت کے حالات ضرورت کے مطابق ہیں اور کچھ آیات کبھی مدینہ شریف اور کبھی مکہ شریف میں نازل ہوئیں جس کو جس سورت میں حضور ﷺ لکھنے کا حکم فرمایا وہیں تحریر کر دیا گیا۔ خواہ وہ سورت مکی تھی یا مدنی تھی۔ بالعموم ہجرت کے بعد نازل ہونے والی آیات مدنی کہی جاتی ہیں اگرچہ ان کا نزول مدینہ شریف سے باہر دوران سفر بھی ہوا ہو۔ کچھ سورتیں ویسے واقعات و قصص کی صورت میں نازل ہوئیں جن کا کسی خاص واقعہ سے تعلق نہیں تھا اس لئے ان کا خصوصی شان نزول نہیں ہے۔ علم تفسیر میں شان نزول کی ایک خاص اہمیت ہے جو تفسیر کے لئے بہت اہم ہے۔ اسلام جب جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکل کر پھیلا تو مسلمانوں کی اکثریت غیر عرب تھے جن کے لئے قرآن مجید عربی زبان میں تھا۔ معانی اور مفاہیم کے لئے رموز واوقاف متعین کئے گئے تا کہ اسی انداز میں تلاوت کی جائے غیر عربی کے لئے آسانی بھی ہو، ان کی تفصیل تقریباً ہر قرآن پاک کے نسخہ میں لکھی جاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ پر جتنا بھی قرآن مجید نازل ہوتا اسے صحابہ کرام کو بتاتے اور یاد کراتے اور اس سال جتنا بھی قرآن مجید نازل ہو چکا ہوتا تھا اسے ماہ رمضان میں آپ دہراتے تھے۔ آپ نے آخری سال رمضان مبارک میں دو دفعہ قرآن مجید کا ختم فرمایا اور آج بھی مساجد میں دوران رمضان ایک دفعہ مکمل قرآن مجید پڑھ کر ختم کیا جاتا ہے۔ تیس پاروں کی تعیین اسی مقصد کے لئے کی گئی تا کہ رمضان میں پڑھا جائے اور حفظ و تدریس میں بھی آسانی ہو پھر اس میں غیر عرب افراد کی سہولت کے لئے ہر پارہ کو اس کے چوتھائی جز کے لحاظ سے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا اور پھر مضامین کے لحاظ سے آیات کی تعداد پر رکوع متعین کئے گئے۔ رکوع کی علامت حرف عین 'ع' جس میں اس رکوع کا پارہ سے تعلق، پھر اس سورت سے تعلق، اور پھر عدد آیات کا ذکر ہوتا ہے، ہر پارہ یا جزء میں رکوع ہیں تا کہ حفظ اور حوالہ دینے میں آسانی ہو۔ صحابہ کرام ہفتہ (سات دنوں) میں قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر تھی، جسے منزل کہتے ہیں۔ قرآن پاک سات احزاب یا منزلوں پر مشتمل ہے۔ اب بھی یہی منزل کی تقسیم اہل عرب کرتے ہیں جب کہ غیر عرب (پاک و ہند) رکوع اور اجزاء کا استعمال کرتے ہیں۔ ایشیاء میں روایت کوفی (عاصم) میں عمومی طور پر اور مراکش، الجزائر، تیونس اور مغربی لیبیا اور اندلس میں روایت ورش کی قرأت متداول ہے اور المغرب العربی کی کتابت کے چند حروف میں نقطہ مختلف ہے، عالمی طور پر روایت کوفی متداول ہے۔

آداب و حقوق:۔

اس کو اللہ کا کلام سمجھ کر محبت کے ساتھ پڑھنا چاہیے، پڑھنے میں جلدی کی بجائے آرام کے ساتھ الفاظ ادا کئے جائیں اور ان پر غور کیا جائے۔ پڑھتے وقت اگر وضو ہو تو بہتر ہے ورنہ بغیر وضو کے بھی تلاوت کی جاسکتی ہے۔ پڑھنے سے پہلے ''اَعوذ باللہ'' پڑھ کر شیطان سے پناہ مانگنی چاہیے اور کلام الٰہی کا یقین کر کے پڑھا جائے۔ ہر اچھے کام کی ابتداء اللہ کے نام ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' سے ہونی چاہیے۔ تلاوت قرآن پاک بہت ہی مقدس کام ہے اس لئے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ پڑھنے سے پہلے منہ کا صاف ہونا ضروری ہے، کیونکہ اس قدر مقدس کلام بدبو والے منہ کے ساتھ پڑھنا ادب کے خلاف ہے۔ اگر خوشبو لگا لیں تو بہتر ہے۔ قرآن مجید جس میں سب سے زیادہ عربی زبان میں قرآن تحریر ہو اس کو بغیر وضو کے ہاتھ نہیں لگانا چاہیے بلکہ وضو کے ساتھ ہاتھ لگایا جائے۔ اگر کور یا غلاف چڑھا ہوا ہے تو اسے ہاتھ لگایا جاسکتا ہے اور پکڑا بھی جاسکتا ہے۔ قرآن مجید کو تمام کتابوں کے اوپر رکھنا چاہیے کیونکہ اعلیٰ کلام اعلیٰ درجہ پر ہونا چاہیے۔ آخرت میں کامیابی کے لئے رہنما سمجھنا اور یقین کرنا ضروری ہے۔ تلاوت کے وقت دوسروں کی ضروریات یا آرام کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ تلاوت کوئی مشکل پیدا نہ کرے۔ تلاوت اگر بلند آواز میں ہو رہی ہو تو اس کو نہ سننا یا درگذر کرنا ادب کے خلاف ہے اور گناہ ہے۔ اس لئے بلند آواز میں تلاوت کرنے سے پہلے ان امور کو دیکھنا ضروری ہے۔ حضور ﷺ جب رات کو گھر نماز میں تلاوت فرماتے تو ساتھ بیٹھا آدمی واضح طور پر نہیں سن سکتا تھا (روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مسند الشامین للطبرانی / روح المعانی)۔

قرآن مجید کے حقوق میں سب سے اہم، توجہ سے پڑھنا اور سننا اور اس پر غور و فکر کرنا ہے۔ آیت مبارکہ ہے '' اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰى قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا'' ترجمہ: کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں کو تالے لگے ہوئے ہیں (سورۃ محمد، آیت 24)۔ محض پڑھنا ہی کافی نہیں، غور و فکر کرنے کے بعد اس کے احکام پر عمل اور ممنوعہ امور سے بچنے پر ہی نجات و کامیابی کا دارومدار ہے۔ اس کے کلام الٰہی ہونے کا یقین اور تمام انسانیت کی دنیا و آخرت میں کامیابی کا واحد ذریعہ پر یقین رکھنا لازم ہے۔ اس کے پیغام کو دوسروں تک اس انداز میں پہنچایا جائے کہ وہ اسے قبول کریں اور اس پر عمل کر کے دوسروں کو عمل کرنے کی اور کامیابی سے ہمکنار ہونے کی ترغیب دی جائے۔

تفسیر:۔

تفسیر کے معنی کسی چیز کو کھولنا، واضح کرنا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ کے معانی و مطالب کو بیان کرنا تفسیر کہلاتا ہے۔ جہاں یہ معنی واضح نہ ہوں اور اپنی رائے شامل کرنا پڑے اس کو تاویل کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی وضاحت یعنی تفسیر کے لئے نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا فرمائی تھی۔ قرآن مجید کی شخصی و ذاتی وضاحت کے لئے حدیث مبارک میں سخت وعید آئی ہے کہ اگر کسی نے ذاتی آراء کو قرآن مجید کے ذریعہ بیان کیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اس لئے تفسیر کے لئے ضروری

ہے حدیث نبوی سے رہنمائی لی جائے یا پھر دربارِ نبوتﷺ سے فیض یافتہ صحابہ کرام کی وضاحت کو مشعل راہ بنایا جائے۔ جہاں کوئی واضح تشریحات موجود نہ ہوں وہاں اس طرح کے انداز میں تشریح و تاویل کی جاسکتی ہے جو علماء نے کی ہے۔

جدید علوم اور سائنسی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات و مسائل کے لئے رہنمائی قرآن مجید میں موجود ہے۔"وَ لَا رَطۡبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ"، ترجمہ: کوئی خشک اور تر چیز نہیں جو واضح کتاب (مبین) میں نہ ہو (سورۃ انعام، آیت 59)۔ موجودہ دور کی ضروریات، علم الاشیاء میں سائنسی تحقیقات اور ان کی وجہ سے نظام زندگی اور انداز زندگی میں جو تبدیلی آئی ہے وہ ایک حقیقت ہے۔ لہٰذا ان حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ قرآن مجید کی ہدایت کی روشنی میں ان کو مزید خوبصورت بنایا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف ایک بڑا چیلنج موجودہ دور کے مسلم نوجوانوں میں یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے وہ مغربی دنیا کے افکار سے مرعوب ہیں اور مسلمانوں کی موجودہ علمی پسماندگی کی وجہ سے مغربی اہل علم کے افکار کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی اور جدید سائنسی نظریات میں تنوع پایا جاتا ہے جو ذرائع تحقیق میں تبدیلی کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے۔ طبعیات انتہا، مابعد الطبعیات کی ابتداء ہے جو کہ قرآن مجید کا ایک خصوصی موضوع ہے۔ اس لئے ان جدید نظریات کو کلام الٰہی کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے اور اسی میں انسانی مسائل کا حل موجود ہے۔ کلام الٰہی معانی و حکمت کا سمندر ہے، جس میں غوطہ زن اپنی بساط و ہمت کے مطابق موتی چن کر نکالتا اور بساط علم و حکمت پر سجا دیتا ہے اور یہ سلسلہ انسانی زندگی کے ساتھ چلتا رہے گا۔

ان حقائق کے پیش نظر اس بات کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کے جدید علوم کی روشنی میں تفاسیر سامنے آئیں جو نہ صرف نوجوانوں کی علمی تشنگی کی سیرابی کریں بلکہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیں اور موجودہ دور کے مسائل کا خوبصورت حل بھی پیش کریں اور اس پر عمل کرنے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کا سبب بنیں۔ یہ تفسیر و تاویل بھی انہی مقاصد کے پیش نظر کی گئی ہے، ترجمہ قرآن مستند علماء کے تراجم سے مأخوذ ہے۔ امید ہے ہمارے علماء جدید علوم اور ہمارے سائنسدان، قرآنی تعلیمات و ہدایات سے مسلح ہو کر اس میدان میں اُتریں گے اور اس کمی کو پورا کردیں گے۔

ع صلائے عام ہے یاران نقطہ داں کے لئے

تمام احباب جنھوں نے اس کام میں رہنمائی یا مدد فرمائی، ان کے ذکر و شکریہ کے بغیر بات نامکمل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آخر میں اہل علم و فضل سے استدعا ہے کہ وہ اس میں زبان و بیان سے لے کر توجیہ و تاویل تک جو خامی یا کوتاہی محسوس کریں، اس سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اصلاح کر کے اسے مزید بہتر بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرما کر نافع انام بنائے اور مزید توفیق و مرضیات سے نوازے۔

آمین یا رب العالمین وصلاۃ علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر الخلق **محمد حفیظ ارشد** غفرلہُ الصمد

ڈی ایچ اے، فیز-۲، اسلام آباد

۱۲ ربیع الاول ۱۴۴۰ ھجری

بمطابق 21نومبر2018عیسوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین

سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر	سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	فہرست			32	بے ادبی جرم ہے	104	
2	عرض مفسر			33	منسوخی احکام	106	
3	**سورۃ الفاتحہ**			34	خیر ضائع نہیں ہوتی	110	
4	تعوذ/تسمیہ			35	دعائے ابراہیمی	129	
5	تعارف فاتحہ			36	تربیت اولاد	132	
6	مغضوب و گمراہ	7		37	اعمال کی جواب دہی	134	
7	**سورۃ البقرہ**			38	اللہ کا رنگ	138	
8	تعارف			39	**دوسرا پارا**	-	
9	حروف مقطعات	2		40	کعبہ کی عمارت	143	
10	متقین کے اوصاف	3		41	حقیقی خوف	150	
11	اہل ایمان کی خصوصیت	4		42	انداز ذکر	152	
12	کفر کی کیفیت و وجہ	7		43	ذکر کا انعام	152	
13	منافقین	9		44	صبر	153	
14	فساد کے اسباب	12		45	مقام شہادت	154	
15	کردار	14		46	دعا اور صبر کا نتیجہ	157	
16	اقرار	14		47	مقام غور و فکر	164	
17	دوزخ کی آگ کا ایندھن	24		48	اصلی اور نقلی محبت	165	
18	جنت کی زندگی	25		49	حلال کمائی	169	
19	خلافت الٰہی	30		50	تقلید اور تحقیق	170	
20	انسانی تاریخ	36		51	نیکی اور بر	177	
21	ابلیس	39		52	اسلامی معاشرہ کے اصول	177	
22	حق کی بات	42		53	قانون قصاص	179	
23	علم و عمل	46		54	وصیت کے اصول و طریقہ	182	
24	انسانی فضیلت	47		55	روزہ کی حکمت	183	
25	شق دریا	50		56	سحری اور وقت سحر	187	
26	تاریخ اور واقعات	52		57	اعتکاف	187	
27	انسانی فلاح	84		58	اسلامی اصول حرب/جنگ	190	
28	حسد کی مرض	93		59	فریضہ حج	197	
29	وحی کی حفاظت	99		60	مقام عرفہ	198	

30	جادو ایک تجزیہ	102		61	اخراجات حج	198	
31	بچنے کا طریقہ	102		62	بہترین دعا	201	

فہرست مضامین

سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر	سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر
63	انسانی صفات کا تجزیہ	204		94	بڑی نعمت	269	
64	اختلاف کیسے اور کیوں؟	213		95	نذر و منت	270	
65	جنت کا حصول	214		96	صدقہ دینے کا طریقہ	271	
66	نیکی کا معیار و مقدار	215		97	غیر مسلموں کے لئے صدقہ	272	
67	جہاد (جنگ) اور دفاع	216		98	ضرورت منداور گداگر	274	
68	حرمت خمر (شراب)	219		99	سود کی تعریف	275	
69	قسم کھانا	224		100	صدقات کی برکت	276	
70	حقوق نسواں اور اسلام	228		101	خدا سے جنگ	279	
71	غیر طریقہ طلاق	229		102	اسلامی بنکنگ	278	
72	رضاعت	233		103	اسلام کے مالی وحسابی اصول	282	
73	حکمت مدت عدت	234		104	بیع مؤجل وسلم	282	
74	طلاق کے بعد کے معاملات	237		105	عورتوں کی گواہی	282	
75	صلوٰۃ وسطیٰ	238		106	رہن کے احکام	283	
76	اللہ کو قرض دینا	245		107	اہم دین کے عقائد	285	
77	لیڈر کی اہلیت	247		108	اصول عدل	286	
78	**تیسرا پارہ**	253		109	**سورۃ آل عمران**		
79	واحدانیت وتخلیق	255		110	تعارف		
80	علم اور کنٹرول	255		111	تورات	3	
81	قدرت ووسعت	255		112	انجیل	3	
82	انسانی آزادی	256		113	فرقان	3	
83	مضبوط سہارا	256		114	محکم ومتشابہات	9	
84	نور خدا	257		115	راسخین فی القلم	9	
85	جستجوئے حق	260		116	دلوں کا پھرنا اور استقامت	9	
86	روح کا تعلق	260		117	اسلام کا غلبہ اور کفار	12	
87	خرچہ کہاں کیا جائے	261		118	نصرت خداوندی	13	
88	صدقہ کا فلسفہ	262		119	خواہشات نفس کی حقیقت	14	
89	اچھی بات	262		120	جنت کی زندگی	17	

سیریل	موضوع	آیت نمبر
90	ریا کا نقصان	264
91	صدقہ ذریعہ تسکین	265
92	اچھا عمل	266
93	مال اور صدقہ کا معیار	268
121	جنت عظیم نعمت	17
122	جنتی کی صفات	17
123	پسندیدہ دین	19
124	اللہ کا حساب	19

فہرست مضامین

سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر
125	معیار عزت	26	
126	دعا برائے قرض	26	
127	خارجہ پالیسی کے اصول	28	
128	انسانی جان کا تحفظ	28	
129	انسانی اعمال کا مرکز ومحرک	30	
130	اللہ سے محبت کا معیار	32	
131	انبیاء کی فضیلت	34	
132	لڑکا یا لڑکی	35	
133	رہبانیت	36	
134	تعلیم وتربیت اولاد	41	
135	دعا کا مقام اور وقت	41	
136	حضرت یحییٰ کا مقام	41	
137	حضرت مریم کا مقام	42	
138	فیصلہ کا انداز	44	
139	حضرت عیسیٰ کا مقام	45	
140	حضرت عیسیٰ کے معجزات وتعلیم	51	
141	حضرت عیسیٰ کے خلاف یہود کا مکر	52	
142	حضرت عیسیٰ اور ماننے والے	55	
143	حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ	59	
144	واقعہ مباہلہ	61	
145	مباہلہ کے بارے شبہات	61	
146	ممکنہ اتحاد وبقائے باہمی	64	
147	دین میں تصرف شخصی	64	

سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر
155	انبیاء کا احترام اور اسکی حدود	78	
156	بشر پرستی کا خطرہ	79	
157	میثاق انبیاء	81	
158	کائنات کی اطاعت اور انسان	83	
159	گمراہی پر اصرار کا انجام	85	
160	اصلاح وتوبہ	88	
161	بدبخت وگمراہ	91	
162	**چوتھا پارہ**	92	
163	درجہ کمال نیکی میں	92	
164	حرام وحلال کھانے میں یہود کا طریقہ	93	
165	خانہ کعبہ کی عظمت	96	
166	فرضیت حج	97	
167	اسلام دشمنی	100	
168	صراط مستقیم	101	
169	تقویٰ	102	
170	اتحاد امت ضرورت	103	
171	بین الاقوامی نقطہ اتحاد	103	
172	اختلاف کی نوعیت واہمیت	103	
173	حق پر کون	103	
174	فلاح معاشرہ	104	
175	اہمیت وضرورت اصلاح	104	
176	طریقہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر	104	
177	فرقہ بازی اور اختلاف	105	

148	حضرت ابراہیم اور اہل کتاب	67		178	مجرم کی پہچان	106	
149	یہود کی ہٹ دھرمی	71		179	انسان کا ظلم اس کے نفس پر	108	
150	موجودہ حالات	73		180	بہترین امت (خیر الامم)	110	
151	یہود کا اخلاق	75		181	بھلائی/نیکی کا بدلہ	114	
152	اسلامی معاشرہ اور اخلاق	76		182	احوال کفر	117	
153	بدعہدی کی سزا	77		183	کفار کے تعلقات	119	
154	اللہ پر جھوٹ باندھنا	78		184	تجارتی وانتظامی معاملات	120	

فہرست مضامین

سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر	سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر
185	قومی دفاع وحفاظت	120		215	خیانت اور اسلامی معاشرہ	161	
186	غزوہ احد	122		216	خیانت کی سزا	161	
187	غزوہ بدر صبر وتقویٰ	123		217	خیانت کے اثرات	162	
188	فرشتے	125		218	اللہ کے ہاں درجات	163	
189	مددربانی کی شرائط وصورت	126		219	شان نبوت اور احسان خداوندی	164	
190	سود کی ممانعت	130		220	نجاعت کا ذریعہ	166	
191	خوشحالی کا تصور اور سود کی سزا	130		221	مصیبت کا سبب	167	
192	اطاعت رسول	132		222	موت اور زندگی	167	
193	نیکیوں میں مسابقت	133		223	حیات شہداء	169	
194	جنت	133		224	جذبہ ہمت اور کامیابی	173	
195	متقی اور محسنین کا مقام	136		225	تقویٰ	172	
196	سیاحت اور تاریخ امم	137		226	احسان	172	
197	غزوہ احد	140		227	توکل	172	
198	کامیابی کی شرائط	139		228	خوف	172	
199	آزمائش	141		229	آزمائش کیوں؟	179	
200	جنت کی طلب	142		230	علم غیب اور انبیاء	179	
201	محبت اور نفاق	143		231	درجات علم	179	
202	مسلمان کا مشن	145		232	بخل اور اس کے نقصانات	180	
203	دنیا وآخرت کس کی ترجیح	145		233	یہود کے اعمال کا نتیجہ	182	
204	کامیابی کیسے	146		234	موت اور بعد از موت	186	
205	کامیابی سے ناکامی کی طرف	153		235	زندگی آزمائش ہے	186	
206	صحابہ پر عتاب نہیں/آزمائش	155		236	مخالفین کا عمل اور ردعمل	186	

207	موت کا ایک دن معین	155	237	خود پسندی کا عمل	188
208	سکینت خداوندی	155	238	کائنات میں غور وفکر	190
209	مقام صحابہ	155	239	تخلیق کائنات اور اسلامی نظریہ	190
210	درگذر کی برکت	159	240	اہل بصیرت کی خصوصیات	191
211	مشورہ کی ضرورت	159	241	جنسی مساوات	195
212	اسلامی لیڈر شپ	159	242	اعلیٰ اعمال	195
213	توکل	160	243	شان وشوکت	195
214	کامیابی کا راز	160	244	کامیابی کا راستہ	198

فہرست مضامین

سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر	سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر
245	صبر	200		275	عورت ومرد کی وراثت	12	
246	ثابت قدمی	200		276	وصیت اور قرضہ کے اصول	12	
247	مستعدی	200		277	اعمال فاحشہ	16	
248	خوف خدا	200		278	حرمت نکاح	23	
249	**سورۃ النساء**	-		279	اسباب حرمت	23	
250	تعارف			280	**پانچواں پارہ**	24	
251	انسانی قرابت داری	1		281	جنگی قیدی خواتین سے نکاح	24	
252	اسلامی نظریہ تخلیق انسانی اور سائنس	1		282	احکام میں مساوات	25	
253	صلہ رحمی	1		283	احکام اور انسانی نفسیات	28	
254	یتیموں کے حقوق	2		284	اسلامی تجارتی اصول	30	
255	نابالغ کا نکاح	3		285	ہلاکت جان ومال	30	
256	تعدداز واج	3		286	انحراف کی سزا	30	
257	تعدداز واج وجدید نظریات	3		287	اصلاح معاشرہ	32	
258	تعدداز واج کا تجزیہ	3		288	مساوات انسانی اور جدوجہد	32	
259	پولنڈری	3		289	عائلی نظام کا اصول	35	
260	تعدداز واج اور نبی	3		290	مسائل کے حل کا طریقہ کار	35	
261	اسلام کے خلاف شبہات کا ازالہ	3		291	معاشرتی حقوق	38	
262	غلام خواتین نکاح	3		292	حقوق والدین	38	
263	ادائیگی مہر جاہلیت میں	4		293	تکبر کی مرض	38	
264	اسلامی تحفظ اموال	5		294	بخل	38	

265	تجارتی بنیادوں پر سرمایہ کاری	5		295	انبیاء کی گواہی	42	
266	شفافیت	5		296	اعمال کی پستی	42	
267	والی یا ٹرسٹی کا معاوضہ	6		297	عبادت کا اہتمام	43	
268	اصول نگہداشت	6		298	یتیم	43	
269	قوانین تحفظ	6		299	احترام خابنی	47	
270	اصول وراثت	8		300	گناہ عظیم	48	
271	معاشی تفریق کا ازالہ	8		301	خودسرائی کا دعویٰ	52	
272	یتیموں کی حفاظت	10		302	ذاتی اغراض کے لئے حق کو چھپانا	52	
273	احکام وراثت اور عورتوں کی اہمیت	11		303	حسد اور اس کا علاج	55	
274	حقوق واجت الاداقبل میراث	11		304	کھال کا جلنا و نکلنا	57	

فہرست مضامین

سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر	سیریل	موضوع	آیت نمبر	صفحہ نمبر
305	امانت کی ادائیگی	58		335	قبولیت کے لوازمات	126	
306	غیر اہل کو منصب پر بٹھانا	58		336	عدل کی اہمیت	135	
307	عدل کی اہمیت	58		337	گواہی کی نصیحت	135	
308	قیاس واجتہاد کی اہمیت	59		338	منافق کی نفسیات	143	
309	قانون کی عملداری	59		339	معافی کی اہمیت	149	
310	جمہوری رائے کا اظہار	59		340	انبیاء پر ایمان	151	
311	والی امور کون؟	59		341	یہود کی عہد شکنی	155	
312	توبہ کس طرح قبول ہوگی	64		342	عیسیٰ علیہ السلام یہودیت ومسیحیت	159	
313	شہید وصالح	69		343	غلو	171	
314	جماعت کی اہلیت	74		344	غلو کی ممانعت	171	
315	کمزور کی آہ و پکار	76					
316	جنگ کس مقصد کے لئے	76					
317	فریب کا مقابلہ	76					
318	دنیا آخرت کیوں	79					
319	دنیا مکافات عمل	79					
320	لیڈرشپ اور فراخدلی	82					
321	لیڈر کا فیصلہ اور عمل	84					
322	بھلائی کی ترغیب	85					

323	سفارش کیوں اور کس قدر	85
324	علامات کافی ہیں	94
325	ہجرت کیوں	100
326	نماز جنگ	102
327	احتیاط لازم ہے	102
328	نماز کی اہمیت	104
329	انصاف کی اہمیت	108
330	خائن سے برتاؤ	109
331	انصاف کے اصول	113
332	اجماع امت کی اہمیت	115
333	اشیاء کا استعمال	121
334	عمل کی اہمیت	126

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمُ

''پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے''

تعوذ:۔

قرآن کریم کی تلاوت ایک مقدس کام کی ابتداء کے لیے صاحب کلام خالق کل کی پناہ ضروری ہے تاکہ شیطانی وسواس جومختلف اشکال میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، سے چھٹکارا پایا جا سکے۔

حضورﷺ جب نماز ادا کرتے ،تکبیر کے بعد فرماتے ''اعوذ باللہ من السمیع العلیم من الشیطان الرجیم (من ھمزہٖ و نفخہٖ و نفثہٖ'' ۔ میں پناہ مانگتا ہوں جو سب سے بڑا جو سننے والا اور سب سے بڑا جاننے والا ہے۔اس شیطان سے جو راندہ درگاہ ہے(اس کی حرکات سے اس کی پھونک اور اسکے اثر سے)۔(بحوالہ صفوۃ التفاسیر، اصحاب السنن)

یہ ادب اور احترام توجہ اور انہماک کی ابتدا ہے۔قرآنی آیات کا حصہ نہیں بلکہ ایک اہتمام کا اقرار اور ابتدا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تسمیہ:۔

سورت کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے نام سے کی گئی ہے۔سورۃ فاتحہ اور تمام سورتوں کی ابتدا ''بسم اللہ'' کے ساتھ کی گئی ہے جو کہ سورتوں کے درمیان ایک فاصل (علیحدہ کرنے والا) ہے۔اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفات کا ذکر ہے اور اس میں ''الرحمٰن''اور ''الرحیم''۔

ہر کام کوشروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کا ذکر اسلامی معاشرت کا حصہ ہے جس کا مقصد اس الرحمٰن اور الرحیم کی ذات کا سہارا اور اس کے احسانوں کا اقرار ہے۔حروف کی تعداد ۱۹ ہے جو طاق ہے اور قرآن حکیم کے مطابق دوزخ کے ۱۹ داروغے (حفاظت پر متعین فرشتے ہیں) حضورؐ ہر کام سے پہلے ''بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیاً فی الارض ولا فی السماء'' (اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کی وجہ سے زمین پر کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی اور نہ ہی آسمان میں دے سکتی ہے)۔ فرمایا کرتے تھے۔اس میں تین اللہ کے نام ایک ذاتی ''اللہ'' اور دوصفاتی ''الرحمٰن''اور ''الرحیم''شامل ہیں۔

''اللہ'' کا لفظ اسم ذاتی ہے۔حضرت عبدالقادر جیلانی بحوالہ تفسیر انوار القرآن واسرار الفرقان (جلد اول، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت،۲۰۱۳ء) یہ اسم اعظم ہے بشرطیکہ انسان کا دل اللہ کے سوا سے خالی ہو جب کہہ رہا ہو اور عاشقان خدا کے لیے تریاق ہے۔جس سے ان کے دل دنیا کے رنج اور آخرت کے غم سے بے باک ہو جاتے ہیں۔اللہ کا لفظ اور اس کے

اسرار۔ا۔ل۔ل۔ہ۔سارے اس کی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس لیے یہ ذکر اور اذکار میں اساسی حیثیت رکھتا ہے۔

"الرحمن" صوتی بناوٹ کے لحاظ عظیم ہے اور معانی کے لحاظ سے بھی عظیم تر ہے۔اس کا مادہ (اصل) رحمت سے ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بڑائی بیان فرماتا ہے۔رحمٰن میں اس کی رحمت ہر ایک کو محیط ہے اور اگر اس کا تعلق رحم (ماور رَحَم) سے ہو تو بھی رحمت ہے کہ ماں سراپا رحمت ہے اور اس کا رحم، رحم کا گھر ہے جہاں سے انسانی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔رحمان کی رحمت نے ساری کائنات کو گھیر رکھا ہے۔امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رحمان کے تصور سے آدمی قدرت کے انوار کے حقائق میں گم ہو جاتا ہے اور الرحیم سے پھر بقا پاتا ہے۔اس کائنات کا وجود جو ہمیں معلوم اور ہماری معلومات سے ماورا ہے۔اس کی رحمانیت کا اظہار ہے کہ اس کی رحمت نے سب کو وجود دیا قوام بخشا۔اسکا یہ کرم ہر ایک پر جو اس کو جانتا ہے یا مانتا ہے۔اس کو نہیں جانتا یا نہیں مانتا سبھی کو شامل ہے۔ رزق، زندگی، رہائش اور سہولیات اس کی رحمانیت کی مرہون منت ہیں۔ چرند، پرند، جمادات ونباتات، پانی وہوا، زمین وآسمان، سورج، ستارے، سیارے اور یہ نظام کائنات اس کی اس رحمت اور رحمانیت کا مظہر ہے۔

الرحیم بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔اس کا مادہ بھی رحمت یا رحم ہے لیکن رحمان اور رحیم میں الف اور ي کی تبدیلی نے رحمت کے رخ کو ذرا موڑ دیا ہے۔الف کی اُٹھان جو رحمان میں تھی وہ رحیم (مـ) کے دائرہ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور رحمت بے پایاں پھر اس موقعہ پر محدود کر دی جاتی ہے۔رحمان بھی رحمت عوام اور کل کے لیے ہے اس میں اس کی کارکردگی یا کارگزاری وجہ رحمت نہیں بلکہ اس کی ذات کی عنایت ہر ذرے کو شامل ہے۔لیکن الرحیم میں اس نے ان کی کارکردگی اور کارگزاری کو شامل کر دیا لہٰذا اس کی تابعدار مخلوق پر عنایت خصوصی کا اظہار ہے، بالخصوص مومنین پر اکرام ہے۔

"بسم الله" اللہ کا کلام ہے اور قرآن مجید میں آیت ہے لیکن سورتوں کے درمیان ایک فاصل کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس لیے احناف اور مالکیہ کے ہاں اس کو بلند آواز میں تلاوت جہری کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا۔(بحوالہ ضیاء القران۔محمد کرم شاہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ فاتحہ مکی ہے اس میں سات آیات ایک رکوع ہے۔

تعارف فاتحہ:۔

سورۃ فاتحہ بااتفاق مکی ہے یعنی مکہ شریف میں نازل ہوئی (بحوالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) ترتیب قرآن کے لحاظ سے سب سے پہلے ہے لیکن نزول کے اعتبار سے پہلے نہیں ہے۔ مکہ میں نزول کی وجہ سے نماز کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کے کئی نام ہیں جو حضورﷺ نے صحابہ کو بتائے ہیں ہیں۔ سبع مثانی بھی ہے کہ یہ سات آیات دوبار نازل ہوئیں۔

احادیث میں امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضور نے ام القرآن یعنی سورۃ فاتحہ تلاوت فرمائی اور فرمایا ''قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں جان ہے کہ توریت، زبور، انجیل اور قرآن میں اس کی مثل کوئی سورت نازل نہیں ہوئی اور یہ سبع مثانی سورت ہے اور قرآن کریم ہے جو دیا گیا ہے۔

''لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ '' (الحجر) اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ بحوالہ مسند امام احمد وموطاء امام مالک۔ (صفوۃ التفاسیر، جلد اول، شیخ محمد علی الصابونی، مکتبہ عصریہ بیروت، ۲۰۱۰ء)

حضورﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں قرآن پاک کی ایک عظیم سورت سکھا رہا ہوں وہ سبع مثانی اور قرآن کریم ہے۔ (بحوالہ طویل حدیث بخاری شریف بحوالہ صفوۃ التفاسیر) اس خوبصورت اور فصیح وبلیغ سورت جو مضامین اور معانی کا سمندر ہے کے کئی ایک عنوان یا نام ہیں جو درج ذیل ہیں۔ (۱) الفاتحہ، (۲) ام الکتاب، (۳) السبع المثانی، (۴) الشافیہ، (۵) الوافیہ، (۶) الکافیہ، (۷) الاساس، (۸) الحمد، علامہ قرطبی نے اس کے بارہ نام ذکر فرمائے ہیں۔

ایک رکوع۔ سات آیات اور الفاظ پچیس اور حروف ۱۲۳ ہیں۔ مضامین درج ذیل امور پر مشتمل ہے۔ (۱) اللہ کی تسبیح، (۲) اس کی ذات وصفات کی تعلیم۔ (۳) خالق ومخلوق کا تعلق کہ وہی رزاق ہے۔ (۴) رحمت اور خصوصی انعام کا ذکر۔ (۵) نعمتوں کے حساب وکتاب کا ذکر، (۶) اس سے مانگنے کا طریقہ۔ (۷) ہدایت کے نمونے اور ان کی اتباع۔ (۸) وہ جو مالک کے نافرمان اور راندے گئے ان سے بچنا۔ (۹) قبولیت کا سہارا خدا کی ذات کو جاننا۔

یہ سورت جس طرح اس کے مختلف ناموں سے ظاہر ہے۔ برکت کا ایک انمول نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ اس میں روحانی، جسمانی، مالی، معاشرتی بیماریوں کے علاج کے لیے موثر ذریعہ ہے۔ اس پر غور وفکر اور عمل سے برکت اور نور ملتا ہے۔ اس کی تلاوت کا ثواب دوسری آیات یا سورتوں کے مقابل زیادہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ [1:1] اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ [2:1]

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

یہ تعریف کرنے کے انداز کو اس کی ذات کی وسعت کے ساتھ ملا دیا گیا ہے کہ وہ ذات ہے جس کے لیے ہر قسم کی تمام تعریفیں، حمد وستائش جو بھی انسانی امکانات میں آسکتی ہیں اس کے لیے ہیں۔ حمد کی تعریف عربی میں ''خوبی اور ستائش جس کا اظہار ارادہ سے ہو'' ہے تو جو بھی تعریف ہے خدا کی ذات کے لیے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا کہ اس کی تعریف وثنا کی جائے اور اس کی ثنا وتعریف کیوں نہ کی جائے کہ وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

العالمین: سے مراد تمام عالم ہیں جو انسانی ادراک میں ہیں یا نہیں ہیں۔ صرف زمین پر بھی کئی عالم ہیں۔ ہر مخلوق کا اپنا ایک دائرہ کار ہے جو اس کا عالم ہے اور آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صرف زمین پر کتنی مخلوقیں آباد ہیں جن کا علم انسان کو ہے اور دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور بہت ساری مخلوقات کا علم ابھی نہیں ہوا یہ تو صرف ایک کرہ ارض کا عالم ہے۔ اس سے آگے نظام شمسی، کواکب، سیارے، کہکشاں اور کیا کیا عالم ہیں جن کا علم وادراک ابھی تک انسان کو نہیں ہوا۔ وہ اس العالمین کا حصہ ہیں۔ جن کا پالنے والا ہمارا رب العالمین ہے اور اسی لیے تمام تعریفیں۔ اس کی ذات کے لیے ہی ہیں اور یہ حمد اس کے کرم واحسان کے صرف ایک اقرار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ عالم کیسے اور کہاں کہاں وجود میں آئے ہیں۔ اس کے بارے مختلف نظریات انسانی عقل ودماغ نے اختراع کیے ہیں اور شاید آگے بھی ہوتے رہیں گے۔ اس کے نظریہ کو آجکل بگ بینگ (Big Bang) کا نام بھی دیا جاتا اور شاید علم وسائنس میں اضافہ سے مزید آگے تحقیق ہو، لیکن عالمین کا وجود اسی کے خالق کی دلیل رہے گی۔

ان جہانوں کو پالنے والے کی ذات بہت مہربان ہے۔ الرحمان مبالغہ کا صیغہ ہے جس طرح اس کے بارے میں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے ضمن تحریر کیا گیا ہے۔ الرحمان کی وسعت عالمین کی وسعت کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس قدر بھی عالم موجود ہیں اور جن کا پالنے والا رب العالمین ہے جو سب کے لیے رحمان ہے۔ اس کی محبت وعنایت اور کرم نے ان عالمین کے اندر رہنے والوں کو اپنے اندر سمیٹا ہوا ہے۔ ان عالمین کا وجود بھی درحقیقت اس کی رحمت (رحمانیت) کا مظہر ہے۔ عدم سے وجود اور پھر وجود پھر ان کو قائم رکھنا ان کو پالنا سب اس کی رحمت اور رحمانیت کی دلیل ہے۔

یہ سارا دور وہ ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں اور اسے محسوس کر رہے ہیں۔ ان عالمین کے نظام کی کامیابی اور ایک خوبصورت انداز میں کارکردگی بتا رہی ہے کہ رب العالمین نے ان کے پالنے کا سارا بندوبست کیا ہوا ہے۔

الرحیم بھی مبالغہ ہے اور اس کا مصدر بھی رحم ہے، رحمت ہے۔ مادر رحم بھی رحمت کا مظہر ہے۔ وہ جہانوں کا پالنے والا۔

جہاں سب کے لیے سراپا رحمت ہے۔اس کا حکم مانیں یا نہ مانیں، اقرار کریں یا انکار کریں۔سر جھکائیں یا اکڑائیں وہ ان کو پالنے والا ہے۔ان پر مہربانی کرتا ہے۔لیکن پھر وہ رحیم ہے نہایت رحم والا جو اس کی اطاعت کریں سر جھکائیں اس کے احکام کو مانیں کیونکہ انھوں نے حق بندگی ادا کیا ہے۔اس خصوصی مہربانی سے وہ خارج ہوں گے جنھوں نے حق ادا نہیں کیا۔اس لیے رحیم کی خصوصی رحمت مومنین اور اس کے تابعداروں کے لیے ہے۔(بالمومنین رحیما)

مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ[3:1]

مالک ہے روز جزا کا (یوم الدین)

یہ وہ دن ہے جب اس عالم کا وجود جس میں اس کی رحمانیت کا ظہور عینی وجود ہے اور ہر ایک اس پر شاہد ہے، ختم ہو جائے گا۔ یہ کائنات جس کی ابتدا اور انتہا کے بارے انسان شروع سے مختلف نظریات اپنا تا رہا ہے جو معلومات کے ساتھ تبدیل ہوتے رہے۔اسلامی نقطہ نظر تفصیلی نہیں بلکہ خالق کل نے اسے روشنی سے وجود میں لایا اور پھر اس کو اسی طرح ختم کر دے گا۔ موجودہ سائنس کو بھی اس کا ادراک ہے۔ یہ نظام جو اس کی سمجھ سے ماورا ہے کسی نہ کسی زمانی قید میں ختم ہو جائے گا کیونکہ سکڑنے کی طرف مائل ہے۔(کتاب زندگی، سلطان بشیر محمود) اور جب یہ ختم ہوگی پھر حساب وکتاب کا عمل شروع ہوگا اور یہ یوم الدین ہے۔جس طرح حضور علیہ والسلام نے فرمایا"کما تدین تُدان "جو بویا جائے گا کاٹا جائے گا۔اس دن کا مالک، حاکم، کنٹرول کرنے والا۔وہی ہے جو رب العالمین ہے وہی اس دن اپنے احکامات پر عمل کرنے کا حساب لے گا اور ہر عمل کا حساب وکتاب، انعام وسزا، انصاف کے مطابق دیا جائے گا۔ یہ یاد دہانی ہے کہ زندگی کے وقت کا صحیح استعمال کیا جائے گا تاکہ سزا سے بچ سکے۔

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ[4:1]

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

عبادت سے مراد انتہائی خضوع کی حالت ہے۔"اقصیٰ غایة الحضوع و التذلل. " یہ کیفیت اور حالت جہاں اس کا تعلق ظاہری طور پر آپ کی بدنی کیفیت سے ہے جس طرح مختلف مذاہب میں ہے لیکن اس کا گہرا تعلق عبادت کرنے والے کی ذہنی کیفیت سے ہے۔ ذہنی کیفیت ہی فیصلہ کرے گی کہ وہ عبادت کر رہا ہے۔ یا کوئی دوسرا انداز اپنا رہا ہے۔اسلام میں عبادت ایک مخصوص ذہنی کیفیت کے ساتھ مخصوص الفاظ اور حرکات کا مجموعہ ہے۔اس میں سب سے زیادہ خضوع ظاہری کیفیت سجدہ ہے۔ لیکن دوسری حرکات قیام، رکوع، قعدہ۔سب ایک حصہ ہیں جو عمومی حالت میں ہم کرتے ہیں لیکن جب تک ہماری ذہنی کیفیت میں معبود کا تصور نہ ہو۔عبادت نہیں ہوگی بلکہ ایک عام حرکت یا احترام کا اظہار ہے جو کیا جا سکے لہٰذا عبادت کے لیے جو خصوصی تعلق ہے وہ مخلوق کو خالق، معبود کا ہر عابد سے ذہنی تعلق ہے۔

زندگی کا راستہ ہمیں ''اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ '' کے ذریعہ ملتا ہے کہ اس جہاں میں زندی گزارنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے لیے خالق کی عبادت کریں اور اس سے مدد مانگیں۔ اس کے دیئے ہوئے طریقہ پر چلنا بھی اس کی ہی مدد مانگنا ہے اور اس کی عبادت ہے۔ یہ اعتراف ہے عاجزی اور اقرار اس ہستی کی عظمت کا جس کے احکام پر ہم عمل کرنے کا وعدہ کر رہے ہیں۔ بذریعہ عبادت واستقامت اور اقرار کرتے ہیں کہ اس کے غلام بن کر رہیں گے۔ آیت کی ترتیب میں حکمت پنہاں ہے کہ (ایاک) نے خصوصی کیفیت پیدا کر دی اور اس کو پہلے رکھا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عبادت کرنے والا ایک خاص کیفیت کو اپنائے اور اپنے معبود کے ہاں جب حاضر عبادت ہو تو خاص عاجزی تعلق اور عبودیت کے ساتھ حاضر عبادت ہو۔ اپنے آپ کو انوار عبادت میں گم کر دے اور دل کو اللہ کے سوا سے خالی کر دے۔

''ایاک نستعین'' میں اعانت کا حقیقی مبداء اللہ کی ذات ہے۔ اس سے مراد نہیں کہ اسباب کی نفی کر دی جائے جو اس معبود حقیقی کے پیدا کردہ ہیں اور اس کے نظام کار کا حصہ ہیں۔ کائنات کا نظام انہی اسباب پر جاری ہے۔ لہٰذا ان کا استعمال اس کی عبادت یا استقامت کی نفی نہیں بلکہ طریقہ کار کا حصہ ہے۔ نظریہ یہی ہونا ضروری ہے کہ وسائل واسباب بھی اسی کی طرف سے مہیا کردہ ہیں اور حقیقی مددگار بھی وہی ہے۔ اللہ سے دعا اور اس کے نیک بندوں سے دعا کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''**الدعا یرد القضاء**'' کہ دعا تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے اور بدلنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی وجہ اس کا یہ ارشاد ہے۔ ''**وان سئالنی لاعطینه ولان استعاذنی لاعیذه**۔'' اگر میرا مقبول بندہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور اس کے سوال کو پورا کروں گا اور اگر پناہ مانگے گا تو پناہ دوں گا۔ لہٰذا توسل کو بزرگان دین نے ایک ذریعہ قبولیت بنایا ہے لیکن حقیقی فاعل ذات باری تعالیٰ ہے۔ یہ سب اس کی عنایت کے اظہار کے ذرائع ہیں۔ ان کا استعمال فاعل حقیقی کی قدرت کا اعتراف سے انکار نہیں لہٰذا شرک کی اس پر اصطلاح کا استعمال صحیح نہیں۔ ''**ایاک نعبد وایاک نستعین**'' کے حدود کے اندر ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ [5:1]

ہمیں سیدھی راہ دکھا۔

ہدایت عربی میں ''راستے نرمی سے دکھانے'' کو کہتے ہیں۔ (**الهداية دلالة بلطف**) چونکہ وہی خالق ہے وہی پالنے والا ہے اسی کی عبادت ہے اور اسی سے اعانت مطلوب ہے تو اسی سے سیدھے راستہ کی ہدایت کی درخواست ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھانے والا ہے۔ انسان اپنی عاجزی اور بے کسی کا اعتراف کرتے ہوئے اسی سے راستے کی ہدایت طلب کرتا ہے۔

زندگی میں کامیابی اسی صورت میں ہے جب انجام کار جنت ہی ہو اور اگر ساری جدوجہد رہے لیکن راستہ منزل کی طرف پہنچنے والا نہ ہو تو محنت ضائع ہو جاتی ہے اسی لیے ضروری ہے کہ راستہ صحیح اور پھر اس پر سفر جاری ہو یعنی محنت کی جا رہی ہو۔

راستہ صحیح ہونے کے لیے راستہ دکھانے والے، راستہ کا تعین ضروری ہے اور اس میں ہی دعا ہے اور سب کو اس میں شامل کیا گیا ہے۔ اگرچہ ایک فرد التجا کر رہا ہے لیکن سب کے لیے درخواست گزار ہے۔ یہ راستہ اللہ تعالی نے انسانوں کے لیے اپنے انبیاء کے ذریعہ دکھایا ہے جس کے آخری تاجدار محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں ان کا راستہ سیدھا راستہ ہے۔ صراط المستقیم فرما کر اس بات کی ہدایت کی گئی گئی ہے کہ ٹیڑھا راستہ وقت بھی زیادہ، محنت بھی زیادہ اور گم ہونے کے زیادہ امکانات بھی رکھتا ہے۔ اس لیے سیدھے راستے کا انتخاب فرمایا گیا ہے اور اس کے لیے دعا کی گئی۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں طالب استقامت ہو طالب تکریم نہ ہو اللہ تعالیٰ استقامت کو طلب فرماتا ہے اور نفس کرامت کو طلب کرتا ہے۔ استقامت بظاہر شریعت پر پابندی اور استقامت الباطنیہ دل سے ماسوائی اللہ کے سب کو نکال دینا ہے۔ (بحوالہ تفسیر انوار القران واسرار الفرقان، ملا علی القاری، مکتبہ دار لکتاب، ۲۰۱۳ء)

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ [6:1] غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ[7:1]

راہ ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام واکرام ہوا۔ نہ ان کی جو مغضوب ہوئے اور نہ ان کی جو گمراہ ہوئے۔

انعام واکرام والے کون لوگ ہیں۔ انبیاء، اولیاء اور مسلمان صدیقین وشھدا ہیں۔ راستہ مل جانا کافی نہیں بلکہ راستہ کی رہنمائی بھی اہم ہے اور رہنمائی کے لیے وہ لوگ جن پر خدا کا اکرام ہوا ہے وہ قابل تقلید ہیں جن کے پیشوا اور امام ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ امام الانبیاء ہیں۔ پھر آپ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام ہیں۔ مذاہب گزشتہ یہودیت، عیسائیت اپنے وقت پر ہدایت کا ذریعہ تھے لیکن افادیت مدت ختم ہونے کی وجہ سے اللہ نے نبی خرالزمان کو معبوث فرمایا۔

مغضوب اور گمراہ:۔

ہدایت یافتہ کی تعریف اور مدد کے لیے اس کے مقابل یا متضاد کا علم ضروری ہے۔ کیونکہ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ چیزوں کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے دن کا پتہ چلتا ہے جب رات ہوتی ہے اور رات کا جب دن آتا ہے اس لیے ساتھ ہی وضاحت فرما دی کہ ان لوگوں کے راستہ جو کہ عذاب کے مستحق ٹھہرے ان کی راہ نہیں اپنانی ہے۔ مغضوب سے مراد بھٹکے ہوئے اور جن پر خدا کا عذاب نازل ہوا ہے جو کہ یہودی قوم ہے۔ (وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۔البقرۃ ۶۱) ان کے علاوہ جو بھٹک اور راہ حق سے ہٹ گئے وہ عیسائی بھی ہیں جنھوں نے توحید کو چھوڑ کر عیسائیت کو اپنا لیا۔ ان کی پیروی گمراہی ہے اور مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے کیونکہ جانتے ہوئے بھی عمل نہیں کیا۔ مسلمانوں کو بھی عمل کرنا ضروری ہے ورنہ عذاب الٰہی کے سزاوار ہو جائیں گے۔

اس دعا کے بعد جو اضافہ سے وہ رب العالمین سے قبولیت کی تمنا ہے جو کہ آمین سے پوری ہوتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ آمین کہی جائے۔ حضرت ابوھریرہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین

کہو کیونکہ ملائکہ آسمانوں میں آمین کہتے ہیں اور جس کی آمین ان کے ساتھ مل جائے اللہ اس کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

الحمد شریف (فاتحہ) ایک دعا ہے جو خدائے قدوس نے اپنے فضل وکرم سے امت محمد ﷺ کو سکھائی جو عملی زندگی کی رہنمائی سے لے کر اخروی زندگی کے ابدی مراحل تک کے لیے نجات وکامیابی کا راستہ ہے۔ صحیح مسلم کی روایت حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے نبی علیہ السلام سے کہتے ہوئے سنا فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میں نے نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر دی۔ آدھی میرے لئے اور آدھی میرے بندے کے لئے ہے۔ جب بندہ کہتا ہے **الحمد للہ رب العالمین**۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب بندہ **الرحمن الرحیم** کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثناء کی اور جب **مالک یوم الدین** کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ اس نے میری بزرگی بیان کی۔ اور جب بندہ **ایاک نعبد و ایاک نستعین** کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہی ہے جو اس نے مانگا ہے۔ اور جب بندہ کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے سیدھا راستہ دکھا جن پر تیرا انعام ہوا نہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہوئے تو اللہ فرماتا ہے یہ سارا میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جس کو اس نے مانگا ہے۔ **(قال اللہ عزوجل قسمت الصلاۃ بینی وبین عبدی نصفھالی ونصعھالعبدی، فاذاقال العبد الحمد للہ رب العالمین، قال اللہ: حمدنی عبدی، فاذاقال الرحمن الرحیم، قال اللہ: الثنٰی علیہ عبدی، واذ قال مالک یوم الدین، قال امجدنی عبدی فاذاقال: ایاک نعبد وایاک نستعین، قال ھذا بینی وبین عبدی، لعبدی ماسال، فاذا قال: اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المعضوب علیھم والضالین. قال ھذا لعبدی ولعبدی ماسال۔)** (جواہر الحسان، جلد اول، ۴۴، امام عبدالرحمٰن الثعالبی، دار الکتب بیروت، ۱۹۹۶ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرہ

تعارف:۔

حضورﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہ سورت نازل ہوئی۔قرآن مجید کی سب سے طویل سورت ہے۔ اس میں چالیس رکوع دوسو چھیاسی آیات مبارک اور الفاظ چھ ہزار اکتیس اور حروف کی تعداد بیس ہزار ہے۔

مکی اور مدنی حالات میں فرق کی وجہ سے جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں مضامین کا فرق ظاہر ہے۔ ہر سورت کا مضمون اس کے اوقات نزول کے مطابق ہے۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو انصار مدینہ ایک زرعی ماحول میں رہتے تھے۔ معاشی طور پر وہ یہود کے تابع تھے جن کا ثروت کے ذرائع پر قبضہ تھا۔ یہود وہاں کے تعلیم یافتہ اور آسمانی مذہب کے علمبردار تھے لیکن کردار کے لحاظ سے دنیاوی و معاشی فوائد کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے اپنے مذہب میں تحریف کرنے میں کوئی جھجک یا عار نہیں سمجھتے تھے۔حضور کی تشریف آوری اور اسلام کی عمومی دعوت نے ان کے مذہب اور ان کی برتری کے لیے ایک خطرہ پیدا کر دیا اور اسلام کے بارے میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔سورت میں یہود کے مذہب اور رویہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے ماضی و حال کا ذکر ہے، اسی میں اسی واقعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔اس کے قاتل کے لیے حضرت موسیٰ سے بطور امتحان پوچھا گیا تو آپ نے وحی الٰہی کے تحت گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کو مقتول کے جسم پر لگانے کو کہا اور اس نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا۔اسی واقعہ کی وجہ سے سورۃ کا نام البقرہ ہے اس کے علاوہ گائے اس زمانے میں اور آج بھی انسانی معاشرت اور زراعت میں ایک اہم جانور بھی ہے۔ ہندوؤں کے ہاں تو ایک مقدس جانور سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ مدینہ ایک اسلامی ریاست کی شکل اختیار کر گیا تھا اس لیے ریاستی قوانین اور معاشرتی احکام کی ضرورت کے پیش نظر سورہ البقرہ میں یہ مضامین شامل ہیں۔ اس میں عبادت، نماز، روزہ، حج، عمرہ، زکوۃ، جہاد اور خاندان سے متعلق امور نکاح، طلاق و رضاعت، عدت وغیرہ شامل ہیں۔ معاشی طور پر سود کے احکامات شامل ہیں۔مسلمان کو دفاع کا حق عطا فرما کر جہاد کے بارے میں تعلیمات شامل ہیں۔

سورت کی آخری آیات کریمہ برکت و رحمت کا ایک بے بہا خزینہ ہے۔ سورت کی فضیلت کے بارے حضورﷺ نے فرمایا ''اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے''۔ بروایت مسلم حدیث نمبر ۷۸۰ اور حدیث نمبر ۲۸۸۰ء (باب ثواب القران)۔اسی طرح ایک اور حدیث جو صحیح المسلم شریف باب فضیلت تلاوت سورہ بقرہ میں درج ہے۔آپﷺ نے فرمایا سورۃ بقرہ کو پڑھو۔اس کو پکڑنے (پڑھنے) میں برکت ہے اور چھوڑنے میں حسرت ہے اور اس پر جادو اثر نہیں کر سکتا۔

سورت بقرہ کی تعلیم اسلامی احکام کو سمجھنے میں ایک بڑا حصہ رکھتی ہے۔اللہ تعالی ہمیں اس کو پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

تفسیر سورۃ البقرہ

یہ مدنی سورۃ ہے جس میں دوسو چھیاسی آیات اور چالیس رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ [2:1] ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۛ فِیۡہِ ۚ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ [2:2]

ا۔ل۔م۔ یہ (وہ) کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔متقین کے لئے ھدایت ہے۔

حروف مقطعات:۔

الف لام میم: ان کو قرآنی اصطلاح میں حروف مقطعات کہتے ہیں کیونکہ ہر ایک حرف ایک علیحدہ لفظ کی طرح ہے۔ان کے اسرار ورموز کو اللہ اور اس کے رسول کو علم ہے۔ان پر بات کرنا ہمارے علم سے آگے ہے۔اس لیے بہتر ہے کہ بات نہ کی جائے۔لیکن بعد کے علماء نے کہا کہ ان کے بارے میں اندازہ لگایا جائے اور ان کے معانی اور فوائد نکالے جائیں تاکہ ان سے استفادہ کیا جا سکے۔ یہ غیر معمولی کلمات ایک اہم پیغام کی علامت ہیں اور ان کا مقصد قاری یا سامع کو اس کی اہمیت سے آگاہ کرنا ہے۔ ملا علی قاری نے اپنی تفسیر انوار القرآن فی اسرار الفرقان (جلد اول مطبوعہ دار الکتب العلم۔ بیروت ۲۰۱۳ء، ص:۳۲) میں بحوالہ اپنے استاد یہ تاویل تحریر کی 'ا' سے اشارہ اللہ کی طرف اور 'ل' سے جبرئیل اور 'م' سے محمد ﷺ سے کہ یہ کلام اللہ کی طرف سے بذریعہ جبرئیل حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔

یہ اعجاز قرآن کی دلیل ہے کہ مخلوق اس طرح کا کلام لانے سے عاجز ہے قرآن مجید میں 29 سورتوں کا آغاز اس طرح کے حروف سے ہوتا ہے۔ مثلاً ال م۔ ال ر ط، س ی س، ق وغیرہ ان کا اپنا اعجاز ہے لیکن ان حروف کے بعد قرآن پاک (کتاب) کا ذکر کیا گیا ہے۔ان کی حروف کی تعداد ۲۸ ہے جو چودہ حروف کے مرکبات ہیں۔(بحوالہ کتاب زندگی، سلطان بشیر محمود، جلد اول، ۲۰۱۱ء، القران العلم، ریسرچ فاؤنڈیشن، اسلام آباد)

ان حروف کے بعد کتاب کا ذکر ہے۔ دور کا کہہ کر قریب کا مطلب یہ ہے کہ اہم کتاب ہے اور علمی لحاظ سے اس مقام اونچا ہے پھر تعریف کی کہ اس میں کوئی شک نہیں یعنی گنجائش شک بھی نہیں۔ ریب عربی میں شک اور عدم طمانیت کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ کتاب انسانی زندگی کے لیے لائحہ عمل ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس پر یقین کامل ہو۔تاکہ کسی وسوسہ کے بغیر اس پر عمل کیا جائے یہ لائحہ عمل خالق نے اپنی مخلوق کی نجاعت اور کامیابی کے لیے بھیجا ہے۔

کتاب کا لفظ فرما کر اس کی بحثیت تحریر و تدون کا اعلان بھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ جن پر یہ کتاب نازل ہوئی انھوں نے اس کو تحریری صورت میں لکھ کر چھوڑا اور اس کو پھر ان کے خلفاء نے پھیلا دیا اس میں حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضی شامل ہیں۔ حضرت عثمان نے تو اس کو ایک سرکاری دستاویز کے طور پر مملکت کے صدر مقام (صوبوں) میں رکھوا دیا تا کہ بطور آئین استعمال ہو۔ اس کتاب کے مضامین سچے حقیقت اور حکمت وہدایت میں مکمل ہیں۔ حروف، ایات وترتیب وحی الہٰی کے عین مطابق ہے۔

یہ کتاب جو بہت اہم اور بالکل صحیح ہے۔ یہ ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو پرہیزگار یعنی مقتی ہیں۔ متقین کا اصل مصدر تقویٰ ہے جس کا معنی روکنے والا یعنی وہ ایک رکاوٹ بن جاتا ہے اور متقی وہ ہے جو اپنے آپ کو بچاتا ہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ تقویٰ کے مقامات ہیں شرعی لحاظ سے اپنے آپ کو ان اعمال سے بچانا جو ممنوع ہیں اور ان کو بجا لانا جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ ہدایت ان کے لیے ہے جو زندگی کو سنجیدہ طور پر لیتے ہیں۔ اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ذی شعور اور عقل والے ہیں۔ حیوانات کی طرح زندگی گزارنے والے نہیں لہٰذا یہ کتاب ان کو فائدہ دے گی جو اس اہلیت کے حامل ہوں گے اور جو انسان اس بنیادی اصلیت کے حامل نہیں ذہنی طور پر پس ماندہ اور بھٹکے ہوئے ہیں یا اس کا احساس نہیں رکھتے۔ وہ اس کے فائدے سے اپنی نا اہلی اور کاہلی کی وجہ سے محروم رہیں گے۔

چونکہ جو افراد اس سے مستفید ہوں گے اور اپنی زندگیوں کو نجاعت و کامیابی سے ہمکنار کریں گے ایسے خوش نصیب افراد کی تعریف اور حدود کا تعین بھی ضروری ہے جس کو بیان فرما دیا گیا ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ [2:3]

جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور نماز (صلوۃ) قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

متقین کے اوصاف:۔

متقین کے اوصاف یہ بیان فرمائے ہیں۔ ا۔ ایمان لاتے ہیں غیب پر۔ اللہ نے اس کو ترتیب میں پہلے ارشاد فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خصوصیت بہت ہی اہم ہے کہ انسان کا ذہن کھلا ہونا چاہیے اور جو کچھ اس کے علم میں ہے اس پر ہی اپنے آپ کو روک لے اور ان چیزوں کو جن کا وہ ادراک نہیں کر سکتا سرے سے انکار کر دے۔ ذہن میں مثبت سوچ اور قبول کرنے والا انداز بہت ضروری ہے جو چیزیں ادراک میں نہیں آتیں ان سے انکار صحیح نہیں۔ غیبی علوم کے بارے یہ انداز وفکر تحقیقات کی راہ

ہموار کرتا ہے۔غیب کا بیان فرما کر سوچ کا رخ تبدیل کر دیا۔سائنسی ترقی سوچ کے پختہ اور نئی (غیب) اشیاء کی جستجو کے سبب ہے اور ایک ترقی دوسری ترقی کا زینہ یا سیڑھی بنتی ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ سائنسی ریسرچ کا نتیجہ ہمارے سامنے آرہا ہے اور وہ اس قدر پرانے زمانے کے مقابلہ میں وسیع ہے کہ حیران کن ہے لیکن جواب تک سائنس اور علوم کی دنیا سے چھپا ہوا ہے وہ ہمارے کائنات کے مشاہدہ کے بعد بڑا واضح ہے کہ بہت زیادہ ہے۔انسانی حواس ونظر کی حد سے باہر کی دنیا اربوں گنا بڑی ہے۔ایٹم کے اندر جو جہاں آباد ہے وہ ہمارے حواس کے لیے غائب ہے۔پھر زمین کی کشش نہ صرف زمین بلکہ دوسرے سیاروں کے درمیاں اور کہکشاؤں کا وجود جو موجودہ خیال میں اس کشش ثقل سے قائم ہے۔ایک غیبی حقیقت ہے جو ساری کائنات میں پھیلا ہوا ہے لیکن ہماری ذاتی محسوسات کی دنیا سے باہر ہے۔انسان اپنی حقیقت جو اس کے اندر کارفرما ہے کو آج تک صحیح ومکمل طور پر ہی نہیں جان سکا۔غور کریں اس وقت دنیا میں لاکھوں ٹیلی وژن، کروڑوں فون اور اربوں انٹرنیٹ کے پیغامات ہمارے اردگرد عالم میں سرگرداں ہیں جو ہم اپنے حواس سے نہیں دیکھ سکتے جب تک کسی سائنسی ایجاد کا سہارا نہ لیں پس وہ ٹیلی ویژن ہو یا موبائل یا کمپیوٹر وغیرہ۔ان کے وجود سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔اس لیے ہمارے حواس ہر چیز کے ادراک پر قادر نہیں اس لیے ہر چیز کا انکار صحیح نہیں۔اس کلیہ کا اطلاق جنت، دوزخ، حشر ونشر، حساب وکتاب، بزرخ وقبر پر ہے، ہمارا اپنی حواس خمسہ کی کمی کی وجہ سے ان چیزوں کا انکار کرنا صحیح نہیں۔اگر ہم اس سے انکار کرتے ہیں تو متقی اور ایمان بالغیب کی خصوصیت سے محروم ہیں اور ایسے لوگ ہدایت سے محروم ہیں۔(اے اللہ ہمیں ایسے گروہ سے محفوظ فرما)

۲۔ دوسری صفت کہ نماز قائم کرتے ہیں۔نماز قائم کرنے کا مطلب ہے کہ اس کو دوام دیتے ہیں۔ان کی نماز صرف ایک مہینہ، ایک سال کی نہیں بلکہ ساری زندگی کی ہے اور اقام کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کے حق کے مطابق قائم کرنا، کھڑا کرنا تو اس نماز میں ظاہر احکام مثلاً طہارت، اوقات، رکعات کی بھی پابندی ہے اور دوسری جانب خشوع وخضوع کا اہتمام کریں کہ میں اپنے خالق کے سامنے کھڑا ہوں اگر اس کو بقول حدیث اگر میں نہیں دیکھ رہا تو وہ مجھے دیکھ رہا ہے جب نماز کا یہ تصور ہوگا تو یقیناً وہ نماز قائم بھی ہوگی اور برائیوں سے بھی روکے گی۔صلوٰۃ عبادت ہے جس کی ایک منظم شکل نماز ہے اور اس سے مراد وہ عبادات ہیں جو ہمارے نبی ﷺ نے کر کے ہمارے لیے مثال قائم کی ہے۔عمومی معنوں میں دعا اور ذکر بھی شامل ہے جب ایمان بالغیب راسخ ہوگا تو 'صلوٰۃ' کی صورت قائم ہو سکے گی ورنہ وہی کیفیت ہوگا جس کا اظہار اس شعر میں ہے:

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی، تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

۳۔ تیسری خصوصیت ان کا اللہ کا دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرنا کہ وہ جو رزق ہم نے ان کو دیا اس میں خرچ کرتے ہیں۔رزق سے مراد مال ومتاع ہے جو زندگی کے لیے ضرورت پڑتا ہے۔اس میں جو نکات ہیں کہ یہ رزق ان کو ہمارا دیا

ہو اب اس پر ان کا یقین ہے پھر وہ نیکی، احسان اور بھلائی کی خاطر اپنے اس رزق میں دوسروں کو دیتے ہیں۔ یہ صدقات، خیرات اور زکواۃ کو شامل ہے۔ جب انسان یہ تصور کرے کہ مال متاع جو مرے پاس ہے کسی اور کی عنایت ہے اگرچہ اس کی کوششوں کا حصہ اس میں ضرور ہے لیکن اس کی کوششوں کا رزق کے حصول میں کامیابی سے ہمکنار ہونا بھی اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ اس کو دوسروں پر خرچ کرنے میں کوئی ذہنی پریشانی نہیں ہوتی بلکہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔

ترتیب آیت میں اس کو آخر میں بیان فرمایا اس کی حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پہلے دو کیفیتیں پوری نہ ہوں یعنی ایمان اور اللہ کی عبادت پر قائم رہنا، اس وقت تک اپنے مال میں کسی کو دنیا بہت مشکل لگتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں افرادی کردار بہت اہم ہے جو معاشرے کے معاشی طور پر کمزور افراد ہیں ان کی مدد کو بہت ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جس قدر سماجی اور معاشی فرق کم ہوگا مخلوق خدا کے لیے آسانی ہوگی جس کو خالق نے بطور انسانی مخلوق برابر پیدا کیا ہے اور رزق کی تقسیم کے فرق کو بھی کم کرنے کے لیے احکام صادر فرمائے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ[2:4] اُولٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ [2:5]

اور (متقی وہ ہے) جو ایمان لائے اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔ وہی لوگ ہدایت پر ہیں، اپنے رب سے اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اہل ایمان کی مزید خصوصیات کا ذکر فرمایا کہ جو حضور ﷺ پر پیغام اتارا گیا اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس سے پہلے بھی جو انبیاء تشریف لائے ان کے دین کو بھی مانتے ہیں۔ چونکہ اسلام اللہ سے انسانیت کے لیے چنا ہوا مذہب ہے اس لیے وہ ادیان سابقہ اور انبیاء سابقہ جس کی خبر قرآن پاک نے ہمیں دی ہے ان پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ اسلام اور حضور کی تعلیمات اس کا آخری حصہ ہیں۔ اس کے ساتھ ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس سے مراد زندگی کے بعد موت اور موت کے بعد حشر و نشر، حساب و کتاب اور جزا و سزا پر بھی مکمل یقین رکھتے ہیں۔ "یوقنون" کا تعلق ایمان سے ہے۔ جو یقین کے درجہ تک ہے جہاں شک و شبہ کا گزر نہیں۔ جب یقین کی منزل میسر ہوتی ہے تو اس وقت وہ عقل اور دل کو مسخر کر لیتا ہے۔ آخرت کا یقین کامل، ہر کام کرنے سے پہلے اس کے انجام کار کے نتیجہ پر لے جاتا ہے اور اگر نقصان دہ ہے تو رک جاتا ہے۔

ہمارے موجودہ اعمال آخرت پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے اقوال سے مختلف ہیں۔ یہ تضاد ہماری زندگی کے لیے فلاح کے بجائے ناکامی اور عذاب کا موجب بنے گا۔

اہل ایمان کی خصوصیات:۔

ان خصوصیات کے حامل لوگوں کی ہدایت یافتہ قرار دیا گیا ہے اور یہی لوگ فلاح (کامیابی) پانے والے ہیں۔فلاح سے مراد مکمل کامیابی ہے جو کہ دو جہانوں (دنیا اور آخرت) پر محیط ہے۔اسے جزوی کامیابی مراد نہیں۔عربی زبان میں مکمل کامیابی کے لیے اس سے بڑھ کر لفظ نہیں (تاج العروس)۔

اگر ہم جائزہ لیں تو کامیاب وکامران انسان کے لیے جو اوصاف وشرائط بیان کیے گئے ہیں وہ:

۱۔ ایمان بالغیب

۲۔ نماز قائم کرنا (نیکی کے لیے)

۳۔ انفاق فی سبیل اللہ۔اللہ کے لیے صدقہ وخیرات دینا۔

۴۔ حضورﷺ پر ایمان یعنی قرآن مجید پر ایمان اور تمام انبیاء سابقہ اور کتب سمایہ سابقہ پر ایمان۔

۵۔ آخرت پر ایمان اور جزا وسزا پر ایمان

ان خصوصیات کا تعلق باطنی اور ظاہری کیفیت سے ہے۔مثلاً ''ایمان بالغیب (اللہ کی ذات پر)۔حضور پر ایمان اور دوسرے انبیاء وکتب سماویہ پر ایمان۔آخرت اور جزا وسزا پر ایمان کا تعلق باطنی ایمان سے ہے جبکہ دوسرے اعمال نماز کو مکمل طور پر قائم کرنا اور صدقات وخیرات، زکوۃ دینا کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔جب باطنی اعمال مکمل طور پر ایمان کا حصہ نہیں بنیں گے ظاہری اعمال بھی مکمل طور پر ادا نہیں ہوسکیں گے۔لہٰذا یہ مربوط سلسلہ ہے جس کے لیے کوشش ضروری ہے۔

یہی خصوصیات ہدایت یافتہ ہونے کی دلیل اور دنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہیں اور ان پر عمل کرنے والے ہی فلاح، ہدایت یافتہ ہیں۔(اے اللہ ہمیں ان میں سے بنا۔آمین)

ہدایت یافتہ افراد کے بعد اب ذکر ان افراد کا ہے جو گمراہ اور راندہ درگاہ ہیں تاکہ دونوں کو دیکھ کر فیصلہ کیا جا سکے۔علماء نے لکھا ہے کہ اول مقبول بندوں کا ذکر فرمایا کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب سے زیادہ ہے۔حدیث قدسی ہے قال ربی سبقت رحمتی غضبی۔اللہ نے فرمایا کہ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے جاتی ہے۔(بخاری مسلم بحوالہ انوار القران واسرار الفرقان، نور الدین علی بن سلطان، ملا علی القاری، دار الکتب العلمیہ بیروت،۲۵۱۳)

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ [6:2] خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِهِمۡ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ [7:2]

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے۔ ایک ہی جیسا ہے ان کے لیے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ مہر لگا دی اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

کفر کی کیفیت / وجہ:۔

خوش نصیب افراد کے بعد بدنصیب افراد کا بیان ہے اور ان کی بدنصیبی کی وجہ بھی یہاں فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اس کو عقل عطا فرمائی۔ اچھائی اور برائی کا اختیار دیا کہ جسے چاہے اپنا لے پھر ہر دل میں اللہ کی ذات کا وجدان ڈال دیا۔ پھر رہنمائی کے لیے اپنے انبیاء کو مبعوث کیا کہ وہ بھٹکنے والے کو سیدھا راستہ دکھائیں اور اس کے باوجود اگر لوگ غلطی پر مصر ہوں تو ان کی عقل اندھی اور سماعت ختم ہو گئی اس لیے وہ عذاب کے مستحق ہیں۔ آخری نبی الزمان حضرت محمد ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے زمانہ کی انتہا قیامت تک ہے کیونکہ آپ کی آمد کے بعد ذرائع مواصلات وابلاغ نے اتنی ترقی کر لی کہ ہر علاقے کے لیے یا زمان کے لیے نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ جب حق واضح ہو گیا اور پھر بھی اس کو نہ مانا گیا اور اس پر عمل نہیں کیا گیا تو ان کو بتانا اور نہ بتانا برابر ہے کیونکہ وہ اپنی عادت کی وجہ سے اس صلاحیت کو ختم کر چکے ہیں کہ ان کو ڈرایا جائے یا نہ ڈرایا جائے۔ انسان اپنے گھمنڈ کی وجہ سے انکار کرتا ہے اور پھر یہ انکار اس کی عادت بن کر اسے مکمل گمراہی میں دھکیل دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے دل ایک شیشہ کی مانند ہے جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس پر داغ پڑ جاتا ہے اگر توبہ کر کے اس کو دھو دیا جائے تو صاف ہو جاتا ہے اور اگر نہ دھویا جائے تو یہ داغ ہر بار گناہوں کی کثرت سے بڑھتا رہتا ہے حتی کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر احساس گناہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت ہے کہ جب انسان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہوتا ہے اور وہ ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی ضد اور گمراہی پر ڈٹا رہتا ہے۔ دل پر مہر لگائی۔ سماعت ختم اور بصارت پر پردہ پڑنے کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے۔

جدید نفسیات کا یہی تجزیہ ہے کہ آدمی / عادی مجرم اسی طرح بن جاتا ہے۔ آدمی جب آپ ﷺ کے پیغام سے منہ موڑ لیتا ہے اور اپنے آپ کو دور کر لیتا ہے تو اس صورت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ عذاب کی صورت میں ہے جو فلاح کے مقابل ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ☆[8:2]

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ[9:2]

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور آخرت پر حالانکہ وہ مومنین میں سے نہیں ہے۔ فریب دینا چاہتے ہیں بس اللہ کو اور ایمان والوں کو اور (حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر

اپنے آپ کو۔

فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ [10:2]

ان کے دلوں میں مرض ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مرض کو بڑھا دیا۔ اب ان کے دردناک عذاب ہے۔ بوجہ اس کے وہ جھوٹ بولتے تھے۔

منافقین:۔

تیسرے گروہ کا ذکر جو معاشرے کا خطرناک گروہ ہے۔ مدینۃ النبی کی اسلامی ریاست میں۔ تیسرا گروہ پیدا ہوا۔ تقریباً ہر معاشرے کا حصہ وہ منافقین کا گروہ ہے۔ انکار کرنے والے اپنی ضد، ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کرتے کرتے مکمل گمراہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ گروہ صداقت سے آشنا ہونے کے باوجود دھوکہ دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور ان سچے مومنین کو جن کے سامنے اظہار حق کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ خود دھوکہ کھا رہے ہیں لیکن ان کو احساس نہیں۔ یہ مفاد پرست ٹولہ ہے جو اپنے مفاد کے لیے کبھی حق اور کبھی باطل کی طرف جھک جاتا ہے لیکن اظہار حق کے ساتھ کرتا ہے اس لیے زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ اس کا محرک اس کا ایمان نہیں بلکہ اس کے مفادات ہیں جن کی خاطر یہ بدلتا ہے۔

حضور کے مدینہ آمد پر کچھ لوگ مسلمان ہو گئے لیکن حضور کی بڑھتی ہوئی طاقت اور عزت سے حسد کرنے لگ۔ بظاہر اسلام کا اظہار تھا لیکن اندر میں حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ یہ مرض معاشرے میں موجود ہے اور یہ مریض لاعلاج ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے خیالات اور انداز عمل کو اللہ تعالیٰ خود فریبی سے تعبیر کیا ہے کہ وہ حقیقت سے محروم ہو کر خود دھوکہ کھا گئے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو (مسلمانوں) کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کیفیت کو مرض سے تعبیر کیا ہے۔ جس طرح ایک مرض اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو انسان کو ختم کر دیتی ہے اسی طرح ان کی منافقت کے فریب نے ان کو ختم کر دیا۔ منافقت کی بنیاد جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنے والا اس نفسیاتی مرض میں رہ کر زندگی کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور اس دنیا میں بھی خوف، فریب کے کھل جانے کا ڈر ان پر طاری رہتا ہے۔ جو ایک ذہنی نفسیاتی بیماری کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس کا ادراک اب طب انسانی نے بھی کر لیا ہے۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ [11:2] اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَ لٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ [12:2]

اور جب انہیں کہا جائے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں ہم اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار یہی

لوگ فسادی ہیں مگر سمجھتے نہیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ [2:13]

اور جب کہا جائے انہیں ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے عام لوگ تو کہتے ہیں ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف۔خبردار بے شک وہی احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ [2:14]

اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں اور اپنے شیطانوں کے ساتھ تو کہتے ہیں تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ان کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

فساد کے اسباب:۔

فساد کے اسباب کا بڑا ذریعہ منافقین کا جھوٹ اور مکر ہے۔اس پر مزید ظلم یہ ہے کہ وہ جب فساد کر رہے ہوتے ہیں اور جب ان سے کہا جائے کہ فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے کے در پے ہیں فساد والے نہیں۔قرآن پاک نے ان کے دھوکہ اور چرب زبانی کا بھانڈا پھوڑ دیا اور اپنے حبیبﷺ کی زبان سے فرما دیا کہ بے شک تم ہی فساد کرنے والے ہو لیکن تمہیں سمجھ نہیں آ رہی۔اپنے فساد کو مختلف اصلاح کے نام دے کر چھپاتے ہیں۔آج کل کے دور کی مثال کبھی ثقافت کبھی تجارت کبھی تعلیم اور کبھی جمہوریت کبھی سفارت کاری لیکن پس پردہ ان کا مفاد ہوتا ہے۔

"لا تفسدوا" کا حکم دے کہ فساد نہ کرو' اللہ تعالی نے امن اور اصلاح کا حکم دیا ہے۔فساد کا مادہ 'فسد' سے ہے جس کے معنی خراب کر دینا اور خراب ہونا یہ اس وقت ممکن ہے جب اس چیز کا فطرتی بیلنس بدل جائے تو خرابی شروع ہو جاتی ہے جس طرح انسان اور حیوانات میں بیماری بھی معین نظام میں کمی وبیشی کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اور یہ فساد بھی معاشرہ میں پیدا ہو جاتا ہے جہاں جھوٹ مکر دھوکہ سے انسانی اقدار کے خوبصورت کردار کو ختم کر دیا جاتا ہے اور نتیجہ بدامنی، فساد، کی صورت میں پھوٹ پڑتا ہے اور سارے معاشرہ کو تباہ کر دیتا ہے۔دنیا میں ہر زمانے میں ایسا معاشرہ بطور مثال اللہ تعالی نے رکھے ہیں جہاں انسانی کردار کا فساد پورے معاشرہ کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔سائنس کی ترقی نے اور صنعتی اور پیداواری صلاحیت میں مشینوں کے استعمال نے بھی قدرت کے حسن پر بڑا اثر ڈالا ہے اور سائنس نے دریافت کیا ہے کہ اس کے اثرات زمین کے عمومی ماحول یعنی جنگلات، آب وہوا، گرمی وسردی، بارش، خشکی میں تبدیلی کی صورت میں پڑ رہے ہیں۔یہ فساد دنیا میں ترقی یافتہ اور غیر ترقیاتی یافتہ

اقوام کے دمیان بڑھتے ہوئے فرق کی وجہ سے ہے۔ جہاں قدرتی ذرائع ایک طرف نکال کرختم کیے جا رہے (مثلاً پٹرول، گیس، کوئلہ) اور دوسری طرف کائنات میں گرمی۔ دھواں، کاربن اور دوسرے کیمیکل پھیلائے جا رہے ہیں جوایک قدرتی تناسب ہے اس پراثر انداز ہورہے ہیں ان کا کس قدر اثر ہے۔اس کا اندازہ تو شاید مستقبل میں ہوگا اور اگر ہے تو صرف زمین کی حدتک ہی ہے۔فساد کی صورت جوبھی ہواخلاقی ہو یا معاشی یا معاشرتی انسان کے کردار کا اس میں مرکزی حصہ ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے کہ وہ بجائے اس مرض کوختم کریں تاویلات کر کے دھوکہ دیتے ہیں اور مزید پھیلاتے ہیں۔ چونکہ ان کا مقصد اور ہے اور بظاہر دعویٰ اور ہے اس لیے وہ منافق ہیں۔

کردار:۔

منافقین کی سماجی اورنفسیاتی کیفیت کی وضاحت اگلی آیت کریمہ میں فرمادی کہ اگر ان سے کہا جائے کہ اپنا کردار بدل دو۔ایمان لے آؤ اور مومنین کی جماعت میں شامل ہو جاؤ تو وہ اسے مذاق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان بے وقوفوں کے پیچھے چلیں۔ان کی نظر میں خدا پر یقین رکھنے والے، بے وقوف انسان ہیں کیونکہ وہ دنیاوی (معاشی ومعاشرتی) فوائد کو چھوڑ کر اللہ (خالق) کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے ان فوائد کو نظر انداز کر دیتے ہیں اس لیے وہ بے وقوف ہیں اور یہ ان کے پیچھے نہیں چل سکتے۔

منافق کے ہاں فائدہ اورنقصان کامیابی وناکامی کا معیار صرف ان کی ذات کے فائدے میں ہے لہٰذا وہ اپنے نفس اور خواہشات کے تابع رہتا ہے اور جو افراد اس نظریہ فکر سے اختلاف رکھتے ہیں اور کردار میں مختلف ہیں ان کو احمق سمجھتا ہے۔منافق کی نفسیاتی کیفیت کا اظہار اس میں فرمایا گیا ہے کہ وہ غرور وتکبر کا پتلا بن جاتا ہے۔اپنے اندازفکر کے مقابلے دوسروں کو حقیر اور کمتر سمجھتا ہے اورنظر انداز کرتا ہے۔اس کا یہ طریقہ ہی اس کے لیے ایک اس کی حماقت کی دلیل ہے کیونکہ ایک دن یہ فساد اسے خودختم کر دے گا۔ یہ طریقہ کارشروع سے کفار کا رہا ہے کہ اللہ کے نام لیواؤں کوحقارت سے ٹھکراتے رہے ہیں اور مذہب پرعمل کرنے والوں کو بیوقوف وجاہل کہتے رہے ہیں۔

منافقت میں وہ بھی مذہبی افراد شامل ہیں جو کہ نفاق (عدم اتفاق) اختلاف اور ذاتی توجہات پرضد کر کے اتحاد مذہب کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں اور معاشرے میں اتحاد کے بجائے اختلاف کو پھیلاتے ہیں اور سچے گروہ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

اقرار:۔

منافقین کے گروہ جہاں مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ جب ان کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے تو ان کو کہتا ہے کہ میں تو تمہارے گروپ کا حصہ ہوں اور ساتھ ہوں جبکہ اندرونی طور پر وہ ان کے مخالف ہوتا ہے لیکن جب اسلام دشمن افراد سے ملتا ہے تو اقرار

کرتا ہے کہ اس کا سارا عمل دھوکہ ہے درحقیقت مسلمانوں کو دھوکہ دے رہا ہے اور اصل میں اسلام دشمن گروپ کا حصہ ہے۔ایک طرف انکار اور دوسری طرف اقرار ان کی شخصیت کے تضاد کا مظہر ہے۔ابوداؤد میں حدیث شریف (حدیث، ۳۵۴۱) ہے۔ بدترین (شرارت وفساد کے لحاظ) سے دو چہروں والا ہے جو کچھ لوگوں کو کہتا ہے میں تمہارے ساتھ ہوں اور دوسرے کو کہتا ہے تمہارے ساتھ ہوں۔(مِن شَرالناس ذوالوجهين الذى يأتى هولاء بوجهه وهٰولاء بوجهه)

اَللّٰهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ وَ يَمُدُّ هُمۡ فِیۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ [15:2]

اللہ ان کا مذاق اڑا رہا ہے (سزا دے رہا ہے) اور ڈھیل دیتا ہے (مدت میں) تا کہ یوں وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰی فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ وَ مَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ[16:2]

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔پس ان کی تجارت نے انہیں نفع نہ دیا اور وہ کبھی بھی ہدایت پانے والے نہیں۔

مَثَلُهُمۡ كَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ وَ تَرَكَهُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ [17:2]

ان کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے آگ روشنی کی جب اردگرد کا ماحول روشن ہو گیا تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا اندھیروں میں انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ[18:2]

یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں سو وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ، منافقین کو مذاق کرنے اور مسلمانوں کو حقیر سمجھنے کے بدلے، ان کو بھی حقیر سمجھ رہا ہے اور یہ سزا ہے ان کے اعمال کی اور پھر ان کو ڈھیل دے رہا ہے اور مہلت بھی ان کو مزید سزا کی طرف لے جا رہی ہے۔معاشروں میں دیکھا گیا ہے کہ ایک گروپ جو سرکشی پر آ جاتا ہے اور ترقی کرتا ہے اسے اپنی کامیابی نظر آتی ہے مگر اس کامیابی میں اس کی ناکامی کا بیج بویا ہوا ہوتا ہے اور کچھ وقت گزارنے کے بعد اس کا اپنا فساد شروع ہو جاتا ہے اور بالاخر وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ساری پرانی تہذیبیں اس کی مثال ہیں۔ بلکہ عمرانیات History of Civilization کا یہ ایک علمی حصہ ہے۔قرآن نے اس مہلت کو جو کہ اٹھان سے انتہا تک جاتی ہے بھٹکنے کی موت فرمایا ہے کیونکہ وہ ہدایت کے ابدی اصولوں پر عمل نہیں کرتے پھر اللہ تعالیٰ کی یہ مہلت ختم ہو جاتی ہے اور

وہی معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوکر نیست ونابود ہو جاتا ہے۔

منافقین کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے ایک طرح تجارتی لین دین کی مثال دی ہے۔جس طرح تجارت میں آدمی کا مقصد نفع کمانا یا فائدہ کا حصول ہے اور پھر اپنی ملکیت شدہ شے کو دوسروں کی چیز سے تبدیل کر دیتا ہے اور اس کا مدعا دوسری (نئی چیز) کی خریداری میں فائدہ کا حصول ہے۔ یہ فکر (مزید فائدہ) اس کے تمام عمل کا محرک بنتی ہے۔اس کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت انداز میں بیاں فرمایا کہ منافقین کی یہ ساری کوششیں ان کے نقصان کا نتیجہ میں نکلے گی کہ وہ راہ حق سے ہمیشہ کے لیے بھٹک جائیں گے اور بالآخر تباہی پر ختم ہوں گے۔ جوانھوں نے اپنے اعمال سے حق سے منہ موڑ کر گمراہی میں گم ہوکر حاصل کی۔اس مثال کو روزمرہ کی زندگی میں مزید خوبصورت انداز میں بیان فرمایا کہ جیسے کسی نے آگ روشن کی تاکہ اندھیرا دور ہو اور اسے جہاں وہ ٹھہرا اس کے اردگرد کا پتہ چلے اور روشنی کی وجہ سے وہ خطرہ سے بچ جائے۔اس کا مقصد پورا ہو گیا ماحول منور ہو گیا اور اس کو وہ چیزیں اس کے لئے فائدہ مند ہیں اور جن سے خطرہ ہوسکتا ہے واضح ہو گئیں۔اس کے بعد ایک اچانک تبدیلی آ گئی کہ وہ آگ کی روشنی جو نور کا ماخذ تھی ختم ہوگئی اور اندھیرا چھا گیا اور وہ اس کیفیت میں گیا جس میں تھا۔تشبیہ حضورﷺ کی آمد اور اسلام کے نور سے جس سے مدینہ یعنی اور پھر سارا جہاں منور ہو گیا۔حق اور باطل واضح ہو گیا۔لیکن پھر اندھیرا چھا گیا اور اس نور کی روشنی ختم ہو گئی اس سے مراد وہ منافقین اور کفار ہیں جنھوں نے اس روشنی کو قبول نہیں کیا اور اللہ نے ان کے لیے اس نور کو اٹھا لیا یعنی وہ ہدایت کا سرچشمہ ان کے پاس ہونے کے باوجود اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور گمراہی کے راستہ پر چلتے رہے۔اس سے مراد وہ کمزور ایمان مسلمان بھی ہیں جو کہ اسلام کی ابتدائی سختی سے گھبرائے اور پلٹ گئے۔ زندگی کی آسانی نے انہیں نفاق پر لوٹا دیا اور حقیقی نور سے محروم ہو گئے۔آج کی دنیا میں امت مسلمہ ایسی کیفیت سے دوچار ہے ہم اپنے معاشی یا سماجی کمزوریوں کی وجہ سے اسلام کے حقیقی نور سے منہ موڑ رہے ہیں اور مصلحتوں کی خاطر غیر اسلامی قوتوں سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امت مسلمہ پریشانی کا شکار ہے

اِن انسانوں (منافقوں) کی اس کیفیت اور حالت اور حق سے مکمل منہ موڑنے کی وجہ سے فرمایا کہ بہرے ہیں یعنی سماعت کے باوجود حق کو نہیں سن رہے اور منہ موڑ رہے، گونگے ہیں، بولنے کی استعداد کے باوجود تصدیق حق نہیں کرتے لہٰذا گونگے ہیں۔ یہ قوتِ سماعت اور گویائی ان کے لیے بیکار ہے اور یہ گمراہی میں رہیں گے حق کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَ اللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ[19:2]

یا ان کی مثال آسمان سے طوفانی بارش کی ہے جس میں اندھیرا گرج اور بجلی کی چمک ہے وہ اپنے کانوں

میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔کڑک اور موت کے ڈر سے،اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[20:2]

قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی کو اچک لے۔ جونہی روشنی ہوئی ان کے لیے، تو چلنے لگتے ہیں اس (روشنی) میں، اور جب تاریکی چھا جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو لے جائے ان کی سماعت اور بصارت۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ایک اور خوبصورت تشبیہ بیان فرمائی جو ہماری روزمرہ کی زندگی میں دیکھی جاتی ہے۔ بارش زندگی کا سہارا ہے۔جس سے زمین پر رنگ اور بہار نکھر آتی ہے۔ اس سے مراد حقیقی بارش کی برکت بھی ہے اور اسلام اور حضورﷺ کی ذات بھی ہے جس نے حق کو ظاہر فرمایا۔ جب بارش ہوتی ہے تو کیفیت خوفناک بھی ہو جاتی ہے۔ بادلوں کی کالی گھٹا اور گھٹا کے ساتھ گھن گرج اور بجلی کی سخت چمک۔ یہ منظر بھی بارش کا حصہ ہے جو اس منظر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں گے وہ بارش کی برکات سے کس طرح فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ مثال ان افراد کی ہے جنھوں نے ابتدائے اسلام میں آزمائشوں سے گھبرا گئے اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر کڑک سے محفوظ ہونے کی کوشش کی۔مصائب اور مظالم کو دیکھ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے سے بھاگ گئے اور گمراہی میں گم ہو گئے۔ یہ منافقین کی کیفیت کا حال ہے جو کبھی اسلام کی طرف آتے اور کبھی کافروں کے ساتھ مل جاتے۔

اسی مثال کو آگے واضح فرما دیا گیا۔اس بارش سے قبل کالے جھکے بادلوں کے اندھیرے اور اندھیری رات میں بجلی کی چمک سے کوئی آدمی دو قدم چلتا ہے پھر اندھیرے کی وجہ سے رک جاتا ہے اور یہ بجلی کی چمک جو اسے روشنی مہیا کرتی ہے۔شدید چمک کی وجہ سے اس کی بینائی بھی ختم کر سکتی ہے اور گرج کی آواز کانوں کے پردے بھی پھاڑ سکتی ہے۔آب سائنس کی ایجادات وآلات سے واضح ہو گیا کہ شدید روشنی، بجلی کی دھمکدار آواز بصارت وسماعت ختم کر دیتی ہے۔ یہ کیفیت ہے ان کمزور مسلمانوں کی جو ذرا مفادات کا فائدہ دیکھتے ہیں تو روشنی کو دیکھ کر چل پڑتے ہیں اور جب مفادات ختم ہو جاتے ہیں تو ان کی روشنی (محرک مفادات) ختم ہو جاتا ہے۔اور رک جاتے ہیں اور موت کا خوف سوار رہتا ہے۔حضور کے زمانے کے منافقین کا یہ حال تھا لیکن موجودہ دور میں مسلمانوں کی اجتماعی کیفیت عملی اسلام سے دوری کی وجہ سے اس مثال کی عملی صورت اختیار کر گئی ہے یہ عارضی مفادات کی وجہ سے اسلام کے احکام کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔ (اللہ ہمیں اس سے محفوظ فرما) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی بصارت وسماعت بھی ہم ختم کر سکتے ہیں۔اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔اگر اس چیز کا ادراک کر لیا جائے تو آدمی کو اپنی کمزوری کا احساس

ہو جاتا ہے۔

''صیب من السماء'' زور دار بارش جو اوپر سے سختی سے گرے۔''الصیب'' **المطر من صاب یصوب اذا انحط من علو الی سفل ۔**''(بارش جو اوپر سے نیچے کی طرف آتی ہے)(جواھر الحسان تفسیر القرآن، علامہ عبد الرحمان الثعالبی۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۶ء)

قرآن مجید میں کئی جگہ اس کا اظہار فرمایا کہ ہم آسمان سے بارش نازل کرتے ہیں اور یہ قرآن کی اس انکشاف کا ثبوت بیسویں صدی کی سائنس نے مہیا کر دیا جس کے مطابق بارش کا انحصار صرف سمندر سے اٹھنے والے بخارات پر نہیں بلکہ اس کے لیے برقائی ذرات (Changed particles) کی ضرورت ہوتی ہے اور برقی ذرات بھی آسمانوں کی طرف سے آتے ہیں اور ان کا ذریعہ کائناتی شعائیں (Cosmic Rays) ہیں جو دوسرے ستاروں اور سورج سے نکل کر ہماری زمین کی طرف آتی ہیں۔ اگر یہ شعائیں نہ ہوں تو بخارات پانی کے قطروں میں تبدیل نہیں ہوں گے اور بارش بھی نہیں ہوگی۔ اب یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ پانی سے بخارات کا بننا، بخارات کا پانی میں تبدیل ہونا، ہواؤں کا چلنا ان سب کا سبب آسمان ہے۔ اسی طرح کڑک اور چمک جو ایک قدرت کی عظیم طاقت ہے کا اظہار بھی فرمایا اور آج ہم سائنس کے ذریعے ان کے اسرار سے واقف ہو رہے ہیں۔ (کتاب زندگی از سلطان بشیر محمود صاحب، قرآن حکیم ریسرچ فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۰۴ء) یہ ہدایت کی کتاب اس وقت (وقت نزول) سے رہتی دنیا تک صداقت کا سرچشمہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [21:2]

اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [22:2]

وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو مانند چھت بنایا اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالے اس سے طرح طرح کے پھل تمہارے رزق کے لیے، پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے مقابل حالانکہ تم یہ سب اچھی طرح جانتے ہو۔

آیت مبارکہ میں اب دلائل کے بعد مدعا بیان فرمایا کہ اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں (یعنی ابو الانسان آدم علیہ السلام کو اور ان سے لے کر آج تک) کو پیدا کیا اور اس کا مقصد (عبادت) کا یہ ہے

کہ تم متقی پرہیز گار بن جاؤ۔ متقی کی تعریف یہ ہے کہ جہاں اللہ نے کام کرنے کو کہا ہے وہاں کام کرنے کے لیے موجود رہتا ہو اور جہاں اعمال کرنے سے منع کیا ہے وہاں سے وہ غائب ہو۔

اپنے رب اور خالق ہونے کی مزید دلیل فرمائی کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا جس طرح ایک مکان کا فرش اور چھت اوپر اور نیچے کے خطرات سے آدمی کو محفوظ اور زندگی کو آرام سے گزرانے کی سہولت دی ہے۔ اسی طرح کائنات میں زمین اور آسمان جو زمین پر مخلوق بستی ہے بالخصوص انسان کے لیے یہی حیثیت رکھتا ہے۔ اب سائنسی تحقیق نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے کہ سطح زمین کی نوعیت ایسی ہے جو قابل رہائش یا قابل زراعت ہے۔ ساری زمین اگر پانی ہوتی، برف ہوتی اور کوئی گرم ہوا کی صورت ہوتی یا سطح زمین کی کیفیت اس کی اندرونی کیفیت (چند سو میٹر اندر) کی طرح ہوتی جہاں معدنیات ہیں تو انسانی زندگی بسر نہ ہو سکتی اور سائنس نے دریافت کیا ہے کہ فضا میں مختلف طبقات ہیں جو زمین کو کائنات کے مضر ایٹمی شعاعوں (Ultraviolet) سے محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ آب دریافت ہوا ہے کہ ایک طبقہ Ozone کسی ایک مقام پر پھٹ گیا ہے جس کی وجہ سے ایٹمی شعائیں اس سطح زمین کو تباہ کر رہی ہیں۔ لہٰذا چھت کا لفظ حقیقت کا اظہار ہے جو آج جدید سائنس کی ترقی سے ثابت ہو گیا ہے۔

ایک دلیل کہ پانی آسمان سے اتارا۔ اس کے بارے پچھلی آیت میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس سے تمہارے لیے زمین میں مختلف پھل پیدا ہوتے ہیں۔ ابتدا سے زراعت کا تعلق بارش سے بڑا واضح رہا ہے۔ جہاں بارشیں ہوتی ہیں وہاں اچھے فصل اور جنگلات ہیں اور جہاں بارش نہیں ہوتی وہاں بیابان وصحرا ہیں۔ لیکن موجودہ سائنس اور بالخصوص خلائی جستجو میں ترقی نے ثابت کیا ہے کہ فضا میں عملی بجلی کی چمک اور کڑک سے فضا میں ہائیڈروجن اور آکسیجن گیس کے ملنے سے نائٹرک آکسائڈ بن جاتا ہے جو پانی کے قطروں میں حل ہو کر زمین پر گرتا ہے۔ یہ نائٹرک آکسائڈ ملا پانی زمینی نشوونما کی صلاحیت کے لیے آب حیات یا کھاد کا کام کرتا ہے۔ قرآن نے یہ حقیقت چودہ سو سال پہلے بیان فرما دی مگر ہمیں اس کا سائنسی ثبوت آب حاصل ہوا ہے۔ یہ تمام عنایات کی وجہ سے عبادت کا استحقاق صرف اللہ کی ذات کا ہے کہ اس کی بندگی کی جائے اور اس کا تابعدار بندہ بن کر زندگی گزاری جائے۔ عبادت کا طریقہ وہی ہے جو حضور ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے۔ عبادت اگر عبد سے ہے تو پھر غلامی ہے اور غلام وہ ہے جو مالک کا حکم مانے۔

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ۪ وَ ادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ [23:2]

اگر تمہیں شک ہو اس پر، جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کیا تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور

بلا لو (اپنی مدد کے لیے) اپنے حمایتوں کو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَةُ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ[24:2]

پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔

دوزخ کی آگ کا ایندھن:۔

کلام الٰہی جب حضورﷺ نے پیش کیا تو کفار نے مختلف بہتان لگائے کبھی شاعر کہا، لیکن قرآن نے ان کے اس بیان کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم اس کو انسانی کلام کہتے ہو اور تمہیں اپنی فصاحت پر بڑا ناز ہے زبان دانی پر بڑا فخر ہے تو اس کی مثال کوئی ایک سورت لے کر آؤ۔ تاریخ گواہ ہے کہ قرآن نے یہ چیلنج کئی مرتبہ دیا لیکن اس وقت عرب اپنی فصاحت کے باوجود اور بڑی کوششوں کے باوجود کوئی آیت یا نمونہ نہ بنا سکے۔ عرب کے علاوہ غیر عرب اور یہود بھی کوششوں کے باوجود کچھ نہ کر سکے۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے اور یہ چیلنج آج بھی قائم ہے اور قائم رہے گا لیکن آج تک نہ کوئی اس کا مقابل لا سکا ہے اور نہ لا سکے گا۔

جب تم اس کا مقابل لانے میں ناکام ہیں تو تمہیں اللہ کی عبادت کرنی چاہیے اس کتاب کو ماننا چاہیے اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہیں آگ میں ڈال کر سزا دی جائے گی ۔ یہ ایسی آگ ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ یہ کلام ایک حکمت یا راز پر مبنی ہے جس کے اشکار ہونے میں وقت لگے لیکن اب یہ واضح ہو گیا ہے کہ آگ کا عمل کاربن اور آکسیجن کے جوڑ سے پیدا ہوتا ہے۔ جو ایک کیمیائی عمل ہے۔ عام طور پر آگ پٹرول، نباتات، حیوانی مادوں سے اس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ پچھلی ایک صدی سے آگ اور حرارت حاصل کرنے کا طریقہ دریافت ہوا ہے جو کہ ایٹمی ذروں (Fussion) کا ہے جس کے ذریعہ ایٹمی ای ایکٹر یا ایٹم بم، ہائیڈروجن، یورنیم بموں (Neuclear) سے حاصل ہوتی ہے۔ نہایت قلیل مادہ سے انتہائی کثیر مقدار میں توانائی حاصل ہوتی ہے جو کیمیائی عمل کے مقابل دس لاکھ گنا ہے۔ نیوکلیر عمل سے توانائی کا ایندھن یورنیم ۲۳۵ ہوتا ہے اور یہ یورنیم ۲۳۸ سے حاصل ہوتا ہے اور اس قسم کا یورنیم ایک مرکب کی صورت میں عام قسم کے ایک پتھر میں پایا جاتا ہے لہٰذا یہ پتھر بالواسطہ طور پر آگ کے ایندھن ہیں۔ جدید دور کے عظیم سائنسدان آئن سٹائن کے فارمولا کے مطابق ایک کلوگرام کی مقدار کے مادہ کو توانائی میں تبدیل کیا جائے تو اس سے حاصل ہونے والی توانائی اتنی ہو گی جتنی ۲۵۰۰ ٹن کوئلہ سے ملتی ہے اور اگر انسانوں اور پتھروں کے ایٹم کو براہ راست توانائی میں تبدیل کیا جائے تو بہت مقدار میں ایندھن مل جائے گا۔ (بحوالہ ڈاکٹر بلوک نور باقی۔ قرآن پاک اور سائنسی حقائق)

دوزخ کی آگ بھی پتھروں (جمادات) سے پیدا کرنا اسی طرح کا شاید عمل ہو۔ آنے والی سائنس کی تحقیقات شاید اس پر مزید روشنی ڈال سکیں۔ قرآن مجید نے تو اشارہ ۱۴۰۰ سو سال پہلے کر دیا ہے۔

وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ کُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ اُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ [2:25]

اور خوشخبری دیجیے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے یقیناً ان کے لیے جنت ہے جس میں نہریں بہتی ہیں۔ جب انہیں ان باغوں سے کوئی پھل دیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں۔ یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی دیا گیا تھا اور انہیں ملتا جلتا دیا جاتا ہے اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ ساتھی (بیویاں) ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ☆ یُضِلُّ بِهٖ کَثِیۡرًا وَّ یَهۡدِیۡ بِهٖ کَثِیۡرًا وَ مَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ [2:26]

بے شک اللہ حیا نہیں فرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی حقیر چیز کی مثال ذکر کرے۔ پھر وہ لوگ جو ایمان لائے خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں بھلا اللہ کو ایسی مثال سے کیا مقصود ہے؟ وہ بہت سے لوگوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور صرف فاسقوں کو ہی گمراہ کرتا ہے۔

پچھلی آیات میں عذاب کے بعد مومنین کے لیے خوش خبری کا اعلان ہے تاکہ حق اور باطل پر عمل کرنے والوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ خوشخبری ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور ساتھ نیک عمل کیے۔ اس سے ایک نکتہ اس آیت میں واضح ہو گیا ہے کہ ایمان بھی ضروری ہے اور اس کے لیے نیک اعمال بھی جنت میں جانے کے لیے ضروری ہیں۔ ایمان بغیر عمل فائدہ مند نہیں۔ اس طرح اچھے اعمال بغیر ایمان کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکتے۔ دونوں لازم و ملزوم۔ قرآن مجید میں ایمان اور عمل کے ساتھ کا ذکر کئی اور مقامات پر بھی کیا گیا ہے۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں علم، نیت، صبر، اخلاص (تفسیر مظہری) جنت کی کیفیت کا اظہار حقیقی طور پر انسان کے حواس سے بڑھ کر ہے۔ یہ تشبیہات ہیں جو کہ اس کی عظمت کے بارے میں ہیں۔ جنت کے بارے جو احادیث میں کیفیت مذکور ہے قرآن مجید میں اس کی وسعت زمین اور آسمانوں

جتنی ہے۔اس وسعت کا اندازہ آپ جدید سائنسی تخمینہ سے لگائیے کہ روشنی تین لاکھ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اگر کائنات کے ایک سرے (کنارے) سے دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لیے اس کو پندرہ ارب سالوں (۱۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰) میں نہیں پہنچ پاتی۔ یہ کیفیت ہماری زمین اوراس کے گرد کائنات کی ہے تو جنت کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔اس کے وجود سے سائنسی طور پر بھی انکار ممکن نہیں کہ بحثیت انسان ہم اپنے سیارے زمین کے بارے ابھی تک ناکافی معلومات رکھتے ہیں چہ جائے کہ دوسرے سیاروں کے بارے میں یقین سے کچھ کہہ سکیں۔

جنت کی زندگی:۔

جنت میں غذا اور فیملی نظام دنیا سے مختلف ہوگا۔انسانی نظام ہضم موجود غلاظت سے پاک ہوگا۔حدیث شریف کے مطابق پسینہ کے ذریعے مواد جسم سے خارج ہوں گے اور بو نہیں ہوگی۔سفلی جذبات، کینہ، بغض، حسد، جنسی ضروریات نہیں ہوں گی۔مومن مرد عورتیں اپنے اپنے سابقہ رشتہ ازدواج میں رہیں گے۔حوریں غلمان خدام سب کے لیے ہوں گے مرد ہو یا عورت۔ حسد کا عنصر نہیں ہوگا اس لیے کوئی سماجی مشکل نہیں ہوگی اور روایت میں ہے کہ مومنات، صالحات، حوروں کے مقابل زیادہ خوبصورت ہوں گی۔بحوالہ آیت (**انا انشانا هن فجعلنا هن ابكارًا عربا اتربا و هم فيها خالدون**) پھل کے بارے جو مثال دی گئی ہے کہ مومن اسے ایسے سمجھیں گے کہ یہ انھوں نے پہلے کھایا ہے لیکن جب کھائیں گے تو مختلف ہوگا۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کے پھل، جنت کے پھلوں کے مقابلے بہت حقیر ہوں گے۔چونکہ مماثلت ہوگی، اس لیے انسان کو استعمال میں ہچکچاہٹ نہیں ہوگی یا ان کا تعلق درجات سے ہے یا پھلوں کا تعلق بھی اعمال سے کوئی صورت ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

آگے آیت ایک اور موضوع کی طرف ہے۔اس آیت کے اسباب نزول کے بارے علامہ قرطبی نے تحریر فرمایا کہ قرآن پاک میں مکڑا اور مکھی کا ذکر ہے۔یہ مثالیں کفار کے لیے تھیں۔مدینہ شریف میں یہودیوں نے اس کا مذاق اڑایا کہ اتنی حقیر چیز کے بیان کی کیا ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

مچھر کی مثال مکڑا، مکھی یہ ساری مخلوق اپنے سائز میں انتہائی کمزور اور چھوٹی ہے۔دوسری طرف بڑے بڑے سیارے سورج بھی ہیں خدا کی ساری مخلوق باعث توجہ ہے۔حقیر و عظیم۔بڑی اور چھوٹی ہیں ناکارہ اور کارآمد کا تعلق انسان کے استعمال سے یہ سب اس کی قدرت کا مظہر ہیں۔مچھر حقیر ہے لیکن اس کی شکل ڈیزائن، اڑان، عمر، پیدائش وافزائش سب بڑے غور وفکر کی محتاج ہے اور ہم ساری معلومات اور سہولیات کے باوجود اس طرح کی کوئی چیز نہیں پیدا کر سکتے، انسانی صحت و بیماری کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔

مثالوں کے بعد فرمایا چونکہ منکریں اسلام کا مقصد انکار اور منفی انداز فکر ہے اس لیے حجت اور اعتراض کا سہارا لیتے

رہتے ہیں جبکہ مومنین اس کے ہر احکام کو مانتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کتاب بہت سارے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے اور بہت ساروں کے لیے گمراہی کا سبب ہے اور گمراہی ہے فاسقین کے لیے اور ہدایت ہے مومنین کے لیے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ [2:27]

یہ (فاسق) وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کرنے کے بعد اس کو توڑتے ہیں اور جس عہد کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو بھی توڑتے ہیں اور وہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں وہی لوگ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [2:28]

کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تم کو زندہ کرے گا پھر اس کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے۔

پچھلی آیت کے ساتھ مضمون میں منسلک ہے کہ فاسق اور کافر اللہ کی مثالوں اور حق کی کتاب جو نازل کی گئی اور نبی آخرالزماںؐ کی تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اللہ کے عہد سے مراد اس کی ربوبیت کا اقرار ہے جو انسان نے ازل سے کیا ہے اور منافق جو بظاہر اسلام لائے ہیں انھوں نے اسلام کے اقرار کے وقت اس کا اقرار کیا۔ اس کو توڑ رہے ہیں اسی طرح جس صلہ رحمی، انسانی تعلق اور پیار کا اللہ نے اپنی مخلوق انسانی کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے اسے پورا نہیں کرتے اور فساد برپا کرتے ہیں۔ یہ لوگ سخت نقصان اٹھائیں گے کیونکہ انکار اور حکم عدولی کے باعث سزا پائیں گے۔

اگلی آیت میں انسانی وجود اور عدم اور انسانی بےبسی کا ذکر ہے۔ مقصد ہے کہ خالق کی تعلیمات کو قبول کرنا۔ کہ تم کیسے اقرار کرتے ہو کہ پہلے کوئی تمہارا وجود نہ تھا۔ پھر نطفہ کی صورت میں مادر رحم میں وجود آیا اور زندگی کی صورت ملی۔ پھر موت نے ان لیا اور یہ روح وجسم کا تعلق ختم ہوگیا۔ یہ پھر دوبارہ زندگی عطا ہوگی اور تم اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے ہاں جاؤ گے۔ یعنی جسم اور روح کا تعلق مل جائے گا جس طرح دنیا میں مل جاتا ہے۔ یہ ساری تفصیل پھر غور وفکر، اللہ کے وجود پر دلیل دیتی ہے۔

زندگی اور موت دو اللہ کے تخلیقی امر ہیں جو زماں ومکاں کی حدود میں چل رہے ہیں اس کو "خلق الموت والحیات" فرمایا۔ ہم اس سفر کا حصہ ہیں۔ عدم وجود کی صورت یا وجود مادی کی صورت میں۔ زندگی کے ساتھ موت کا اطلاق فرما دیا۔ جو زندہ ہے اسے موت بھی آئے گی اور اس کی حکمت ہے اگر موت نہ ہوتی تو نہ صرف زمین کے وسائل کی ایک اور کیفیت

ہوتی۔ دوسری زندگی کی طوالت، اورضعف ایک روگ بن جاتا اس لیے موت بھی نعمت ہے۔اس زماں ومکاں کے سفر میں جو اللہ نے ہمارے لیے مقرر کر دیا ہے۔ جب روح جسم کے ساتھ ملحق ہوتی ہے تو اسے ہم حساسی زندگی تصور کرتے ہیں اور جب جسم سے روح جدا ہوتی ہے تو اسے موت تصور کرتے ہیں۔ یہ مثالیں اللہ تعالیٰ ہمیں جاننے کے لیے دی ہیں اور کئی مقام پر فرمایا ہے کہ تم کیوں غور نہیں کرتے ہو فکر نہیں کرتے؟ غور وفکر کا مطلب سے معلوم چیزوں سے کچھ بظاہر غیر معلوم چیزوں کا ادراک کیا جائے اوران کے موجود ہونے کا علم حاصل کیا جائے۔موجودہ علمی ترقی کا راز بھی اس کوشش کا نتیجہ ہے کہ بہت ساری غیر معلوم حقیقتیں جو آج سے دوسو سال پہلے ایک معمہ تھیں آج واضح ہوگئی ہیں۔ مادے کی کئی ایسی صورتیں ہیں جو ٹھوس سے مائع پھر گیس بن جاتی ہیں۔ جسمانی شکل تبدیل ہو جاتی ہے، کیفیت بدل جاتی ہے لیکن وجود باقی رہتا ہے۔لہٰذا یہ تبدیلی عدم اور وجود کی کیفیت ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ [29:2]

وہ ذات پاک ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے، سب کا سب۔ پھر اس نے توجہ فرمائی سماء (اوپر) کی طرف پس ان کو یہ آراستہ کیا سات آسمانوں میں اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

کافروں اور فاسقین اور مومنین کے لیے توحید کے دلائل کا سلسلہ جاری ہے کہ کس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر ذات کے بعد ماحول اور اردگرد کا ذکر فرمایا۔اس نے زمین کو پیدا کیا اور عنایت فرمائی کہ سارے کا سارا جو کرہ زمیں پر پیدا کیا گیا وہ تمہارے لیے ہے یعنی ہر چیز کا وجود بالواسطہ یا بلاواسطہ انسانی وجود کی خدمت کر رہا ہے۔ زمین کے اندر اور باہر سب کو یہ شامل ہے۔اس سے یہ بھی مقصود ہے کہ جب سارے کا سارا ہمارے لیے ہے تو کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور مسلمانوں کو تحقیق وجستجو کی دعوت ہے کہ وہ زمین پر تمام موجودات پر غور کریں، تحقیق کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے کم وجود (جسامت) کے باوجود انسان نے کس قدر عظیم کام کیے ہیں اور زمین کا ہر حصہ اس کی دسترس تک ہے۔ یہ مختلف وجود ارضی کوئی مافوق انسانی نہیں بلکہ اس کے خادم ہیں۔ انسان کو ان کو اپنا معبود نہیں بنانا چاہیے جس طرح پہلے بناتا رہا ہے۔ موجودہ سائنس اور انجینئرنگ یہی کوشش کر رہی ہے کہ ان کو کس طرح مسخر کر کے انسان کے فائدے کے لیے استعمال کیا جائے اور دن بدن نئی ایجادات ہو رہی ہیں کاش مسلمان بھی علم کی راہ میں آگے بڑھیں جس طرح آج سے ہزار سال پہلے تھے اور اللہ کے وجود اور توحید ورسالت اور انسانیت کی فلاح کا جھنڈا گاڑ دیں۔

کافر ہے تو آفاق میں گم ہے
مومن ہے تو گم اس میں ہے آفاق

زمین کے ذکر کے بعد جو انسان کے لیے حیران کن ہے وہ فضا ہے۔اس کا ذکر فرمایا کہ پھر اس خالق حقیقی نے زمین پیدا فرما دی جو تمہارے لیے تابع بنا دی گئی ہے۔آسمانوں کو پیدا فرمایا اور سات آسمان بنائے۔اب سائنس کوشش کر رہی ہے کہ فضا وخلا (Space) کے بارے معلومات حاصل کرلے۔ پہلے آسمان کی چیزیں تو ہم دیکھ سکتے ہیں۔انسانی سائنس کی پیمائش کی رفتار صرف روشنی ہے جو کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے لیکن انسان کی بے بسی دیکھئے کائنات کی وسعتوں کی پیمائش کے لیے یہ پیمانہ ناکافی ہے۔

پھر سات آسمان کی ایک توجیہ سائنسی نقطہ نظر سے یہ بھی ہوسکتی ہے کہ فضا کے اندر مختلف نظاموں کا انسان کو ادراک ہو رہا ہے۔ جوں جوں الات وحساب وکتاب کی پیمائش کے ضمن ترقی ہو رہی ہے نئی دریافتیں سامنے آرہی ہیں اور یہ سات سسٹم ہوں (اللہ صحیح جانتا ہے) لیکن ایک چیز واضح فرما دی گئی کہ جس طرح زمین ایک خاص قرینے اور نظام سے خوبصورت اور منظّم ہے اسی طرح آسمانوں کا نظام بھی اس خالق نے منظّم طریقہ سے کیا ہے۔آج کا غیر مسلم سائنسدان جو مسلمانوں سے بہت آگے ہے اس نظام کا تو اقرار کرتا ہے اس کے ڈیزائن سے حیران ہے لیکن اس کے خالق کے ادراک واقرار کی طرف نہیں جاتا جس کو قرآن ان ایات کے ذریعہ پکار رہا ہے۔شاید اس لیے کہ کچھ لوگ اس سے ہدایت پکڑیں گے اور کچھ محروم رہیں گے۔جب اتنے وسیع نظام ارض وسما کا ذکر کیا تو لامحالہ اس کے خالق کا علم بھی وسیع ہوگا۔اس کو بیاں فرمایا کہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔اس کے علم کی حدود متعین نہیں انسان کے تصور سے باہر ہے۔کائنات کی حدود کا تعین انسان نہیں کرسکتا۔اس کی وسعت کا ادراک نہیں اور اس کی وسعت کو ناپنے والی روشنی شاید واپس ہی آنہیں سکتی یہ انسانی بے بسی ہے۔

حالق کائنات نے کائنات کو چلانے کے اصول ونظام بنائے ہیں۔وہ ان نظام کا پابند نہیں۔نظام اس کے تابع ہیں اور ہم انسان اور ہمارا علم ان نظاموں اور سسٹم کا ایک بہت حقیر معمولی حصہ ہے۔لہٰذا نظام کا اطلاق، خالقِ نظام پر نہیں ہوسکتا۔جس طرح پانی میں مچھلی اور ہوا میں اڑنے والا پرندہ کو ہوا یا پانی تو جانتا ہے لیکن وہ اس کی وسعت کو نہیں جانتے ہیں۔ذات خدا علم وخبیر ہے اور اس کا علم کلی ہے۔جبکہ دوسروں کے علوم جزوی ہیں۔اس کیفیت کو قرآن نے بار بار ذکر کیا ہے تاکہ قاری اپنی بے بسی کا دل سے اعتراف کرے اور خالق حقیقی کی عظمت کا دل سے اقرار کرے۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ [30:2]

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں زمین پر خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں وہ

بولے: کیا تو اسے بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح، تیری حمد اور تیری تقدیس (پاکی) بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

انسانی کردار (ماننے والوں اور انکار کرنے والوں، دھوکہ دینے والوں) کے بعد انسانی تخلیق کا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔

خلافت الٰہی:۔

انسان کو پیدا فرمانے کا ارادہ ربانی تھا۔ انسان بنانے کے بعد فرشتوں سے اس کے بارے حکم فرمایا کہ میں اپنا زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتے چونکہ تقدیس وتسبیح میں آگے تھے لہٰذا یہ غیر معمولی خبر تھی۔ گزارش کی کہ ہم ہر وقت تیری تسبیح بیان کرتے ہیں، تیری حمد بیان کرتے ہیں اور تیری پاکی کا ذکر کرتے ہیں اور زمین پر جو آپ مخلوق بنا رہے ہیں وہ فساد کرے گی۔ فرشتوں کی یہ گزارش کوئی اعتراض کی کیفیت نہیں تھی اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے فعل میں ان سے مشورہ لے رہا تھا بلکہ ایک اطلاع تھی۔ فرشتوں کے اس جواب کے بارے کہ وہ خون بہائے گا، اس کے بارے علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ زمین پر انسان سے پہلے جنوں نے فساد کیا جن کو ختم کرنے کے لیے اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا اور فسادیوں کو انھوں نے قتل وختم کر دیا۔ شاید اس واقعہ کی بنا وہ اس نئی مخلوق کو فساد کرنے والا تصور کر رہے تھے۔ اللہ کی ذات کا جواب بہت پر معنی ہے کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اس لیے میرا فیصلہ صحیح ہے۔

خلیفہ کا اعزاز انسان کو بخشا جو انسان کی عظمت کی دلیل ہے کہ وہ نائب خدا ہے اور زمین پر اس کے مقابلہ میں کوئی طاقتور نہیں اور پھر یہ بھی اس کی ذمہ داری کہ اللہ کے نظام واحکام یعنی اس کی الوہیت کو منوائے اور اقرار کروائے اور دین خداوندی پھیلائے۔ اس کی استعداد دوسری زمین پر موجود مخلوقات سے زیادہ ہے۔ جو جسم میں کمزور ہے اور ابتداء علم میں کم ہے لیکن استعداء علمی میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے منصب خلافت کا سب سے زیادہ اہل ہے اس کی تفصیل حضرت علامہ اسماعیل حقی کی تفسیر روح البیان میں موجود ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ انسان مختلف عناصر سے مرکب ہے اس کی صورت کا تعلق عالم محسوس سے ہے۔ روح کا تعلق عالم غیب ملکوتی سے صورت وروح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوت ہے جو انوار ربانی کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اچھی تربیت سے وہ عالم محسوس سے ترقی کر کے عالم غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اتباع (یعنی تربیت روحانی) سے اس پر عالم جبروت وعظموت کی راہیں کھلتی ہیں، وہ الٰہی نور جو اسے پیروی واطاعت کی برکت سے اسے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے وہ جمال وجلال کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ سبحان اللہ یہ خاک کا پتلا کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ بقول اقبال:۔

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہیں ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ. بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ [2:31]

اور اللہ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھا دے پھر پیش کیا انھیں فرشتوں کے سامنے۔ پس فرمایا ان تمام کے اسماء (نام) بتاؤ اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو۔

قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ [2:32]

وہ (عاجزی سے) بولے تیری ذات ہر عیب سے پاک (اور کمال میں بے مثال) ہے۔ ہمیں کچھ علم نہیں ماسوائے جو آپ نے ہمیں سکھا دیا بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ [2:33]

فرمایا اے آدم بتا دو انہیں ان چیزوں کے نام، پھر جب آدم نے بتا دیے فرشتوں کو ان کے نام تو فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا تمہیں کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے سب غیب (چھپی ہوئی چیزیں) جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو۔

تخلیق آدم کے فیصلہ کے اعلان اور فرشتوں کی گزارشات کے بعد عظمت آدم کے بارے زیادہ تفصیل ان ایات میں ہے۔ عظمت آدم کا اعلان ایک عملی امتحان کے بعد کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابوالانسان حضرت آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھا دیے۔ نام سکھانے کا مطلب ہے کہ جب نام بتایا جائے تو چیز کی ایک کیفیت بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کو تمام نام بتانے کی ایک توجیہ یہ ہے کہ انسان تمام علوم کا استفادہ کرسکتا ہے۔ کائنات کے اسرا سے واقف ہوسکتا ہے۔ جس طرح ہمارے نبی ﷺ بھی شب معراج تمام کائنات کی سیر کی اور جنت ودوزخ کو دیکھا۔ یہ علوم انسان کی استعداد۔ نہ صرف حسی معلومات جو مادہ پر مبنی ہیں جن پر سائنسی علوم کی تحقیق جاری ہے۔ شامل ہیں بلکہ روحانی علوم کشف الہامی، عمومی وجدان (intuition)، اور علوم نورانی جو انبیاء کو عطا کیا جاتا ہے شامل ہے۔ یہ انسان کا امتیاز ہے۔

ان اشیاء کو فرشتوں اور آدم کے سامنے پیش کیا گیا اور ان کے بارے فرشتوں سے سوال کیا گیا لیکن وہ جواب نہ دے سکے اور اپنی عاجزی کا اعتراف کیا۔ اللہ کی حمد وثنا بیان کی کہ یہ ہمارے علم سے باہر ہے۔ ہمیں تو وہی علم ہے جو آپ نے دیا ہے

اس کے بعد آدم سے اس کے بارے پوچھا گیا۔ آدم نے ان تمام اشیاء کے نام بتا دیے اور اس کی علمی برتری ایک امتحان میں فرشتوں پر ثابت ہوگئی اور ان کا پہلا جواب کہ یہ مخلوق فساد کرے گی کا جواب ان کو مل گیا۔ آدم کی خلافت کی اہلیت ثابت ہوگئی اس کے بعد تاکید کی۔ فرمادیا کہ علم کا سارا منبع میں ہوں یہ فرشتوں کا ہو یا آدم کا میں سب کو جانتا ہوں۔ کوئی بھی چیز، مجھ سے چھپی ہوئی نہیں۔

انسانی خلافت الٰہی کے اعلان کے بعد آیات میں اعزاز کا ذکر ہے۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ ٭۫ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ [2:34]

جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کرو آدم کو۔ پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کفار (انکار کرنے والوں) میں داخل ہوگیا۔

وَ قُلۡنَا یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَ زَوۡجُکَ الۡجَنَّةَ وَ کُلَا مِنۡهَا رَغَدًا حَیۡثُ شِئۡتُمَا ۪ وَ لَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ [2:35]

ہم نے کہا۔ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اس میں سے دونوں کھاؤ جو چاہو اور جس جگہ چاہو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم حق تلف کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّیۡطٰنُ عَنۡهَا فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا کَانَا فِیۡهِ ۪ وَ قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ [2:36]

پس شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا پھر ان دونوں کو وہاں سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے۔ ہم نے فرمایا۔ تم سب اس مقام سے نیچے اتر جاؤ تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا اور فائدہ اٹھانا ایک خاص مدت تک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کی تعظیم کے اقرار کے طور پر سجدہ کا حکم دیا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا اور تکبر کیا کہ وہ بڑا ہے۔

سجدہ کا مطلب ہے تذلیل اور خضوع اور شریعت میں جبین (ماتھے) کو زمین پر رکھنا سجدہ ہے۔ یہ سجدہ تعظیمی وتحیہ (احترام) کا تھا عبودیت کا نہیں تھا کیونکہ پہلی امتوں میں تعظیمی سجدہ کی اجازت تھی جو کہ حضورﷺ نے ختم کر دی۔ ابلیس نے حسد اور تکبر کی وجہ سے کفر کیا اور دھتکارے جانے والوں میں داخل ہوگیا اور یہ اس کی انسانوں سے دشمنی کی وجہ بن گئی۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کی زندگی اور راحت کے دروازے حضرت آدم اور حضرت حوا پر کھول دے اور فرمایا جو چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس جانے یعنی کھانے سے منع فرما دیا اور فرمایا اگر اس کو کھایا تو زیادتی کرنے والوں میں شامل ہو گے۔ یہاں انسان کے اختیار کا امتحان تھا جس میں مشیت ایزدی نے انسانوں کو اس دنیا میں ڈالا ہے۔ شیطان ازلی دشمن موقع کی تلاش میں تھا اس نے حضرت آدم کو پھسلایا، بہکایا اور دھوکہ دیا جس کے نتیجے میں آپ سے بھول ہوگئی۔ آپ نے وہ کیا جو نہیں کرنا تھا جس کے نتیجے میں جنت سے نکلنا پڑا۔ کیا یہ غلطی یا خطا تھی جو ایک نبی سے سرزد ہوئی۔ انبیاء معصوم ہوتے ہیں (یعنی گناہ سے اللہ انہیں محفوظ رکھتا ہے) لہٰذا قرآن مجید کے الفاظ **فاذلا** ہے یعنی پاؤں کا پھسل جانا جو بغیر ارادہ کے ہوتا یعنی یہ حرکت ایک غلط فہمی کی بنا غیر ارادی تھی۔ گناہ اس وقت ہے جب اس میں ارادہ شامل ہو۔ لہٰذا یہ بھول چوک تھی، جو انبیاء سے ممکن ہے لیکن آپ کے مرتبہ کے لحاظ سے اللہ کے غصہ کا سبب بنی (”**حسنات الابرار سیات المقربین**“ ابرار کی نیکیاں مقربین کے لئے خطا کا درجہ رکھتی ہیں) اور آپ کو جنت سے نکالا گیا۔ شیطان کو بھی نکالا گیا تھا اور انسان کی بعض انسانوں کے ساتھ بغض، حسد، کینہ کی وجہ سے دشمنی کو اس کی زندگی کا حصہ بنا دیا۔ پھر زندگی کی مدت زمین پر محدود اور معین کر دی گئی۔ یہ وقت بھی ہمارے لیے اختیار کے استعمال کی آزمائش کی مدت ہے۔ ضروری ہے کہ اس وقت میں بھی شیطان (ازلی دشمن) سے بچا جائے اور احکام خالق کی پابندی کی جائے جس میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ [2:37]

پس سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات، تو اللہ نے توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے۔

قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ [2:38]

ہم نے حکم دیا اتر جاؤ تم سب کے سب اس جنت سے پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت (پیغام) تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور وہ نہ غمگیں ہوں گے۔

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ [2:39]

البتہ وہ جنھوں نے ہماری ہدایت سے انکار اور اسے جھٹلایا، وہی آگ کے ساتھی ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

حضرت آدم اپنی خطا پر بہت نادم ہوئے اور آنسوؤں کے دریا بہا دیے پریشانی اور غم نے گھیر لیا۔ اللہ کی ناراضگی کے

احساس نے وہ کیفیت پیدا کر دی کہ پتھر بھی موم بن جاتے۔ اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور اپنے نبی کو کچھ کلمات سکھائے جن کی وجہ سے معافی ہوگئی اور توبہ قبول ہوگئی۔ کیونکہ وہ بہت مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ وہ مقدس کلمات کیا تھے جو توبہ کی قبولیت کا وسیلہ ہے۔ (جواھر الحسان فی تفسیر القرآن، علامہ الشیخ عبدالرحمٰن الثعالبی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۶ء، جلد اول) میں اس آیت کے ضمن میں درج ہیں مختلف آرا ہیں۔ اکثریت کی رائے ہے کہ "رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا" (سورۃ الاعراف ۲۳) کی آیت تھی ایک روایت ہے کہ کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" عرش پر تحریر دیکھا اور پڑھا۔ مقصود توبہ ہے اور توبہ کو اللہ قبول کرنے والا ہے۔ اس میں ہمارے لیے سبق ہے کہ ہم اپنی غلطی پر فوراً توبہ کریں اور معافی مانگیں۔ حضور کی حدیث ہے کہ اللہ توبہ قبول کرنا اور معاف کرنا بہت پسند کرتا ہے۔

عیسائیت اور اسلام کا نظریہ انسانی پاکیزگی:۔

اس واقعہ کے پیش نظر عیسائیت کا نظریہ ہے کہ ہر آدمی گنہگار پیدا ہوا ہے۔ حضرت آدم کی اس غلطی کا حصہ دار ہے اور اسے جب تک پاک نہیں کیا جاتا وہ پاک نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے عیسائی بچے جو معصوم ہوتے ہیں اور چرچ میں پاکیزگی کی رسم (Baptism) سے پہلے اگر فوت ہو جائیں تو وہ گنہ گار تصور ہوتے ہیں۔ کس قدر عجیب ہے کہ ایک بچہ جس کو زندگی کا کچھ پتہ نہیں ایک گنہ گار فرد بن کر اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے جبکہ اسلام میں ہر نومولود دین فطرت پر ہے۔ یہ اس حدیث پر مبنی ہے کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا پھر اس کے والدین (ماحول) اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں جو ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔

انسانی تاریخ:۔

حضرت آدم کی دنیا پر آمد سے اسلامی نقطہ نظر واضح ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق بحیثیت انسان ایک علیحدہ مخلوق ہوئی جو کہ نظریہ ارتقاء حیوانات (ڈارون) کے خلاف ہے اور پھر آپ صحیح وسالم حالت میں دنیا میں اتارے گئے چونکہ آپ جنت میں ہر طرح کے انعامات دیکھ چکے تھے اور اسی کے ناموں سے آگاہ تھے اس لیے یہاں زندگی کی ابتدا بھی مناسب ماحول میں ہوئی البتہ اسباب کی کمی کی وجہ سے بود وباش کی نوعیت بہت معمولی اور سادہ تھی۔ دوسری تھیوری یہ ہے کہ پہلی آمد بطور سزا ہے اور دوسری قبولیت بطور انعام کیونکہ زمین پر خلیفۃ اللہ کا فرض نبھانا ہے دونوں میں اختلاف زمان ہے۔ اور تاکید کے لیے دوبارہ ارشاد فرمایا (صفوۃ التفاسیر، محمد علی الصابونی، مکتبہ عصریہ بیروت، جلد اول)۔

ابلیس:۔

وجود ابلیس کیا ہے؟ فرشتوں میں ہے یا جنوں میں دو اقوال ہیں ایک قول ہے کہ فرشتوں میں لیکن اکثریت کا قول جس کی روایت حسن بصریؒ کی طرف ہے کہ جن ہے اس کے درج ذیل دلائل ہیں۔ (۱) ملائکہ معصیت سے پاک ہیں اور ابلیس نے

نافرمانی کی۔(۲) ملائکہ کی تخلیق نور سے ہے جب کہ جنات کی تخلیق آ گ سے ہے۔(۳) ملائکہ (فرشتوں) کی اولاد نہیں جبکہ ابلیس کے لیے ہے۔قرآن مجید سورہ کہف میں اسکا ذکر بطور جن آیا ہے۔(الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ) حضرت حسن بصری کبار تابعین میں سے ہیں ان کا قول ہے''ماکان ابلیس من ملائکة طرفته عین'' کہ ابلیس ملائکہ، پلک جھپکنے کے برابر بھی نہیں رہا جن ہے۔(درجہ بالا دلائل کافی ہیں)

اس خطا آدم میں یہ حکمت بھی مضمر تھی کہ بنی نوع آدم کا زمین پر سفر حیات شروع ہو کر اس امتحان سے گزرنا مقصود تھا تاکہ اچھے اور برے۔اقرار کرنے والے اور کفار کرنے والوں کا فرق واضح ہو جائے۔

اسی بات کو اگلی آیت میں فرما دیا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی اور جس نے اس کی اتباع کی اسے کوئی خوف اور ڈر نہیں۔ہدایت سے مراد بنی نوع انسانی کے لیے مختلف انبیاء کرام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر علاقہ کے انسانوں کے بھیجے ہیں اور انھوں نے ہدایت کا پیغام پہنچایا۔کچھ پیغمبروں کو کتابیں/ صحیفے بھی دیئے گئے اور اکثر تو بغیر صحیفوں کے ہدایت دیتے رہے اس کی آخری کڑی ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ خاتم النبین ہیں۔ہدایت پر چلنے سے کوئی غم اور خوف نہیں ہوگا۔یہ دونوں شدید اعصابی بیماریاں ہیں جو انسان کو ختم کر دیتی ہیں۔

ہدایت سے انکار کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کے لیے عذاب کی وعید فرما کر یہود جو کہ اس کے مرتکب ہو رہے تھے کا ذکر اگلی آیات میں فرمایا ہے۔

يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ وَ اِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ [2:40]

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت کو جو میں نے تمہیں انعام فرمائی اور تم میرے ساتھ (کیے گئے) وعدہ کو پورا کرو۔میں بھی تمہارے ساتھ (کے گئے) وعدہ کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

وَ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَ لَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا وَّ اِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ [2:41]

اور ایمان لاؤ اس پر جو (اب) میں نے نازل کیا ہے۔وہ جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس پہلے تھا۔خبردار کفر میں پہل نہ کرنا اور میری ایات کے بدلے میں حقیر قیمت نہ لینا اور تم صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔

وَ لَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ تَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ [2:42]

اور مت ملایا کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم اسے جانتے ہو۔

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ [2:43]

اور صلوۃ (نماز) کو قائم کرو اور زکوۃ دو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

بنی اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب کی اولاد ہے۔ اسرائیل ان کا لقب تھا اس کے معنی ہیں عبداللہ (اللہ کا بندہ) اللہ نے اپنے انعام واکرام جو ان پر کیے تھے کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم کے فرزند حضرت اسحٰق سے ان کا سلسلہ شروع ہوا اور تقریباً دو ہزار تک کئی انبیاء ان کی قوم سے آئے اور اللہ تعالیٰ نے نبوت اور علم کی فضیلت ان کو عطا فرمائی۔ سب انسان برابر ہیں لیکن علم اور نبوت ایک فضیلت ہے۔ اس فضل کے بدلے ان کو ان کے وعدے پورے کرنے کو حکم فرمایا ہے۔ یہ عہد اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت کا ہے۔ تورات کے الفاظ یہ ہیں ''تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند تیرا خدا ہے اور تو اس کی راہوں پر چلے گا اور اس کے آئین اور فرمان اور احکام کو مانے گا اور اس کی بات سنے گا۔'' (استثناء ۲۶:۱۷) یہ ایک یاددہانی توریت کے احکام پر مکمل طور پر عمل کرنے کی ہے اور دوسری طرف حضرت محمدﷺ کی جو بشارت تورات میں دی گئی اس پر عمل کرنا یاد دلانا ہے۔ یہود وعدہ بھولنے کی وجہ سے جو نقصان پہلے تاریخ میں کھا چکے ہیں۔ اب اگر نبوت محمدی کی تصدیق نہیں کی اور مخالفت کی تو پھر وہی نقصان اٹھائیں گے۔

پھر فرمایا کہ آیات خداوندی کے بدلے حقیر قیمت وصول نہ کرنا کیونکہ یہود تجارتی مفادات اور حکمرانوں کی خوشی کے لیے توریت کے احکام میں ردوبدل کرتے رہتے تھے ان دنیاوی مفادات کو اخروی اور ایمانی مفادات کے مقابلہ میں حقیر بیان کر کے دین کی عظمت کی یاددہانی کرائی ہے۔ یہ احکام اس وقت یہودی قوم کے لیے تھے۔ اور آج ہمارے اپنے علماء کے لیے بھی اسی طرح ضروری ہیں کہ وہ حق کے مقابلے میں ذاتی ترجیحات کو خواہ معاشی ہوں یا سماجی یا سیاسی کو نظر انداز کر کے حق کا ساتھ دیں۔

حق کی بات:۔

مت چھپاؤ حق کا ذکر بھی اسی ضمن میں ہے کہ مفادات کی خاطر حق کو چھپا دینا یا اس کی ایک دور کی توضیح یا مطلب نکال لینا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ آج کے علماء کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔ مذہبی تعصّبات اور فرقہ بندی انہی توضیحات اور توجیہات کی وجہ سے ہے۔ پھر فرمایا نماز قائم کرو تمام الہامی مذاہب بالخصوص یہودیت اور عیسائیت میں ہے۔ زکوۃ دو اور جھکنے والے یعنی عبادت کرنے والوں میں ہو جاؤ۔ قرآن کے یہ احکام دائمی ہیں اور اب امت مسلمہ پر ان کا مکمل اطلاق ہے اور کامیاب زندگی کا یہی طریقہ ہے جس میں انفرادی (نماز) زکوۃ (معاشرتی) اور اتحاد واجتماعی (رکوع مل کر کرو) کا نظام دیا گیا ہے۔

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَ تَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ

[44:2]

کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو۔ حالانکہ تم پڑھتے کتاب ہو۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔

وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ وَ اِنَّہَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخٰشِعِیۡنَ [45:2]

مدد طلب کرو صبر اور صلوۃ سے بے شک وہ بڑی بھاری بات ہے سوائے عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں)۔

الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وَ اَنَّہُمۡ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ [46:2]

جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بارے روایت ہے کہ کچھ علماء، یہود لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر شاباش دیتے تھے لیکن خود اس کا اقرار نہیں کرتے تھے۔اس لیے فرمایا کہ تم لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہو لیکن خود اپنی ذات کو بھول جاتے ہو کس قدر خوبصورت تشبیہ کہ اپنی ذات کو یاد رکھنا ایک فطری تقاضا ہے لیکن مصلحتوں، مفادات کی وجہ سے اس کو بھلا دیتے ہو، عالم بے عمل سے بڑھ کر معاشرے میں کوئی نقصان وہ نہیں کیونکہ بار بار لوگوں کو دعوت دے کر اور اپنے کردار میں ان کے برعکس عمل کرنے سے انسان کا ضمیر مر جاتا ہے اور کردار ختم ہو جاتا ہے۔ شیطانی بیماری ہے جو جھوٹا، نکما کر دیتی ہے۔

علم و عمل:۔

یہ تعلیم یہودیوں کے علاوہ آج کل کے مسلمان علماء کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ وہ کیوں اپنے آپ کو بھول رہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''معراج کی رات مرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے جبرئیل سے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبرئیل نے کہا۔ دنیا کے خطیب ہیں (ایک روایت میں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں) جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے نفسوں کو بھلائے رکھتے تھے حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے تھے۔''

پھر مشکل حالات کے لیے اللہ نے ایک طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ مدد طلب کرو۔ (ا) صبر کے ساتھ، (۲) صلوۃ (نماز) کے ساتھ۔ صبر کا مطلب ہے کہ اپنے ارادہ کی پختگی کی وجہ سے اپنی نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے ضمیر و قلب کے فیصلہ پر ڈٹے رہنا اور کوشش کرتے رہنا ہے۔ پھر فرمایا کہ نماز سے مدد مانگو یعنی اللہ کی یاد کو دل میں رکھ کر محنت کرتے رہو اور اس پر بھروسہ رکھو۔ حضور ﷺ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش آتا وضو فرماتے نماز ادا کرتے اور اللہ سے مدد طلب

فرماتے۔ آیت کی ترتیب میں صبر کو مقدم فرمایا ہے جو کہ ایک عمل کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نماز دعا اور توکل بعد میں ذکر کی ہے کہ اسباب کا استعمال بھی بہت ضروری ہے۔ وہ اللہ کے بھروسہ اور اس کے ساتھ لگاؤ کے خلاف نہیں۔

یہ عمل انسانی خواہشات کے مقابل بہت مشکل بھاری ہے اور اکثر لوگ اس پر عمل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس کا جواب فرمایا کہ جو عاجزی کرنے والے ہیں ان پر بھاری نہیں بلکہ ان کے اپنے خشوع اور عاجزی کی وجہ سے آسان ہے اور نماز کا اظہار خشوع اور عاجزی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ یقین کرتے ہیں (یہاں ظن کو یقین کے معانی میں ہے جو کہ عربی میں استعمال ہوتا ہے) کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں یہ یقین ہی بڑا محرک ہے جو صبر صلوٰۃ اور عاجزی کو زندگی میں نافذ کرتا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی ہمیں اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔

يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ [47:2]

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو میں نے تم پر کی اور بے شک میں نے تمہیں فضیلت دی جہاں والوں پر۔

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـئًا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ [48:2]

ڈرو اس دن سے جب کوئی شخص کچھ بھی کسی کا بدلہ نہ دے گا اس کے لیے سفارش نہ قبول کی جائے گی اور کوئی اس سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور نہ مدد کیے جائیں گے۔

بنی اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے جو یہودی مذہب کی بڑی پیروکار اور مبلغ تھی یعنی حضرت یعقوب کی اولاد سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ انبیاء پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کے زمانہ میں ان کو مصر میں ترقی دی۔ مختلف ادوار میں انبیاء اور علماء کی وجہ سے ان کی فضیلت اس وقت کے تمام انسانوں پر ظاہر ہوئی اور حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں ان کی حکومت بہت وسیع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ اس عظمت کو اپنی نعمت فرما رہا ہے۔ پھر ان کا کردار کمزور ہوگیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے پیروکار نعمت خداوندی کے مستحق ٹھہرے پھر ان کے اندر گمراہی آگئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی نبوت کا عرصہ تا قیامت ہے۔ اس کے بعد پھر یہ فضیلت امت محمدیہ ﷺ پر منتقل ہوگئی اور قیامت تک رہے گی۔ مسلمان اگر اس نعمت کا احساس نہیں کریں گے تو وہ بھی فضیلت کھو بیٹھیں گے۔

انسانی فضیلت:۔

انسانیت میں سب انسان برابر ہیں لیکن فضیلت اعمال صالحہ کی بنا پر ہے نسل پر نہیں۔ چونکہ اس وقت ہدایت، علم وحکمت اور حکومت یہود میں تھی اس لیے ان کی فضیلت بیان فرمائی اور جب ان سے یہ ختم ہوگئی تو وہ ذلیل ہو گئے اور یہی اب اصول امت مسلمہ پر بھی ہے۔

یوم حساب کی کیفیت بیان فرمائی کہ یہ دن بڑا سخت ہوگا جب مخلوق کا حساب وکتاب ہوگا اور اپنے اعمال کی جزا وسزا ملے گی۔ یہود جن کی خاطر دین میں تحریف کرتے تھے یا جس کی خاطر دین کو نظر انداز کرتے تھے وہ نہ تو ان کو بچا سکیں اور نہ سفارش کرسکیں گے اور نہ کسی معاوضہ کے عوض گناہ یا جرائم کی سزا معاف ہوگی۔ یہود کا یہ نظریہ تھا کہ وہ جو بھی کریں ان کو بخشا جائے گا۔ لہٰذا اللہ نے ان کی اس فکر کو رد فرمایا دوسری طرف۔ اسلام میں وہ مسلمان جو اسلام پر عمل کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے گا۔ کئی احادیث میں درج ہے کہ شفاعت ملے گی اور یہ ہمارے عقیدہ کا حصہ ہے۔ اور جو نبی ﷺ کی تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہیں شفاعت سے محروم رہیں گے۔ ایک روایت کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن مجھ سے لوگ شفاعت کی درخواست کریں گے لیکن میں ان کو نظر انداز کردوں گا کیونکہ انہوں نے میری ان تعلیمات پر عمل نہیں کیا جن کی ان کو ہدایت دی گئی تھی (تفسیر روح المعانی)

وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ [49:2]

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں نجات بخشی۔ آل فرعون سے جو پہنچاتے تھے تمہیں سخت عذاب، ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے۔

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ [50:2]

اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا، پس تمہیں بچا لیا اور ڈبو دیا قوم فرعون کو اور اس وقت تم کنارے پر کھڑے دیکھ رہے تھے۔

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ [51:2]

اور یاد کرو جب ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے چالیس رات کو پھر بنا لیا ان کے بعد تم نے بچھڑے کو (معبود)

تم سخت ظالم تھے۔

ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ [52:2]

پھر بھی ہم نے تمہیں معاف کر دیا (اس ظلم/شرک کے باوجود) تا کہ تم پھر سے شکر گزار بندے بن جاؤ۔

شق دریا:۔

بنی اسرائیل پر ان کے دینی واخلاقی انحطاط کی وجہ فراعنہ (قبطی قوم) غالب آ گئی جس کے بادشاہوں کا لقب فرعون ہوتا تھا۔ایک فرعون (حضرت موسیٰ کی پیدائش کے وقت حاکم) نے حکم دیا کہ اسرائیلیوں کے لڑکوں کو قتل کیا جائے اورلڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔اس کے بارے مختلف اراء ہیں۔ایک یہ ہے کہ اس نے ایک خواب یکھا کہ آگ بیت المقدس سے اٹھی ہے اورمصر کو بھی جلا دیا۔اس کی تعبیر اسے یہ بتائی گئی کہ ایک لڑکا بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا اور تیری حکومت ختم کر دے گا اس لیے اس نے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ایک یہ رائے کہ مقصد تھا کہ بنی اسرائیل کی افزائش یا نسل میں کمی کی جائے تا کہ یہ غلام رہیں اور حکومت کے لیے خطرہ نہ ہوں۔ یہ ایک سامراجی سوچ تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو پھاڑنے کا ذکر کیا۔ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو راتوں رات اکٹھا کر کے شہر سے نکل گئے اور جب صبح قبطوں کو پتہ چلا تو انھوں نے لشکر لے کر ان کو قتل کرنے اور واپس لانے کے لیے پیچھے نکل پڑے۔ راستے میں دریا حائل تھا۔حضرت موسیٰ نے اپنا عصا مبارک مارا اور دریا پھٹ گیا اور راستہ بن گیا جس سے گزر کر بنی اسرائیل پار نکل گئے اور جب قبطیوں نے راستہ دیکھا تو وہ بھی اس میں چل پڑے۔ دریا دوبارہ اللہ کے حکم سے مل گیا اور وہ غرق ہو گئے۔

یہ ایک معجزہ تھا۔اس کی سائنسی توجیہ تو پہلے نہیں نکل سکتی تھی البتہ ۲۰۱۲ء میں Yahoo (یاھو) پر ایک خبر شائع ہوئی کہ امریکن سائنسدانوں نے ہوا کی شدت اور دباؤ کا اندازہ لگایا اور اس کے مطابق اگر ہوا ۱۲۰ میل یا اس سے تیز رفتار سے چلے تو وہ پانی کو چیر سکتی ہے۔ پانی کی لہروں کی حرکت روک سکتی ہے۔اور جب تک ہوا کی شدت رہے پانی کے حصے ہوا کے دباؤ کی وجہ سے علیحدہ رہیں گے اور جونہی دباؤ کم ہوگا تو آپس میں مل جائیں گے۔اس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ معجزہ بذریعہ عصاء اللہ نے پیدا فرما دیا ہو۔ ہوا کی شدت یا دباؤ (تیز آندھی) پیدا ہو کر ایک طرف دریا کے پانی کو تقسیم کر دیا اور ساتھ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو تیزی سے گزرنے میں مدد دی۔اسی دروان فرعون اور اس کی فوج پہنچ گئی اور ہوا نے دباؤ کو جاری رکھا۔ پانی میں علیحدگی برقرار رہی اور ہوا کی تیزی سے فرعون کا لشکر بھی دریا کے اندر بہت جلدی چلا گیا اور جب درمیان میں پہنچا چونکہ بنی اسرائیل دریا سے باہر نکل چکے تھے اللہ تعالیٰ نے ہوا کا دباؤ ختم کر دیا۔ اچانک ہوا تھم گئی، پانی مل گیا اور فرعون بمعہ لشکر غرق ہو گیا۔ ہماری سائنس توجہات کا دارومدار ہماری تشریح اور تحقیق پر ہے جو کہ بدل سکتی ہیں۔لیکن قرآن کا یہ واقعہ سچا ہے۔

تاریخ اور واقعات:۔

قرآن مجید میں اس قسم کے تاریخی واقعات کا مقصد عبرت اور سبق سکھانا ہے اس کا مقصد تاریخ نویسی نہیں اس لیے صرف ان پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے جو عبرت اموز ہیں۔ ان واقعات کا ہماری تاریخی کتب سے زمانی ومکانی تعلق نہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات کنفیوژن پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ بنی اسرائیل ایک آزاد قوم بن چکے تھے۔ آپ اپنی حکومت قائم کرنی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے راہ ہدایت یعنی کتاب عطا فرمائی تھی جس کے لیے حضرت موسیٰ چالیس دن پہاڑ پر چلہ کشی کے لیے تشریف لے گئے لیکن اس دوران بنو اسرائیل نے پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک جادوگر کے بچھڑے کو جو آواز نکالتا تھا اپنا معبود بنا لیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے کہ سامری ساری جو ایک مذہبی آدمی تھا لیکن منافق تھا نے سونا اکٹھا کر کے ایک بچھڑا بنایا اور ایسا آلہ لگایا کہ اس سے آواز آنی شروع ہوگئی۔ ایک روایت ہے کہ اس نے مٹی جو حضرت جبرائیل کی پاؤں کے نشان سے اٹھائی تھی رکھی ہوئی تھی اس کو اس میں ڈالا اور بھی روایات ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے تحریر نہیں کیا گیا جنہیں اسرائیلیات کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ ایک اور توجیہہ علامہ الوسی نے کی ہے کہ یہ اس وقت کے علوم سائنس کا کمال تھا جسکا انہوں نے "بصرت بمالم یبصر" آیت مبارکہ کا حوالہ دیا کہ" میں نے وہ دیکھا جو دوسرے نہیں دیکھ سکتے تھے"۔

بنو اسرائیل سے کہا یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے اور کمزور ایمان والوں نے اس کو مان کر اس کی عبادت شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ جب تورات کے ساتھ واپس تشریف لائے سخت غصے ہوئے۔ سامری کو نکال دیا اور وہ صحراؤں میں بھٹک کر مر گیا۔ حضرت ہارون سے ناراض ہوئے اور قوم کو برا بھلا کہا۔ بچھڑے کو آگ میں جلا دیا۔ مصر کے کچھ علاقوں میں بیل کو لوگ پوجتے بھی تھے۔ اس واقعہ سے غلامی کے اثرات کا پتہ چلتا ہے کہ غلام قوم اگرچہ قانونی طور پر آزاد ہو جاتی ہے لیکن ذہنی انقلاب اس وقت تک نہیں آتا جب حقیقی لیڈر کی رہنمائی طویل عرصہ نہ رہے۔ اس دوران غلامی کے اثرات کو دوبارہ کوئی چالاک فرد استعمال کر کے ماحول کو غلامانہ بنا دیتا ہے جس طرح ہم اکثر نو آبادیاتی ممالک میں کالے غلام حکمران دیکھ رہے ہیں۔ جہاں قانونی آزادی ملی لیکن ذہنی آزادی اور حقیقی انسانی آزادی صرف ایک تصور ہے، ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کی حالت اس کی گواہ ہے:۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
زمانے میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے احسانوں کا ذکر فرماتا ہے کہ اتنے شدید جرائم کے بعد بھی بنو اسرائیل کو معاف کر دیا گیا۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ [53:2]

اور جو دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں فیصلہ کرنے کا معیار، تا کہ تم سیدھی راہ پر رہو۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ [54:2]

اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا ہے میری قوم بے شک تم نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا بچھڑے کو (خدا) بنا کر پس چاہیے کہ تم توبہ کرو اپنے خالق کے حضور سو قتل کرو انفاس کو (جنھوں نے شرک کیا) یہ تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک بہت بہتر ہو گا۔ تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ [55:2]

اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر حتی کہ ہم خود دیکھ لیں اللہ کو ظاہری طور پر پس (گستاخی پر) تمہیں بجلی کی ہولناک کڑک نے آلیا اور تم یہ دیکھ رہے تھے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [56:2]

پھر ہم نے تمہیں دوبارہ کھڑا کر دیا موت کے بعد تا کہ تم شکر گزار بندے بن کر رہو۔

حضرت موسیٰ کو کتاب (تورات) ملی (تورات کا معنی عبرانی میں قانون ہے) اور فرقان یعنی حق و باطل میں فیصلہ کرنے والے وہ معجزات ہیں جو آپ کی نبوت کی صداقت پر دلیل ہیں، اور توریت بھی ہے۔ جب بنی اسرائیل کو اپنے شرک کے جرم کا احساس ہوا تو توبہ کے لیے درخواست کی۔ اللہ نے حکم فرمایا کہ بغاوت کرنے والوں (اللہ کا شریک ٹھہرانے والے) کو اقرار حق کرنے والے (جنھوں نے شرک نہیں کیا) قتل کریں ان کے نفس کو ختم کریں اسی میں قبول توبہ اور بھلائی ہے۔ پھر جب یہ ہوا تو توبہ قبول ہوئی اور بے شک وہ خالق رحم کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پھر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم خدا پر تب ایمان لائیں گے جب خود دیکھیں گے۔ پھر بجلی کی کڑک کی صورت نے ان کو آن لیا اور وہ اس کی چمک و کڑک سے مر گئے۔ (موت / بے ہوشی میں چلے گئے) اللہ نے ان کو پھر زندگی عطا کی تا کہ اس منظر

کے بعد شکر گزار بندے بن جائیں۔

آیت کی رو سے اظہار باری تعالیٰ کا ذریعہ بجلی کی کڑک اور چمک ہے ایک زبردست چمک اور گرج کی لہر آئی۔ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی بے ہوش ہو گئے۔ (ایٹم بم کے پھٹنے سے بھی توانائی کا اخراج شدید برق، چمک اور گرج اور گرمی کی لہر کی صورت میں ہوتا ہے، یہ ایک توانائی کا اندازہ ہے) اس موضوع پر قرآن پاک کی دیگر ایات پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اظہار اس کی توانائی سے ہوتا ہے۔ سرور کائنات سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ستر پردوں میں چھپا ہے۔ اگر ایک پردہ بھی اتار دے تو اس کے جلال کی توانائی سے زمین راکھ ہو جائے۔ کائنات کی بنیادی اکائی بھی توانائی ہے اور مادہ کی کثیف شکلیں بھی توانائی کا مجسم جامد اظہار ہیں۔ توانائی بذات خود کیا ہے؟ سائنس اسے کام کرنے کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ یہ تعریف بھی اس کے کام سے اس کی پہچان ہے اصلیت کو نہیں بتاتی۔ قرآن کریم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ توانائی اپنے رب کے امر کا اثر ہے۔ کن فیکون کا عملی مظاہرہ ہے۔ (ماخوذ کتاب زندگی از سلطان بشیر محمود)

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ [2:57]

ہم نے تمہارے اوپر بادل کا سایہ کر دیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ ہم ان پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرنے والے تھے۔

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ [2:58]

اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا اس بستی میں جاؤ وہاں جو چاہو جتنا کھاؤ اور داخل ہو (فصیل شہر کے) دروازے سے سر جھکائے ہوئے اور کہتے جانا۔ اے اللہ ہمارے گناہ معاف فرما، ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور ہم محسنوں (نیک کاروں) کو زیادہ دیتے ہیں۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ [2:59]

پس بدل ڈالا ان میں سے جو ظالم تھے، اس بات کو اس سے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ سو ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب اتارا اس وجہ سے کہ وہ متواتر نافرمانی کرنے والے تھے۔

اس کے بعد بنو اسرائیل کا سفر بیت المقدس کی طرف جاری تھا اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کر کے انہوں نے بے ادبی کی،

جس کی سزا کے طور پر وہ موت کی غشی میں چلے گئے جو رات دن تک رہی۔ پھر اللہ نے ان کو تیہ کے صحرا میں بھٹکا دیا لیکن وہاں بھی اللہ کا فضل شامل رہا۔ صحرا کی دھوپ سے بچانے کے لیے بادل آ جاتا اور کھانے پینے کے لیے من وسلویٰ عطا فرما دیا تا کہ بھوک اور پیاس سے بچ جائیں۔ من سے مفسرین نے ترنجبین جو ایک قسم کی شکر ہے اور ایک پودے کے کانٹوں پر شبنم کی طرح جم جاتی ہے اور سلویٰ بٹیر کی قسم کا پرندہ ہے جو وادی سینا میں پایا جاتا ہے اس کے شکار سے ان کو تفریح وغذا ملتی اس لیے اسے سلویٰ تعبیر کیا گیا ہے۔ چالیس سال صحرا نوری اور بھٹکنے کے بعد وہ بیت المقدس جب پہنچنے لگے تو اللہ نے فتح کے اداب سکھائے اور فرمایا کہ جھک کر دل میں عاجزی سے داخل ہو۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، وہ بخشنے والا ہے۔

بہت سارے اسرائیلی جو قید کے بعد آزادی کی فضا سے بہرور ہوئے تھے انھوں نے تعلیمات خداوندی کو نظر انداز کر دیا اور شور شرابہ کی حالت میں داخل ہوئے۔ اس نافرمانی کے سلسلے میں خدا نے ان پر عذاب نازل فرمایا اس سے بھی واضح کیا گیا کہ اللہ کی ذات توبہ قبول کرنے والی اور معاف کرنے والی ہے لیکن جو لوگ احکام کا انکار کریں اور فساد کریں گے ان کو ان کے اعمال کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ یہ عذاب آپس میں فساد کے ذریعہ یا آسمانی آفات، زلزلے، طوفان، بارشیں، قحط وغیرہ کی صورت میں لہٰذا ان صورتوں میں اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے اور ایسی آفات کی حالت میں نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد اور اس سے معافی مانگنے کے اور کردار کو بدلنا ضروری ہے۔

وَ اِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡہُ اثۡنَتَا عَشۡرَۃَ عَیۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَہُمۡ ؕ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰہِ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ [2:60]

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعا مانگی تو ہم نے فرمایا اپنے عصا سے چٹان کو مارو۔ پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ تمام لوگوں نے اپنے اپنے گھاٹ پہچان لیے (ہم نے حکم دیا) کھاؤ پیو اللہ کے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔

وَ اِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِہَا وَ قِثَّآئِہَا وَ فُوۡمِہَا وَ عَدَسِہَا وَ بَصَلِہَا ؕ قَالَ اَتَسۡتَبۡدِلُوۡنَ الَّذِیۡ ہُوَ اَدۡنٰی بِالَّذِیۡ ہُوَ خَیۡرٌ ؕ اِہۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَکُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ ؕ وَ ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ وَ الۡمَسۡکَنَۃُ ٭ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ [2:61]

اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم صبر نہیں کر سکتے ایک کھانے پر۔ پس تم اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کرو کہ وہ نکالے ہمارے لیے وہ چیزیں جن کو زمین اگاتی ہے۔ مثلاً ساگ اور ککڑی اور گیہوں، مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا، کیا تم بہتر کو ادنیٰ سے بدل دینا چاہتے ہو۔ جاؤ مصر (کسی شہر میں) تمہیں مل جائے گا جو تم نے مانگا اور مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے۔ سب کچھ اس لیے ہوا کہ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کرتے رہے۔ انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لیے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جانے والے تھے۔

جب صحرا، تیہ میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی سربراہی میں سرگرداں تھے (تو صحرا کی گرمی میں پانی کی ضرورت شدید ہو جاتی ہے)۔ حضرت موسیٰ سے پانی کے لیے دعا کی درخواست کی حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ پتھر (چٹان) پر عصا ماریں اور اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشمے جاری فرما دیئے تاکہ ہر قبیلہ بغیر انتظار و مشقت کے پانی پیئے اور پھر فرمایا کہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ (من وسلوی) اور زمین پر فساد نہ کرو۔ فساد نہ کرنے کا حکم انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور انسانیت کے لیے درس ہے جہاں زمین سے ہم اللہ کی نعمتوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں وہاں فساد نہیں کرنا چاہیے۔ فساد انسانی معاشرہ کا بھی ہے اور ماحول کا بھی جہاں قدرت کے ذرائع خدمت کو ضائع کیا جائے۔

اسرائیلیوں کا مزاج ناشکرا تھا۔ اتنے انعام کے باوجود انہوں نے ناشکری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ من وسلویٰ سے تنگ آ چکے ہیں لہٰذا اللہ سے درخواست کی جائے کہ وہ اس زمین سے اگی ہوئی سبزیاں دے۔ صحرا میں یہ مطالبہ ایک طرف مضحکہ خیز تھا دوسری طرف جو قدرت نے ان کے کھانے کا انتظام کیا تھا اس سے منہ موڑنا تھا۔ تیسرا اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر کم قدر کے لیے کوشش کرنا بھی نافرمانی کا اظہار تھا۔ حضرت موسیٰ کو ان کی حرکت پر غصہ آیا اور فرمایا جاؤ شہر میں اور وہاں ان کو ڈھونڈو۔ بنی اسرائیل کی ان کی پے در پے اللہ کی نافرمانیوں یعنی نعمتوں کو ٹھکرانا۔ انبیاء کو قتل کرنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا) اس کے علاوہ کئی انبیاء کو ان کے کلمہ حق اور اسرائیلی حکمرانوں کو ٹوکنے اور برا بھلا کہنے کی سزا میں قتل کیا گیا۔ یہ سب جرائم اس قدر تھے کہ اللہ کی ذات نے ان پر ان کے بداعمالیوں کی وجہ سے ذلت مسلط کر دی اور انہیں عمالقہ کا غلام بنا دیا۔ یہ واقعات واحکام بنو اسرائیل کی جہاں تاریخ بتا رہے ہیں وہاں تمام اقوام بالخصوص دین ابراہیمی کی پیروکار، یہودی، عیسائی، اسلام والوں کے لیے کہ اگر فساد فی الارض کریں گے اور ظلم کریں گے تو ان پر عذاب مسلط کر دیا جائے گا۔ نجات کا دارومدار قومیت یا نسل پر نہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالح پر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ [62:2]

بے شک جو لوگ ایمان لائے (مسلمان ہوئے) اور جو یہودی، عیسائی یا صابی مذہب والے ہیں۔ جو کوئی بھی ایمان لائے اللہ پر یوم آخرت (قیامت) پر اور نیک عمل کرے تو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہ انہیں کوئی اندیشہ ہے اور نہ غمگین ہوں گے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [63:2]

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا اور اور کوہ طور کو ہم نے تمہارے اوپر بلند کیا (اور حکم دیا) پکڑ لو مضبوطی سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے اور ان (احکام) کو یاد کرتے رہو تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْم بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ [64:2]

اس کے بعد بھی تم پھر گئے اپنے وعدے سے۔ اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور بس اس کی خاص رحمت نہ ہوتی تو تم لازمی نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ [65:2]

اور تم خوب جانتے ہو انہیں بھی، جنھوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت (ہفتہ کے دن) کی تو ہم نے حکم دیا ان کے لیے ہو جاؤ بندر ذلیل وخوار۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ [66:2]

پس ہم نے بنا دیا اس (واقعہ) کو اس زمانہ کے لوگوں اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرت کا نشان اور ڈرنے والوں کے لیے نصیحت۔

پچھلی آیت کے ساتھ مضمون ہے یہودی ہوں عیسائی ہوں یا مسلمان یا صابی (یہ ایک گروہ ہے جو کہ شام عراق کی سرحد پر لوگ رہتے ہیں اور خود کو اہل کتاب حضرت نوح کے پیروکار کہتے ہیں) جو بھی ایمان لائے اللہ کی وحدانیت پر یوم آخرت اور

نیک عمل کرے تو اللہ کے ہاں اس کا اجر ہے اس کے لیے کوئی خوف و اندیشہ ہیں۔ یہ تمام ادیان ابراہیمی کے لیے ہر وقت تھا جس وقت جو بھی دین رائج تھا۔ حضورﷺ کی بعثت کے بعد اب صرف اسلام ہماری نجات ہے کیونکہ اسلام سابقہ دین اسلامی (یہودیت، نصرانیت) کی تکمیل ہے اس دین کے بارے توریت اور انجیل میں ذکر ہے اور ان سے اس کی اتباع کا عقد بھی لیا گیا ہے۔ ہاں وہ لوگ جن کو اسلام کا پیغام نہیں پہنچا اور وہ توحید، آخرت پر یقین رکھتے ہیں نیک عمل کرتے ہیں بس ان کے لیے کوئی خوف نہیں۔ موجودہ حالات میں آب ذرائع ابلاغ کی ترقی کی وجہ سے حضور کی نبوت کی اطلاع تقریباً ہر جگہ ہو چکی ہے لہٰذا کفار اور اہل کتاب کے لیے اتباع حضورﷺ لازم ہے، ورنہ عذاب ہوگا۔ ایمان سے محروم رہیں گے۔ اسرائیلی چونکہ بہت دلیل کے عادی تھے ان کو کوہ طور پر لے جا کر اللہ نے پہاڑ کو ان پر اٹھا دیا اور ان سے کہلوا لیا کہ وہ قوانین توریت کی پاسداری و پابندی کریں گے اور اس پر عمل سے ہی متقی بن جائیں گے۔

بنو اسرائیل کی احکام الٰہی سے غداری اور لیت و لعل کا ایک اور ذکر ہے کہ یوم سبت کو چونکہ کوئی کام بھی منع تھا لیکن وہ حیلوں کے ذریعے ''حرمتِ شکار'' کی خلاف ورزی کر کے گڑھے کھود کر دریا کے ساتھ پانی کا راستہ بنا لیتے اس طرح مچھلیاں جب گڑھوں میں چلی جاتی تو پانی کا راستہ بند کر دیتے اور دوسرے دن ان کا شکار کر لیتے۔ ان کی اس چالاکی کو اللہ نے ناپسند فرمایا اور یہ چند افراد کا خودغرض گروہ تھا جو یہ حرکت کرتا تھا۔ خدائے پاک نے اسے سزا دی اور ان کی شکلیں بندر کی طرح ہو گئیں۔ اور ایک دن اور رات کے بعد وہ مر گئے اور دوسروں کے لیے درس عبرت چھوڑ گئے۔ کچھ علماء نے تحریر کیا ہے کہ اس سے مراد ان کی اندرونی ذہنی کیفیت لالچ خودغرضی کی وجہ سے بندروں کی طرح تھی لیکن بظاہر وہی شکل رہی لیکن جمہور (اکثریت) کا یہ قول ہے کہ شکلیں بھی بدلیں کیونکہ اعمال تو پہلے ہی ایسے تھے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ احکام الٰہی میں غلط تاولیات، اعمال میں اخلاص کو ختم کر دیتے ہے اور قبولیت نہیں ہوتی، سزا ملتی ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ [2:67]

(اور یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو۔ موسیٰ نے کہا میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں کی طرح ہو جاؤں (یعنی گروہ میں)۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ [2:68]

بولے آپ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ کیسی ہے وہ گائے۔موسیٰ نے کہا کہ وہ فرماتا ہے ''وہ ایک گائے جو نہ بوڑھی ہے، نہ بالکل بچہ بلکہ درمیانی عمر کی ہے۔پس تم بجالاؤ جو حکم تمہیں دیا جارہا ہے۔''

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ [69:2]

کہنے لگے دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔موسیٰ نے کہا (اللہ فرماتا ہے) ایک گائے جس کی رنگت گہری زرد ہو دیکھنے والوں کو خوش نظر لگے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ [70:2]

کہنے لگے دعا کیجیے ہمارے لیے اپنے رب سے کہ کھل کر بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہو۔ بے شک ہمارے لیے گائے مشتبہ ہوگئی ہے۔اگر اللہ نے چاہا تو ضرور اس کی تلاش کریں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِی الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوْهَا وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ [71:2]

موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ (اللہ) فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی گئی زمین میں ہل چلانے کی، اور نہ کھیتی کو پانی دینے کی وہ (گائے) بے عیب ہے اس میں کوئی داغ نہیں۔ وہ کہنے لگے اب آپ لائیں صحیح پتہ۔ پھر انھوں نے اسے ذبح کیا حالانکہ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ [72:2]

اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر اس میں ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ اس کو باہر نکالنے والا ہے جو کچھ تم چھپاتے تھے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی وَ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ [73:2]

پس ہم نے فرمایا، اسے (ضرب) مارو اس کے کسی حصہ سے اور اللہ تعالیٰ یونہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ

تمہیں دکھاتا ہے اپنی نشانیاں تاکہ تم عقل پاؤ (سمجھ جاؤ)۔

ان آیات میں بنی اسرائیل کا واقعہ درج ہے جوان کی ذہنیت کا عکاس ہے۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا دولت مند تھا۔اس کا ایک لڑکا تھا۔اس بوڑھے کے بھتیجوں نے اس کے لڑکے کو قتل کر دیا تاکہ اس کی وراثت بھی انہیں ملے اور اس کی لاش کو اٹھا کر دور شہر کے دروازہ پر پھینک آئے۔صبح ہوئی تو مدعی بن گئے۔حضرت موسیٰ سے کہا آپ اللہ کی نبی ہیں۔بتائیں کس نے قتل کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھانے کے لیے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا ذبح شدہ گائے کا ٹکڑا مقتول پر مارو تو وہ زندہ ہو جائے گا۔گاے ذبح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ وہ مصر میں گائے کی پرستش ہوتی تھی اسے وہ مقدس نہ سمجھیں۔ذبح کے بعد یہ خیال ختم ہو جائے گا۔خداوندی جواب کو یہود نے مذاق سے تعبیر کیا۔حضرت موسیٰ کا جواب تھا کہ جاہلوں سے کیا الجھنا اور یہی اسلامی طریقہ کار ہے اگر کسی کو بد اخلاق لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑ جائے تو صبر سے کام لینا چاہیے۔اور الجھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔چونکہ قاتل بدنیت تھے اس لیے لیت ولعل کرتے رہے تاکہ قتل کا پتہ نہ چل سکے۔بالآخر اللہ تعالیٰ نے تمام گائے کی صفات بیان کر دیں۔اس گائے کے بارے قصہ یوں ہے کہ ایک نیک آدمی تھا اور غریب تھا اس کی موت کے وقت اس کا ایک چھوٹا بیٹا رہ گیا۔مرتے وقت اس کے باپ کے پاس ایک بچھیا تھی اس نے دعا کی کہ اے اللہ اس ننھے بچے کے لیے میں تیرے پاس یہ بچھیا امانت سپرد کرتا ہوں اور بچے کو تیرے سپرد کرتا ہوں پھر اس بچھیا (گائے کا بچہ) کو جنگل میں چھوڑ دیا۔بچہ جب بڑا ہوا تو ماں نے بچے کو بتایا اور وہ گائے کی تلاش میں جنگل میں نکل گیا جہاں اس کے والد نے چھوڑا اور چرا کرتی تھی۔گائے بھی وہاں آگئی اس کو لے کر وہ گھر واپس آ رہا تھا کہ بنو اسرائیل کے وہ افراد جو خاص صفات والی گائے تلاش کر رہے تھے اسے ملے اور انھوں نے اس کے خریدنے کی خواہش کی اور اس سے منہ مانگی قیمت لے کر گائے خرید لی۔جب گائے ذبح کرنے کے بعد مقتول پہ اس کا گوشت مارا تو مقتول اٹھ کھڑا ہوا اور قاتلوں کے نام بتا دیئے اور پھر مر گیا۔اس واقعہ سے ایک طرف موت کے بعد زندگی کی دلیل ملتی ہے۔پھر اسلامی قانون میں قاتل کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے کیونکہ دولت کا لالچ قتل کا سبب ہوتا ہے۔تیسری کہ زیادہ سوال اور حجت بازی سے زیادہ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔اگر بنی اسرائیل سوال نہ کرتے تو کوئی بھی گائے کام آسکتی تھی۔اور اتنی مہنگی گائے خریدنے کی ضرورت نہ پڑتی۔(جواہرالحسان تفسیر القرآن از علامہ عبدالرحمان الثعالبی)

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ [2:74]

پھراس کے بعد بھی تمہارے قلب سخت ہو گئے جیسے کہ وہ پتھر تھے بلکہ سختی میں ان سے بھی بڑھے ہوئے اور بے شک پتھروں میں کئی ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور کوئی ایسا ہے کہ جب پھٹ پڑے تو اس میں سے پانی نکلتا ہے۔کوئی ان سے ایسا بھی ہے کہ گر پڑتا ہے اللہ کے خوف اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔

یہود کی عادت اور کردار کا ذکر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اس قدر معجزات اور نشانیوں کے باوجود ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ کیونکہ پتھروں سے بھی انسانی زندگی کے لیے برکت اور فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن یہود نے اپنی بدعملیوں سے معاشرہ تباہ کر دیا۔

پتھر کے بارے سائنس کے جدید انکشافات یہ ہیں کہ ہر پتھر میں اس کے ذرے اپنے غیر مرئی تعلق سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور دوری کے باوجود ایک تعلق رکھتے ہیں یعنی دو ٹکڑے دور رکھے جائیں تو بھی تعلق ہو گا۔(بحوالہ کتاب زندگی از سلطان بشیر محمود) یہ اس آیت کی ایک تشریح بھی ہے کہ جمادات بھی احساس رکھتے ہیں کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ خوف خدا سے پتھر بھی گر پڑتے ہیں۔

قلب کیا ہے کہ دل سخت ہو گئے۔فقہی لحاظ سے قلب دماغ ہے جو ادراک اور فیصلہ کرنے کا مرکز ہے۔اعصابی نظام کا مرکز بن جاتا ہے۔دل کو اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہے کہ تمام جسم بشمول دماغ کو خون مہیا کرتا ہے۔قرآن مجید ایک تحقیقی سائنسی کتاب نہیں بلکہ ایک عمومی ہدایت کی کتاب ہے جو ایک کم تر علمی سطح سے لے کر بڑے محقق تک کے لیے مشعل راہ ہے۔پیغام رسانی کے لیے عام معاشرہ کی ادبی عمومی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں تا کہ ہر فرد سمجھ سکے لہٰذا دل آج تک شاعری اور ادب میں جذبات واحساسات کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے اس لیے یہاں بھی اس سے مراد سمجھ اور عقل اور احساسات کا مرکز ہیں جن کا انسانی جسم میں مرکز دماغ ہے۔

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَ قَدۡ کَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡم بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَ هُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ [75:2]

کیا تم (اے مسلمانو) اس بات کی امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ (یہودی) تمہارے لیے ایمان لے آئیں گے؟ ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اللہ کا کلام سنتا ہے، پھر سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اسے بدل دیتا ہے اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [2:76]

اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے اور جب تنہا ملتے ہیں ایک دوسرے سے تو کہتے ہیں کیا بیان کرتے ہوان سے (مسلمانوں سے) جو اللہ نے تم پر کھولا ہے یوں (مسلمان) تو وہ دلیل قائم کریں گےتم پر ان باتوں کی بنأ پرتمہارے رب کے سامنے، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

اَوَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ [2:77]

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ [2:78]

اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی امیدوں کے اور وہ تو محض وہم گمان ہی کرتے رہتے ہیں۔

یہودیوں کی کیفیت بتائی جا رہی ہے کہ وہ حضورﷺ کی وہ تمام نشانیاں جو تورات میں مذکور ہیں کو جانتے ہوئے بھی انکار کرتے ہیں اور معانی کو بدل دیتے ہیں۔ یہ ان کی نفرت وحسد کی وجہ سے ہے۔ کچھ یہودی اس کا اقرار کرتے ہیں کیونکہ یہ تورات میں موجود ہیں اور انہیں دوسرے یہودی اس اقرار کرنے یا ان ایات کو بیان کرنے سے روکتے ہیں کہ یہی دلائل مسلمان ان کے خلاف دیں گے۔ لہٰذا ان کو مسلمانوں سے چھپانے کی ہدایت کرتے ہیں، یہ بھی ایک تحریف ہے۔

دوسرے یہودی جس کا علم اتنا وسیع نہیں صرف امیدوں پر قائم ہیں اور اپنے آپ کو اس نجات اور اللہ کی رحمت کا مستحق سمجھتے ہیں جس کے وہ ہیں نہیں۔ یہودی مختلف روایات کو بنا کر اس کا دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اللہ کی پیاری قوم ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہوگا۔

قرآن مجید نے اس قسم کے اوہام کی تردید کی ہے کہ عمل ہی نجات کا ذریعہ ہے کوئی آرزو یا تمنا نہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ [2:79]

پس ان کے لیے بہت بڑی تباہی ہے جو کتاب خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تا کہ حاصل کرلیں اس کے عوض تھوڑے سے دام۔ سو ہلاکت ہے ان کے لیے بوجہ اس کے جو بناوٹی باتیں انھوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھیں اور ہلاکت ہے بوجوہ اس کے جو انھوں نے کمایا۔

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ

اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ [80:2]

اور انھوں نے کہا ہمیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف چند دنوں کے لیے۔آپ فرما دیجیے کیا تم نے (اس بات پر) اللہ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے تب تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاوف ورزی نہیں کرے گا تو یہی تم اللہ کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں خود علم نہیں۔

یہود کے رویہ تحریف حق کو چھپانا اور غلط آرزوں وعقائد کے بیان کے ضمن میں ان آیات میں فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے جھوٹی باتیں لکھ کر ان کو کتاب (اللہ کی باتوں) کا حصہ بنانا تاکہ اس کی وجہ سے دنیاوی مفادات حال کرسکیں بڑا جرم ہے اور اس کی سزا دوزخ کی آگ ہے۔ پھر یہودی یہ بھی کہتے تھے کہ ہم صرف چالیس دن جو کہ بچھڑے کی پوجا کا وقت تھا دوزخ میں رہیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں نکال دے گا۔فرمایا جا رہا ہے کہ ان سے کوئی پوچھے کیا تمہیں اللہ نے کہیں یہ وعدہ دیا ہے کہ تم اتنے عرصہ دوزخ میں رہنے کے بعد نکال دیئے جاؤ گے۔ یہ جھوٹی باتیں جو وہ اللہ کے بارے میں کرتے ہیں۔

بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيۡٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ [81:2]

ہاں جس نے جان بوجھ کر برائی کمائی اور اس کے گناہ نے گھیرے رکھا تو ایسے لوگ جہنم کی آگ کے ساتھی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ[82:2]

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے وہ جنت کے ساتھی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہودیوں کے مفروضہ کے وہ صرف چند دن کے بعد جنت میں رہیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کا اعلان فرمایا کہ جو حق جانتے ہوئے جان بوجھ کر باطل کو پکڑتا اور اس پر مصر رہتا ہے یعنی توبہ کر کے حق کی طرف نہیں پھرتا ان کے لیے خواہ وہ کوئی رنگ، نسل، زبان والے ہوں دوزخ کا عذاب ہے اور وہ لوگ جو ایمان اور نیک اعمال کرتے ہیں وہ جنت کے ساتھی (یعنی ہمیشہ جنت میں رہیں گے) یہی اسلام کا نظریہ ہے کہ جنت اور دوزخ انسان کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ع

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

اسلام سے پہلے (یہودی) فوقیت قوم کے قائل ہیں۔ ہندو (برہمن) فوقیت قوم کے قائل۔ یورپ (جرمنی) اپنی رنگت کی وجہ سے فوقیت کے قائل ہیں۔ جنوبی افریقہ اور شمالی امریکہ کی غلامی اس دور جدید تک اس تفریق کا ثبوت ہے۔ یہ صرف اسلام ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع پر محسن انسانیت محمد علیہ السلام نے بنی آدم کو ایک قرار دیا اور بنا فضیلت صرف اخلاق حسنہ اور اعمال کو قرار دیا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ [2:83]

اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور جن سے قریبی تعلق ہے، جو یتیم اور مساکین ہیں ان سب سے احسان کرو۔ اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے بات کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ لیکن پھر تم سب اس سے پھر گئے سوائے تھوڑے سے لوگوں کے (جو ثابت قدم رہے) اور تم (اکثر) پھرنے والے ہو۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ [2:84]

اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا کہ تم آپس میں خون نہ بہانا۔ اور اپنے لوگوں کو بستیوں سے نہ نکالنا پھر تم نے اس (وعدہ) کا اقرار کیا اور تم اس پر خود گواہ تھے۔

انسانی فلاح:۔

ان ایات مبارکہ میں دین اسلام کی اساسی تعلیمات ہیں (اسلام ہر عرصہ میں اسلام تھا کیونکہ سارے نبی برحق تھے) جو مذہب ابراہیمی کا حصہ ہیں کہ اللہ کی وحدانیت، ماں باپ کا احترام، اچھا سلوک، تمام نسانوں کے ساتھ مسلمان کافر، کالا گورا، چھوٹا بڑا، رشتہ داروں اور معاشرے کے کمزور افراد یتیم اور مساکین کے ساتھ بھلائی اور اچھا سلوک، تمام لوگوں سے خوش اخلاقی،

معاشرے میں نماز کو قائم کرنا، زکوۃ دینا، یہود کے لیے تھے، عیسائیت میں بھی تھے اور آج اسلام کا بھی حصہ ہیں۔ اس میں حقوق اللہ (توحید، نماز، حج، روزہ) ہیں اور حقوق العباد (والدین، اولاد، یتیم، مساکین، زکوۃ، صدقات، اچھا اخلاق) پر مشتمل ہیں۔ ایک صالح معاشرہ کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ اس کے ساتھ آپس میں محبت، خون نہ بہانا، گھروں سے نہ نکالنا، یہ سب اس کا حصہ ہیں۔ جو معاشرہ ان احکام کی پرواہ نہیں کرتا وہ زمین پر کچھ عرصہ کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور پھر اس کے بعد ایک اور معاشرہ یا تہذیب آجاتی ہے جو ان اصول کو اٹھاتی ہے۔ گھروں سے نہ نکالنا، اور آپس میں خون نہ بہانا، انسانی حقوق کی پاسداری کا اعلان ہے جہاں ہر بڑا چھوٹا، کمزور، طاقتور، غریب امیر کی جان اور مال محفوظ ہوتے ہیں۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ [85:2]

پھر تم وہی ہو جو آپ قتل کر رہے ہو اپنوں کو (وعدے کرنے کے باوجود) اور باہر نکال کرتے ہو ایک گروہ کو گھروں سے اور اس گناہ اور ظلم کی پشت پناہی کرتے تھے اور اگر (ان نکالے گئے لوگوں میں) کوئی قیدی ہو کر تمہارے پاس آئے تو پھر ان کا فدیہ بھی ادا کرتے ہو۔ حالانکہ تم پر ان کا (گھروں سے) نکالنا حرام تھا۔ کیا تم کتاب الٰہی کے کچھ حصے مانتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔ پس جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا بدلہ اور کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی طرف دھکیل دیے جاؤ گے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ [86:2]

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے میں دنیاوی زندگی (عیش وعشرت) کو خرید لیا۔ پس ان پر عذاب کم نہیں ہوگا نہ ہی ان کی کوئی مدد (نرمی) کی جائے گی۔

یہ دو آیات پچھلی آیات کے مضمون کا حصہ ہیں۔اس کے واقعات یوں ہیں کہ یہود کے دو قبیلے (بنو نضیر اور بنو قریظہ) انصار کے دو قبائل (اوس اور خزرج) کے حلیف (ساتھی) بنے ہوئے تھے ان انصاری قبائل میں جنگ کے دوران ان کا ساتھ دینے اور قتل وغارت پھر قیدی بنتے اور فدیہ دے کر رہائی دیتے۔ یہود کے مذہب میں یہ ممنوع تھا لیکن وہ اس کو کر رہے تھے۔لہٰذا اس جرم کی سزا عذاب ہے اسی طرح انھوں نے دنیاوی مفادات کی خاطر اوس اور خزرج کے ساتھ معاہدات کر کے آپس میں لڑتے تھے۔اور دین موسوی کو نظر انداز کرتے تھے اس کی بھی سزا دوزخ کا عذاب ہے۔جس کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے۔اس کا پیغام امت محمدیہ کے لیے یہ ہے کہ اگر ہم احکام الٰہی اور شریعت مصطفیٰ پر عمل نہیں کریں گے اور ذاتی مفادات کی خاطر ان کا انکار کریں گے تو ہمارے لیے بھی یہی عذاب ہے۔اس میں کسی قسم کی رعایت یا مدد نہیں ہوگی یعنی شفاعت محمد یہ ﷺ بھی نہیں مل سکے گی۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ [87:2]

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور ان کے پیچھے پے در پے پیغمبر (رسول) بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں دیں اور ہم نے مدد دی انہیں روح القدس (جبرئیل) سے۔ (اے بنی اسرائیل) جب کبھی بھی آیا تمہارے پاس کوئی رسول ایسا حکم جو تمہیں پسند نہیں تھا تو تم اکڑ گئے (انکار کر دیا) بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم نے قتل کر دیا۔

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ [88:2]

اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں بلکہ اللہ نے انہیں ان کے کفر کی وجہ سے پھٹکار دیا ہے۔ وہ بہت کم ایمان رکھتے ہیں۔

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ [89:2]

جب ان کے پاس وہ کتاب آئی (قرآن)۔ تصدیق کرتی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے (تورات)۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ (آنے والے نبی کے وسیلہ سے) کافروں پر فتح حاصل کرنا چاہتے تھے۔ پس جب وہ تشریف لائے جنہیں وہ پہچانتے تھے تو ان (کو ماننے) سے انکار کر دیا۔ پس ایسے کافروں (انکار کرنے والوں) پر اللہ کی لعنت ہے۔

یہود کے بعد سلسلہ ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی فلاح کے لیے جاری رکھا۔ ان ایات میں اس کا تذکرہ ہے۔ حضرت عیسیٰ یہود کی اصلاح کے لیے تشریف لائے۔ اس کا ذکر اس آیت مبارک میں ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء بھیجے جن کو یہود نے یا تو انکار کیا یا قتل کیا اس کے بعد حضرت عیسیٰ تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انجیل عطا کی اور معجزات عطا فرمائے۔ روح القدس سے مراد فرشتہ جبرئیل علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات مادر زاد اندھوں کو بینائی، کوڑھے کو شفا، مردوں کو زندہ کرنا اور غیب کی خبریں دینا تھے۔ بعض مفسرین نے روح القدس سے اسم اعظم مراد لیا ہے۔

یہودی اپنے مذہب پر سختی کو دل پر غلاف سے تعبیر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے تعبیر فرمایا کہ اس غلاف نے حق سے محروم رکھا۔ اس کے بعد حضورؐ کی بعثت کا ذکر فرمایا کہ حضورؐ کے وسیلہ سے وہ جنگوں میں فتح کی دعا کرتے تھے لوگوں کو بتاتے تھے کہ ایک نبی آئے گا جس کی ہم اتباع کریں گے لیکن جب حضور تشریف لائے اور چونکہ قریش سے تھے اگرچہ ان کی ساری نشانیاں توریت کے مطابق تھیں جن کی وجہ سے عبداللہ بن سلام جو ایک یہودی مذہبی رہنما تھے نے خود اسلام قبول کر لیا لیکن دوسرے یہودی مذہبی رہنما محض حسد اور بخل اور معاشی مفادات کی وجہ سے حضور ﷺ اور اسلام دشمنی پر اتر آئے اور لعنت کے مستحق ٹھہرے۔

بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ[2:90]

اپنے حسد کی وجہ سے جو اللہ نے نازل کیا اس کا انکار کیا یہ بہت برا ہے جس کا انہوں نے سودا کیا۔ اللہ نازل کرتا ہے اپنا فضل (وحی) جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں۔ پس یہ لوگ اپنے کفر کی وجہ سے اللہ کے غضب وغصہ کے شکار ہوئے اور ایسے کافروں کے لیے نہایت ذلت والا عذاب ہے۔

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَ يَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَ

ﮦ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [91:2]

جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا اس اللہ تعالیٰ نے۔تو کہتے ہیں ہم اسے صرف مانیں گے جو ہم پر نازل ہوا ہے۔اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کے منکر ہیں حالانکہ وہ حق ہے۔تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے۔آپ کہیے اگر تم مومن تھے تو پھر اس سے پہلے تم اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے۔

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْم بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ [92:2]

جب موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے پاس کھلے دلائل کے ساتھ آئے تھے۔تو اس وقت تم نے بچھڑے کو (معبود) پکڑ لیا تھا اور تم ظالم تھے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[93:2]

اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پکا وعدہ (وادی طور میں) اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو کہ پکڑو مضبوطی کے ساتھ جو ہم نے تمہیں دیا اور غور سے سنو۔انھوں نے کہا (زبان سے) ہم نے سن لیا اور نہیں مانا (دل میں کہا)۔کفر کی وجہ سے ان کے دل بچھڑے کی محبت سے بھر گئے تھے۔آپ فرمایئے کہ تمہارا ایمان تمہیں کیسی بری باتوں کا حکم دیتا ہے اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔

یہود کے کردار کا ذکر جاری ہے کہ انھوں نے حضور علیہ السلام کے پیغام کا محض انسانی حسد کی وجہ سے انکار کیا اور حسد یہ تھی کہ وہ بنی اسرائیل کی بجائے عربوں (قریش) سے تھے۔آیت میں ہے کہ اللہ جس بندے کو چاہے اپنا فضل یعنی نبوت عطا کرتا ہے اور یہود اپنے انکار (کفر) کی وجہ سے اللہ کے غضب کے مستحق بنے۔پھر ان کے جواب کا ذکر کیا گیا کہ ان کو دعوت اسلام دی گئی تو انھوں نے کہا کہ وہ وہی مانیں گے جو ان کے مذہب کے مطابق ہے حالانکہ کتاب تورات اس کی تصدیق کرتی ہے

اور انھوں نے اپنے مذہب کے ماننے والے انبیاء کو بھی قتل کیا تو مذہب کیا مانا؟ یعنی جھوٹ کہتے ہیں۔

ان ایات میں انسانی حسد وبغض کی نفسیات کا ذکر ہے اور اس کے نقصانات کو بیان کیا ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی گمراہی میں دھکے کھاتا رہتا ہے اور آج بھی ہمارے علماء محض معمولی اختلافات کو حسد اور بغض کی وجہ سے رائی کا پہاڑ بنا کر کھو کھلے فتوے دیتے رہتے ہیں جو ایک لمحہ فکریہ ہے۔

حسد کا مرض:۔

یہود کی کارستانیوں کا ذکر جاری ہے (چونکہ مدینہ میں یہود کا کردار اہم تھا اس لیے اس کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے) کہ تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور حضرت ہارون جو کہ نبی تھے ان کی بات کو رد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وادی طور میں کوہ طور پہاڑ کو ان کے سروں پر اٹھایا اور ان سے تورات پر عمل کرنے کا وعدہ لیا۔ یہ اپنے وعدے سے مکر گئے۔ اب جس ایمان کی وہ بات کرتے ہیں اس کی یہ حقیقت ہے کہ وہ جھوٹ، بغض اور حسد اور انکار احکام خداوندی سے بھرا پڑا ہے اور یہ کیا ایمان ہے۔ یعنی یہ دین سراسر نفسانی ہے۔ رحمانی نہیں اور اسی طرح نبی آخرالزماں کا انتظار ان کی کتاب (تورات) کے مطابق تھا اور اس پر عمل کرنے کے بجائے اس کا انکار محض حسد اور بغض کی بنا پر کیا۔ حضور کی آمد کی نوید نہ صرف تورات اور انجیل میں ہے بلکہ ہندوؤں کی کتاب ''پران'' میں بھی اس کا واضح ذکر ہے۔ پران سے ہی اردو میں پرانا نکلا ہے یعنی قدیم۔ دس پران ہیں اور ایک پران میں یہ ذکر آیا ہے کہ ''آخری زمانے میں ایک شخص ریگستان کے علاقہ میں پیدا ہوگا اس کی ماں کا نام قابل اعتماد (آمنہ) اور باپ کا نام اللہ کا غلام (عبداللہ) ہوگا۔ وہ اپنے وطن سے شمال کی طرف جانے پر مجبور ہوگا اور پھر وہ اپنے وطن کو متعدد بار دس ہزار آدمیوں کی مدد سے فتح کرے گا۔ (فتح مکہ اور حجۃ الوداع) جنگ میں اس کی رتھ کو اونٹ کھینچیں گے اور وہ اونٹ اس قدر تیز رفتار ہوں گے کہ آسمان تک پہنچ جائیں گے (بحوالہ خطبات بہاولپور، ڈاکٹر حمید اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد،) ان آیات میں انسانی حسد وبغض کا ذکر ہے جس کی وجہ سے معاشرہ میں فساد برپا ہوتا ہے یہ قابل غور ہے اور اہل علم کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

قُلۡ اِنۡ كَانَتۡ لَكُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ [2:94]

آپ فرمایئے اگر تمہارے لیے ہی دار آخرت (کی راحتیں) تمام لوگ کو چھوڑ کر اللہ کے ہاں مخصوص ہیں پس تم اگر سچے ہو تو پھر موت کی آرزو کرو (تا کہ ان راحتوں کو حاصل کرو)

وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ [2:95]

اور کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے اپنے اعمال کے خوف سے۔ اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

[96:2]

اور یقیناً آپ انہیں سب لوگوں سے زیادہ زندگی کی ہوس رکھنے والے پائیں گے۔ اور ان سے بھی زیادہ جو مشرکین کفار ہیں۔ ہر ایک ان میں چاہتا ہے کہ ہزار سال زندہ رہنے دیا جائے اور نہیں بچا سکتا ان کو عذاب سے۔ اتنا (لمبی عمر) جیتے رہنا اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

یہودیوں کا ذکر جاری ہے کہ جہاں وہ اپنے مذہب کو حق سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو جنت کا حقدار سمجھتے ہیں تو انہیں اس دنیا جو کہ فانی ہے میں رہنے کے بجائے اس ابدی دنیا کی طرف جانا چاہیے اور وہ دنیا موت کے بعد ہی ہے اس لیے وہ موت کی تمنا کریں اگر سچے ہیں۔ لیکن پھر فرمایا کہ موت سے تو وہ بہت ڈرتے ہیں اور ہمیشہ تمنا کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ زندہ رہیں ان کی طویل زندگی کی حسرت کفار سے بھی زیادہ ہے یعنی چاہتے ہیں ہزار سال تک جئیں اور دنیا میں مزے اٹھائیں ان کی یہ طویل زندگی اگر ان کو اللہ تعالیٰ دے بھی دے تو ان کو عذاب سے نہیں بچائے گی۔ ان کے اعمال کو ہر وقت اللہ دیکھ رہا ہے اور ان اعمال (حق کا انکار کرنا اور دشمنی کرنا) کی سزا ان کو ملے گی۔

آیت سے اہل دنیا جو کہ آخرت کو بھولے ہوئے ہیں، بالخصوص کفار اور دوسرے اہل کتاب (یہود وعیسائی) ان کی دنیا میں طویل زندگی کی حسرت اور کوشش کے بارے بتایا گیا ہے جو ایک حقیقت ہے۔ اللہ سے محبت کرنے والے اس دنیا کو ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) سے دور ہیں اور اہل دنیا کا مقصد حیات صرف ہی زندگی ہے اس لیے وہ اس کی جدائی اور موت سے گھبرا جاتے ہیں اور طویل زندگی کی حسرت وکوشش میں رہتے ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ[97:2]

آپ فرمایئے۔ جو دشمن ہو جبرئیل کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس (جبرئیل) نے اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر قرآن اتارا یہ جو اس سے پہلے کتابیں آئیں ہیں ان کی تصدیق کرنے والا ہے اور مومنین کے

سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ [98:2]

جو کوئی دشمن ہوا اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل ومیکائیل کا، تو اللہ تعالیٰ بھی انکار کرنے والوں کا دشمن ہے

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَ مَا يَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ [99:2]

اور یقیناً ہم نے نازل فرمائیں تمہاری طرف روشن آیات (نشانیاں) اور کوئی بھی ان کا انکار نہیں کرتا سوائے نافرمانوں کے۔

اس آیت کے نزول کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ علاقہ فدک کے ایک یہودی عالم عبداللہ بن صوریا نے کہا کہ حضور سے سوال کریں اور اگر جواب صحیح ہوئے تو ان کو سچائی کی تصدیق کریں گے۔ سوال یہ تھے:ا۔حضرت اسرائیل (حضرت یعقوب) نے اپنے اوپر کیا چیز حرام کر دی تھی۔آپؐ نے جواب دیا اونٹ کا دودھ اور گوشت۔ پھر دوسرا سوال کیا کہ بچے کی صورت کس پہ جاتی ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ والد یا والدہ جس کا پانی (جرثومہ) زیادہ ہوتا ہے، اس کی تشبیہ بن جاتا ہے۔ پھر پوچھا آپ کس طرح سوتے ہیں۔آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ پھر پوچھا آپ پر کون فرشتہ وحی لاتا ہے۔ آپ نے جواب دیا جبرئیل علیہ السلام جب یہ سنا تو کہا یہ فرشتہ ہمارا دشمن ہے کہ یہ جنگ اور سختی کا فرشتہ ہے ہمارا دوست فرشتہ میکائیل ہے جو بارش اور رزق کا رحمت کا فرشتہ ہے (بحوالہ جواہرالحسان فی تفسیر القرآن علامہ الثعالبی۔ بحوالہ ترمذی اسباب النزول، تفسیر القرطبی،۲:۳۶) چونکہ یہودیوں کی حجت بازی تھی جس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے قلب مبارک پر اتارا ہے اور جو کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے اس لیے اس سے پہلے اللہ کی طرف سے اتاری گئی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور جو کوئی ان فرشتوں کا اس کے رسول کا دشمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور قرآن مجید ایک روشن کتاب ہے اس سے انکار کرنے والے نافرمان اور بدکردار (فاسق) لوگ ہیں۔تعصب اور ضد آدمی کو مثبت سوچ اور صحیح انداز فکر سے محروم کر دیتی ہے یہی حال یہود کا تھا۔

وحی کی حفاظت:۔

نزول قرآن کی کیفیت بھی بتائی ہے کہ چونکہ اللہ کی ذات سے براہ راست جلال وجمال کا انسانی ذات یا کوئی بھی ہماری کائنات کی چیز متحمل نہیں ہوسکتی (معراج النبی میں اللہ کا دیدار ایک خصوصی انعام تھا۔حضور کی ذات کو اللہ نے اس قابل بنا دیا کہ وہ اس ملاقات کے متحمل ہوسکیں وہ بھی ایک تھوڑے عرصہ کے لیے تھا جو کہ معراج کے سفر کی ابتدا سے انتہا تک ہے۔) اس لیے جبرائیل کے ذریعہ ہمیشہ اللہ کا کلام نازل ہوا اور اس میں۔(۱) کلام کی عظمت کا بیان ہے کہ جلیل القدر فرشتہ اس کو لے کر آیا۔ (۲) اس کی حفاظت مقصود تھی کہ اس میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا کہ اس کی حفاظت کی گئی۔(جس طرح آجکل ہم لاسلکی پیغامات بالخصوص بینک وغیرہ کے لیے خصوصی حفاظتی (Moduleted signals) سگنل کے ذریعے کرتے ہیں۔تاکہ فضائی اثرات سے محفوظ رہے یہ تو ایک ادنی سی برائے وضاحت مثال ہے حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) وہی الفاظ وہی حروف اور وہی جملے میں ترتیب آپ کے دل پر نقش ہوگئی اور آپ نے بعینہ وہی ہمیں پہنچایا۔ وحی کی کیفیت ایک خصوصی ہوتی تھی جو کہ حاضرین کو پتہ چل جاتی تھی۔سخت سردی میں بھی آپ کو پسینہ آجاتا، آپ کسی سواری پر ہوتے تو سواری بوجھ کی وجہ سے بیٹھ جاتی۔بعض اوقات لمبے لمبے سانس اور غنودگی کی کیفیت ہوجاتی۔ وحی کا مقام بہت بلند ہے جو کہ صرف خصوصی انبیا کے حصہ میں آیا ہے۔دل کا مقام بہت اہم ہے۔(دل گزر کا جلیل اکبراست، دل اللہ کے انوار کے گزرنے کی جگہ ہے) دل سے مراد مرکز علم دماغ (Mind) جس طرح پہلے آیت نمبر ۹۷ کے ضمن میں بیان کیا جاچکا ہے۔) اسی طرح دوسرے انبیاء اور اولیاء اللہ کے لیے الہام ہے جسے ہم عام فہم زبان میں (Intiution) کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کو وہ معلومات حاصل ہوتی ہیں جو عام ذریعہ تعلیم (کتاب وسبق) سے نہیں ملتیں۔علامہ اقبال نے اعتراف کیا ہے کہ ان کا کلام اس قسم کی رہنمائی سے حاصل ہوا ہے۔

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ [100:2]

کیا یہ نہیں کہ انھوں نے (فاسقین) نے جب کبھی وعدہ کیا تو انہی میں ایک گروہ نے اسے توڑ کر پھینک دیا۔ بلکہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایمان ہی نہیں لائے۔

وَ لَمَّا جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ [101:2]

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس تھی۔تو ان کے ایک گروہ نے جن کو کتاب دی گئی تھی، اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ اس کو جانتے ہی نہیں۔

یہود کے اخلاقی اور مذہبی کردار کا سلسلہ جاری ہے کہ انھوں نے اللہ سے کیے گئے وعدہ کو بھلا دیا بلکہ انبیاء اور کتب کو نظر انداز کر دیا اور حضور علیہ السلام جو ان کے پاس قرآن پاک کی کتاب لائے۔ جو ان کی کتاب (تورات/ انجیل) کی تصدیق کرتا ہے اور تورات انجیل میں ان کی آمد کا ذکر ہے اپنی کتاب (تورات) کے احکام کو نظر انداز کر کے اسلام کے مخالف ہو گئے۔ اس ایات میں منافقین (یعنی بدکردار) لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے عہد کو وفا نہیں کرتے۔ مفادات کی وجہ سے توڑتے ہیں۔ پھر اس بات کا ذکر ہے کہ قرآن مجید پرانی الہامی کتب تورات، انجیل کو مانتا ہے اس طرح اسلام کا قبول کرنا ان ادیان کا بھی اقرار ہے کیونکہ یہ بھی اپنے وقت میں اسلام تھے۔

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوْا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ [102:2]

اور وہ ہدایت کے بجائے اس کی پیروی کرتے ہیں جو سلیمان کے ملک میں شیاطین پڑھا کرتے تھے حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا کہ لوگوں کو سکھاتے تھے جادو جو بابل میں دو فرشتوں ھاروت وماروت پر اترا تھا حالانکہ وہ دونوں کسی کو نہ سکھاتے تھے۔حتی کہ وہ یہ کہتے! ہم خود ازمائش میں ہیں۔ پس تم کفر نہ کرو۔ (یہ لوگ ان کی نصیحت پر توجہ نہ کرتے) ان سے وہ کچھ سیکھتے جو میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالتا ہے۔ اور وہ اس سے کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچانے والا ہے اور ہرگز نفع دینے والا نہیں۔اس لیے جس نے یہ سیکھا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں واقعی بہت برا ہے۔ جس کے عوض انھوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے۔ کاش وہ جانتے ہوتے۔

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ [103:2]

اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز گار (متقی) بنتے تو ان کو اللہ کے ہاں بہت اچھا ثواب ملتا۔ کاش انہیں (اس کا) علم ہوتا۔

یہود کی تاریخ کے اس باب کا ذکر ہے جب وہ اپنی عظیم سلطنت و دبدبہ کھو چکے تھے۔ ترقی اور محنت کے بجائے وہ جادو منتر پر بھروسہ شروع کر دیا جب بخت نصر نے بیت المقدس کو فتح کیا تو یہودیوں کو قیدی بنا کر بابل لے گئے اور وہاں پہلے ہی جادو گری کا رواج تھا اور یہودیوں نے مزید اس کو سیکھا اور استعمال کیا۔ اسلام میں جادو سیکھنے والا، سکھانے والا، کرنے والا سب خارج از ایمان ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ساحر کی سزا قتل ہے۔

یہود و نصاریٰ جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم سلطنت پر فخر و ناز کرتے ہیں دوسری طرف یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ وہ آخری عمر توحید کو چھوڑ گئے تھے (بحوالہ بائبل سلاطین باب ۱۱، ایات ۱-۹) لیکن قرآن مجید نے اس کو رد کیا اور ان کی پیغمبری اور توحید کا اعلان کیا اس کی جدید تحقیق نے اب تصدیق کر دی۔ حضرت سلیمان خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا ج ۲ ص ۸۵۲) اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹینکا نے ان آیات کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ بعد میں لائی گئی ہیں جس سے قرآن کی چودہ سو سال پہلے کی حقانیت ثابت ہوگئی ہے۔

ہاروت و ماروت کے بارے یہ ہے کہ دو فرشتے ایک امتحان کی وجہ سے دنیا میں انسانی شکل میں آئے تاکہ جادو کے نقصانات سے لوگوں کو آگاہ کریں اور بتایا کہ ہم تو آزمائش کے لیے آئے ہیں جادوگر کے کفر میں مبتلا نہ ہو اور اسے انسانوں کے نقصان (میاں بیوی کی تفریق) کے لیے استعمال نہ کرو۔ جو انسائیکلوپیڈیا جلد ۸ ص: ۲۵۵ میں تحریر ہے "سحر کی سب سے زیادہ متد اول صورت اس نقش کی تھی جو عشق و محبت کے لیے دیا جاتا خاص کر وہ نقش جو ناجائز آشنائیوں (دوستیوں) کے لیے لکھا جاتا۔ (بحوالہ ضیا القرآن، جلد اول)

جادو ایک تجزیہ:۔

جادو کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس لیے اسے ہم ایک حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ یہ کیسے اور کیونکر اثر انداز ہوتا ہے اس کی ایک سائنسی توجیہ یہ ہے۔ جادو کا اثر شیاطین کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (شیاطین جن کی ایک قسم ہے جو آگ سے پیدا ہوئے ہیں) جادو کے اثرات لوگوں کے ذہن پر پڑتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ذہنی تناؤ، پریشانی اور بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انسانی ذات پر جادو کی صورت میں ذہنی بیماری کسی جسمانی بیماری کا سبب بن جاتی ہے۔ دوسرے مقاصد میں ذہنی تناؤ کی وجہ سے آدمی غصہ اور نفرت کے جذبات سے بھر جاتا ہے اور ایسے فیصلے کرتا ہے جو تباہی و بربادی کی طرف لے جاتے ہیں اور جادو کرنے یا کرانے والا کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

اثر کیسے ہوتا ہے اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ یہ شیطان ایک غیر مادی ناری مخلوق ہیں جو شیاطین توانائی کی لہروں کی طرح چل سکتے ہیں۔ یہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ ان کا کام انسان دشمنی ہے اور یہ ذہنی وسوسے (يُوَسْوِسُ فِي صُدُوْرِ النَّاسِ) پیدا کر دیتے ہیں۔ غالبًا یہ وسوسے ذہن میں چلنے والی برقی لہروں پر اپنی ناری (توانائی) کی لہریں چھوڑ کر ان کے بیلنس کو خراب کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے سوچ کا انداز بدل جاتا ہے۔ جدید سائنس کے مطابق ذہن میں آنے والے خیالات دماغ میں موجود اربوں نیورانی (Neurons) کے درمیان توانائی کے ردوبدل کا عکس ہے۔ شیاطین جب ہمارے اذہان کی توانائی کی لہروں پر اثر انداز ہوتے ہیں تو اس کا نتیجہ ذہنی کشمکش، دباؤ، نفرت، حسد، بغض، تناؤ جیسے خیالات جنم لیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ آپ کے ریڈیو پر جب میوزک سن رہے ہوں اچانک بادلوں کی چمک یا گرج میں بجلی کا شارٹ شور پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہی حال شیاطین کی برقی روکا ہے جو ہمارے ذہن کے نظام کو نقصان دے کر وسوسوں میں ڈال دیتی ہے۔ مضبوط اعصاب کے لوگ اس کا جلدی شکار نہیں ہوتے اور کمزور اعصاب کے لوگ جلدی شکار ہو جاتے ہیں۔ جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ انٹرنیٹ کے سگنل سے ذہن متاثر ہوتا ہے۔ اعصابی ماہرین نے دماغوں کو انٹرنیٹ کے ذریعے جوڑ کر رابطہ قائم کیا۔ اس کو امریکہ میں یونیورسٹی آف واشنگٹن اور کارنگی میلون یونیورسٹی نے برین نیٹ نامی پروگرام کے تحت کیا اور اس طریقہ کو ٹرانس کرینٹل میگنیٹک سٹمولیشن (ٹی ایم ایس) کہتے ہیں۔

جادو اثر کیسے شروع کرتا ہے۔ جادو کے الفاظ واشکال ہمارے لیے تو بے معنی ہیں۔ وہ دراصل شیطانوں کی زبان میں تحریریں جس کو شیطان پڑھ لیتے ہیں، سمجھ لیتے ہیں، جادو کرنے والا جادو کے الفاظ (آواز) کے ذریعے شیطانوں کو پکارتا ہے، رابطہ کرتا ہے، اور مفعول یا (جس پر جادو کیا گیا ہے) پر حملہ کے لیے اکساتا ہے اور وہ اس کے بار بار اکسانے پر ان تحریروں کی وجہ سے حملہ شروع کر دیتے ہیں اس طرح وہ مفعول سحر کا شکار ہو جاتا ہے۔ مفعول کو پہچاننے کے لیے اس کا نام، اس کے جسم کا حصہ بال، ناخن وغیرہ منسلک کرتے ہیں جو کہ DNA کی طرح ایک علامت بنتی ہے اور شیاطین (جن) اپنے مفعول کو پہچان کر حملہ کر دیتے ہیں۔ اور اپنے مطلوبہ مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سحر کا شکار کمزور اعصاب کے لوگ جلد ہوتے ہیں۔

بچنے کا طریقہ:

جادو کے لیے ''اللہ کے کلام کی پناہ'' بہترین علاج ہے۔ ایک علاج باوضو رہنا ہے، پھر رحمانی کلمات انسان کے گرد ایک شیلڈ (ڈھال) بنا دیتے ہیں یہ ڈھال بھی غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) ہوتی ہے جو تمام ناری طاقتوں کو روک دیتی ہے۔ اس طرح آدمی شیطان وجن کے سفلی حملوں سے بچ جاتا ہے۔ یہ آیات مبارک، تعوذ ہیں۔ پھر آخر میں دو سورتیں الفلق، الناس پھر لاحول ولاقوۃ اور چند خصوصی آیات جو قرآن مجید میں درج ہیں ان کا وظیفہ یا ورد ایک ڈھال میسر کرتا ہے۔ اگر معاملہ بڑھ جائے تو

نیک اور متقی جو اپنی پرہیزگاری کی وجہ سے شیاطین کنٹرول کرنے میں بلند مقام رکھتے ہیں ان سے علاج بھی کروایا جا سکتا ہے۔ وہ بھی اپنی آیات اور دعا پر مشتمل ہوتا ہے۔ (بحوالہ کتاب زندگی از سلطان بشیر محمود، جلد اول) آیت میں واضح ہے کہ مسبب اور اسباب کا تعلق گہرا ہے اور مسبب (سبب پیدا کرنے والا) خدا کی ذات ہے جس کی تقدیر و ارادہ سے ساری کائنات چلتی ہے (الا بـاذن اللّٰہ) ایک ذہنی خلش آتی ہے کہ یہ کیوں اللہ کے حکم سے ہے لیکن یہ غلط فہمی ہے کیونکہ تمام کائنات کی خیر و شر، حق و باطل اس کی مشیت و اجازت سے ہے لیکن اس کی رضا اور حکم نیکی کا ہے۔ لہٰذا ایسا کرنے والے اس کے حکم کے خلاف کرتے ہیں لیکن نظام کائنات میں اس کی ذات نے ان کو اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ جس طرح اس کو ختم کرنے والوں کو ختم کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ (اللہ کی اجازت اور رضا و حکم میں واضح فرق ہے جس کے بعد ذہنی الجھن ختم ہو جاتی ہے)۔ ان تمام سفلی حرکات اور گناہ کے مرتکب افراد کے لیے ایک اعلان کہ اگر وہ ایمان باللہ لے آئیں اور پرہیزگار بن جائیں تو اللہ کے ہاں ان کو بہت بڑا اجر ملے گا۔ پھر فرمایا کہ کاش انہیں اس کا علم ہوتا یہاں علم سے مراد یقین ہے کیونکہ یقین نہ ہونے کی وجہ سے ایمان سے محروم ہیں اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [104:2]

اے ایمان والو تم (نبی کو مخاطب کرتے ہوئے) راعنا مت کہو بلکہ انظرنا (یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیے) کہو اور آپ کی بات کو توجہ سے سنو اور کافروں کے لیے المناک عذاب ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [105:2]

اور وہ لوگ جو اہل کتاب یا مشرکوں میں سے کفر پر بضد ہیں وہ نہیں چاہتے کہ اترے تم ہر کوئی بھلائی تمہارے رب کی طرف سے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت فضل والا ہے۔

بے ادبی جرم ہے:۔

ان آیات میں یہود کی کارستانیوں کا ذکر ہے۔ یہودی جب حاضر ہوتے تو لفظ راعنا یعنی وضاحت کیجیے استعمال کرتے

لیکن ادا، اس طرح کرتے کہ وہ عبرانی کا لفظ بھی بن سکتا جس کے معنی بے ادبی کے تھے۔ صحابہ اسے ادب کے لحاظ (رعایت کیجیے) جبکہ یہودی عبرانی کے

معنی میں ''چرانے والا'' اس بے ادبی پر وہ خوش ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ''انظرنا'' ہماری طرف نظر فرمایئے استعمال کریں مقصود اپنے نبی کی تکریم اور شان تھی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ نبی کی بے ادبی ایک جرم ہے اور آگے فرمایا کہ ایسے کافروں کے لیے المناک عذاب ہے جو بے ادبی کرتے ہیں۔

دوسری چیز جو کفار یا یہود کے بارے فرمائی گئی ہے ایک حقیقت ہے کہ یہود، کفار، عیسائی کوئی بھی ان میں سے مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں بلکہ ہر طریقے سے نقصان دینے کا موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ذہنیت اور ان کے منصوبوں سے بچنا چاہیے۔ یہ شروع اسلام سے لے کر آج تک تاریخ نے ثابت کیا ہے۔ دوسری اسلام اور حضور سے حسد کفار کی اس بنا پر تھی کہ آپ روسا اور مالدار نہیں تھے بلکہ بنو ہاشم کے یتیم تھے اور اللہ نے آپ کو نبوت کے لیے چنا اور دوسری طرف یہود نے آپ کو بنی یعقوب میں سے نہ ہونے کی وجہ سے حسد کیا اور انکار کر دیا۔ اللہ نے اعلان فرمایا کہ یہ اس کا انتخاب ہے کہ کس کو نبوت دیتا ہے اور وہی بڑے فضل والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ [106:2]

ہم کوئی آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ [107:2]

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے علاوہ تمہارا نہ کوئی دوست ہے نہ مددگار۔

منسوخی احکام:۔

پہلی آیت کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حکم کو منسوخ کر دیتے ہیں اور پھر اس کی جگہ ضرورت و حالات کے مطابق ایک اور حکم جاری کر دیتے ہیں۔ نسخ آیت سے مراد قرآن کی تنسیخ نہیں بلکہ ایک حکم کی منسوخی ہے اور دوسرے حکم کا اس کی جگہ نافذ کرنا ہے اور اگر بھلا دی جاتی ہے تو مقصد ہے کہ قرآن کا حصہ ہی نہیں ہے۔ یہ فسخ فقہی احکام کا فقہی نقطہ نظر سے فسخ کرنا ہے جو مصلحت انسان کے لیے ہے کیونکہ اس سے بہتر یا اس طرح کا حکم نافذ کیا جاتا ہے۔

اس کے ساتھ یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے اور پھر مسلمانوں پر واضح کیا گیا ہے انہیں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے دوسروں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ حقیقی مددگار اور دوست اللہ تعالیٰ ہی کو تصور کرنا چاہیے۔ بین الاقوامی قوانین مختلف قوموں کے ساتھ جو معاہدات ہوں ان کو پورا کرنا چاہیے۔ اسی طرح کسی کافر کے مقابلہ میں کسی اور کافر سے مدد لی جا سکتی ہے لیکن اگر مسلمانوں کا مسلمانوں میں مقابلہ ہو تو کسی کافر سے مدد لینا حرام ہے۔ بدقسمتی آج مسلمان ملک اپنے دوسرے مسلمان ملک کے خلاف کفار سے مدد لے کر فائدہ اٹھاتا ہے پھر خود ان کا محتاج ہو کر غلام بن جاتا ہے۔ پچھلے تین سو سال سے مسلمان کفار کا شکار ہیں لیکن حکمران اسلام سے دوری کی وجہ سے ذاتی مفادات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ کَمَا سُئِلَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ وَ مَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ [2:108]

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے ایسے سوال کرو جیسے اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گئے اور جو بدل لیتا ہے ایمان کو کفر سے پس وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡحَقُّ ۚ فَاعۡفُوۡا وَ اصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ [2:109]

اے مسلمانو! بہت سے اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں۔ ان کی یہ ارز وان کے حسد کی وجہ سے ہے جو ان کے دلوں میں ہے جبکہ حق ان پر خوب واضح ہو چکا ہے۔ پس تم معاف کرتے رہو اور درگذر کرتے رہو یہاں تک اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ [2:110]

اور تم قائم کرو نماز اور زکوۃ دیتے رہو جو بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، اللہ کے ہاں اس کو ضرور پاؤ گے۔ بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

بھلائی / خیر ضائع نہیں ہوتی:۔

یہود کے واقعات کے بعد مسلمانوں کو حکم ہے یہودیوں کے کہنے پر اپنے نبی سے غیر ضروری سوال نہ کرو۔ یہ ادب کے خلاف ہے یہودیوں کا مقصد زیادہ سوال کر کے احکام میں تبدیلی لانا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ احکام کو بدلنے کی حجت بناتے تھے۔ اس سے منع کیا گیا ہے اور ایسا کرنے والا سیدھے راستہ سے ہٹ سکتا ہے۔ پھر اہل کتاب (یہودیوں/ عیسائیوں) کی ذہنی کیفیت اور قلبی حالت کے بارے بتایا گیا ہے کہ وہ حسد کرتے ہیں حالانکہ ان کی کتابوں میں آخری نبی کی خبر موجود ہے لیکن اپنی حسد و دشمنی کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ تم بھی پرانے کفر کی طرف لوٹ آؤ۔ ان کو درگزر کر دو۔ کیونکہ تمام امور پر اللہ قدرت رکھتا ہے۔ درگزر کرنے سے زیادتی کرنے والا شرمندہ ہو جاتا ہے اور درگزر کرنے والے کو اللہ اجر دیتا ہے۔ لیکن جب حالات سخت ہو جائیں تو پھر مقابلہ بھی ضروری ہے اس کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اگر کسی غیر مسلم ریاست میں پناہ لے رکھی ہے تو ضروری ہے کہ وہاں کے قوانین کا احترام کیا جائے اور مصیبت و تکلیف پر بھی صبر کیا جائے یا اس ملک سے ہجرت کر دی جائے۔

اس کے بعد اسلام کی اساسی تعلیم دی ہے کہ نماز کو قائم کرو اور زکواۃ دو جو صالح معاشرے کے لیے ضروری ہے اور جو بھی تم نیکی اور بھلائی کے کام کرو گے ان کا اجر اللہ تعالی کے ہاں موت کے بعد کی زندگی میں پاؤ گے۔ یہ اسلامی جزا و سزا کا نظام اعمال انسان کی بنیاد پر ہے۔ کاش مسلمان اب اسے نافذ کریں۔

وَ قَالُوۡا لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تِلۡكَ اَمَانِيُّهُمۡ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ [2:111]

انھوں نے کہا بغیر یہودی یا عیسائی کے کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ صرف ان کی تمنا ہے آپ ان سے کہو کہ کوئی اپنی دلیل لاؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو۔

بَلٰى مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا

هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ [112:2]

ہاں جس نے بھی جھکا دیا اپنے کو اللہ کے لیے وہ مخلص ہے تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس۔ نہ انہیں خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

وَ قَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىۡءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيۡسَتِ الۡيَهُوۡدُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّ هُمۡ يَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ مِثۡلَ قَوۡلِهِمۡ فَاللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ [113:2]

یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی سیدھی راہ پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی سیدھی راہ پر نہیں حالانکہ وہ سب (یہود/ عیسائی) آسمانی کتابیں (تورات/ انجیل) پڑھتے ہیں۔ لاعلم لوگ بھی ان کی سی باتیں کرتے ہیں۔ اللہ قیامت کے دن جن باتوں میں وہ جھگڑتے ہیں فیصلہ کرے گا۔

ان آیات میں یہودی اور عیسائیوں کا ذکر ہے جو اہل کتاب ہیں۔ یعنی تورات اور انجیل کو مانتے ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یوں ہے۔ نجران کے عیسائی جب حضورﷺ کے ہاں حاضر ہوئے تو یہود بھی ان کے بارے سن کر آ گئے جب گفتگو شروع ہوئی تو یہود نے کہا النصاری (عیسائیوں) کا مذہب باطل ہے تو عیسائیوں نے کہا یہودیوں کا مذہب باطل ہے۔ ہر ایک یہودی اور عیسائی یہ کہتے ہیں کہ صرف وہی جنت میں داخل ہوں گے یہ تو صرف ان کی اپنی آرزو ہے۔ آگے فرمایا گیا اور وضاحت کی گئی کہ اللہ کے ہاں اس آدمی کا انعام اونچا ہے جس نے اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ اسلام کی افضلیت یہ ہے کہ وہ یہود وعیسائیوں دونوں کو تسلیم کرتا ہے اور ان کی یہ تکمیل ہے اور جو خالص مسلمان ہے، اس کو دنیا وآخرت میں پریشانی نہیں ہوگی، خالص مسلمان اس صورت میں ہوگا جب عمل اسلام کے احکام کے مطابق ہوگا۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں کون صحیح ہے اور کون غلط اس کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمیں انفرادی طور پر اپنا فیصلہ قوت کے ساتھ نافذ نہیں کرنا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا ہے۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَ سَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمۡ اَنۡ يَّدۡخُلُوۡهَآ اِلَّا خَآئِفِيۡنَ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ [114:2]

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو منع کرتا ہے اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کا ذکر کرنے سے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرتا ہے۔ ان کے لیے تو ہرگز نہیں مگر یہ کہ ان میں داخل ہوتے ہوئے ڈریں۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور آخر میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

[115:2]

اور مشرق و مغرب سب اللہ کے لیے ہے تم جدھر بھی رخ کرو ادھر اللہ تعالیٰ ہی کو پاؤ گے بے شک اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت مبارک میں عبادت گاہوں (مسجدوں) کی تباہی کے بارے ذکر ہے۔ جب عیسائیوں کو غلبہ ملا تو ان کے بادشاہ طیطس (Titis) نے بیت المقدس کو تباہ کر دیا۔ یہ اس کا ذکر ہے اور پھر اس طرح کفار مکہ نے مسلمانوں کو بھی بیت اللہ میں نماز وعبادت سے محروم رکھا تھا۔ لہٰذا عبادت گاہوں سے جو لوگ دوسروں کو اللہ کی عبادت سے روکتے ہیں وہ بہت ظالم ہیں۔ گویا وہ عبادت گاہوں کو ویران کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہا گیا کہ ان میں ڈرتے ڈرتے داخل ہونا چاہیے کیونکہ یہ خدائے عظیم و برتر کا گھر ہے اس لیے دل میں اللہ کا خوف ہونا ضروری ہے اور پھر عبادت کا مدعا بھی ہی خوف خدا ہے۔

تمام پچھلی امتوں کے لیے قبلہ کا تعین ایک اتحاد کی علامت تھا اللہ تعالیٰ تمام جہات سے بلند وبالا ہے، جہات (Dimention) کا تعلق نسبتی ہے (حدود کی طرف)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات حدود کی قیود سے آگے ہے۔ یہ تو جہات ہمارے لیے ہیں۔ قبلہ کا تعین (خانہ کعبہ) ایک اتحاد کی علامت، اور حضرت آدم و ابراہیم کی یادگار ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے نماز کو خانہ کعبہ کی طرف کر کے پڑھا جائے اگر آدمی مختلف سمت نماز پڑھنا شروع کر دے تو اتحاد کے بجائے انتشار بڑھے گا۔ اس لیے ایک قبلہ اتحاد کا مظہر ہے لیکن اگر قبلہ کی سمت متعین نہیں ہو سکے تو اندازہ سے قبلہ کی طرف رخ کرنا چاہیے۔ اگر انسان کسی دوسرے سیارہ میں جاتا ہے اور وقت نماز آ گیا تو اسے زمین کی طرف رخ کرنا ہوگا۔ جہاں مسلمانوں کا قبلہ (کعبہ) ہے۔ صرف سمت ہی کافی ہو گی (یہ مسائل فرضی ہیں)۔ زمین کا قیام دوسرے سیاروں ستاروں سے بلند ہے کیونکہ یہاں کعبۃ اللہ ہے اور حضور ﷺ اور انبیا علیہم السلام کے مسکن ہیں۔ (زاد المعاد، ابن قیم)

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ

[116:2]

اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی بیٹا بنا لیا وہ ایسی باتوں سے پاک ہے بلکہ جو کچھ بھی زمین وآسمان میں ہے سب اسی کا ہے سب اسی کے تابعدار ہیں۔

اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کا اللہ تعالیٰ کے بیٹے بنانے کا ذکر ہے۔ یہودی حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اسلام نے دونوں کی تردید کر کے واضح کر دیا کہ وہ ایسی باتوں (اولاد) سے پاک ہے۔ آسمان وزمین کی وسعتوں مین جو چیز ہے نوری ہے ناری، خاکی یا فلکی، بے جان یا جاندار، بڑی یا چھوٹی، قیمتی یا سستی سب اس کی ملکیت اور قبضہ میں ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ [117:2]

وہ آسمانوں وزمین کا موجد ہے جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو حکم دیتا ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتا ہے۔

پچھلی آیت میں اللہ کے ذات سے اس کی اولاد کی تردید کی گئی اور فرمایا جو کچھ کائنات میں ہے اس کے تابع ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اس کی مزید وضاحت فرمائی گئی۔ یہ اشیاء اس کے قبضہ اور تابعدار ہیں۔ اس کی وضاحت فرمائی کہ اس نے زمین وآسمان کو بغیر کسی مادہ کے پیدا کیا۔ ابداع کے معنی ہیں بغیر نمونہ اور مادہ کے پیدا کرنا۔

قرآن کا یہ نظریہ ہے کہ جس کو سائنس نے قبول کر لیا ہے کیونکہ پہلے یہ نظریہ ہیشگی (Steady state universe) تھا یعنی کائنات ہمیشہ سے ہے اور رہے گی لیکن بعد میں مزید تحقیق سے پتہ چلا کے کائنات کا وجود نہیں تھا یعنی عدم سے اچانک وجود میں آئی ہے اور اس کے وجود میں آنے کے نظریہ کو بگ بینگ (Big Bang) تھیوری جو آج کل معتبر ترین سمجھی جاتی ہے۔ یعنی کائنات عدم (Nothingness) سے وجود میں کن کے امر سے آئی۔ قرآن نے اس کو چودہ سو سال پہلے فرما دیا۔ بلکہ تمام اشیاء کے وجود کے لیے بھی بتا دیا کہ وہ یکلخت پیدا ہوتے ہیں اور وہ بھی کن فیکون کے تابع ہیں اور سائنس بھی اس کو مانتی ہے کہ آناً فاناً کائنات میں ستارے پیدا ہو جاتے ہیں۔ (بحوالہ کتاب زندگی از سلطان بشیر محمود)۔ کسی کے وجود کے لیے طول، عرض، موٹائی کے علاوہ وقت (time) بھی چاہیے (انسانی عقل کے مطابق) لیکن یہ تمام امور اور مفروضے خالق کائنات کے تابع ہیں اور وہ ان کو حاوی ہے کاش مسلم سائنسدان آگے بڑھ کر اس کو حل کرنے میں مدد دیں اور ہدایت کا ذریعہ بن جائیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ [118:2]

اور کہتے ہیں وہ لوگ، جو کچھ نہیں جانتے کہ (خود) اللہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں کلام کرتا۔ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی۔ اسی طرح کہی تھی یہی بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے (گزرے) تھے۔ ان (گمراہوں) کے دل ایک دوسرے سے مشابہہ ہیں۔ بے شک ہم نے اپنی آیات کی یقین رکھنے والوں کے لیے خوب وضاحت کر دی۔

اس آیت میں کفار کے رویہ کے بارے فرمایا گیا ہے کہ وہ مختلف قسم کے حضور سے مطالبات کرتے تھے اور آپ کی نبوت سے انکار کرتے تھے حالانکہ معجزات کے ذریعہ آپ نے نبوت ثابت کر دی تھی۔ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے اس طرح پہلی امتوں نے اسی طرح کیا اور یہ سب گمراہ ایک جیسے خیالات ونظریات والے ہوتے ہیں جبکہ ایمان لانے اور حقیقت پانے والوں کے لیے تمام نشانیاں واضح ہیں۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ لَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ [2:119]

بے شک ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور تم سے اہل جہنم کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

اگلی آیت کے ساتھ آپ کی تسلی فرمائی گئی کہ آپ حق پر ہیں اور اہل ایمان کو خوش خبری اور اہل کفر کو ڈرانے والے ہیں۔ آپ ان کے رویے سے پریشان نہ ہوں جو لوگ جہنم میں جائیں گے آپ سے نہیں پوچھا جائے گا آپ نے پہنچانے کا فرض پورا کر دیا یہ ان کے اپنے اعمال کی سزا ان کو جہنم میں لے جائے گی۔

وَ لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَہُوۡدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَہُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ ہُدَی اللّٰہِ ہُوَ الۡہُدٰی ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَہۡوَآءَہُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ [2:120]

اور یہود ونصاریٰ آپ سے ہرگز خوش نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہیں کرتے۔ آپ فرما دیجیے بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔ اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی، آپ کے پاس علم (وحی الٰہی) کے بعد کریں۔ تو پھر آپ کے لیے کوئی اللہ سے بچانے والا دوست اور مددگار نہیں ہوگا۔

دوبارہ یہود ونصاریٰ کی ذہنیت اور عادات کا اظہار فرمایا ہے کہ ان کی سارش کوششیں آپ کو دین حق سے ہٹانے کی ہیں اور جب آپ کو ان کی حقانیت کا علم ہے تو ان کے پیچھے چلنے پر آپ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔اس آیت میں امت محمدیہ کے لیے ایک پیغام ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ اور کفار پر حقیقی بھروسہ نہ کریں اور اپنی حفاظت کا خود اہتمام کریں۔پہلی جنگ عظیم سے لے کر آج تک مسلمانوں کو تقسیم اور ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے اور جب سے مسلمان نصاریٰ کے پیچھے ہیں اللہ کی مدد سے محروم ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ [121:2]

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی اور تلاوت کرتے ہیں اس طرح جیسے اس کی تلاوت کا حق ہے یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو انکار کرتا ہے پس وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

اس آیت میں بھی حکم ہے کہ قرآن کریم کے احکامات پر عمل کیا جائے اور ان پر عمل نہ کرنے کے سبب زندگی میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ [122:2]

اے بنی اسرائیل یاد کرو اس نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی بے شک میں نے تمہیں کائنات میں بزرگی عطا کی۔

وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ[123:2]

اور تم ڈرو اس دن سے جب کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے کام نہ آئے گا اور نہ ہی اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ انہیں کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ انہیں کوئی مدد دی جائے گی۔

یہودیوں کا ذکر جاری ہے کہ اللہ نے انہیں علم وفضل وحکومت کی دوسری قوموں پر برتری دی لیکن تکبر کی وجہ سے انہوں

نے دوسروں کو کمتر سمجھا حتی کہ نبی آخر الزمان کی تعلیمات کو ٹھکرا دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں یاد دلاتا ہے کہ قیامت اور روز جزا میں انہیں کوئی عذاب خدا سے نہیں بچا سکے گا اور کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا انہیں اپنا کردار حق کی طرف موڑنا چاہیے۔ حق سے منہ موڑنے کے بعد فضیلت ختم ہو جاتی ہے اور یہی فضیلت اب امت محمدیہ کو عطا فرمائی کیونکہ اللہ کے آخری کلام کے وہ ہی علمبردار ہیں۔ انہوں نے اگر ذکر حق ترک کر دیا تو رحمت خداوندی سے محروم ہو جائیں گے۔

وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ [124:2]

اور (یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور اس نے ان کو خوب پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں تمہیں تمام انسانوں کا امام بنانے والا ہوں (اس پر ابراہیم نے) کہا میری اولاد سے بھی کیا؟ (اللہ نے) فرمایا میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم کے امتحانات اور کامیابی کا بیان ہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کی عظمت و بزرگی کی حکمت بھی بیان فرما دی جائے کہ یہ عظمت کہ دنیا کے تین بڑے دین، یہودیت، عیسائیت اور اسلام آپ کے دین ابراہیم سے نکلے ہیں۔ آپ کی یہ عظمت بے مثال قربانی اور جذبہ اخلاص اور احکام خداوندی کی تابعداری کا نتیجہ ہے۔ آگ نمرود میں کودنا، پھر حضرت اسماعیل کو ذبح کرنا پھر ان کو ویران جگہ مکہ شریف چھوڑ آنا۔ پھر شریعت الٰہی کے احکام حج زکوۃ، ناخن کاٹنے، ختنہ کرنا، مسواک کرنا سارے احکام کی اتباع آپ کی عظمت کا سبب ہے اور درس (تعلیم) ہے کہ اللہ کے ہاں مرتبہ اسی کو ہے جو اس کے ساتھ اخلاص اور محبت سے احکام پر عمل کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے انعامات کی درخواست فرمائی جو کہ ایک پدری جذبہ کا حصہ ہے۔ لیکن اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے انعامات ایمانداروں اور نیک لوگوں کے لیے تو ہیں لیکن ظالم، بدکار اس کے مستحق نہیں ہوں گے لہٰذا روحانی وراثت صرف اولاد میں اس کا حق ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ غیر اہل وارث نہیں اس سے مسئلہ بھی کھلتا ہے کہ مملکت کے اہم عہدوں کے لیے اہلیت (کردار کی پختگی اور علمی قابلیت و تجربہ) بھی ضروری ہے۔ ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ روحانی وراثت، نسل سے نہیں بلکہ اہلیت پر چلتی ہے۔ اس لئے علماء ربانی کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے۔

وَ اِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمۡنًا وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّی وَ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡعٰكِفِیۡنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ [125:2]

اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کا مقام بنایا اور تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ میرے گھر کو۔ طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے۔ پاک وصاف رکھیں۔

وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ قَالَ وَ مَنۡ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَ بِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ [126:2]

اور یاد کرو جب حضرت ابراہیم نے کہا اے رب اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے اور اس کے باشندوں کو مختلف پھلوں کا رزق دے جو ان میں اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ اللہ نے فرمایا جو کافر ہوا اسے بھی فائدہ اٹھانے دوں گا تھوڑا عرصہ پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف گھسیٹوں گا جو بُرا ٹھکانہ ہے۔

وَ اِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَ اِسۡمٰعِيۡلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ [127:2]

اور یاد کرو جب ابراہیم اس گھر (کعبہ اللہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل بھی ان کے ساتھ تھے۔ (دعا کرتے تھے) اے ہمارے رب تو ہم سے قبول فرما بے شک تو سب کچھ جاننے والا ہے۔

رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبۡ عَلَيۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ [128:2]

اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار (مسلمان) بنا دے اور ہماری اولاد سے بھی ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور ہمیں دین کے طریقے دکھا اور (اپنی رحمت سے) توجہ فرما بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ

وَ یُزَکِّیۡھِمۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ [129:2]

اے ہمارے رب ان میں سے ایک عظیم الشان رسول ان میں اٹھا جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں سکھائے کتاب (وحی) اور حکمت اور (گناہوں سے) پاک کردے بے شک تو بہت زیادہ طاقت اور حکمت والا ہے۔

تعمیر کعبہ کے بارے ایات میں ذکر ہے اور وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے اسے مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ اللہ نے اس مقام کو مقام عبادت بنانے کا حکم دیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا۔ اس کو امن کی جگہ قرار فرمایا تاکہ عبادت کرنے، طواف اور اعتکاف کرنے والے آرام سے اپنی عبادتیں کرسکیں۔ اس سے مساجد کو صاف ستھرا اور امن کی جگہ (جہاں جھگڑے نہ ہوں) بنانے کا حکم ملتا ہے۔

اگلی آیت میں حضرت ابراہیم نے اس شہر کو امن کے ساتھ رزق کی فراخی کی بھی دعا فرمائی۔ آپ نے یہ صرف فراخی رزق مسلمانوں (اللہ کے ماننے والوں) کے لیے فرمائی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کافر اس کو بھی فائدہ اٹھانے دوں گا۔ اس سے یہ واضح ہوتا کہ رزق کا تعلق ایمان سے نہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کا رزق اپنے ذمہ لیا ہے۔ (**وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها**) اس لیے وہ سب کو رزق دیتا ہے جو اس کا انکار کرتے ہیں اور نافرمانی کرتے ہیں لیکن اخروی زندگی میں وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ دنیا میں خوش حالی کا نظام آخرت کی خوشحالی سے مختلف ہے مومن کی فکر آخرت کے لیے ہے جبکہ کافر کی فکر صرف اس دنیا کے لیے ہے۔ دنیا میں رزق کی تنگی سے مومن گھبراتا نہیں بلکہ کوشش کرتا رہتا ہے۔ لیکن اس کا اصل مدعا اخروی زندگی ہے۔

دعائے ابراہیمی:۔

پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی دعا کا ذکر ہے اور وقت دعا وہ ہے جب احکام خداوندی کی تعمیل میں سرگرم تھے۔ خلوص تھا، محبت خدا تھی اور اطاعت تھی۔ ان عناصر نے دعا کو قبولیت کے مقام پر پہنچا دیا عاجزی اور قبولیت عمل کی درخواست۔ دعا کے الفاظ بہت اہم ہیں کہ ہماری اولاد سے اپنی جماعت پیدا فرما جو تیری فرمانبردار ہو۔ یعنی صداقت وتابعداری کا تسلسل جاری رہے۔

اس کے بعد خصوصی دعا کی۔ ہماری نسل میں ایک عظیم الشان رسول پیدا فرما۔ چونکہ دعا دونوں باپ بیٹا (ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام) فرما رہے تھے اس لیے حضرت اسماعل کی اولاد سے نبی کی پیدائش کی خصوصی دعا ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم بھی شامل ہیں کیونکہ وہ ان کے والد ہیں۔ بنی اسرائیل کے انبیاء، حضرت ابراہیم کی نسل سے تو ہیں لیکن حضرت اسماعیل کی نسل

سے نہیں۔ آپ کی دعا قبول ہوئی کیونکہ بنو اسماعیل سے کسی نے بھی سوائے حضور کے دعویٰ نبوت نہیں کیا۔ لہٰذا آپ ہی دعا کا مطلوب ونتیجہ ہیں۔ آپ نے فرمایا انا دعوۃ ابی ابراھیم۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ الجواھر الحسان تفسیر القرآن (علامہ عبدالرحمان ثعالبی) نے بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے یمن کے سفر میں ایک عیسائی راہب نے انہیں حضور کی بعثت اور ان کی اور حضرت علیؓ کے قبول اسلام کی خبر دی تھی پھر اس نے حضور علیہ السلام کو یہ پیغام بھجوایا تھا کہ میری طرف قبول اسلام اور آپ کے دین کا ماننے والا ہوں۔ حضرت ابوبکر جب یمن سے واپس ہوئے تو حضور نے اعلان کیا اور وہ مسلمان ہوگئے۔ واقعات میں حضرت علی اور حضرت ابوبکر پہلے مسلمان تھے۔ اگلی آیت میں اس نبی عظیم کے بارے دعا ''کہ تیری آتیں پڑھ کر سنائے، انہیں کتاب کا علم دے، دانائی سکھائے اور ان کو پاک کرے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وصلم صرف پیغمبر نہیں بلکہ استاد، معلم ومزکی (پاک کرنے والے) ہیں۔ حکمت سکھانے والے ہیں۔ اس سے مراد کتاب اللہ کی سنت محمدی سے تشریح اور پھر روحانیت اور انوار محمدیہ سے دلوں کو منور کرنا ہے جو کہ آپ نے اپنی زندگی مبارک میں مکمل کر کے دیا اور لوگوں کو حجۃ الوداع کے موقع پر گواہ بنایا۔ آپ کی ذات کے بغیر اسلام اسلام نہیں۔ ہدایت ہدایت نہیں اور نور قلب میں نور نہیں۔ آج بھی آپ عاشقوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ حدیث کے بغیر، قرآن کا ادراک ممکن نہیں اور حدیث کا انکار رسالت کا انکار ہے۔ حکمت کی تعریف ''وضع الاشیاء علی موضعھا'' یعنی ہر چیز کو اپنے محل وموقع پر رکھنا، اس سے مراد قرآنی احکام کی تفصیل اور بیان اور نفاذ ہے جو آپ نے کر دکھایا اور حکمت انسانیت کے لیے بکھیر دی۔

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا وَ اِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ [2:130]

اور کون ہے جو ملت ابراہیمی سے منہ موڑے سوائے اس کے جو خود کو بیوقوف بنا دے۔ بے شک ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) اس دنیا میں چن لیا اور قیامت کے دن بلاشبہ وہ صالحین میں سے ہوگا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [2:131]

اور یاد کرو جب فرمایا اس کو اس کے رب نے۔ سر جھکا دو تابعداری کے لیے تو اس نے کہا، میں نے اپنی گردن رب العالمین کے سامنے جھکا دی۔

وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا

وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [132:2]

وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی کی اے میرے بیٹو اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے تم مسلمان کی حالت کے بغیر نہ مرنا۔

تربیت اولاد:۔

آیات کریم میں حضرت ابراہیم کے دین، آپ کی اللہ سے محبت، اخلاص اطاعت کا ذکر ہے اور جو اس دین سے منہ موڑتے ہیں وہ بدقسمت اور بے وقوف ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا اور قیامت میں اعلیٰ اعزاز بخشا ہے۔آج تک یہودی، عیسائی اور مسلمان آپ کی پیروی پر فخر کرتے ہیں۔آپ کی تابعداری کو اللہ تعالیٰ نے بطور اعزاز ذکر فرمایا۔آپ نیک انسان کی طرح آپ نے اپنی اولاد کو بھی راہ حق پر چلنے کی نصیحت اور کہا کہ ساری زندگی دین الٰہی (ابراہیمی) پر قائم حتی کہ تمہاری موت تک یہ دین تمہارے ساتھ رہے اور اس کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو۔ہمیں بھی چاہیے کہ اپنی اولاد کو ہی تربیت اور پیغام دیں اور ان کی تربیت کا خاص خیال رکھیں۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ [133:2]

کیا تم اس وقت موجود تھے جب آ پہنچی یعقوب (علیہ السلام) کو موت۔انھوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے وہ بولے ہم عبادت کریں گے آپ کے اللہ کی اور آپ کے اباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل واسحٰق کے اللہ کی، جو واحد لاشریک ہے اور ہم اس کے فرمانبردار رہیں گے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[134:2]

وہ ایک امت تھے جو گزر گئے۔ان کے لیے وہی جو انھوں نے کمایا اور تمہارے لیے وہ جو تم نے کمایا اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

ان آیات میں حضرت یعقوب کی ان کی اولاد کو وصیت اور تبلیغ ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنے فرزندوں حضرت اسماعیل اور اسحٰق کو نصیحت و وصیت کی اسی طرح حضرت یعقوب نے بھی اس وصیت میں حضرت اسماعیل جو ان کے چچا تھے ان کے لیے بھی آباء (والد) کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ عربی زبان میں چچا کے لیے بھی ابًا کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ اللہ واحد لاشریک کی عبادت کریں گے۔ یہودی اور نصرانی جو دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید یعنی خدائے واحد لاشریک کو چھوڑ اللہ کے لیے بیٹے بنا دیئے۔

اعمال کی جوابدہی:۔

اگلی آیت میں قدرت کے انصاف کا ایک ابدی اصول بیان فرمایا کہ وہ لوگ بہت نیک تھے۔ تمہارے آباؤ اجداد تھے، گزر گئے۔ ان کے اعمال صالح ان کے لیے ہیں اور تم جو اعمال آپ کر رہے ہو وہ تمہارے لیے ہیں۔ ہر انسان اپنے کیے ہوئے کا ذمہ دار ہے۔ یہی اسلامی قانون کی اساس ہے کہ باپ کی خطا بیٹے پر نہیں اور بیٹے کی غلطی کی سزا باپ کو نہیں ملے گی۔

انصاف کا بنیادی اصول ہے۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اپنے آباؤ اجداد پر تو آپ فخر صرف اسی طور کریں کہ آپ کا کردار اسی طرح ہو۔ ورنہ صرف بطور نسل فخر جائز نہیں اور نہ اس کا اللہ تعالیٰ یا اسلامی قانون میں کوئی حیثیت وقوت ہے۔ ایک اور نکتہ ہے کہ ہر انسان بنیادی طور پر صحیح ہے۔ گناہگار نہیں لہٰذا اچھا یا برا کا وہ خود انتخاب کرتا ہے۔ جس طرح حدیث نبوی ہے کہ ہر مولود دین فطرت پر ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی بنا دیتے ہیں اور یہ ایک علمی اور عملی حقیقت ہے جس کو حضور نے آج سے چودہ سو سال سے بیان فرما دیا۔

وَ قَالُوۡا کُوۡنُوۡا ہُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی تَہۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہٖمَ حَنِیۡفًا ؕ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ [135:2]

انہوں (یہودی/ عیسائی) نے کہا یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ آپ فرمایئے میرا دین تو دین ابراہیم ہے جو سیدھا ہے اور وہ (حضرت ابراہیم) شرک کرنے والوں میں نہیں تھا۔

قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ مَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسٰی وَ مَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ۫ۖ وَ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ [136:2]

آپ کہہ دیں اللہ پر ہم ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور نازل کیا گیا ابراہیم،

اسماعیل، اسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو دیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ہم ان میں کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے ہم تو اسی (اللہ) کے تابعدار ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ [2:137]

پس اگر یہ ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو پھر وہ ہدایت پائیں گے اور اگر وہ منہ پھیریں تو وہ مخالفت پر تیار رہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں کافی ہو جائے گا وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

ان آیات یہود وعیسائیوں کے رویہ کے بارے ارشادات ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے دین کو قبول کریں۔ آپ ان سے کہیں کہ میں تو تمہارے بزرگ حضرت ابراہیم کے سیدھے دین پر ہوں کیونکہ وہ شرک نہیں کرتے تھے اور میں اس تمام پر یقین رکھتا ہوں جو نازل ہوا۔حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق اور حضرت یعقوب پر پھر جو نازل ہوا حضرت موسیٰ پر پھر حضرت عیسیٰ اور دوسرے نبیوں پر۔ ان تمام انبیاء کو میں نبی مانتا ہوں اور ان میں تفریق نہیں کرتا اور اس اللہ واحد لاشریک کی تابعداری کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ وہ قبول کریں تو ٹھیک ہے اور اگر انکار کریں تو اس کا مطلب ہے وہ دین اسلام کی ترقی اور پھیلنے میں رکاوٹ ڈالیں گے۔آپ پریشان نہ ہوان کے مقابلے اور اسلام کی تبلیغ وترقی کے لیے اللہ ہی آپ کو کافی ہے۔

یہ مذہبی رواداری کا درس جو قرآن مجید میں ہے۔اسلام کا ایک عقیدہ ہے اور اسلام میں تمام انبیاء کا احترام ہے۔ پھر یہ بات سچ نکلی کہ اللہ تعالیٰ نے دس سال کے عرصہ میں اسلام کو سارے عرب پر پھیلا دیا اور کنٹرول دے دیا۔اسلام نے مذہبی تنگ نظری اور تعصب کے خلاف اپنے ماننے والوں کو تعلیم دی۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ؗ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ [2:138]

یہ اللہ کا رنگ ہے (جو ہم پر چڑھا ہے) اور کس کا رنگ اللہ تعالیٰ کے رنگ سے بہتر ہے ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ

مُخۡلِصُوۡنَ[139:2]

آپ فرمائیے کیا تم اللہ کے بارے ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی تو ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہم تو اسی (اللہ/ رب) کے لیے مخلص ہیں۔

اللہ کا رنگ:۔

مذہبی رواداری کے بعد چونکہ دین حق ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ ایک انتہائی خوبصورت مثال دی اس آیت میں معرفت کا دریا بند ہے کہ رنگ ایک خوبصورت چیز ہے اور آدمی رنگ کے ذریعے اپنے آپ کو خوبصورت کرتا ہے اور رنگدار لباس پہن کر یہ تسکین حاصل کرتا ہے۔ مذہب پر یقین اور عمل کی مثال بھی ایسی ہے کہ آدمی اپنے کو مذہب میں رنگ دے اور رنگ جس طرح کپڑے کو لگایا جاتا ہے تو کپڑے کا ہر دھاگہ رنگ جاتا ہے اور اک پختہ رنگ تو کپڑا پھٹ جاتا ہے لیکن رنگ نہیں جاتا ہے اسی طرح انسان اگر اپنے آپ کو اللہ کی محبت کے رنگ میں رنگ دے تو ساری زندگی اس کی چمک، رعنائی اور خوبصورتی رہتی ہے حتی کہ مرتے دم تک یہ رنگ ساتھ رہتا ہے۔ بلکہ موت بھی اسے ختم نہیں کرتی اور اس کے ساتھ عالم برزخ میں چلا جاتا ہے اور ہر حال میں مسلمان اس محبت میں سرشار رہتا ہے۔ایک اور توجیہہ یہ ہے کہ تخلقوا باخلاق اللّٰہ (حدیث) (اللہ کے اخلاق عالیہ کو اپناؤ) کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرے اور کائنات میں ان کو بکھیرے۔ جب یہ رنگ چڑھ جاتا ہے تو مومن کائنات کا مرکز بن جاتا ہے۔ بقول شاعر:

کافر ہے تو آفاق میں گم ہے
مومن ہے تو گم اس میں ہے آفاق

پھر آگے مزید اسلامی رواداری واخوت کی تعلیم ہے کہ تم اللہ کے بارے جھگڑا کرتے ہو ہمارا خدا بھی وہی ہے جو تمہارا خدا ہے اور اعمال پر ہی جزا وسزا ہوگی ہمارے لیے ہمارے اعمال میں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال پھر انسانی اعمال کی اہمیت کو اس زندگی میں واضح کیا گیا ہے کہ عمل سے ہی زندگی جنت اور جہنم بھی ہے اور انسان کو برے اور اچھے میں کسی کو بھی چننے کا اختیار ہے۔ اللہ کی مخلصانہ اطاعت ہی کامیابی کا رزار ہے جو مومن کا سرمایہ حیات ہے۔

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ [140:2]

کیا یہ تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد یہود تھے یا نصاریٰ (عیسائی) تھے۔ آپ فرما دیں کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس ہے۔ جو کچھ تم کرتے پھرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں۔

تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [141:2]

وہ ایک امت تھی جو گزر گئی اس کے لیے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے جو تم نے کمایا اور وہ جو کچھ کرتے تھے تم سے ہرگز نہیں پوچھا جائے گا۔

ان آیات میں یہود و نصاریٰ کے پھر پروپیگنڈہ اور افتراء کا جواب ہے کہ تم حضرت یعقوب کی اولاد کہتے ہو تو تم کو پتہ ہے کہ ان کا کیا دین تھا؟ وہ ایک خدا کے قائل تھے اور تم اس بات کو چھپا کر اپنی مرضی سے خدا کے بیٹے۔ حضرت عزیز اور حضرت عیسیٰ کو بناتے ہو۔ لہٰذا ان کاموں کو اللہ جانتا ہے اور وہ تمہیں عذاب دے گا۔ ان انبیاء کرام اور ان کے پیروکار گزر چکے ہیں۔ ان کے اعمال ان کے لیے ہیں اور تم اپنے اعمال کی سزا پاؤ گے لہٰذا اپنے اعمال و عقائد کو درست کر لو۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [142:2]

عنقریب لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ کس چیز نے انہیں اس کے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے ہٹا دیا۔ آپ کہیں مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہ جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ [143:2]

اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک متوازن امت بنا دیا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ بنو اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہوں۔ ہم جس قبلہ پر آپ تھے (اس لیے بدلا) تا کہ ہم (لوگوں پر) واضح کر دیں کہ کون رسول ﷺ کی تابعداری کرتے ہیں اور کون ہیں جو الٹے پاؤں پھر جانے والے ہیں۔ بے شک یہ ایک مشکل ازمائش تھی مگر ان کے لیے (مشکل) نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ روف رحیم ہے۔

یہ آیات کریمہ بھی مدینہ شریف میں آنے کے بعد قبلہ کے بدلنے کے بارے میں ہیں اور منافقین و کفار کا ذکر ہے حضور نبی علیہ السلام مدینہ شریف آنے کے بعد پہلے کی طرح بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سولہ یا سترہ ماہ نماز پڑھتے رہے جس کی وجہ سے یہود خوش تھے کہ ان کا اور مسلمانوں کا قبلہ ایک ہے اور یہ ایک طرح سے ان کے مذہب کی تصدیق ہے۔ مسجد ذی القبلتین جہاں تحویل قبلہ (قبلہ کا بدلنا) واقعہ پیش آیا اور حضور نے نماز کے دوران ہی قبد تحویل کر دیا۔ آج بھی ہر سال لاکھوں حجاج کرام کی زیارت گاہ بن جاتی ہے۔

جب یہود کو اس کی اطلاع ہوتی تو اعتراض کرنے لگے کہ بیت المقدس جو سابقہ انبیاء کا قبلہ تھا اس کو کیوں ختم کر دیا اور پروپیگنڈہ کیا کہ آج بیت المقدس کو چھوڑ کر اپنے گھر خانہ کعبہ (مکہ) کو قبلہ بنایا ہے اسی طرح پرانے مذہب کی طرف (معاذ اللہ) نہ لوٹ جائیں۔ مقصد مسلمانوں کو پریشان کرنا تھا۔ کچھ نے کہا کہ اگر دوبارہ آپ بیت المقدس کی طرف رخ موڑ دیں تو ہم آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ ان تمام باتوں کا رد اللہ تعالیٰ نے وقت سے پہلے وحی میں فرما دیا کہ ایسی باتیں کرنے والے لوگ بے وقوف ہیں۔ اللہ ایک جگہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام جہتیں (مشرق و مغرب) اسی کے ہیں اور وہ ہر طرف ہے جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے۔ اور ہدایت بھی اسی کی مہربانی ہے۔ جن پر راضی ہوا ان کو ہدیات عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قبلہ کے بدلنے پر اعتراض کرنے والوں کو بے وقوف کہا کیونکہ اللہ کی ذات کو محدود جہت کرنے کا اختیار انسان کو نہیں۔ اس کا فیصلہ وہ خود فرماتا ہے اور وہی ہدایت دیتا ہے۔

اگلی آیت میں بھی اسی مضمون کا تسلسل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ قبلہ بدلنے سے وہ لوگ جو

ایمان اور اسلام میں مخلص تھے اور وہ جو مخلص نہیں تھے واضح ہو گئے ہیں۔ رسول کی تابعداری کرنے والے اور اس کی پیروی نہ کرنے والے بالکل سامنے آ گئے۔ جنھوں نے مانا وہ ایمان والوں میں شامل ہو گئے اور جنھوں نے شک کیا یا انکار کیا وہ خارج از اسلام ہو گئے۔ یہ تبدیلی اس لحاظ سے مشکل تھی کہ قبلہ پچھلے سولہ سترہ ماہ سے بیت المقدس اور آناً فاناً خانہ کعبہ بن گیا اور ان لوگوں کے لیے بھی ازمائش بن گئی جن کے ایمان کمزور تھے یا منافق تھے کہ اب کیا کریں۔ یہود کی نیتوں اور اندرونی حال واضح ہو گیا کیونکہ انہوں نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نبی کے احکام پر بے چوں چرا عمل ہی کامیابی کا ضامن ہے جو شک میں مبتلا ہوتے ہیں یا اعتراض کرتے ہیں وہ بلند مقام یا ہدایت پر نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

کا سبق ضروری ہے۔

ساتھ ہی یہودیوں نے ایک بحث شروع کر دی کہ کیا پہلا قبلہ غلط تھا اگر غلط تھا تو اس کا مطلب تمام عبادتیں ضائع ہو گئیں اور اگر ٹھیک تھا اور آپ والا غلط ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ عبادت گزشتہ تھی اس کا کیا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پروپیگنڈہ و وسواس کا ازالہ فرما دیا کہ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا لہٰذا اعمال سابقہ مقبول بارگاہ ہیں۔ کیونکہ خدائے پاک رحیم ہے۔ سابقہ قبلہ اور موجودہ قبلہ اس کے احکام کی اتباع ہے۔ تحویل قبلہ کا ایک فلسفہ امت مسلمہ کا علیحدہ تشخص بھی ہے۔ جو خانہ کعبہ کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے اور پھر ایک مقام یا مرکزی نقطہ ہے۔ جس پر سارے مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ اسلامی وحدانیت کی دلیل ہے۔

مدینہ کی ریاست میں مسلمانوں کے ابتدائی ایام میں وہاں کے با اثر طبقہ یہود سے تعلقات اہم تھے اور بیت المقدس کے قبلہ کی بنا پر وہ اسلام کی مخالفت اور حضورؐ کی نبوت پر اعتراض کم کرتے تھے لیکن اس اعلان کے بعد ان کی ہمدردیاں اسلام دشمنی میں بدل گئیں اور ایک ازمائش کا وقت آیا خالص ایمان والے نبیؐ کی اتباع اور حکم الٰہی پر گامزن رہے اور لغزش نہ آئی۔ یہود نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ منافقین نے بھی ان کا ساتھ دیا حالانکہ بیت المقدس کی بنیاد حضرت سلمان نے حضرت موسیٰ کے دو سو سال بعد رکھی تھی۔ (بحوالہ کتاب زندگی، ص:۱۶۳) حالانکہ کتب یہود میں آخری نبی کی علامات میں اس کے دونوں قبلوں کی طرف نماز کا ذکر تھا (معارف القرآن) لیکن ماننے والوں نے اسے حق کی دلیل سمجھا اور گمراہوں نے اسے مذاق سمجھا۔

مسلمانوں کو اعتدال کی امت فرمایا (امت وسط) یعنی اگلی امتوں کے مذہب (یہودی عیسائی وغیرہ) اور ان کے قبلوں

کو ماننے والے۔ احکام الٰہی اور معاملات میں اسلام کے احکام انتہائی معتدل اور متوسط ہیں جو انسان جسم وذہن کی قبولیت کے لیے متوازن ہیں اور آپ ﷺ کی تمام انبیاء پر گواہ ہیں کہ انھوں نے پیغام پہنچایا اور امت مسلمہ ان کی امتوں پر گواہ ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ ہم ان پیغمبروں کی امتوں اور ان کو پیغمبروں کو مانتے ہیں، انکار نہیں کرتے۔

بخاری شریف میں حدیث مذکور ہے حضورؐ نے فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے دور قیامت تک اللہ تعالیٰ انبیاء بلائیں گے اور وہ لبیک سعدیک کہہ کر حاضر ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے پیغام پہنچایا وہ جواب دیں گے ہاں مرے مولا، پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ تمھیں پیغام پہنچا وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا پھر پوچھا جائے گا کون گواہی دے گا کہ تمہارے تک پیغام پہنچایا گیا پھر کہیں کے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت میرے گواہ ہیں۔ (بخاری شریف، بحوالہ تفسیر آیت حدیث نمبر ۷۴۴۸، ترمذی شریف، ۲۹۶۱)

عمارت کعبہ شریف:۔

سید اشرف اللہ حسین (مرحوم) کی کتاب کتابچہ برائے حج عمرہ اور زیارہ (Handbuk on Haj/ Umrah and Zirah p197-202) میں کعبہ شریف کی اطراف وطول وعرض وعمود کا ذکر اس طرح ہے۔ اس کی اونچائی ۱۴ میٹر مشرقی جانب 12.84 میٹر۔ مغربی جانب 13.16 میٹر شمال جانب 11.28 اور جنوبی 11.53 میٹر ہے۔ (جس کی وجہ سے یہ ایک مربع صورت میں نہیں)۔ مکعب صورت ہے۔ زمینی علامت مقام ابراہیم عمارت کعبہ سے گیارہ میٹر کے فاصلہ مشرقی جانب ہے۔ چاہ زم زم (کنواں) مطاف کے نیچے ہے۔ (مطاف طواف کرنے والی جگہ) جو کہ حجر اسود سے 20.60 میٹر کے فاصلے پر ہے اور مقام ابراہیم سے 12.45 میٹر فاصلہ پر ہے۔ حجر اسود 1.5 میٹر بلند اونچا جنوب مشرقی کونے پر لگا ہوا ہے۔ مکعب شکل کی بنا پر کعبہ نام دیا گیا ہے۔ کعبہ شریف میں طواف انٹی کلاک (Anti clock) سے شروع کیا جاتا ہے۔ جدید سائنسی تحقیق میں ایٹم کے ذرے۔ (الیکٹرون) اپنے نیوکلس کے گرد انٹی کلاک دائرے میں گھومتے ہیں۔ افلاکی اجسام (سورج/ستارے) بھی اپنے محور میں الٹے ہاتھ (انٹی کلاک، Anti Clock) گھومتے ہیں اسی طرح نظام شمسی بھی کہکشاں میں الٹے ہاتھ محور کے گرد گھوم رہا ہے۔ کعبہ شریف کے گرد جب سے اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا۔ اس کے گرد طواف ہو رہا اور طواف کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر انتظامی امور یا ناگہانی وجہ سے انسانی طواف رک گیا تو پرندے اس کے اوپر چکر لگا رہے ہوتے ہیں۔ (بحوالہ کتاب زندگی، ص:۴/۵۴۳)

خانہ کعبہ بحیثیت امت مسلمہ کے لیے اتحاد کی ایک عظیم علامت، محرک اور علیحدہ تشخص بھی ہے۔

اگلی آیت میں اسی مضمون کا تسلسل اور حضور کی تمنا برائے تحویل قبلہ اور اس پر یہود کے (اہل کتاب) کے تعصب کا ذکر

ہے۔

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَ حَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ شَطۡرَهٗ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ لَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعۡمَلُوۡنَ [2:144]

(اے نبی) ہم بار بار آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف کرنا دیکھ رہے ہیں سو ہم ضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔ پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو اور تم (اے مسلمانو) جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرہ کو اس کی طرف پھیر لو اور وہ لوگ (یہودی، عیسائی) جنہیں کتاب دی گئی ہے ضرور یہ جانتے ہیں کہ یہ (تبدیلی قبلہ کا حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ کر رہے ہیں۔

یہ آیت مبارکہ حضور کی مکہ شریف کی قبلہ کی تمنا کا ذکر بیان کر رہی ہے۔ اس کا نزول مبارک اس وقت ہوا جب مسجد بنی سلمہ جو کہ مضافات مدینہ میں ہے۔ نماز ادا فرما رہے تھے۔ دوران نماز وحی کے حکم پر آپ نے اپنا رخ موڑ دیا اس لیے آج تک اس کو ''مسجد قبلتین'' کہتے ہیں یعنی دو قبلوں والی مسجد۔ حجاج کرام اس کی مدینہ شریف میں زیارت بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنا رخ نماز میں خانہ کعبہ کی طرف کریں۔ چونکہ تحویل قبلہ کے بعد یہود یا اہل کتاب جن کے ساتھ پہلے قبلہ مشترک تھا اور اب تبدیل ہو گیا اختلاف واضح تھا اور ان کا اعتراض اور مخالفت ظاہر تھی کہ پرانے انبیاء کے قبلہ کو مسلمانوں نے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن یہ فرما دیا گیا ہے کہ اہل کتاب کو پتہ ہے کہ یہ قبلہ درست ہے اور اللہ کی طرف سے ہے۔ یہودیوں کی کتب میں تحریر تھا کہ آخری نبی الزمان کی علامت بیان کی گئی کہ وہ دونوں قبلوں والا ہوگا۔ (بحوالہ معارف القرآن) اور یہ حضور کی تسلی کے لیے فرمایا گیا کہ ان کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے اور اس میں پشیمان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جہت کا لفظ فرما کر اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے والوں کے لیے آسانی فرما دی کہ عمومی سمت کا تعین کافی ہے۔ تخصیصی طور پر عین کعبہ کی طرف (زاویہ پر) منہ کرنا ضروری نہیں۔ اس کا مقصد عبادت گزاروں کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر، محمد علی الصابونی، جلد اول، ص۸۲) ایک نقطہ کہ نگاہوں کا آسمان کی طرف اٹھنا محبت کی تمنا ہے جسے ادب کی وجہ سے الفاظ کا لباس نہیں پہنایا گیا اور ادھر دل کی آواز سن کر آرزو پوری کر دی گئی۔ (بحوالہ تفسیر ملا علی قاری انوار القرآن واسرار الفرقان، ص۱۴۰، ادارہ الکتب العلمیہ بیروت)

ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

وَ لَئِنۡ اَتَيۡتَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَكَ ۚ وَ مَاۤ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَهُمۡ ۚ وَ مَا بَعۡضُهُمۡ بِتَابِعٍ قِبۡلَةَ بَعۡضٍ ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ [145:2] اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ فَرِيۡقًا مِّنۡهُمۡ لَيَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَ هُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ☆ [146:2] اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ [147:2]

اور اگر آپ اہل کتاب کے پاس ہر طرح کی نشانی (بھی) لے آئیں تب بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ہی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے اور اگر آپ نے بھی اپنے پاس علم آجانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی تو بے شک آپ اپنے لیے ظلم یا زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

جنہیں ہم نے کتاب عطا کی وہ اس (نبی پاک ﷺ) کو اس طرح پہچانتے ہیں اور یقیناً انہی میں سے ایک گروہ حق کی چھپا رہا ہے اور وہ اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔

حق تو وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے تم لوگ اس میں کبھی بھی شک میں مبتلا نہ ہو۔

اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے ذہن کا تجزیہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اسلام سے بغض وحسد رکھتے ہیں۔ تمام دلائل جو عقل وسمجھ پر مبنی ہوان کے لیے اہم نہیں اور وہ آپ کے تحویل قبلہ کی مخالفت چھوڑنے والے نہیں۔ اسی طرح حسد وبغض کی بنا پر وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ یہود بیت المقدس کی طرف اور نصاریٰ (عیسائی) مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور اگر آپ نے ان کی موافقت کے یعنی ان احکام تبدیلی قبلہ کو نظر انداز کیا تو اپنے آپ پر زیادتی وظلم کریں گے۔ اس آخری حصہ کا مقصد امت کو بتانا ہے کہ قبلہ کتنا اہم ہے اور ان کو کسی بھی حال میں دوسری اقوام کی خاطر اس میں تبدیلی نہیں کرنی چاہیے۔ جبکہ احکام خداوندی کا تمہیں علم بھی ہے۔ انبیاء علیہ السلام معصوم ہوتے ہیں یہ مفروضہ محال صرف امت کو اہمیت کی خاطر بتایا گیا ہے کہ کسی معاشرتی ومعاشی دباؤ کے تحت حق سے منہ نہ موڑا جائے۔

تحویل قبلہ کے ضمن میں یہودیوں کے رویہ کا ذکر ہے کہ وہ آپ کو پہچانتے ہیں کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں لیکن ان کے علماء حسد وبغض کی وجہ سے یہ بات عامہ الناس کے سامنے بیان نہیں کرتے، اور مخالفت کرتے ہیں حضرت عمر سے روایت ہے کہ آپ نے عبداللہ بن سلام جو اسلام لانے سے پہلے یہودیوں کے بڑے عالم تھے سے پوچھا کہ آپ حضرت محمد ﷺ کو اسی طرح

پہچانتے ہیں۔جس طرح لڑکے کو آپ نے جواب دیا کہ میں نبی آخر الزمان کو زیادہ یقین سے جانتا ہوں کیونکہ اللہ نے آپ کو آمین اتارا اور آپ کی نشانیوں سے میں نے اس کو جانا اور اس میں کوئی شک نہیں لیکن میرے لڑکے کے بارے میری بیوی نے کیا کیا۔شاید کہ اس نے خیانت کی ہو۔صحیح نہیں جانتا) حضرت عمرؓ نے ان کے سر کو چوما (صفوۃ التفاسیر، بروایت ابن کثیر) اتنے دلائل کے باوجود اور اللہ کا کلام ہی حق ہے لہٰذا کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہیے۔غیروں کے نظریات وآراء کو کوئی اہمیت نہیں دینی چاہیے اور حق کی راہ پر گامزن ہونا چاہیے۔یہ کلام امت کے لیے ہے تاکہ وہ اس پر عمل کریں۔

وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [2:148]

اور ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت (مقرر) ہے وہ اسی کی طرف رخ کرتا ہے پس تمام نیکیوں کی طرف پیش قدمی کیا کرو تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تم سب کو جمع کرے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہر انسان کا، ہر قوم کا، ہر معاشرہ کا ایک جھکاؤ یا سمت ہے۔ہر دین کی جہت ہے یا قبلہ ہے، لیکن اصل جھکاؤ یا مقابلہ نیکیوں کی طرف مقابلہ ہے اور اس میں سبقت لے جانا ہے۔انسانی نفسیات میں دولت، شہرت، طاقت میں مسابقت فطری تقاضے ہیں ہر ایک چاہتا ہے کہ آگے نکل جائے لیکن امت مسلمہ کو مقابلہ کرنے اور سبقت لے جانے کے لیے دولت، شہرت، طاقت نہیں بلکہ مقصد حیات نیکیوں میں سبقت لے جانا اور معاشرہ کو بھلائیوں اور اچھائیوں سے بھر دینا ہے۔اسلامی معاشرہ کا معیار زندگی بھلائیوں پر مبنی معاشرہ ہے۔Better Life standard صرف مادی طور پر اعلیٰ معیار نہیں بلکہ اخلاقی اقدار پر اپنی اعلیٰ مادی ترقی کے ساتھ معاشرہ ہے۔جہاں جسمانی آرام کے ساتھ روحانی وذہنی آرام بھی ہو۔چونکہ زندگی کی پہلی منزل موت ہے اور اس دور میں اگر صرف طاقت، شہرت اور جسمانی لذت کے لیے کوشش رہی تو انجام ناکامی ہے کیونکہ یہ سارے امور موت پر ختم ہو جائیں گے اور عالم برزخ میں ارواح اپنے اعمال واعتقادات کے مطابق رہیں گے اور جب بلاوا آئے گا یعنی صور پھونکا جائے گا تو سب اکٹھے ہو جائیں گے۔یہ ارضی زندگی ہی نیکیوں میں مقابلے اور ان کو اکٹھا کرنے کی فرصت وموقع ہے اگر ضائع ہو گیا تو سب ضائع ہو گیا۔پھر روحانی انداز میں ہر روح کے لیے اس کی جہت ہے۔محبت، انس، عشق، سلامتی اور پریشانی کے مختلف مقامات، مشاہدات، انوار ظاہریہ، انوار غیبیہ وہ ان مراحل سے گزرتی ہے اور گم ہو جاتی ہے اس کے فاستبقوا الخیرات (بھلائی میں مقابلہ کرو) فرما کر شریعت پہ عمل کی تاکید فرما دی۔اسی موضوع کو یعنی جہت (قبلہ) کے تعلق کو آگے بیان فریا ہے۔

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ

رَبِّکَ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ [149:2]

اورتم جہاں سے بھی باہر نکلو اپنا چہرہ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف موڑ لو۔ یہی تمہارے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

وَ مِنۡ حَیۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَ حَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ شَطۡرَهٗ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَیۡکُمۡ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِیۡ وَ لِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ [150:2]

اورتم جہاں سے بھی نکلو (سفر میں) اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو (نماز کے وقت) اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کا رخ اسی طرف پھیر لو تا کہ لوگوں کے پاس تم پر اعتراض یا حجت نہ رہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ظالم ہیں (حد سے بڑھنے والے ہیں) پس تم ان سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرا کرو تا کہ پر میں اپنی نعمت پوری کردوں اور تم ہدایت پا جاؤ۔

مسجد حرام خانہ کعبہ کی جانب رخ کرنے کا حکم پچھلی تین آیات میں تین دفعہ دہرایا گیا ہے۔اس کی اہمیت بھی بیان کی ہے کہ مکہ کے بت پرستوں کو اعتراض نہ ہو کہ دین ابراہیمی کا دعویٰ کرتے ہیں اور قبلہ بیت المقدس ہے۔ اہل کتاب کو یہ خبر دی گئی تھی کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ مختلف (کعبہ) ہوگا لہٰذا وہ یہ بھی جان لیں کہ یہ دین ایک مستقل دین اور اس کی اپنی وحدت ہے علیحدہ قبلہ ہے۔ مسلمانوں کو بھی معلوم ہوا کہ وہ علیحدہ ملت ہیں اور ان کا اپنا مرکز ہے۔ اور علیحدہ تشخص ہے لہٰذا جہاں کہیں بھی ہو تو قبلہ اور روحانی مرکز کعبۃ اللہ ہے۔ سیاسی وسماجی وحدت کا بھی مرکز ہے تین دفعہ حکم کا مقصد پہلا بیت اللہ کے علاقہ ہیں۔ دوسری دفعہ کا مقصد ہر ایک کا اپنے ملک میں اور تیسرے کا مقصد اپنے ملک یا مسکن سے باہر سفر کی حالت میں۔ (بحوالہ تفسیر قرطبی)

حقیقی خوف:۔

دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں کعبہ کی طرف منہ کے اہتمام یعنی مساجد کا بندوبست کرنا چاہیے۔ ڈر کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو اصولوں کی بنا پر ڈٹ جانے کی تلقین ہے اور خداوندی حقیقی سے ڈرو اور ظالمین یا گمراہوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ خداوند کریم کے احکام پر عمل کرنے سے نجات ہے اور اس وجہ سے وہ اپنی تمام نعمتیں مکمل فرمائے گا۔ معاشی انحطاط کے مسائل کی بنا پر ظلم کا ساتھ دینا انتہائی غلط ہے۔ دنیا کی نعمتیں بھی محنت سے حاصل ہوتی ہیں لیکن ان میں دوام نہیں اگر محنت کر کے بھی مومن کو کامیابی نہیں ہو رہی تو اس کا امتحان ہے۔ جس کا صلہ اگلے جہاں میں ملے گا چونکہ کفار اور ظلم کرنے والوں کا حصہ نہیں۔

اس لیے وہ اسی جہاں میں پا لیتے ہیں اور اگلے جہان کے لیے خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ حضورؐ کے صحابہ کرام نے کبھی خوف یا ڈر کی وجہ سے حق کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رعب ان کے مخالفین کے دلوں میں ڈالا ان کو کامیابی عطا کی گئی۔

اگلی آیت میں اس فضل وکرم کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے۔

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيۡكُمۡ وَ يُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ [2:151]

اسی طرح ہم نے تمہارے درمیان تم میں سے رسول (نبی ﷺ) بھیجا جو تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک وصاف (قلباً) کرتا ہے اور تمہیں کتاب اللہ کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے (حقیقت ومعرفت وغیرہ)۔

یہ آیات انعام ربانی کا بہت واضح اظہار ہیں۔ انسانیت کی تکمیل اور روحانیت کی معراج ہیں۔ رسول کا انسانوں کے اندر پیدا ہونا ہمارا (اہل سنت) کا عقیدہ ہے۔ (جن اور ملائکہ) انبیا نہیں ہو سکتے اور دوسرا مقصد انسانوں کے لیے آسانی سے سمجھنا اور ان کی تعلیمات پر ان کی طرح عمل کرنے کی حجت قائم کرنا ہے۔ آپ (حضرت محمد ﷺ) کی آمد کا مقصد، اللہ کے پیغام کو پہنچانا اور انسانیت کی تکمیل کرنا ہے اور یہ پیغام آپ نے محفوظ طریقہ پر پہنچایا اور محفوظ طریقہ پر اسے رکھا۔ آپ نے اسے حفظ کیا اور تقریباً تمام صحابہ کرام بھی اس کے حافظ تھے۔ تدریجاً قرآن پاک کے نزول سے حفظ کرنا اور آسان تھا۔ آپ انسانیت کے استاد ہیں اور انسان کو اس کا مقام دکھایا اور دیا۔

اس آیت میں بعثت کا مقصد کتاب وحکمت کی تعلیم ہے۔ کتاب سے قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ سے اترا اور آپ نے اسے ترتیب دیا۔ تحریر فرما کر دیا، حفظ کیا اور صحابہ کرام حفاظ تھے اور اس کے احکام پر مدینہ کی ریاست قائم فرمائی۔ حکمت سے مراد قرآن کی عملی تشریح اور کردار کے ذریعہ اظہار ہے۔ تزکیہ نفس بھی آپ کی ذمہ داری بتائی گئی۔ تزکیہ نفس ایک کام ہے، نفس جس کے اندر 'امارہ' شامل ہے جو شیطان کے وار کا آسانی سے شکار ہو جاتا ہے اور انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کو تزکیہ نفس کے ذریعہ یعنی نفس لوامہ (جو احساس گناہ کا احساس دلاتا ہے) کے ذریعہ چھٹکارا پایا جاتا ہے اور پھر نفس مطمئنہ سے اس سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔ آپکی تربیت سے صحابہ کرام میں کردار پیدا ہوا کہ عرصہ دس سال سے کم مدت میں تمام عرب کا ایک لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ صرف ایک سو پچاس افراد کی شہادت سے زیر نگیں ہو گیا۔ تزکیہ نفس کے لیے برائی سے نفرت پیدا کرنا ضروری ہے۔ حلال حرام کی تمیز، حرام سے کراہت پیدا کرنا ہے۔ اس سے آدمی نفس لوامہ اور مطمئنہ کا حصول کرتا ہے۔ اس تزکیہ کے لیے دنیا سے کٹ جانا ضروری نہیں۔ اسلام میں رہبانیت حرام ہے۔ حضور کی زندگی ایک مثالی نمونہ ہے۔ دنیا میں رہ کر

رزق حلال، انسانیت کی خدمت اور احکام خداوندی بالخصوص معاشرے کے حقوق (حقوق العباد) پرعمل کر کے بلند مقام حاصل کا جاتا ہے یہی انبیاء اور صحابہ کرام اور صلحاء کا طریقہ رہا ہے۔ کتاب وحکمت کی تعلیم، حضور کی سنت پرعمل ہر مسلمان اہل علم پر فرض ہے۔

تمہیں وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔ یہ وہ علوم ہیں جنہیں ہم باطنی علوم کہتے ہیں۔ ظاہری علوم کے مقابل وہ علوم جو ظاہری طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتے وہ بھی آپ نے صحابہ کرام کو سکھائے جو حدیث نبوی کی صورت موجود ہیں۔ آپ نے بہت سی باتیں کائنات انسانی نفسیات اور آخرت کے بارے میں جو آج بھی محفوظ ہے۔ یہی علوم تھے جنھوں نے صحرانشینوں کو دنیا کا رہنما بنا دیا۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کسی نے اسماعیل کی اداب فرزندی

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ [152:2]

پس مجھے یاد کرو جب میں تمہیں یاد کروں گا میرا شکرادا کیا کرو اور کفر (ناشکری) نہ کرو۔

اس آیت میں حضور کی تعلیمات اور راہنمائی کے بعد ایک انتہائی اہم حکم دیا گیا جو انسانیت میں اس کی عزت کے لیے سب سے اہم ہے اور وہ خالق کائنات کی یاد ہے۔ ذکر کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرنا کہ دل ودماغ پر اس کی شان رہے۔ اس کی محبت، اس کی ہیبت اور اس کا خیال چھایا رہے۔ اس مقام ذکر تک پہنچنے کے لیے عملی جدوجہد بہت ضروری ہے اور پھر ایسے لوگوں کی محبت جو کہ اس عمل کا نمونہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ذکر کی بھی برکت ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ اس پر غور وفکر اور عمل بڑا ذکر ہے۔ اسلامی عبادات ومعاملات مثلاً روزہ، نماز، حج، زکوۃ، اطاعت والدین بالخصوص رزق حلال، نفس کے خلاف جہاد برائی کے خلاف جدوجہد، نیکی پھیلانے کی کوشش ان سب امور کو حضور علیہ السلام کے کردار واحکامات کی روشنی میں کرنا اللہ کا ذکر ہے اور اس کی اطاعت ہے۔ زندگی اسی کام کے لیے شکر اور رضا کے ساتھ گزار دی جائے۔ (بحوالہ کتاب زندگی)

اس ذکر کی نمائش (یعنی تسبیح، بلند آواز) کے بجائے جس میں دکھاوا کا خطرہ زیادہ ہے، خاموشی کے ساتھ بہتر ہے۔ ذکر اللہ اور اس کے بندے کے درمیان معاملہ ہے لیکن ان اذکار کے لیے فرائض سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

انداز ذکر (یاد):۔

ایک دفعہ صحابہ کرام کے بلند آواز میں آہ و پکار شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا اللہ پاک حاضر ہے اور سمیع ہے لہٰذا اس کو سنانے کی ضرورت نہیں۔ (یعنی وہ خاموشی کی دعا اور ذکر کو جانتا ہے) (بحوالہ صفوۃ التفاسیر) "رفع الناس

اصـواتھـم بالدعاء، قال رسول اللهﷺ ایھا الناس اربعوعلی انفسکم. (ای حففوعنھا) فانکم لا تدعون اصم ولا غائباً، ان الذی تدعون سمیع قریب" (رواہ البخاری/ والمسلم)

جب ذکر کرنے کا حکم اور ذمہ داری دی گئی تو پھر اس کا صلہ بھی ساتھ بتا دیا گیا کہ اگر تم ذکر کرو گے تو میں بھی تمہارا ذکر کروں گا کس قدر انسانی عظمت اور اس کے ساتھ رحمت ومحبت کا اظہار اور انعام ہے۔ ایک حدیث قدسی کا ذکر ضروری ہے جو کہ مسلم اور بخاری شریف میں درج ہے جس کا ترجمہ ہے کہ بندہ جیسا مجھے گمان کرتا ہے ویسا ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے میں بھی اسے یاد کرتا ہوں اور اگر مجمع میں یاد کرے تو میں بھی اسے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت مرے نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اگر وہ میرے ایک ہاتھ کو نزدیک ہو تو میں ایک قدم اس کے قریب ہو جاتا ہوں اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آجاتا ہوں۔ کس قدر محبت کا اظہار ہے۔ **"انـا عـند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی. فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی، فان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاخیر منه' ان تقریب ای شبراً تقربت الیه ذراعاً، وان تقرب الی ذراعا تقربت الیه باعاً، وان اتانی یمشی اتیه هرولةٌ"** (مسلم فی کتاب الدعا والتوبه، بخاری کتاب التوحید)

ذکر کا انعام:۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذکر وفکر جو خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو اس کے اجر کا جو اظہار اپنی محبت اور پیار کے انداز میں فرمایا ہے وہ قابل غور ہے اگر موجودہ نفسیات کے عمل کو دیکھا جائے تو کسی بھی نظریہ کے ساتھ محبت سے آپ کے اندر ایک ولولہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر وہ لوگ یا نقطہ یا ذات ایسی ہو جو سراپا کائنات کا راز ہو کائنات کا خالق، سارے نظام کا مالک ہو تو اس کے ساتھ لگن کا مزا ہی اور ہے۔ اسے وہ جانتے ہیں جنھوں نے اسے چکھا ہے۔ یہ الفاظ کے بیان سے باہر ہے۔ اس محبت کے راز ونیاز کا اظہار ملا قاری نے اپنی تفسیر انوار القرآن واسرار الفرقان (جلد اول) میں اپنے استاد (علامہ قشیری علیہ رحمۃ کے حوالے سے) اگر تم میرا ذکر کرو گے تو میں تمہارا ذکر کروں گا کی تشریح فرمائی ہے کہ تم میرے احکامات سے راضی ہو گے تو میں کرامات دوں گا۔ میرے لیے اپنی خواہش چھوڑو گے تو تمہیں فنا کے بعد بقا دوں گا۔ یہ دنیاوی معاملات چھوڑو گے تو حقائق دنیا دوں گا، اگر میرا ذکر عاجزی سے کرو گے تو فضیلت دوں گا۔ انکساری کرو گے تو طاقت دوں گا۔ دل سے ذکر کرو گے تو مطلوب دوں گا۔ خدمت کی صورت میں کرو گے تو نعمت دوں گا۔ ذکر راز میں کرو گے تو نیکی دوں گا۔ سرور کے ساتھ کرو گے تو قبور میں نور دوں گا۔ سلامتی میں ذکر کرو گے تو قیامت میں ندامت سے بچاؤں گا۔ الغرض زندگی کی کوئی صورت وکیفیت ہو کا ذکر کا انسان کو صلہ ملتا رہتا ہے۔

اس کے بعد شکر کی تاکید اور اس بات کی تاکید کی کہ ناشکرے نہ بنو۔ یعنی اگر شکر کرنے کی ہمت نہ ہو تو انکار یا ناشکری

کرنے کی حرکت بھی نہیں ہونی چاہیے۔ایک روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ کہ میں آپ کا شکر کیسے ادا کروں تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے یاد کرو اور اگر تم نے یاد کیا تو شکر کیا اور اگر بھلا دیا تو کفر (زیادتی) کی۔(بحوالہ ابن کثیر صفوۃ التفاسیر)

اللہ کی نعمتوں کا ذکر اور دل سے اس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔کسی عام آدمی سے ذرا سے احسان و بھلائی پر ہم شکر گزار ہوتے ہیں لیکن اگر بغور مطالعہ کریں تو اللہ کے کس قدر ہم پر انعام و کرام ہیں لہٰذا اس کا شکر بہت ضروری ہے۔شکر ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ نافرمانی سے باز رہے اس کی دی ہوئی نعمتوں صحت، زندگی، رزق، قابلیت، دولت، عزت اور طاقت کو اس کا عطیہ سمجھے اور احساس ممنونیت (شکر گزاری) پیدا کرے اور ان نعمتوں میں اس کی مخلوق کو بھی شریک کرے اور اس میں اس کی راہ میں اس کی رضا کے لیے خرچ کرے۔یہ سارے امور، اصلاح معاشرہ، ظلم کے خلاف غریبوں کی مدد، بھوکوں کو کھانا کھلانا، اللہ کے شکر ادا کرنے کے طریقے ہیں۔زبانی شکریہ کی عادت بھی اس ضمن میں ایک اہم عمل ہے اور اس کا احساس کرنا اور دوسروں کو بالخصوص بچوں کو سکھانا چاہیے۔شکر کا اظہار اتنا اہم ہے کہ اس کو نہ کرنے کو ظلم و زیادتی کہا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [153:2]

اے ایمان والو نماز کے ذریعہ (مجھ سے) مدد چاہا کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صبر:۔

ذکر اور شکر کے بعد انسانی زندگی کے مراحل میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کے حل کا نسخہ بتایا گیا ہے۔جب آدمی اللہ کے ذکر میں خالص ہو کر اس کے شکر اور اس کے احکام کی تکمیل اور ترویج کرتا ہے تو شیطانی قوتیں اس کو ہر طرح سے نقصان اور زک پہنچانے کی کوشش کرتی ہیں کہ وہ اس عشق کو چھوڑ دے۔ایسی صورت کا علاج اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایمان والو مجھ سے مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ۔ترتیب آیت میں صبر کو مقدم یعنی پہلے رکھا ہے اس لیے تکالیف کے حل کے لیے سب سے پہلے صبر کے ہتھیار سے مسلح ہونا ضروری ہے۔

صبر کا مطلب ہے کہ مشکل وقت یا حالات کی خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنا۔آہ و پکار چیخ اور رونا دھونے سے اجتناب کرتے ہوئے بار بار کمزوری کا اعتراف یا بہانہ نہ بنانا بلکہ سمجھ و عقل کے ساتھ حالات کا جائزہ لینا اور صحیح اور جائز وسائل کا استعمال کرنا اور ناکامی کی صورت میں پریشان نہ ہونا صبر ہے۔صبر کے ساتھ توکل بھی ملتی ہے۔صبر کی نفسیاتی برکت سے ہر ایک آگاہ ہے، صبر ایک ایسا آلہ (tool) ہے جس کے ذریعے ہر مشکل اور پریشانی کا لمحہ خود بخود کم ہو جاتا ہے۔صبر انسانی شخصیت کو عظمت و حوصلہ عطا کرتا ہے۔اس کے ساتھ حاصل کردہ ذرائع و اسباب کا استعمال صبر کے خلاف نہیں بلکہ حقیقی صبر کا حصہ ہے۔آدمی دیکھتا

ہے کہ مشکل حالات ہو جاتے ہیں اسباب پیدا ہو جاتے ہیں اور حالات ایسے بدلتے ہیں کہ یقین نہیں آتا یہ سب صبر اور کوشش کی برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کامیابی عطا کرتا ہے۔ یہ صبر ٹھیرا پی سب سے اہم طریقہ کامیابی ہے۔ اس مرحلہ میں جس دوسرے ہتھیار یا ذریعہ کا ذکر کیا گیا ہے نماز ہے۔ تکلیف یا آزمائش میں اگر کوشش کے باوجود بھی ناکامی ہے تو پریشانی نہیں کرنی چاہیے۔ اور صبر کے ساتھ بڑے خشوع وخضوع سے مالک حقیقی، کائنات کے رب سے عاجزی وانکساری کے ساتھ دعا مانگنے کی ضرورت ہے اور حکم بھی دیا ہے۔ پھر حالات خود بخود بدلتے ہیں۔ اسباب پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس پریشانی سے راحت عطا فرماتے ہیں۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ اللہ کی قربت کا سبب سے بڑا ذریعہ اور مقام ہے۔ حضور علیہ السلام ہمیشہ مشکل حالات یا صورت میں نماز کے ذریعہ مدد طلب کرتے تھے۔ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے خصوصی طور پر عاجزی وانکساری کے ساتھ دعا مانگی جائے تو ہمیشہ قبول ہوتی ہے، لیکن چونکہ اللہ کی ذات مصلحتوں کو جانتا ہے اس لیے اس پریشانی کا مداوا، جب وہ بہتر سمجھتا ہے اپنی مخلوق کے لیے کرتا ہے۔ اگر فوری پریشانی دور نہ ہو تو دعا کی عدم قبولیت کا یقین نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے اللہ کی حکمت اور انسان کے لیے بہتری کا ذریعہ سمجھا جائے اور وہ اعمال جو قبولیت دعا میں مانع ہیں۔ ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً رزق حرام، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا، بداخلاق ہونا، ماں باپ کا نافرمان ہونا۔ یہ اعمال بد بھی دعا کے نہ قبول ہونے کا سبب بنتے ہیں۔

دعا کی قبولیت نہ ہونے کی صورت میں شکوہ اور بے صبری نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے صبر والوں کے ساتھ ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ کس قدر خوش نصیبی ان افراد کی ہے جو تکلیف میں صبر کرتے ہیں اور خدا کے خصوصی معیت سے نوازے جاتے ہیں۔ یہ معیت (یعنی ساتھ) ایک خاص تعلق ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ (تفسیر مظہری از علامہ ثناء اللہ پانی پتی)

چونکہ آیات تکلیف وامتحان صبر کے سلسلہ میں ساتھ ہی شہداء اور اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کا ذکر فرمایا ہے۔

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

[154:2]

جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔

غزوہ بدر میں چودہ صحابہ کرام (چھ مہاجرین اور آٹھ انصار) شہید ہوئے۔ منافقین نے، یہود نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مفروضہ کو رد کرتے ہوئے شہداء کی عظمت بیان فرمائی کہ وہ زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی کی کیفیت ہمیں محسوس نہیں ہوتی جس طرح ہزاروں اشیاء کائنات میں موجود ہیں ان کا احساس نہیں ہوتا اسی طرح شہداء کی روحوں کا بھی احساس

نہیں ہوتا۔ تاریخ نے ایسی کئی مثالیں دیکھیں کہ کئی سو سال بعد جب قبریں کھودیں گئیں یا اچانک سامنے آ گئیں تو جسم اس قدر تازہ تھے کہ لہو محسوس ہوا۔ ۱۹۵۰ء میں حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت خدیفہ بن یمان کے جسم مبارک جب منتقل کرنے کے لیے کھودے گئے تو ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ کے باوجود جسم تازہ تھے۔ ان کو احاطہ حضرت سلمان فارسی میں دفن کیا گیا۔

مقام شہادت:۔

اسلامی فلسفہ حیات میں برائی کے خلاف بالخصوص شرک، بت پرستی اور انسانی ظلم کو مٹانے اور نیکی کے پھیلانے کے لیے جدوجہد بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مقصد میں سب سے بڑی قربانی انسانی جان کی قربانی ہے کہ قربانی کا اپنا مقام ہے۔ لیکن جان سے بڑھ کر اپنی کوئی چیز نہیں اس لیے اس کا درجہ سب سے بلند ہے جو آدمی اللہ کے دین کے لیے اپنی جان دیتا ہے وہ اعلیٰ درجہ کا شہید ہے جس کا ذکر اس آیت کا مقصود ہے جس کی مثال شہداء بدر ہیں جن کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

شہداء کے بہت درجات ہیں۔ اپنی جان ومال کی حفاظت، حادثاتی موت، آفات کی موت، جس متعدی امراض کے نتیجہ میں یا فرائض کی ادائیگی میں شہدا کے مختلف درجات میں شامل ہیں اور اس کی حکمت یہ ہے کہ غیر طبعی اموات ہیں اور اس کے صدمے اور بقیہ زندگی سے محرومی کی وجہ سے ذات باری تعالیٰ آدمی کو مرتبہ شہادت (درجہ ادنیٰ) سے نوازتا ہے اور پسماندگان کے لیے ایک ڈھارس بن کر اور دکھ میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ پھر وہ لوگ جو عشق الٰہی میں ہر لحظ موت کی شدت (”موتوا قبل ان تموتو“ مرنے سے پہلے مر جاؤ) کے مراحل سے گزرتے ہیں۔ ان کی شہادت ایک اور درجہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شہداء کی روحیں جنت میں پرندوں کی طرح اڑتی ہیں۔ وہ زمین جو انسانی جسم کو تحلیل کرنے کے مادے رکھتی ہے اس کے اندر ان مادوں کی کمی بھی ہو جاتی ہے جو انسانی جسم کو تحلیل سے محفوظ رکھتی ہے۔ لہٰذا یہ واقعتاً اور عقلی طور پر محال نہیں کہ اجسام محفوظ رہیں اور اگر ایسی کیفیت میں کہ جسم کے اجزاء بکھر جائیں اور طبعی کیفیت ختم ہو جائے تو روح تو موجود رہتی ہی ہے۔ شہادت کا فلسفہ سراسر مذہبی ہے۔ اس کا سیاست ومعاشرت یا وطنیت سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا ہر کسی کو شہید نہیں کہا جا سکتا اور ہر شہید کا مرتبہ ایک جیسا نہیں۔

اگلی آیات میں زندگی میں مقاصد کے حصول کے لیے جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کا ذکر ہے۔

وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ [155:2]

ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کسی بھی چیز یعنی خوف سے اور بھوک سے، اموال، جانوں اور پھلوں

(کھیتوں) کے نقصان سے۔آپ ان صبر کرنے والوں کوخوش خبری دے دیں۔

الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ [2:156]

کہ جب ان کو پہنچتی ہے کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور اللہ کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ [2:157]

یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے رحمتیں (صلوۃ) ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں۔

پچھلی آیت کے ضمن میں مزید جان کے علاوہ بھی مختلف ازمائشوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ حق کی راہ میں اور اللہ کی اطاعت ورضا کے لیے مختلف اوقات مختلف مراحل پر ازمائشیں آتی ہیں جن کا مقصد آدمی کی ثابت قدمی کا امتحان لینا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ازمائش ان اشیاء سے محرومی یا صدمہ کی صورت میں آتی ہیں جن سے نفسیاتی طور پر آدمی کا گہرا اور شدید لگاؤ ہوتا ہے۔ جان کا خوف، بھوک وافلاس، اموال/ کاروبار کا ضائع ہو جانا اور کھیتوں پھلوں کا تباہ ہونا جو ان ازمائشوں پر پورا اترنے والے ہیں۔ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ آزمائش کے لمحات میں پریشانی اور بے قراری کو ظاہر نہیں کرتے کیونکہ جانتے ہیں کہ اس کائنات کا مالک وحاکم اصلی اللہ تعالی ہیں لہٰذا یہ امور زندگی کے مراحل کا ایک مرحلہ ہیں اور صبر ورضا کی ڈھال سے ان حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے کہ بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور اس کی طرف ہی جانا ہے اور اس پر واویلا مچانے کی بجائے پرسکون رہ کر آزمائش میں پورے اترتے ہوئے اللہ کے احکام کو صحیح طریقہ پر پورا کرتے ہیں اور ان میں ان ازمائشوں کی وجہ سے کمی اور روگردانی نہیں کرتے اور ان صبر کرنے والوں کے لیے خوشخبری کا اعلان فرمایا گیا ہے۔

دعا اور صبر کا نتیجہ:۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر ایک تکلیف دہ چیز مسلمان کے لیے مصیبت ہے۔(**"مااصاب المومن ممایکرہ فھو مصیبۃ"** روایت طبرانی بحوالہ تفسیر مظہری) ایک اور روایت حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ حضورؐ سے فرماتے سنا ''کہ کوئی مصیبت/ تکلیف جب بندے کو پہنچی ہے اور وہ کہتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔اے اللہ مجھے مصیبت کا اجر عطا کر اور اس کے بعد بھلائی عطا فرما۔ اللہ تعالی اسے مصیبت کا بدلہ بعد میں بھلائی کی صورت عطا فرماتا ہے۔(مسلم کتاب باب

الجنائز، ۹۱۸) (**ما من مصیبه یصیب عبدا فیقول انا لله وانا الیه راجعون، اللھم اجرنی من مصیبتی واخلف لی خیراً منھا الا اجرہُ الله تعالیٰ فی مصیبة واخلف له خیراً**)

بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ کوئی جرم یا غلطی نہیں کرتے پھر بھی آزمائشوں میں رہتے ہیں۔ان کے بارے جو اشکال پیدا ہوتا ہے اس کی وضاحت حدیث شریف کے ذریعے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیب میں ایک بلند مقام متعین فرمارکھا لیکن وہ اعمال کے ذریعہ سے اسے حاصل نہیں کرسکتے تو ان کو آزمائش میں مبتلا کر کے ان کے درجات میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اور وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے متعین کیا تھا۔(بحوالہ تفسیر مظہری، جلد ا، ص۱۷۲) (**وعن محمد بن خالد اسلمی عن الیه عن جدہ قال قال رسول الله ان العبد اذا سبقت لهُ من الله منزلة لم یبلغھا بعمله ابتلا الله فی جسدہٖ او فی مالہٖ او فی ولدہٖ ثم صبرۃ علی ذلک حتی یبلغ المنزلۃُ التی سبقت له من الله (رواۃ احمد/ابوداؤد**) یہ بڑی اہم حدیث ہے اور تکالیف اور آزمائش کے ضمن میں انتہائی حقیقی ہتھیار ہے جو انسان کو ان پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے انتہائی خوبصورت طریقہ سے مقابلہ کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور یہی جدید نفسیات میں ایسے مسائل کا حل ہے۔

اُس صدمہ میں جب انسان کو معلوم ہو کہ وہ بے بس ہے اور اس کا اپنا بھی محدود وقت ہے اور یہ امتحان اور آزمائش کسی اور بڑی قوت کی طرف سے ہیں جس کے آگے وہ پہلے ہی سرِتسلیم خم ہے تو اس کو ان کا مقابلہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور یہی انا اللہ وانا الیہ راجعون کہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم نے اس کی طرف لوٹنا ہے کا فلسفہ ہے۔

اس صبر کے فلسفہ عمل کو سمجھنے والے اور عمل کرنے والے واقعی بڑے لوگ ہیں ان کے کردار اور اعمال بہت بڑے ہیں۔ وہ اپنی قسمت پر راضی اور محنت کا پھل نہ ملنے پر بھی صبر کرتے ہیں۔ان آیات کی حقیقت ہمیں جدید نفسیات میں انسانی نفسیات کے تجزیہ میں ملتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ قرآن واحادیث میں کس خوبصورتی کے ساتھ ان کو ہمارے سامنے ہمارے عمل کے لیے بیان فرمایا گیا ہے۔ان صابرین پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں یعنی زندگی میں ناکامیاں ان کی کامیابیوں کا زینہ بن جاتی ہیں ان کا کردار مثال بن جاتا ہے۔ان پر اللہ کی رحمت (صلوۃ) نازل ہوتی ہے۔جن پر ان کے لیے ایک خاص تعلق کا اظہار فرمایا ہے اور بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں کیونکہ ان پر اللہ کی رحمت اور عنایت ہے جس کی وجہ سے وہ ہدایت پر ہیں۔(اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں شامل فرمائے۔آمین)۔

بنا کردند خوش رسمے و خاک و خون غلطیدند
خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طنت را

اللہ تعالیٰ ان پاک باز عاشقوں پر رحمت نازل کرے جنہوں نے خاک وخون میں لت پت ہو کر عشق و

محبت کی راہ میں نبھانے کی رسم ڈالی ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ [2:158]

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ چنانچہ جو شخص بیت اللہ کا حج کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے (درمیاں) چکر لگائے اور جو شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ (بڑا) قدر شناس (بڑا) جاننے والا ہے۔

انسانی کوشش اور قربانی فی سبیل اللہ کے ضمن میں حضرت ہاجرہ کی سعی کا ذکر فرمایا ہے کہ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نشانیوں کا محتاج نہیں لیکن اس کی رضا کے لیے جو مشکل مراحل گزارے گئے اور تابعداری میں جو جدوجہد کی گئی اس کی قدر دانی وعزت افزائی ہے، شان نزول کے بارے میں حضرت انس سے روایت ہے کہ صفا اور مروہ کے بارے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ ہم اسے جاہلیت کے کام سمجھتے تھے جب اسلام آیا تو ہم اس سے رک گئے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (بحوالہ تفسیر مظہری وتفسیر صفوۃ التفاسیر، جلد اول) اس کی تاریخ حیثیت یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں بت (آساف) صفا کی پہاڑی پر نصب تھا اور نائلہ مروہ کی پہاڑی پر نصب تھا اور اس کا طواف (یعنی سعی) کی جاتی تھی لہٰذا اسے برا خیال کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس سے ایک اور چیز واضح ہوتی ہے کہ حضرت ہاجرہ نے جو صبر اور امتحان گزارا، حضرت اسماعیل شدت پیاس سے تڑپ رہے تھے اور وہ دوڑ کر پانی کے لیے قافلہ یا کسی شخص کو دیکھتیں پھر اتر کر دوسری طرف دوڑتیں۔ یہ ان کی کوشش اور اس پریشانی میں ان کا صبر اور اللہ پر توکل کا صلہ نکلا کہ اللہ نے اسے شعائر میں شامل فرما دیا اور ان کی یاد کو دوام دیا۔ یہ صبر اور کوشش کا اعلیٰ درس ہے دوسری طرف ماں یا عورت کی عظمت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک خاتون کے عمل کو کتنا قبول فرما کہ اسے دوام دے دیا۔ ایک عورت کا عمل جو کہ نیک جذبہ اور اطاعت خداوندی میں صبر پر قائم ہوا تھا اسے سب مردوں اور عورتوں کے لیے قابل تقلید بنا دیا گیا۔ اس سلسلہ میں آیت میں اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور عزت افزائی، قدر نوازی کا بھی ذکر ہے کہ اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ زم زم کا وجود بھی ایک معجزہ کہ پتھریلی زمین پر چشمہ نکل پڑا اور آج تک جاری وساری ہے۔

فقہ حنفی میں سعی (صفا ومرہ کا چکر) واجب ہے اور اس کا چکر ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک ہوتا ہے۔ ابتدا صفا

سے شروع اور مروہ پہنچ کر چکر مکمل ہو گیا اس طرح سات چکر لگانے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی نیکی و بھلائی کی تلقین بھی فرمائی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ [2:159]

بے شک جو لوگ ہماری نازل کردہ کھلی نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے (اپنی) کتاب میں واضح کر دیا ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ [2:160]

مگر سوائے ان لوگوں نے جنھوں نے توبہ کر لی، اصلاح کر لی اور (حق کی نشانیوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا اور پس میں توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ [2:161]

بے شک جنھوں نے (حق چھپا کر) کفر کیا اور اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہی تھے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے۔

جن لوگوں نے حق کے لیے جدوجہد کی اور صبر کیا تکلیفیں سہیں ان کے ذکر کے بعد ان کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کے برعکس کام کرتے ہیں۔ شان نزول ہے کہ یہود نے حضور علیہ السلام کی نبوت کا ذکر جو توریت میں تھا اسے چھپاتے تھے تاکہ عرب جو ان کا علمی احترام کرتے تھے اسلام سے دور ہوں۔ حق کا چھپانا، صحیح معلومات کا نہ دینا، ایک بہت بڑا جرم ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے انصاف نہیں ہوسکتا اور حق کے مقابل ظلم اور ناانصافی کو معاشرہ میں قوت ملتی ہے۔ اس میں اگرچہ یہود کا احوال ہے لیکن یہ امت مسلمہ کے موجودہ افراد بالخصوص علماء وحکمرانوں کے لیے بھی حکم ہے۔ ان حق چھپانے والوں کے لیے سزا لعنت خداوندی اور پھر دوسری مخلوق کی طرف سے بھی لعنت ہے۔ یہ جن ہوں، فرشتے ہوں یا حیوانات ہوں، حیوانات کی لعنت کی یہ شکل ہے کہ

اعمال وجرائم انسانی سے اللہ کی رحمت دور ہوتی ہے بارشیں اور نباتات کم اگتے ہیں اور جانور پریشان ہوکر اس کے سبب انسان کو لعنت کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس مشکل اور جرم کا مداوا بھی کر دیا ہے کہ اگر انسان توبہ کرے اور پھر نیکی کے کام شروع کرے (اصلحوا)۔ توبہ کا ایک مرحلہ شدید ندامت پھر معافی اور نہ کرنے کا عمل ہے۔ پھر انھوں نے جو حق چھپایا اس کو واضح کیا تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا ہے کیونکہ توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان ہے۔ یہ بڑا ضروری ہے کہ ہم اپنے معاشرہ میں اس کیفیت کو دیکھیں کہ کہیں ہم ان کی طرف تو نہیں جا رہے ہیں۔ جو حق یعنی اللہ کے احکام جو واضح موجود تھے ان کو اپنی ذاتی مصلحت کی بنا پر چھپا کر ساری زندگی گزاری اور مر گئے توبہ کی نعمت سے محروم رہے ان پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے، مخلوق خدا، جو ان کے ظلم سے متاثر ہوتی ہے۔ سب لعنت کرتے ہیں۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ [2:162]

اسی میں ہمیشہ رہیں اور ان پر سے عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور نہ مہلت دی جائے گی۔

اور ان اعمال (ظلم اور حق کو چھپانا) کے سبب یہ ہمیشہ لعنت خداوندی، لعنت مخلوق کے عذاب میں گرفتار رہیں گے اور ان پر نہ عذاب کم کیا جائے گا نہ مہلت دے کر عذاب میں تاخیر کی جائے گی۔ ہمیں ان ایات پر غور کر کے اپنے کردار اور اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے کر اپنے اعمال کر درست کرنا چاہیے اور عذاب خداوندی سے بچنا چاہیے۔

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ [2:163]

اور تمہارا معبود خدائے واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ نہایت مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

توحید کا ذکر ہے کہ تمہارا معبود خدائے واحد ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ نہایت رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ پھر توحید کے عقلی دلائل کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ [2:164]

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے بدلنے میں اور سمندر میں جو جہاز (کشتیاں)

چلتے ہیں جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں اور جو آسمان سے پانی (بارشیں) نازل کی پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جاندار آباد کیے اب اس میں اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں (سحاب) میں جو زمین و آسمان کے درمیان حکم کے پابند ہیں۔ (ان میں) عقل مندوں کے لیے (عرفان حق کے لیے) نشانیاں ہیں۔

توحید کے ذکر اور الوہیت خداوندی کے بعد چونکہ ایک نظریاتی بات تھی اس کے ثبوت کے لیے عقل (یعنی قدرتی سائنس) کے دلائل دیئے جو رہتی دنیا تک اپنی تشریح و توضیح میں اللہ کے وجود اور اس کی واحدانیت کے ثبوت ہیں، غور وفکر انسان کا خاصہ ہے۔ سائنس فلسفہ، وجدان سب غور وفکر کے نتیجہ میں نکلے ہیں۔ انسان کا وجود اور کائنات اور زمین پر واقعات کسی بنانے والے کی طرف کھلا اشارہ کر رہے ہیں۔ اس بنانے والے کی عظمت وقدرت ہی توحید ہے۔ ہر تخلیق اپنے خالق کے وجود کی دلیل اور اس کا مقام بتاتی ہے۔ ہزاروں دماغ اس (کائنات) کی جستجو میں لگے ہیں لیکن افسوس کہ اس کے دلائل کو نظر انداز یا اس کی توجیہ ایک مبہم انداز میں قدرت کے نام سے کر دیتے ہیں۔ اگر ہم غور کریں جس طرح آیت میں غور کے لیے عقل مندوں کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ عقل مند ہی اشاروں سے پوری بات کو سمجھ لیتا ے۔ نشان سے سراغ پا لیتا ہے۔ اسی عقل کو استعمال کرتے ہوئے ہم اپنے اردگرد آسمان و زمین پر بامقصد نظر سے غور کریں۔ اس میں موجود توازن، اس کے حسن اس کے مربوط عوامل، ہوا، بارش، نباتات، اس کی لامحدود وسعت جس کا ہمیں آج تک ادراک نہیں ہوا۔ اس پر مخلوقات جن کا ہمیں علم نہیں یہ سب کیسے کب اور کیوں ہوا اپنے خالق کا اعلان کرتا ہے۔

مقام غور وفکر:۔

اس آیت میں انسانی عقل وفہم اور بالخصوص اصحاب علم وعقل کے لیے ایک چیلنج پیش کیا گیا ہے کہ وہ ان تمام نشانیوں پر غور کریں جو دعوت فکر دے رہی ہیں اور اپنے خالق کے گن گا رہی ہیں ہم ذرا روز وشب کے نظام سمجھیں۔ زمین اور سورج کا تعلق (گردش) چاند اور زمین کا تعلق (گردش) پانی کی قوت اچھال اور اس کی حکمت یہ سب اپنے خالق کا اعلان کر رہے ہیں۔ زمین پر پانی کہاں سے آیا۔ پانی کا انسانی زندگی اور زمین پر زندگی میں اہم کردار، خشکی وتری کے نباتات سب کیا یہ خود بخود بن گیا؟؟

زمین پر مختلف موسم، ان کا انسانی زندگی پر اثر، نباتات پر اثر، بارشوں کا موسم اور نباتات کا موسم سے تعلق، زمین کو خطرناک شعاؤں سے جو سورج وکائنات سے آتی ہیں کس طرح محفوظ کیا گیا۔ سمندر میں مدوجزر دے کر اس کے پانی میں حرکت ڈال دی تاکہ کھڑے رہنے سے جو بو اور خرابی پیدا ہوتی ہے اس کو چاند جو تین لاکھ اناسی ہزار میل دور ہے اپنی کشش سے مدوجزر پیدا کرتا ہے اور سمندروں کے پانی کو ہلاتا رہتا ہے۔ سائنس کا نامعلوم سے معلوم کی طرف سفر تب ہی کامیاب ہے جب مخلوق کو خالق کی

آ گاہی دے۔ جو آیت کا مقصد و مفہوم ہے۔

انزل من السماء ماءً ۔آسمان سے پانی نازل کیا۔ بظاہر تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ بارش سے پانی آسمان سے گرتا ہے اور پھر جمع ہو جاتا ہے۔ کھیت، دریا، نالے بھر جاتے ہیں اور سمندر میں جذب ہو جاتے ہیں پھر سمندر کا پانی گرمی سے، بخارات بن کر اٹھتا ہے اور بادل کی صورت اختیار کرتا ہے لیکن اور ایک نئی بات ۱۹۸۷ء میں امریکی ادارے NASA (خلائی تحقیقاتی ادارہ) کے سائنسدانوں کو معلوم ہوئی کہ خلا میں برف کے بڑے بڑے پہاڑ شہاب ثاقب (Ice Meterites) موجود ہیں اور ہر روز ہزاروں کی تعداد میں زمین کی طرف گرتے ہیں لیکن ہوا سے ٹکرانے کے بعد بھاپ بن کر ہوا میں جذب ہو جاتے ہیں یوں آسمان کا پانی زمین پر بھی نازل ہوتا ہے تو بارش کا پانی عوام اور معمولی علم والوں کے لیے ہے اور دوسری توضیح اہل عقل و ہنر (سائنسدانوں) کے لیے ہے۔ جو ہمیں ۱۹۸۷ء میں معلوم ہوئی۔ سائنس کے مطابق گرم زمین اسی طرح بارشوں کی وجہ سے ٹھنڈی ہوئی اور نرم ہوئی جس کی وجہ سے زمین میں نباتات اگانے کی صلاحیت ظاہر ہوئی اور نشیبی علاقوں میں جھیل اور سمندر بن گئے۔

زمین کی تہیں

فاحیاء بہ الارض بعد موتھا ۔اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اس آیت مبارک میں سائنس کے حقائق کی طرف (جو ہمیں بیسویں صدی میں معلوم ہوئے) اشارہ ہے۔ آیت میں پانی کے نازل کرنے کو زمین پر نباتات اور زندگی (حیوانات، چرند پرند) کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ ہواؤں کی گردش، بادلوں کا نظام، سمندروں میں (پانی کا جمع ہونا اور بخارات بننا) یہ وہ حقائق ہیں جو سیکنڑوں سال نزول قرآن کے بعد انسان کے لیے اشکار ہوئے جس کا اظہار قرآن مجید میں پہلے سے ہی کر دیا

تھا۔ مردہ زمین کا تصور تو جہاں بارش یا پانی میسر نہیں آتا وہاں کوئی زمین کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔ صحراؤں کو دیکھ کر بھی پتہ چلتا ہے، قحط کا سبب بھی بارشیں نہ ہونا اور نباتات کا نہ اگنا ہے۔ لیکن اس کا وسیع ادراک نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کے بارے ان کی ہیئت کی معلومات سے ہوا ہے۔ مثلاً زہرہ، مریخ، عطادر میں پانی نہیں زندگی بھی نہیں۔ دوسرے سیارے زحل پر پانی برف کی حالت میں معلوم ہوتا ہے اس لیے وہ بھی پتھر کی طرح ہے اور اس میں نباتات کی کوئی زندگی نہیں۔ پانی ہماری سائنس کے مطابق ہائیڈروجن اور آکسیجن کا کیمیائی طور پر مرکب جو بیشتر چیزوں کو حل کر لیتا ہے اس لیے اسلامی فقہ میں پانی ہی چیزوں کو صاف وپاک کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے ٹھوس، مائع، گیس ہر تین صورتوں میں خصوصیات مختلف ہیں اور زمین وفضا میں متناسب درجہ حرارت کا سبب ہے اسی وجہ سے زندگی کا منبع ہے۔ اگر زمین پر نہ ہوتا تو دوسرے سیاروں کی طرح یہاں بھی زندگی نہ ہوتی۔

وَبث فیها من کل دابة وتصویف الریاح والسحاب المسخربین السماء والارض.

نظام شمسی میں زمین کو یہی امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ہر طرح کے جاندار آباد ہیں یونیسکو (UNESCO) کی کتاب حیاتیاتی انواع واقسام (Biological Diversty) کے مطابق درج ذیل قسم کے جاندار موجود ہیں۔

ریڑھ کی ہڈی والے: ۴۳۹۰۰ اقسام

ریڑھ کی ہڈی کے بغیر: ۹۹۰۰۰۰ اقسام

ہوا میں اڑنے والے: ۱۱۳۰۰۰ اقسام

نباتات: ۲۵۰۰۰ اقسام

(جرثومی) جراثیمی اور سمندری زندگی کی تعداد کا کوئی حساب نہیں کروڑوں ہوں گی یہ سب اللہ تعالیٰ نے نفس واحدہ سے جاندار پیدا کیے اور سائنس میں جدید حیاتیاتی سائنس کی یہی بنیاد ہے جسے قرآن مجید نے 1400 سال پہلے بیان فرما دیا تھا۔ زمین پر جاندار، پانی کا اس پر اثر ہر تحقیق وتشریح میں ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ابھی تک موضوع تشنہ ہے (نامکمل ہے)۔ جراثیمی دنیا ہو یا حیوانی ہر ایک تخلیق کا شہکار اتنا بڑا موضوع ہے کہ ایک باب مکمل نہیں ہوتا تو کئی نئے حیران کن باب کھل جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمان سائنسدان انتہائی کم جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس سلسلہ میں کردار بہت معمولی ہے اور قرآن کریم کے حقائق سے غیر مسلم سائنسدانوں کی آگاہی بہت کم ہے۔ سائنس کی ترقی کے ماحول نے بہت سے جانداروں کو ختم کر دیا ہے اور فطرت کے قدرتی حسن کو صنعتی ترقی کی وجہ اور خام مال کے غیر ضروری استعمال سے ماحول کے مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ یہ مسئلہ بھی انسانیت کے ساتھ ایک طرح کا ظلم ہے۔ جس کا فائدہ ترقی یافتہ اور قیمت ترقی پذیر ممالک ادا کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے انسانوں

کی اس تقسیم کی کیفیت 30 فیصد ترقی یافتہ مما لک اور ۷۰ فیصد غیر ترقیاتی یافتہ مما لک کی آبادی ہے۔

اسی آیت کے ضمن میں فرمایا کہ ہواؤں اور بادلوں کو زمین وآسمان کے درمیان مسخر (پابند) کر دیا۔ اللہ کی نشانیوں میں ہواؤں کا چلنا، اس کو ہم دیکھتے ہیں اگر ہوا نہ چلے تو دنیا کیسی ہو جائے۔ درجہ حرارت تبدیل ہوگا۔ کثافتیں بڑھ جائیں گی، سانس مشکل ہوگا، بارش بند، نباتات ختم، پھر بادل کائنات کی کثافتوں کے لیے ایک رکاوٹ بن جاتے ہیں اور یہ ایک چھت کی طرح حفاظت کرتے ہیں۔ تسخیر کرنے یا پابند کا مطلب ہے کہ یہ زمین پر زندگی کی حفاظت پر متعین ہیں جو کہ کر رہے ہیں (بحوالہ کتاب زندگی از سلطان بشیر محمود)۔ یہ ساری باتیں آج سائنس نے آلات کی مدد سے معلوم کی ہیں لیکن قرآن مجید نے چودوسو سال قبل ایک شخص جس نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی یہ باتیں ہمیں بتا دیں۔ کاش مسلمان آگے بڑھ کر سائنس میں ترقی کرنے والوں کی روحانیت اور اس خالق جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے کی طرف رہنمائی کرتے اور توحید کا پیغام پہنچاتے۔ آیت کی اہمیت کے پیش نظر ایک حدیث جو کہ تفسیر روح المعانی میں درج ہے کہ یہ روایت ابن ابی الدنیا اور ابن مردویہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی اور کہا "**ویلٌ لمن قراء ھا ولم یتفکر فیھا**"۔ ترجمہ: ہلاکت ہے اس کے لئے جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس میں غور وفکر نہیں کیا۔ اس لئے انسانی علم وعقل کو ان دلائل کے وجود اور وجود الٰہی کے علمی ثبوت کے لئے استعمال کرنا ہی عقل وسمجھ کا صحیح استعمال ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ [165:2]

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے مدمقابل شریک بنا رکھے ہیں اور ان سے یوں محبت کرتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ سے کی جائے اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور اگر ظالم لوگ وہ منظر دیکھیں جب ان (کافروں) کو عذاب دیا جا رہا ہوگا (تو جان لیں) کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اصلی اور نقلی محبت:۔

وجود باری تعالیٰ کے دلائل کے بعد اس کی معبودیت اور تابعداری کا ذکر ہے۔ ان لوگوں کا ذکر ہے کہ اتنے دلائل اور حقائق کے باوجود لوگوں نے اللہ کے مقابل دوسروں کو محبت کا مرکز بنا رکھا ہے اور اللہ کی طرح ان سے محبت کرتے ہیں۔ ''ند''

مقابل یا بت ہے اور اس کے لیے یہ کہا جاتا ہے ”کل شی شغلک عن اللہ فھو صنمٌ“۔ یعنی جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی محبت سے دور ہو جائے وہ بت ہے۔ محبت بڑا مقدس اور اعلیٰ جذبہ ہے۔ یہ زندگی کو خوبصورت بنا دیتا ہے۔ آخرت کی نجات کا دارومدار اسی جذبہ پر ہے اگر یہ جذبہ دنیا کی اشیاء فانی مثلاً دولت، عزت، شہرت اور اقتدار (طاقت) کے لیے اس کو انسانی زندگی کا مقصد بنا دیا جائے، اس کی صورت اولاد، کاروبار، رشتہ دار یا اقتدار ہوں تو یہ بہت بڑی ناکامی ہے۔ اس کائنات کا خالق اور انسان کا خالق و مالک ہی محبت کے لائق ہے۔ مومن کی محبت کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ کی ذات سے کرتا ہے اور مومنوں کا معیار ”اشد حباً للّٰہ“ کے اللہ کی ذات سے عشق کرتے ہیں۔ بتایا ہے کہ دنیاوی اشیاء سے نہیں، پھر اللہ تعالیٰ ایک منظر بیاں فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی عقل و ذہانت یا تقلید کی بنا پر دنیاوی شیاء کو اپنا محبوب ومعبود بنا لیتے ہیں وہ قیامت کے دن جب عذاب میں ہوں گے اور مومنین کو اعلیٰ مقام پر دیکھیں گے تو انہیں ان کی بے کار محبت کا پتہ چل جائے گا اور یقین ہو جائے گا جن کو وہ اپنا کار حقیقی اور مقصود بناتے تھے۔ صرف دھوکہ تھا اور حقیقت میں تمام طاقت خدائے پاک کی ہے اور وہ ہی شدید عذاب دینے والا ہے۔ ایک اور نکتہ جو آیت میں واضح ہے کہ دنیاوی اشیا کی غیر معقول حد تک محبت اور ان کے لیے خدا اور انسانی اقدار کو بھلا دینا گویا اللہ تعالیٰ سے ہمسری کے مقابل ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ان کی حقیقت کو عارضی اور فانی سمجھا جائے اور صرف اس حد تک تلاش کیا جائے جو شریعت کے مطابق ہے۔ اسباب کو اسباب کی حد تک لیا جائے اور حقیقی ذریعہ کامیابی کا مسبب الاسباب (جو سبب پیدا کرنے والا یعنی ذات خداوندی) کو سمجھا جائے۔ بسا اوقات پریشانی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی سبب/ ذریعہ یہ اعلان کر دے کہ وہ مسب الاسباب (خدا) تک پہنچائیں گے اور وہ اس بلند مقصد سے اپنا مطلوب دنیاوی فوائد رکھتے ہوں ان کا انداز یعنی ظاہر (شریعت کا اعلان) اور باطن میں دولت وشہرت کا حصول ہوتا ہے ان سے بچنا ضروری ہے۔ صرف ایک طریقہ ہے اگر کسی کی مجلس میں آپ کو یاد خداوندی آتی ہے تو وہ مالک حقیقی تک پہنچائے گا اور اگر یوں ہی انداز واداب اور کھانے پینے میں وقت گزر جاتا ہے تو وہ بھی ایک سراب (دھوکا) ہے۔ دوسرا معیار اس شخص کا دولت کی رغبت کا ہے۔ اگر پیسہ لینے کی خواہش رکھتا ہے اور اپنے پاس رکھتا ہے تو وہ بھی دکھلاوا ہے۔ ان سے بچنا ضروری ہے اسی طرح بعض اوقات دنیاوی زندگی کی بلندی کی خواہش بھی انسان کا بت بن جاتی ہے۔ اس کا علاج بھی اخلاقی اور شرعی احکامات کے مطابق کرنا ضروری ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی اور آخری درجہ کی محبت صرف خالق حقیقی سے ہو مخلوق سے نہ ہو۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ

[166:2]

(خیال کرو اس وقت کا) جب وہ لوگ (پیشوا یان یا رہبران کفر) جن کی پیروی کی گئی تھی اپنے پیرو

کاروں سے بے زار ہوں گے اور (وہ سب اندر کا) عذاب دیکھ لیں گے اور سارے وسائل ان سے منقطع ہو جائیں گے۔

اوپر والی کیفیت کی وضاحت ہے کہ اتباع کرنے والوں اپنے رہنماؤں یا ان لیڈروں کا انجام دیکھیں گے کہ وہ بھی عذاب میں مبتلا ہیں اور وہ لیڈر اس میں مبتلا ہیں اور تمام اسباب جو دنیا میں ان کے پاس تھے سب ختم ہو چکے ہیں اور بے بس ہیں۔ اب صرف طاقت اور قوت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا لَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَتَبَرَّاَ مِنۡہُمۡ کَمَا تَبَرَّءُوۡا مِنَّا کَذٰلِکَ یُرِیۡہِمُ اللّٰہُ اَعۡمَالَہُمۡ حَسَرٰتٍ عَلَیۡہِمۡ وَ مَا ہُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ مِنَ النَّارِ [167:2]

(یہ بے زاری دیکھ کر) ظالم (گمراہ) پیروکار کہیں گے کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ لوٹ جانے کا موقع مل جائے تو ہم بھی ان سے اسی طرح بیزار ہوتے جیسے یہ ہم سے بے زار ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال انہی پر حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے کبھی نہ نکلیں گے۔

وہ لوگ جو باطل معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ترجیح دیتے ہیں ان کے لیے ساری زندگی گزار دیتے ہیں ان کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ وہ اپنے لیڈروں سے غلط رہنمائی پر لعنت کریں گے اور وہ ان سے بے پرواہی اور نظر انداز کریں گے اس پر ان کو اپنی غلطی کا احساس۔ حسرت میں بدل جائے گا اور وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو ایک اور موقعہ دنیاوی زندگی میں لوٹ جانے کا ملتا تو وہ اہل دنیا کو ان کے گمراہ لیڈروں کے بارے آگاہ کرتے اور ان کی باتوں کو ٹھکراتے۔ لیکن وہ ہمیشہ اپنے ظلم اور گناہ کے سبب دوزخ میں رہیں گے۔ (اللہ ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین)

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ کُلُوۡا مِمَّا فِی الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۫ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ [168:2]

اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ (پیو) اور شیطان کے راستہ پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اِنَّمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ الۡفَحۡشَآءِ وَ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ [169:2]

وہ تمہیں بس برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کی نسبت وہ کچھ کہو ان کا تم علم نہیں رکھتے۔

حلال کمائی:۔

ان آیات کریمہ میں انسانوں کو زندگی گزارنے کے لیے کھانے پینے سے متعلق اصولی طور پر ہدایت ورہنمائی فرمائی ہے کہ زمین کی تمام چیزیں انسانوں کے لیے ہیں (**خلق لکم مافی الارض جمیعا**) مگر کھانے پینے کے لیے پاک وصاف (طیب) چیزیں استعال کی جائیں۔ اس سے مراد جن کی بظاہر کیفیت صاف ستھری ہو گندگی اور مکروہ نہ ہو تا کہ صحت کے لیے نقصان دہ نہ ہو پھر مزید حکم دیا کہ حلال ہو یعنی شریعت نے اس کی اجازت دے رکھی ہو حرام دو طرح کے ہیں ایک ذاتی حیثیت میں اس میں وہ مثلاً مردار، بہتا خون، سور، غیر اللہ کے نام پر، بوقت ذبح کیے گئے جانور، یہ حرام ہیں اور دوسری قسم صفاتی حرام جیسے چوری، ڈاکہ کا مال، رشوت، دھوکہ اور ناجائز طریقہ سے کمائی ہوئی یہ بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح سور کا گوشت، مردار، غیر طیب اشیاء سے۔ وہ اشیا بھی ہیں جو مکرہ اثرات رکھتی ہیں مثلاً نشہ آور زہر وغیرہ ان دو قیود کا مطلب انسان کو جسمانی اور روحانی طور پر صحت مند رکھنا ہے۔ یہ تو بنیادی ضرورت ہے لیکن تقویٰ کے لیے مکروہات سے بھی بچنا ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ آیات حضور علیہ السلام کے سامنے تلاوت کی گئی تو سعد بنی ابی وقاص کھڑے ہو کر گزارش کی یا رسول اللہ'' آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوۃ (جس کی ساری دعائیں قبول ہوں) بنا دے۔ آپ نے فرمایا اے سعد! اپنا کھانا پینا پاک بناؤ تو مستجاب الدعوۃ ہو گے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ آدمی اپنے پیٹ میں لقمہ حرام ڈالتا ہے اور چالیس دن تک اللہ تعالیٰ اس سے کچھ قبول نہیں کرتا اور جو کوئی ناجائز اور سود سے پلتا ہے اس کے لیے آگ (دوزخ) سب سے پہلے ہے۔ (**عن ابن عباس تلیت ھذہ الایۃ عندا النبی ﷺ (یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا) فقام سعد بن ابی وقاص فقال یا رسول اللہ (ادع اللہ لی ان یجعلنی مستجاب الدعوۃ! فقال یا سعد اُطب مطعمک تکن مستجاب الدعوۃ والذی نفس محمد بیدہٖ ان الرجل یقذف اللقمہ الحرام فی جوفہٖ، مایتقبل اللہ لہُ اربعین یوماً ایما عبد نبت لحمہُ من لحت والرباء فالنار اولی بہٖ**۔ (بحوالہ صفوۃ التفاسیر، ج ا،ص 98 بحوالہ اخرجہ، الحافظ ابن مردویہ) اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کو اپنے حلال وحرام کے بارے غور کرنا چاہیے۔ ساتھ ہی یہ فرمایا کہ شیطان کے راستہ پر نہ چلو جو تمہارا کھلا دشمن ہے اگر غور کریں تو حلال وحرام کی تمیز مٹانے میں شیطانی خیالات اعتقادات کا بڑا دخل ہے اور ایسے ہی طریقوں سے شیطان انسان کو اپنے رب سے جدا کرتا ہے۔ ہمیں ناجائز کمانے، دولت کے بڑھانے اور نفس کی خواہشات کو مقدم رکھنے میں سب سے بڑا محرک شیطان ہے۔ اس لیے اسے کھلا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ اگلی آیت میں اس کی تفصیل بھی بتائی ہے۔

شیطان کو دشمن قرار دینے کی وجہ جہاں حرام وحلال کی تمیز ختم کرنے میں اس کا کردار ہے۔ اس کے علاوہ فرمایا ہے کہ

برائی اور فحاشی کا حکم دیتا ہے اور ان باتوں کا جن کا ہمیں علم نہیں ہوتا اور اللہ کے وجود سے متعلق ہیں۔ اگر غور کریں تو انسان کو برائی کی طرف اور فحاشی کی طرف لے جانے والا شیطان ہے کہ فحاشی کو تن آسانی، نفس کا مزہ ولطف اور آزادی کا نام دے کر اس کے جال میں پھنسا دیتا ہے۔ معمولی مزہ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے اور اس کے اثرات دنیا میں ہی ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ آدمی کو ان کا احساس نہیں ہونے دیتا اور آخرت میں انسان کا ٹھکانا جہنم بن جاتا ہے۔

بد قسمتی سے آج کل آزادی افکار نے انسان کے اندر حلال وحرام، فحش اور جائز کی تمیز ختم کر دی ہے جس کی وجہ سے جسمانی مصائب اور روحانی مصائب کا انسان کو سامنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات کو عقل کے ہتھیار سے جانچا جائے اور اس کے بارے بحث کی جائے یہ بھی ایک شیطانی عمل ہے کیونکہ انسانی حدود وعقل کے بس کا یہ روگ نہیں۔ اسی طرح دین کی تشریح حدیث کی روشنی کے بغیر بھی ایک غلط توجیہ ہے جبکہ اجتہاد کا مطلب قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی توجیہ ضروری ہے۔

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّ لَا يَهۡتَدُوۡنَ [170:2]

اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کی اتباع کرو تو کہتے ہیں ہم تو اس پر ہی چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت پر ہوں۔

تقلید اور تحقیق:۔

شیطانی اعمال اور بہکاوے کے ضمن میں یہ بھی فرمایا گیا کہ اہل کفر کو جب ہدایت یا صحیح راستہ کے بارے بتایا جاتا ہے تو وہ نیکی اور بھلائی کو سمجھنے کے بجائے کہتے ہیں کہ ہم جس پر ہیں وہ صحیح ہے کیونکہ یہ وہی ہے جو کہ انھوں نے اگلوں سے لیا ہے یا ان کی نقل کر رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے پیش رو (اگلے) اس بات کو نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کی سمجھ کم تھی اور ہدایت پر بھی نہیں تھے۔ لیکن کفار اس پر اڑے کہ وہ صحیح ہیں۔ ان ایات میں انسانی ذہن کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ انسان کا تحقیقی انداز ہونا چاہیے۔ صرف اندھی تقلید صحیح نہیں۔ رسم ورواج کو حق سمجھنا غلط ہے کیونکہ یہ انسان کے جذبات وخیالات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور انسانی افکار کی غلطی ان کا حصہ بن جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں وحی زیادہ صحیح اندازِ فکر ہے۔ اسی طرح مختلف افراد یا تہذیبوں کی تقلید بھی غلط ہے۔ اس کے بھی وہی نقائص ہیں جو آباؤ اجداد کی تقلید کے ہیں۔ وہ معاشرے جس کے اقدار اسلامی تعلیمات کے مخالف ہیں ان کی کبھی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔

وَ مَثَلُ الَّـذِيۡنَ كَفَرُوۡا كَمَثَلِ الَّذِىۡ يَنۡعِقُ بِمَا لَا يَسۡمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ‌ؕ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ [171:2]

اور ان کافروں (کو دعوت حق) کی مثال ایسے شخص کی ہے جو کسی ایسے (جانور) کو پکارے جو سوائے پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا۔ یہ لوگ (کفار) بہرے گونگے اور اندھے ہیں پس وہ کبھی عقل نہیں کریں گے۔

پچھلی آیت کے ساتھ وہی تعلق جس میں کفار بالخصوص وہ انسان جو حق کی آواز کو دل سے نہیں سنتے ان کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ حضور علیہ السلام کی تسلی کے لیے فرمایا کہ کفار پر تبلیغ کا اثر نہیں ہو رہا۔ جس طرح کہ اگر کوئی آدمی حیوان/ بھیڑ بکریاں کو چراتے ہوئے چلائے تو وہ آواز تو سن لیتے ہیں لیکن عمل نہیں کر سکتے بلکہ آواز کی گونج آدمی کو سنائی بھی دیتی اور حیوانوں کو بھی۔ لہٰذا حق کی آواز سے منہ موڑنے والے کی مثال گونگے۔ بہرے اور اندھے کی ہے اور یہ گونگے، بہرے، اندھے جسمانی طور پر نہیں ان کو اس لیے لقب دیا ہے کیونکہ عقل استعمال نہیں کرتے اور اپنی ضد پر آئے ہوئے ہیں۔ یہ واقعات آج بھی اس طرح صحیح ہیں جس طرح نزول قرآن مجید کے وقت چودہ سو سال پہلے تھے۔ عقل اور سمجھ کا استعمال حق کو سننا انسان کے لیے بہت ضروری ہے ورنہ اس کی کیفیت حیوان کی سی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَ اشۡكُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ [172:2]

اے ایمان والو! جو چیزیں ہم نے عطا کی ہیں ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر تم صرف اس کی بندگی کرتے ہو۔

پچھلی آیت کے مضمون (۱۶۸) کے ساتھ رابطہ ہے کہ ایمان والو پاک چیزیں جو اللہ نے دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ پاک سے مراد صاف ستھری چیزیں ہیں اور سب سے پاک زرق حلال ہے، اسے بندگی سے متعلق کر دیا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک پاک (طیب) وہ ہے جس پر عطا کرنے والے کا شکر ادا کیا جائے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ‌ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ [173:2]

بے شک ہم نے حرام کیا تم پر، مردار خون اور سور کا گوشت اور وہ جو غیر اللہ کے نام پر (ذبح کے وقت) ذبح کیا ہو پھر جو شخص بے بس ہو اور اپنی مرضی سے نہ کھائے اور ضرورت سے زیادہ (زندگی بچانے کی حد تک) نہ کھائے اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے بے حساب رحم والا ہے۔

غذا کے ضمن میں جہاں پاک وصاف کا ذکر فرمایا ساتھ حلال وحرام کا ذکر فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں (انسانوں) کے لیے مردار (جو مر جائے خود بخود)، خون (انسان/ حیوان کا)، سور کا گوشت اور وہ ذبح جو غیر اللہ کے نام کے ساتھ اس کی عبادت کے لیے ذبح کیا جائے ان کو سب کو مطلق حرام قرار دیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو غذا کا تعلق صحت وعادات سے گہرا ہے۔ غذا سے خون، وٹامن اور معدنیات حاصل ہوتی ہیں جو انسانی جسم کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ان کا اصل صاف ہو گا تو ان سے حاصل کردہ خون، اجزائے خوراک بھی صاف ہوں گے اور اس کا اثر کردار ونشو نما پر پڑے گا۔ مردار کا نقصان آپ جدید سائنس علم غذائیات نے واضح کر دیا ہے کہ جسم میں فاسد خون رہ جانے سے گوشت فاسد ہو جاتے ہیں۔ غذائی اجزاء فاسد پیدا ہوتے ہیں اور اس کی قابل استعمال مدت کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خون بھی تمام امراض کے جراثیم کا حامل ہوتا ہے۔ ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ اس قدر اچھا ہے کہ خون سارے جسم سے نکل جاتا ہے اور اس لیے اگر کوئی جانور خون نکلنے بغیر مر جائے تو مردار (حرام) قرار دیا جاتا ہے۔ جدید مائیکرو بیالوجی (Micro Biology) کے ذریعے یہ معلومات ملی ہیں اس لیے قدرت نے اس کے استعمال کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ سور کا گوشت بھی حرام ہے۔ یہ بھی جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ سور کا گوشت زیادہ کولیسٹرول پیدا کرتا ہے۔ مختلف بیماریوں کا سبب ہے، اس میں چربی FATS زیادہ ہوتی ہے اور اعضاء میں پروٹین کے اجزاء کم ہوتے ہیں۔ بچھڑے میں چربی 10 فیصد بھیڑ میں 20 اور سور میں 30 فیصد ہوتی ہے۔ جرمن ڈاکٹر ہانک ریکوگ نے تحقیق کی ہے کہ اس کے گوشت میں ایک زہریلی پروٹین (Stoxin) ہے جو الرجی پیدا کرتی ہے اور الرجی والی بیماریاں مثلاً ایگزیما، دمہ کے دورے (Astma Rash) اور جوڑوں کے درد کا سبب اس کے علاوہ شیپ وائرس (Shape Virus) جو پھیپھڑوں کو نقصان دیتی ہے اس پر مزید Swine Flue (از ڈاکٹر ہوک نور باقی ترکی (Dr Halooc Nur Baqi) کسی بھی جانور کا گوشت کی خاصیتیں اس کی غذا پر منحصر کرتی ہیں مثلاً گوشت کھانے والے جانور کے گوشت کی خصوصیات ان جانوروں کے مقابل میں جو سبز چارے کھاتے ہیں ان سے بہت مختلف ہیں۔ (۳) گرم علاقوں (ٹراپیکل علاقوں) میں اس کا نقصان زیادہ ہے اور اس کی قابل استعمال مدت سے بہت کم ہے۔ اس جانور کا گوشت اس کی عادات کا حامل ہے۔ یہ کھانے کے لحاظ سے غلیظ ہیں یہ جانور اپنا فضلہ بھی کھاتا ہے اور جنسی لحاظ سے بھی غلیظ ہے۔ اس کی مادہ تمام تر جانوروں سے بیک وقت اکٹھا جنسی عمل کرتی ہے اور نر مادہ کی حفاظت نہیں کرتا اس کو بائبل میں بھی حرام قرار دیا ہے بحوالہ Levitieus 11:78 میں ہے

"And wine because it divideth the hoof, yet chewth not the cud, it is unclean to you".

اور پھر کتاب Deuterunomy 14:8 میں ہے

"You shall not eat of there flush, no tuch their dead carcam".

بحیثیت وجود تمام اشیاء اور جاندار اپنے وجود کا حق رکھتے ہیں اور اس طرح یہ بھی جنگلوں میں اپنی زندگی کے وجود کے لیے یقیناً کارآمد ہوگا۔ اس کا گوشت انسانی غذا کے طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اگر گوشت کی کمی کے لیے جانور استعمال ہوتا ہے تو دوسرے جانور بھیڑ بکریوں گائیں وغیرہ کی نسل بڑھائی جاسکتی ہے۔ ایک اہم قابل غور نقطہ اسلام میں انسانی وجود کا احترام ہے کہ اگر زندگی وموت کی کشمکش ہے تو انسان کو ان تمام حرام کے استعمال کی بقدر ضرورت (مجبوری) اجازت ہے۔ دوسری طرف فقہا نے انسانی جان کی عظمت وحفاظت کے پیش نظر لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے اوپر ان حرام اشیاء کو زندگی بچانے کے لیے استعمال نہیں کرتا بلکہ مرجانے کو ترجیح دیتا ہے تو یہ ایک خودکشی کا عمل ہے۔ جان کی حفاظت کے حکم سے بغاوت کرتا ہے۔ مردہ جانور کی کھالیں صاف کرنے بال اتارنے اور دھونے کے بعد قابل استعمال ہیں۔ (فقہ حنفی اور شافعی) تاکہ لوگوں کے لیے فائدہ کا باعث ہو۔ (بحوالہ تفسیر مظہری تفسیر آیت مذکورہ، جلد اول، ص ۱۹۰۔۱۹۱)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَکِّیۡهِمۡ ۚ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ [174:2]

تحقیق جو لوگ چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے کتاب میں اور اس کے بدل معمولی قیمت لیتے ہیں وہ لوگ سوائے اپنے پیٹوں میں آگ بھرنے کے کچھ نہیں کھاتے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات تک نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰی وَ الۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَی النَّارِ [175:2]

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی، مغفرت کے بدلے عذاب خریدا کس چیز نے انہیں آگ پر صبر کرنے والا بنا دیا۔ (کس طرح وہ آگ قبول کر رہے ہیں؟ حیرانی کی بات ہے۔)

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍم بَعِیْدٍ [2:176]

یہ اس لیے کہ اللہ نے کتاب حق (سچائی) کے ساتھ نازل فرمائی بے شک جنھوں نے کتاب میں (حق سے) اختلاف کیا وہ مخالفت حق میں بہت دور نکل گئے (جا پڑے) ہیں۔

شان نزول:۔

یہ آیات حضور کے مدینہ آمد پر یا یہودیوں سے جب دوسرے عرب اسلام کے بارے اور حضور کے بارے وہ بالخصوص ان کے علما وزعماء سے پوچھتے تو حضرت محمد ﷺ کے اوصاف کو جو توریت میں بیان کیے گئے تھے ان کو چھپاتے تھے۔ (بحوالہ صفوۃ التفاسیر) اور معانی بدل دیتے تھے۔ لیکن اس کا اطلاق آجکل کے علماء پر بھی ہے جو حق کو مصالح دنیاوی ومعاشی مفاد کے لیے صحیح طور پر بیان نہیں کرتے کہ یہ علماء اس دنیا کا فائدہ کس قدر معاشی یا معاشرتی لحاظ سے عظیم ہو، آخرت کے مقابل میں انتہائی حقیر ہے۔ ان کا یہ عمل ان کو آگ کا اس قدر مستحق بنا دیتا ہے کہ گویا وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈال رہے ہیں۔ اور قیامت میں ان کی کوئی خلاصی یا مغفرت نہیں ہوگی پھر اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں حق کو چھپایا غلط اور باطل کی پرچار کی گمراہی اور عذاب خریدا اور یہ حیرانگی کی بات ہے کہ محض معمولی فائدے کے لیے یہ عذاب قیامت ودوزخ قبول کر رہے ہیں۔ یہ عذاب اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حق (صحیح) سچائی نازل فرمائی اور انھوں نے اپنی اغراض نفسانی سے سچائی سے اختلاف کیا یعنی اس کو چھپایا اور حق سے بہت دور چلے گئے۔ گمراہی میں دھنس گئے اور دوزخ وآگ کے سزاوار بنے۔۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ الْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ السَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ [2:177]

نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں اپنا مال قرابت داروں، یتیموں اور مساکین اور مسافروں پر، سوال کرنے والوں پر اور گردنوں کو آزاد کرانے پر

خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوۃ دے اور جب کوئی وعدہ کرے تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں اور سختی (تنگ دستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ یا سختی میں صبر کرنے والے ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا اور یہی دراصل متقی ہیں۔

پچھلی آیت میں حق کی بات بتانے اور حق چھپانے اور احکام الٰہی میں مصلحت دنیاوی کی خاطر تبدیلی کے برے اعمال کے بعد دین اسلام کی روح اور اس کے خاکہ کو بیان کیا ہے۔ نماز دین کا اہم حصہ ہے اور اس میں قبلہ کی جہت مکہ المکرّمہ ہے۔ قبلہ کی تبدیلی کے بارے میں بھی اشارہ ہے۔ یہود سعودی عرب میں بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے جو مغرب کی طرف تھا اور عیسائی مشرق کی طرف۔ اسی سلسلہ میں فرمایا گیا کہ نماز کی روح چہرے کا مشرق و مغرب کی طرف موڑنا نہیں۔ یا دوسروں کی تقلید بھی مراد ہوسکتی ہے۔ بلکہ حقیقت میں دین اسلام اللہ کی محبت اور اس کے اساسی احکام پر عمل کرنے میں ہے اور یہ احکام یہ ہیں اول: ایمان۔ اللہ کی ذات وتوحید خداوندی سب سے پہلی اساس اور عقیدہ کی بنیاد ہے۔ پھر اس کے متعلق دوسرے عقائد آخرت یعنی قیامت، روز حساب جس کا دارومدار ہمارے دنیاوی زندگی کے اعمال پر ہے۔ فرشتے جو خدا کی تابعدار مخلوق ہیں۔ نور یا روشنی سے پیدا ہوئے ہیں۔ روشنی کی تعریف سائنس میں مشکل ہے کیونکہ ایک انرجی ہے اور فرشتے انرجی سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے بغیر کسی خطا کے ادا کرتے ہیں اس کا معمولی اندازہ ہم اپنے کمپیوٹر کے ذریعہ ایک مصنوعی دماغ کے ذریعے بغیر کسی غلطی کے کام کرتے میں یا حکم دینے سے ہو جاتا ہے اور ہدایت کی کتابیں جو انبیا پر نازل ہوئیں اور آخری ہدایت کی کتاب قرآن مجید ہے جو آخری نبی پر نازل فرمائی گئی اور نبیوں پر ایمان ہے۔ ہمارے عقائد کے مطابق نبی صرف انسانوں میں ہوسکتا ہے جن یا فرشتوں میں نہیں اور مرد نبی آئے ہیں عورتیں نہیں، اس کی وجہ کوئی انسانی تفریق نہیں بلکہ عورتوں کی طبعی (فطری) زندگی یعنی ایام حمل، ایام ماہواری، بعد از تولید اور (دودھ پلانا) کے مسائل ہیں جو اعمال نبوت کی پوری طرح ادائیگی میں مانع ہیں لیکن عورت کا مقام امتیاز یہ ہے کہ ہر نبی ماں کی گود کا حصہ ہے۔ جس طرح اسلام میں ہم تمام نبیوں پر بشمول قرآن مجید میں مذکور ہیں یا جن کا ذکر نہیں۔ روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جو مختلف قبائل، علاقوں اور زمانوں میں تشریف لاتے تھے ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان انبیاء میں رسولوں کی تعداد 313 ہے اور یہ اس روایت کے ذریعہ معلوم ہوئی جو کہ حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابی امامہ سے بھی روایت ہے جسے بعض محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ ابن جوزی نے موضوع لیکن اکثر نے ضعیف کہا ہے لیکن روایت کے لحاظ سے یہ صحیح اور معقول ہے کہ اس قدر وسیع وعریض دنیا میں جبکہ مواصلات کے ذرائع بالکل نہیں تھے اور ہر جگہ پر لوگوں کو ہدایت کی ضرورت تھی تو یہ تعداد زیادہ نہیں (روح المعانی سورۃ الحج 52)۔ یہ حصہ تو ایمانیات یا اعتقادات سے متعلق ہے۔ اس کا دوسرا حصہ بہت اہم ہے جو معاملات سے متعلق ہے۔ جس کا ترتیب وار ذکر ہمارے لیے بہت اہم ہے۔

نیکی اور برّ:۔

اللہ کی محبت میں مال خرچ کرنا، جس سے مراد انسان کا ذاتی مفاد یا دنیاوی مفاد نہ ہو۔شہرت بھی دنیاوی مقصد ہے یا اس کے مقابل اپنے ذاتی مفادات، کاروبار، رشتہ، سیاسی وسماجی بھی اگر ہوں تو اخلاص کے خلاف ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم کہ قیامت کے دن تین آدمیوں کو بلایا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مال دیا تھا اور مال اس کے ساتھ حاضر ہوگا جب مال کے بارے سوال ہوگا تو کہے گا اے مولا! میں نے تیری راہ، تیری محبت کی خاطر جو ہوسکتا تھا خرچ کیا۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹ بول رہا ہے تو نے تو اس لیے کیا کہ تجھے لوگ سخی کہیں۔ پھر حکم ہوگا اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (بحوالہ مسلم کتاب الا مارہ باب من قاتل للریاءتفسیر مظہری) ایک اور حدیث میں (بحوالہ مسلم کتاب البروالعلم) کہ اللہ تعالیٰ تمہارے صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ پھر یہ مال جو اللہ کی رضا کے لیے دیتا ہے اس کی ترجیحات اور جن کو دیتا اس کی تفصیل بھی دی ہے۔ پہلے درجہ رشتہ داروں کا ہے اس کی معاشرتی اہمیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔یتیموں کو دینا ہے جو معاشرے کے محروم افراد میں پھر مساکین وغریب لوگ جن کو معاش کی سخت تنگی ہوتی ہے اور مسافر کو جو سفر کی وجہ سے بے بس بھی ہو جاتے ہیں۔ بقول سلطان باہو علیہ رحمۃ۔

ع شالا مسافر کوئی نہ تھیوے، ککھ جنہاں تے بھارے ہُو

یعنی کوئی سفر کی مصیبت سے نہ گزرے یعنی مسافر نہ ہو کیونکہ راستوں کے تنکے بھی ان کے مقابل زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔مہمان بھی مسافر کے زمرے میں آتا ہے اس کی خدمت بھی اسلامی شعار ہے اور پھر جو دست سوال دراز کرتا ہے اسے بھی دینا چاہیے۔ مانگنا کن صورتوں میں جائز ہے یہ ایک اور مسئلہ ہے لیکن جو دست سوال دراز کرتا ہے اس کو کچھ نہ کچھ دینا ضروری ہے۔ ایک حدیث شریف جس کا مفہوم (بحوالہ ترمذی کتاب الزکات باب جاء فی حق السائل) کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دو اگرچہ ٹوٹا ہو سم (ناخن) ہی کیوں نہ ہو۔یعنی معمولی چیز بھی ہو تو بھی دینی چاہیے سائل کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔

اسلامی معاشرہ کے اصول:۔

پھر غلاموں کی آزادی کے لیے رقم خرچ کرو۔ اسلام پر غلامی کا الزام کہ اس نے ترویج دی کہ کس قدر غلط ہے بلکہ اسلام نے تو غلاموں کو آزادی کے کئی قانونی طریقے بنائے اور حضور نے فرمایا ہر آدمی آزاد پیدا ہوتا ہے اگر کسی مجبوری کی بنا پر غلام بن گیا تو اس کو اس نعمت سے چھٹکارا کے لیے کئی ذرائع پیدا کیے گئے ہیں۔اس طرح اسلامی دور کے اولین ایام میں ہی غلام ختم ہو گئے بلکہ کئی غلام تو بادشاہ کے درجہ پر پہنچے۔ (خاندان غلاماں ہندوستان میں اور ترک بادشاہ آخری عباسی دور میں اس کی مثال ہیں) آج کل یہ رقم ان معاشرہ کے طبقات کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے جو غلامی کے درجہ پر ہیں مثلاً کاشتکار، ہاری اور دوسرے

مجبور مزدور لوگ (جبری مشقت میں پھنسے ہوئے) ہیں ان کا متبادل معاشی بندوبست کیا جائے۔

معاشی کفالت کے مسائل کے بعد انسانی واجتماعی معاملات کا ذکر فرمایا کہ خدا کی عبادت نماز کی صورت میں قائم کرتے ہیں۔ نماز کے معاشرتی، بدنی اور نفسیاتی برکات پر تفصیل بہت لمبی ہو جائے گی اس کے ساتھ ایک لازمی نظام معاشیات کا ذکر فرمایا جو صدقات (جو پہلے بیان کیے گئے ہیں) کے علاوہ ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے تمام الہامی مذاہب میں ایک مربوط، منظّم، مدون (قانونی) صورت میں معاشی ومعاشرتی نظام دیا وہ نظام زکوۃ، عشر، خمس ہے کہ کس طرح مالیات کو اکٹھا کیا جائے گا اور کس طرح اسے خرچ کیا جائے گا۔ یعنی (Source and application of funds)۔ معاشرتی ضروریات میں وعدے کی پابندی جو ہر منظّم اور ترقی کرنے والے معاشرے کے لیے ضروری ہے کو بیان فرمایا اگر وعدہ کی پابندی نہیں ہوئی تو معاشرہ معاشی، سماجی طور پر بہت پیچھے رہ جائے گا۔ خوشحالی کے بجائے جرائم کا مرکز بن جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پذیر (بالخصوص مسلم ممالک) اس عہد کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے پس ماندہ ہیں۔ اس کے ساتھ ایک اور اہم کردار کی خصوصیت صبر ہے جو کہ تنگدستی میں بھی اور شدت میں بھی معاشی حالات ہوں یا بدنی بیماری یا دفاعی طور پر ملک میں جنگ کی کیفیت ہو، مسلمان صبر کو ہمیشہ ساتھ رکھتا ہے یعنی معاشرے کے ہر ماحول میں وہ اپنا مثبت کردار ادا کرتے ہیں۔ احکام خداوندی کے ساتھ انسانی حقوق کا پورا خیال کرتے ہیں اس ضمن میں وعدہ کی پابندی اور صبر انتہائی اہم ہیں ان خواص وکردار کے حامل افراد مسلمان ہیں متقی ہیں جنھوں نے اعمال سے اپنے نظریہ کا سچ دنیا کو دکھا دیا۔ ذرا غور کریں دنیا کا کوئی مذہب، معاشرہ، نظریہ اس سے بڑھ کر انسانی فلاح وبہبود کے احکامات آج تک نہیں دے سکا اور نہ دے گا۔ کاش مسلم ممالک اپنے کرداروں اور نظام میں اس کو نافذ کر کے عملی مسلم ریاست کا ثبوت دیں جو کہ خلفا راشدین نے پہلے دنیا کو کر کے دکھائی۔ آج بھی اب وہ معاشرے جو ان زریں اصولوں پر کاربند ہیں معاشی ومعاشرتی طور پر دنیا میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور جو ان کو نظر انداز کر رہے ہیں وہ دنیا میں کمزور اور ذلیل خوار ہیں خواہ وہ اللہ کے نام کا اعلان کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ [178:2]

اے ایمان والو۔ تم پر قتل میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت، پھر اگر اس کو (یعنی قاتل) اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ

(یعنی قصاص) معاف کر دیا جائے تو اتباع کرو بھلائی کے ساتھ اور ادا کرو (خون بہا کو) احسان کے ساتھ (مقتول کے وارث) کو یہ تمہارے رب کی طرف سے عافیت اور رحمت ہے پھر جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے گا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [2:179]

اور تمہارے قصاص (خون کا بدلہ خون) میں زندگی (کی ضمانت) ہے اے عقل مند لوگو! تا کہ تم (خون ریزی اور بربادی) سے بچو۔

گزشتہ آیات میں معاشرت وعبادات کے احکام تھے انہی معاشرت کے احکام میں قتل کے احکام بیان فرمائے اسلام سے پہلے عرب میں مضبوط قبیلہ اپنے غلام کے بدلے یا عورت کے بدلے کمزور قبیلہ کے مرد اور آزاد آدمی کو قتل کر دیتا اور پھر یہ قتل کا سلسلہ بدلہ کی صورت میں چلتا رہتا ہے۔ اسلام نے انسان کے وجود اور بقا کو انتہائی اہمیت دی ہے اس لیے جان کی حفاظت فرض ہے اور اسلامی معاشرہ میں قتل ایک ہولناک جرم ہے جس کی سزا قتل ہے تا کہ بدلہ کی آگ قانون کے ذریعہ ختم ہو جائے اور معاشرہ پرسکون بن جائے۔

قانون قصاص:۔

قتل کے بارے قوانین یا نظام انسانی اغراض اور تضاد کا شکار رہے اگر کوئی بڑا قتل کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور اگر کمزور کرتا تو اس سے بدلہ لیا جاتا۔ اسی طرح کہیں عورت کو محض کمزور سمجھ کر قتل کیا جاتا اور کہیں کمزور سمجھ کر اگر وہ جرم کرتی تو اسے چھوڑ دیا جاتا۔ یہودیت میں قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور عیسائیت میں قتل کی سزا قتل نہیں بلکہ معاف کرنا ہے۔ دونوں قانون انسانی معاشرہ کے لیے سختی پر مبنی ہیں اگر معاف کر دیا جائے تو مقتول کے ورثا کا دل بدلے کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ اور اگر صرف قتل ہی رہے تو دونوں افراد معاشرہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔ آج کل مختلف معاشرے بالخصوص یورپی ترقی یافتہ ممالک نے موت کی سزا ختم کر دی ہے اور موت کو بے رحمی تصور کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قتل کی واردات میں کمی نہیں بلکہ زیادتی ہو رہی ہے۔

اسلامی قانون قصاص کی خصوصیات:۔

اسلامی قانون میں مساوات انسان کو بنیاد بنایا گیا کہ آزاد، غلام اور عورت میں کوئی تمیز نہیں۔ ہر قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے گا اور یہ قتل عمد (ارادہ کے ساتھ) ہے۔ (دارقطنی کی حدیث ذمی کے عوض مسلمان سے قصاص لیا گیا اس کو الزیلعی نے تخریج الھدایۃ میں نقل کیا ہے)۔

پھر مقتول کے ورثا کو بھائی بھائی کہہ کر نفرت کو ختم کر دیا اور انہیں حق دیا کہ وہ معاف کر دیں اور اگر معاف کرتے ہیں تو قاتل سے کہا ہے کہ وہ ان کو خون بہا ادا کرے تا کہ ان کے ساتھ زیادتی کی کچھ حد تک تلافی ہو سکے اور ساتھ ہی یہ خون بہا کو فریقین میں صلح کے لیے ایک موقعہ بھی دیا گیا ہے تا کہ معاشرہ میں دو افراد کے ختم ہونے کے بجائے دوسرے افراد کو بچایا جا سکے۔ لیکن اس کو جرم کی سزا ضرور ملنی چاہیے تا کہ دوسروں کو نصیحت ہو۔اس طرح خون بہا اس کے ورثا پر لاگو کر کے معاشرہ میں قتل کے خلاف نفرت پیدا کی گئی ہے۔خون بہا کے مطالبہ اور ادائیگی جو طریقہ کار فرمایا گیا ہے وہ اتباع معروف یعنی فراخدلی (یعنی مطالبہ میں شدت و زیادتی نہ ہو) ادا احسان یعنی فوری طور پر خون بہا ورثا کو ادا کیا جائے تا کہ غم کی تلافی میں آسانی ہو۔اس کے لیے ایک دفعہ معافی کے بعد پھر نفرت کو مکمل طور پر فریقین کے درمیان ختم ہونا چاہیے اور اگر دشمنی رکھی تو بہت بڑا گنا ہے۔

تاریخ نے ثابت کیا ہے کہ جن معاشروں میں قتل کی سزا برقرار ہے وہاں قتل ہونا کم ہوتے ہیں بالخصوص جدید معاشرہ میں سعودی عرب کی مثال واضح جہاں قبل از قصاص قانون، قتل زیادہ تھے مگر اس کے بعد یہ جرم بہت کم بلکہ برائے نام رہ گیا ہے۔

فلسفہ قصاص:۔

قرآن کریم میں قصاص کو زندگی کا راز کہا گیا ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے اہل عقل شعور کے لفظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ کہ عمومی طور پر آدمی سارے قانون کو قانون بدلہ سمجھتا ہے جبکہ حقیقت میں خون بہا، معافی اور قتل تینوں سزائیں موجود ہیں جس سے معاشرے میں انصاف اور مساوات واخوت بڑھتی ہے۔اس قانون کے ذریعے مقتولیں کے ورثا کو انصاف اور ان کے دکھوں کا مداوا مل سکتا ہے۔معاشرہ ایک برائی کے سلسلہ سے چھٹکارا پاتا ہے کیونکہ قتل کا خوف یا خون بہا کی رقم ایک رکاوٹ بن جاتے ہیں۔انسانی جان کی عظمت واہمیت بھی واضح کی گئی کہ مجرم بچ کر نہیں جا سکتا اور ورثا کو حق بدلہ بھی دیا گیا ہے تا کہ دشمنی کی آگ ٹھنڈی ہو سکے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَ كُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَ نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ [180:2]

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے اچھے طریقے سے وصیت کرے۔ یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے۔

فَمَنْم بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ [181:2]

پھر جو کوئی اس (وصیت) کو سننے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ انہی بدلنے والوں پر ہے بے شک اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سننے اور جاننے والا ہے۔

فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ

[182:2]

پس اگر کسی شخص کو وصیت کرنے والے سے (کسی کی) طرفداری یا (کسی کے حق میں) زیادتی کا اندیشہ ہو پھر وہ ان کے درمیاں صلح کرائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ نہایت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وصیت کے اصول وطریقہ:۔

معاملات کے سلسلہ میں وصیت اور احوال کی تقسیم کے احکام ہیں۔عرب ایام جاہلیت میں کسی غیر کو وصیت کے ذریعے حق ملکیت دے دیتے اور اسے سخاوت سمجھتے اس کا نتیجہ ان کے ورثا اور حقیقی اولاد محروم رہ جاتی ہے۔ یہ احکام ان افراد کے لیے ہیں جن کے پاس مناسب حد تک اموال ہوں کم ملکیت والے افراد کے لیے ضروری نہیں اس لیے خیر (مال) کا لفظ فرمایا اس میں والدین اور رشتہ داروں کو واضح طور پر کہا گیا کیونکہ اولاد کی محبت سب سے زیادہ ہے اور وہ اکثر والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو دور کرنے کا سبب بنتی ہے پھر ایک اور انتہائی اہم نکتہ یہ ہے کہ وصیت اچھے یعنی عادلانہ طریقہ سے کی جائے اور تفریق یا زیادتی نہ کی جائے۔ یہ سارے امور اسلام کے مربوط معاشی ومعاشرتی نظام کا حصہ جو ہر خوشحال معاشرہ کے لیے ضروری ہے۔سورۃ نساء میں وراثت کی آیات کے بعد وصیت کو صرف غیر ورثا (جو وارث نہ ہو) ان تک محدود کر دیا ہے (بحوالہ حدیث بخاری شریف کتاب الوصایا ۲۷۴۷ وارثوں کے لیے وصیت نہیں) تا کہ جو لوگ مستحق ہیں ان کو محرومی سے بچایا جا سکے۔ ایک اور بات جو حدیث سے ثابت ہے کہ وصیت کو صرف ملکیت کے ۳/۱ حصہ تک محدود کر دیا ہے تا کہ ورثا کے حق کا تحفظ کیا جا سکے۔ (بحوالہ حدیث حضرت ابن عباس کہ نبی پاک نے متروکہ مال کے تیسرے حصہ سے زائد وصیت کرنے سے منع فرمایا۔ بخاری کتاب ابو صایا ۲۷۴۳)۔کس قدر منصفانہ نظام نقل ملکیت ہے کہ رشتہ دار اور دوسرے تعلق دار جو مستحق ہیں سب کے لیے گنجائش ہے۔اسی طرح اگر والد کی زندگی میں اس کا لڑکا مر جائے اور یتیم پوتے پوتیاں رہ جائیں تو ان کے لیے وصیت ضروری ہے کہ وہ اولاد کی طرح ہیں۔ چونکہ ان کا والد نہیں ہوتا اس لیے وہ وراثت میں حصہ دار نہیں بن سکتے۔

ایک اہم فلسفہ جو اسلام کے تمام نظاموں کی اساس ہے وہ عدل، اچھائی اور بھلائی کا نکتہ ہے۔قتل ہو یا وراثت کی تقسیم

سب میں اہم ہے۔ یہاں بھی وصیت کو عقلمندی وانصاف سے کرنے کا حکم ہے۔ حقوق کے تقدس کے پیش نظر وصیت میں خیانت کا تبدیلی کو گناہ قرار دیا گیا ہے تاکہ مالک کے حق ملکیت میں ناجائز تصرف یا استعمال نہ ہو۔ پھر اگر کوئی غلطی وصیت کرنے والے سے ہو رہی ہے یا ہوگئی ہے تو اس کے صلح وبھلائی کا طریقہ کا حکم دیا ہے۔ تفصیلات کے لیے فقہ کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [183:2]

اے ایمان والو تم پر بھی اسی طرح روزے (صوم) فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار (متقی) بن جاؤ۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[184:2]

یہ گنتی کے چند دن ہیں اگر تم سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں (روزوں کی) گنتی پوری کرے اور جنہیں اسکی طاقت نہیں ہے ان کے ذمہ مسکین کے کھانے کا بدلہ ہے۔ پھر جو کوئی اپنی خوشی سے (زیادہ) نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو۔

روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں یہ صرف مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب۔ یہودیت۔ عیسائیت میں بھی روزے فرض تھے۔ یہودیوں نے ان کو فرعون کی نجاعت کے ساتھ خوشی کے موقع پر لگا لیا (یوم کپور کے روزے)۔ عیسائیوں نے انہیں گرمی کی وجہ سے آگے منتقل کر دیا اور ان کے اندر تبدیلی کر کے ان کی مدت پچاس دنوں تک کر دی۔ جو ابھی (Fast of LINT) کے نام سے مذہبی طور پر ادا کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کے لئے الگ ماہ کے ماہِ رمضان میں فرض ہیں۔ روزے مدینہ شریف میں فرض ہوئے۔ اس سے پہلے حضور نفلی روزہ رکھا کرتے تھے اور ان روزوں (فرضی) کے علاوہ ہر ماہ کچھ روزے رکھنا بڑی عبادت ہے۔

حکمت روزہ:۔

روزہ کا فلسفہ یہ ہے کہ آپ کو یہ پرہیزگار متقی بناتا ہے۔ جب آپ خواہش اور ضرورت کے باوجود کھانا پینا اور جماع ترک کر دیتے ہیں اور اپنے اوپر کنٹرول کرتے ہیں تو یہ ایک بڑا مشکل مرحلہ وعمل ہے۔ اس میں کامیاب وہ ہے جو اپنے نفس کے

ساتھ جہاد کرتا ہے اور متقی کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔روزہ روحانیت کی ترقی کے لئے دوسرے مذاہب میں بھی ہے مثلاً ہندوازم، بدھ ازم(Full Moon, New Moon کے موقع پر) وغیرہ۔ روحانی برکات کے علاوہ جسمانی برکات کے بارے طبی سائنس نے اب معلوم کیا ہے کہ روزہ سے اگرچہ چند بیماریوں جن میں پانی کی شدید ضرورت ہوتی ہے تکلیف ہوتی ہے۔لیکن دوسری بہت ساری بیماریوں کا علاج ہے جس میں بالخصوص کینسر، دل کی بیماریاں، ذہنی اور شوگر کی بیماریاں شامل ہیں۔ یہ بات تحقیق سے سامنے آئی ہے(یونیورسٹی آف کیلیفورنیا۔انسٹی ٹیوٹ آف لینگیوٹی Longevity) میں تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ جب آدمی کا معدہ خالی ہوتا ہے اور لمبی مدت میں (چھ گھنٹے سے اوپر) اور پھر جسم کے زہروں (Fats) کو نظام ہضم کھانے لگتا ہے۔ پیٹ کی مشینری کو آرام میسر آتا ہے۔خون کی صفائی کا کام تیزی سے ہوتا ہے۔اس طرح ذہن میں ایک کیمیکل پیدا ہوتا ہے جو ہماری یاداشت (میموری) کو قوت دیتا ہے(بحوالہ FAST DIET by Dr Micle Mosley / Mimi Spencer)۔

رمضان کے علاوہ بھی روزے صحت کے لئے مفید ہیں۔جس طرح حضورﷺ ہر ماہ دو تین (ایام بیض،درمیانی ایام) میں رکھا کرتے تھے۔ یہ ایک بہت اہم جسمانی ،نفسانی عبادت ہے۔نفسیاتی لحاظ سے انسان کے اندر قوت ارادی، ضبط نفس مزید مضبوط ہوتا ہے جس کی بناء پر شدید حالات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، بالخصوص کئی بری عادات ترک ہوسکتی ہیں۔ روزے کے تفصیلی احکام، چاند کا دیکھنا، روزہ کے اوقات، روزہ توڑنے والے امور، بیماروں کے احکام، فدیہ یا کفارہ کے احکام اور عید کے مسائل فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے ساتھ موجود ہیں۔انسانی مجبوری اور کمزوری، بیماری کی صورت / سفر، جو کہ ایک حقیقت ہے اسلام میں اسکا واضح طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ اسلئے فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ روزہ کی قضا کرسکتا ہے لیکن اگر بیماری دائمی ہے تو وہ کفارہ دے سکتا ہے۔جو ایک مسکین کو دو اوقات کا کھانا جس طرح وہ خود کھاتا ہے دے۔اس کا مقصد بھی معاشرے میں محتاج اور ضرورت مند افراد کی فلاح و بہبود ہے۔ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر زیادہ دیا (نیکی کی) تو یہ فدیہ دینے والے کے لئے بہتر ہے۔ یہ بہت اہم ہے کہ اس رخصت کو بہانہ بنا کر روزے سے بچا نہ جائے۔ بیماری ایسی ہو جس کا روزہ کی وجہ سے شدت سے اضافہ کا واقعی خطرہ ہو۔سفر کے لئے فقہاء نے وہ معیار رکھا ہے جو کہ قصر نماز کے لئے ہے یعنی اندازاً ساٹھ کلومیٹر کی مسافت (تفصیل فقہ کی کتب میں درج ہے)۔لیکن انسانی اختیار اور اس کے شعور کا امتحان لیتے ہوئے بہتر ہے کہ روزہ رکھا جائے کیونکہ رمضان کی برکات پھر میسر نہیں ہوں گی۔

رمضان المبارک کا موضوع چل رہا ہے اگلی آیت بھی اسی بارے میں ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [2:185]

رمضان کا مہینہ وہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی فرق (حق و باطل میں) کرنے والی واضح دلائل ہیں۔ پس تم میں جو کوئی اس مہینہ کو پالے وہ اس کے روزے ضرور رکھے اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے۔ اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے سختی نہیں چاہتا اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کر سکو اور اس کی بڑائی بیان کرو جو اس نے تمہیں ہدایت فرمائی تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

ماہ رمضان کے احکام کا سلسلہ جاری ہے۔ ماہ رمضان کی نعمت کا بیان فرمایا کہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک عرش معلیٰ سے آسمانِ دنیا پر نازل فرمایا گیا اور پھر حضور ﷺ پر مرحلہ وار تھوڑا تھوڑا مکہ اور مدینہ میں نازل ہوتا رہا۔ قرآن مجید کا نزول ایک عظیم نعمت ہے کیونکہ یہ کتاب انسانیت کی ہدایت کے لئے ہے۔ حق اور باطل کا فرق بتانے والی ہے۔ رمضان المبارک میں قرآن مجید کے نزول کا اہتمام کرنا چاہیے اور اس نور ہدایت سے ہدایت لینی چاہیے۔ اس میں اس کا پڑھنا، سمجھنا۔ پڑھانا اور سمجھانا۔ رمضان کا اہتمام۔ غریبوں کے سحری و افطاری کا خیال اور عبادات سب ضروری ہیں۔

رمضان کے مہینے کی ابتداء سے آخر تک روزے ہر بالغ صحت مند مسلمان پر فرض ہیں۔ جن کی تعداد مہینہ کے ایام کے مطابق ہوتی ہے۔ رمضان کی ابتداء چاند کو دیکھ کر یا صحیح طریقہ سے معلوم ہو جائے شروع ہو جاتی ہے اور شوال کے چاند یا تیس رمضان پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں علاقوں کی دوری کی وجہ سے چاند کے نکلنے یا دوسرے اوقات کا اختلاف یعنی (اختلاف مطالع) ایک واضح حقیقت ہے جو کہ صحابہ کے زمانے میں بھی حجاز اور شام میں (اختلاف کا ثبوت) تھا۔ اور اس کا احسن طریقہ ایک وسیع انتظامی یونٹ (صوبہ یا ملک) ہے جہاں ایک جیسے قانون یا نظام اوقات لاگو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جہاں رمضان کو مسلمانوں پر فرض کیا وہاں بیماروں اور مسافروں کے لئے حالات و واقعات کی سختی کے پیش نظر رعایت و نرمی فرمائی کہ وہ اسکی قضا دوسرے ایام یعنی بعد از رمضان ادا کریں۔ لیکن رمضان کے روزوں کی تعداد مکمل کرنی ضروری ہے۔ ہاں اگر ضعیف انسان جو بڑھاپے کی وجہ سے سدا کمزور ہو گا اس کے لئے فدیہ کی اجازت ہے جو کہ پچھلی آیت مبارکہ میں ذکر ہے۔

دینِ اسلام میں ایک عمومی فلاحی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسانی رکھی ہے۔ کئی آیات میں اسکا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا بنیادی طور پر احکام میں عامۃ الناس کے لئے رخصت کا پہلو ظاہر ہے۔ حضور ﷺ نے بھی اجتماعی احوال میں نرمی کی تاکید فرمائی۔ عبادات میں

اعتدال کا حکم فرمایا جان کی حفاظت کو انسانی فرض قرار دیا ہے۔ چلہ کشی اور سخت مجاھدے ایک انفرادی عمل ہے جو انسان کو اپنی بساط و ہمت دیکھ کر کرنا چاہیے۔ اسلام میں اجتماعی اعمال اور اخلاق کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور حضورﷺ نے فرمایا جو بھی نیکی کا کام کیا جائے اسے برقرار رکھنا بہت اہم ہے۔ (بحوالہ حدیث)۔ قَلَّ و دَوَمَ مطلب تھوڑا کرو مگر ہمیشہ کرو۔

رمضان صرف کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا نام نہیں بلکہ ماہ رمضان نیکی اور نفس پر کنٹرول کا مکمل ماہانہ پروگرام ہے۔اس میں آنکھ، زبان، انسانی بدن و افعال کا بھی روزہ ہے۔ غیبت، چوری، حرام خوری، رشوت، جھوٹ، ظلم، ناحق مال کھانا اگر نہ چھوڑا تو ایک حدیث کے مطابق اللہ کو کھانا پینا چھوڑنا مقبول نہیں۔ روزے کے مقصد اور اس کی اہمیت اور اس ماہ کی فضیلت کو سمجھنا اور اس نہایت بابرکت مہینہ سے فائدہ اٹھانا بہت ضروری ہے۔اللہ کی اس نعمت یعنی رمضان کی برکات۔قرآن مجید ہدایت کی کتاب کے نزول پر اللہ کی بڑائی اور اس کا شکر ادا کیا جانے کا حکم ہے جو نماز عید کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

رمضان کی عبادت اور فضیلت کے بعد دعا کا ذکر ہے۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ [2:186]

اور (اے نبی!) جب مرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو آپ انہیں بتائیں کہ میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان (پختہ یقین) رکھیں تاکہ وہ راہ حق پا جائیں۔

رمضان کی برکات میں جو خالق ومخلوق کا تعلق ہے اس میں دعا کا بڑا کردار ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ روایت ہے کہ کچھ عربوں نے حضورﷺ سے سوال کیا کہ کیا اللہ سے سرگوشی میں دعا کی جائے یا بلند آواز میں پکارا جائے تو اسکے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کس قدر خوب صورت اور محبت بھرا جواب ہے جو بندے اور اسکے ربّ کے رشتہ محبت کا اظہار ہے۔

حضرت علیؓ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا " وہ باوجود دور ہونے کے قریب ہے اور باوجود قریب ہونے کے دور ہے۔ وہ ہر چیز کے اوپر ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں چیز اس کے نیچے ہے وہ ہر چیز کے نیچے ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں چیز اس کے اوپر ہے وہ ہر چیز کے آگے ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں چیز اس کے پیچھے ہے وہ اشیاء کے اندر داخل ہے مگر نہ اس طرح ایک چیز دوسری چیز کے اندر داخل ہوتی ہے نہ تو وہ کسی چیز سے ہے نہ کسی چیز کے اندر نہ کسی چیز کے ساتھ۔ پاک ہے وہ ذات جس کی یہ صفات ہیں (کتاب اللمع فی التصوف ابونصر سراج طوسی)

ندا یا دعا کے ساتھ قبولیت کا گہرا تعلق ہے۔ فرمایا ہے کہ میں پکار کا جواب دیتا ہوں جب کوئی پکارتا ہے۔ قبولیتِ دعا کے بارے

ایک غلط فہمی ہے جو دعا کرنے والے کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تمنا پوری ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ اگر تمنا پوری ہوئی تو اس کے لئے کتنی سودمند ہوگی اسکی مثال بچوں کی خواہشات ہیں جو ان کے بہتر مفاد میں نہیں ہوتیں اور اس لئے پوری نہیں کی جاتیں۔ پھر دوسری شرائط میں رزق حلال اہم ہے اس کے بارے آیت (168) میں احادیث ذکر کی گئی ہیں پھر قبولیت کے خصوصی اوقات ہیں مثلاً ماہ رمضان میں روزہ کے افطار، سحری کے وقت، جمعہ کے خاص اوقات، اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا، نیک لوگوں کی دعا، جو لوگ متکبر اور نخوت پسند ہیں رزق حلال سے محروم ہیں وہ قبولیتِ دعا سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ دعا کے لئے عاجزی نہایت ضروری ہے۔ اللہ کا بندہ جب عاجز ہو کر دعا مانگتا ہے تو وہ اپنی مخلوق پر رحم کرتا ہے اس لئے کوئی غیر مسلم بھی جب عاجزی سے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور کریمی کے سبب اُن کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ ان کی عاجزی اور خلوص پر وہ رحم کرتا ہے۔ دعا کے اثرات سے جدید سائنس بھی واقف ہے اس لئے (Faith Healing) کے لئے ہسپتالوں میں باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ مریضوں کو سکون ہو۔ دعا کے ساتھ کوشش کا جاری رکھنا اور محنت کرنا سنت نبوی ہے۔ توکل کا مطلب ہے کہ حقیقی مسبب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس پر یقین کرے۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا پھر اس کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

اس لئے آیت میں فرمایا کہ مجھ پر پختہ ایمان (یقین) رکھو اور یہی راہ حق ہے۔ صوفیا کی باتیں کہ دنیا اور اسکے اسباب مانگنا ایک حقیر چیز ہے اس کے مقابل اللہ کی محبت اور اسکی رضا کو مانگنا چاہیے۔ (انوار القرآن اسرار الفرقان از ملا علی القاری ص 62 آیت مذکورہ)

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ [2:187]

تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک اور تم ان کی پوشاک ہو اللہ جانتا ہے کہ تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے سو اس نے تمہیں معاف کر دیا اور تمہاری توبہ قبول کر لی پس اب (روزہ کی راتوں میں) ان سے مباشرت (شب باشی، ہم بستری) کرو اور

اللہ نے جو تمہارے لئے لکھ دیا ہے اسکو حاصل کرو اور کھاؤ پیؤ یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات) کی سیاہ دھاری سے الگ ہو کر نمایاں ہو جائے پھر روزہ کو رات (کی آمد) تک پورا کرو۔ اور جب تم مسجد میں اعتکاف میں ہو تو عورتوں سے شب باشی نہ کرو۔ یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں ان حدود کے قریب تک نہ جاؤ اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے اپنی آیات واضح بیان فرماتا ہے تا کہ لوگ پرہیزگار بن جائیں۔

رمضان کے احکام پچھلی آیت کے ساتھ ملحق ہیں۔ ابتداءً رمضان میں صحابہ کرام دوران رمضان رات کو عورتوں سے مباشرت نہیں کرتے تھے کہ مقدس مہینہ ہے اس میں سارا وقت اذکار و نوافل میں صرف کریں، نفسانی خواہشات کو مکمل کنٹرول کریں، یکسوئی سے عبادت کریں، یہ تقویٰ کا اعلیٰ معیار تھا۔ لیکن بشری تقاضے اور ضروریات کے تحت کئی صحابہ مباشرت بھی کر لیتے لیکن اس پر پریشانی و ندامت میں رہتے۔ مختلف صحابہ نے حضور ﷺ سے اسکا ذکر کیا اسی طرح رات میں اگر نیند آ جاتی تو پھر دوبارہ کھانا نہیں کھاتے تھے اس طرح سحری بغیر کھائے گزر جاتی تھی اور رمضان کا دن غذا کی کمی کی وجہ سے مشکل ہو جاتا ان کے انسانی تقاضوں اور صحابہ کے جوش و جذبہ عبادت کو دیکھتے ہوئے خدا نے مہربانی فرمائی کہ عورتوں کے پاس بھی جاؤ اور ساری رات جب تک صبح صادق نہ ہو جائے کھاتے پیتے رہو۔ عورتوں کے تعلق کو اللہ تعالیٰ نے بڑے پیارے انداز میں بیان فرمایا کہ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ لباس کا مقصد جسم کو آرام، سکون، خوبصورتی، زینت (پوشاک) موسمی اثرات سے بچاؤ (سردی گرمی) اور جسم کے عیوب کے لئے پردہ ہے۔ عورت اور مرد کا باہمی رشتہ ان تمام خواص کا حامل ہے ایک دوسرے کے لئے پردہ، سکون، بچاؤ اور ایک دوسرے کی زینت ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خاوند اور بیوی کے تعلقات کا معیار اس طرح کا ہو جس طرح قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے۔

سحری اور وقت سحر:۔

اللہ تعالیٰ نے رات کو کھانے پینے کے بارے بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے کہ سحری تک کھاؤ۔ حضور ﷺ نے جلد افطاری کرنے اور تاخیر سے سحری کرنے مزید سحری کے وقت ضرور کھانے کی تاکید کی (فَاِنَّ فِیْ السَّحُوْرُ بَرَکَته) کہ اس میں برکت ہے یہ ظاہر ہے کہ سحری نہیں کی جائے گی تو روزے کی مشقت عبادت میں مخل ہوگی۔ اور اس طرح آدمی اس عظیم مقصد میں کمی کر دے گا۔ پھر وقت سحر میں اچھی طرح سحری کرنی چاہیے۔ سحری کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی قدرتی پیمانہ دیا ہے کہ جب ایک چھوٹی سیدھی سفید دھار پیدا ہوتی ہے تو یہ صبح کاذب ہے جس میں کھانا کی اجازت ہے اور اس کے بعد یہ سفید دھاری طرفین میں پھیلنا شروع کر دیتی ہے اس طرح صبح صادق نمودار ہوتی ہے اس کی نموداری اور پھیلاؤ تک کھانا کھایا جا سکتا ہے۔ انتہائی قطب شمالی کے علاقوں جہاں چھ ماہ روشنی اور چھ ماہ اندھیرا رہتا ہے وہاں سحری کا وقت دو ماہ تک پہنچ جاتا ہے اور زندگی کے کام

عمومی حساب سے ہوتے ہیں۔ وہاں رات دن چوبیس گھنٹوں والا نہیں۔ اسی طرح نماز کے اوقات بھی کام کے اوقات کے مناسبت سے ہیں۔

نارتھ زون میں دنوں کے لمبے ہونے کا نقشہ

سحری کے اوقات ٹراپیکل زون میں تو آسان ہیں کیونکہ رات اور دن میں واضح فرق ہوتا ہے تاریکی اور روشنی سے یہ آسانی سے پتہ چل جاتا ہے۔ خط استوا پر صبح صادق اور طلوع سورج کا وقفہ بہت قلیل ہوتا ہے۔اس کے برعکس قطبین (یعنی قطب شمالی و جنوبی) کے اطراف سورج کے زمین کے زاویہ جھکاؤ سے ایک تو دن بہت لمبا اور رات مختصر لیکن اس کے ساتھ رات کا اندھیرا نہیں ہوتا بلکہ صبح کی طرح مدھم روشنی رہتی ہے۔اس کیفیت میں مقامی علماء سردیوں کے حساب سے دن کے اوقات میں کمی کا اندازہ سحر کے وقت کے ساتھ کر سکتے ہیں یا صبح کے تین معیار ہیں۔ ایک 18 ڈگری پر Astronomical Dawn یعنی صبح سماوی دوسری12 ڈگری پر Nautical Dawn بحری صبح اور تیسری 8 ڈگری پر Civil Dawn عمومی آبادی کے لئے صبح ہوتی ہے۔
یہ ایک مذہب میں سہولت ہے جو رات کی قلت کی بناء پر مسلمانوں کے لئے ایک تحفہ ہے تا کہ وہ اپنے وقت کا تعین عمومی مصلحت (سحری اور مدت شب) کو مدنظر رکھتے ہوئے کرسکیں۔ روزے کے اختتام کے لئے غروب شمس ہے۔افطار میں جلدی کی بھی انسانی مصلحت کے تقاضے کے پیش نظر حضور ﷺ نے تلقین فرمائی۔

اعتکاف:۔

اعتکاف کا مقصد ہے کہ رمضان کے آخری دس روز مسجد میں بیٹھنا اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوکر دنیا کے تمام

کاموں سے کنارہ کشی کر لینی۔حضور اکرم ﷺ نے یہ اعتکاف فرمایا اور ایک دفع اعتکاف نہیں کیا تو سال میں بیس دن کا اعتکاف فرمایا یہ سنت موکدہ ہے (بحوالہ تفسیر مظہری) اعتکاف میں مسجد سے باہر بغیر اشد ضرورت (غذا/ نماز/ حاجت پاخانہ) نکلنا منع ہے اور اسی طرح بیوی سے مباشرت بھی منع فرمائی گئی۔مقصد یہ ہے کہ یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کی جائے اور اس بابرکت موقع سے پورا فائدہ اُٹھایا جائے (تفصیل کے لئے کتب فقہ سے رجوع کیا جائے)۔

پرہیز گاری:۔

تمام احکامات و اعمال کا مقصد ہے کہ آدمی پرہیز گار ہو۔ پرہیز گاری کا تقاضا ہے کہ جرم یا خطاء یا حکم عدولی نہ ہو اور اس کا محفوظ ترین طریقہ، طریقہ بچاؤ (Preventive Approach) ہے کہ ان مقامات یا حالات کے قریب بھی نہ جاؤ جو آخری حدود کے قریب ہیں کیونکہ آخری حد پر ہونا سو فیصد خطرے کے نیچے ہے اس لئے اللہ نے فرمایا کہ خدائی حدود کے قریب نہ جاؤ۔ اصل خطا تو ان حدود کو کراس کرنا (پار کرنا) ہے لیکن قریب تک نہ بھٹکنے کا مشورہ دے کر بچاؤ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔اس طرح کوئی خطا نہیں ہوگی اور آدمی تقویٰ کے مقام پر فائز ہوگا۔

مباشرت (ہم بستری) سے یہ حکم دیا ہے کہ جو اللہ نے لکھ دیا ہے اس کو حاصل کرو۔ اسکی ایک تشریح نیک اولاد کی خواہش ہے تا کہ انسانیت کی اچھی طرح بقا آگے چلتی رہے۔نفسانی خواہش کی تسکین تو بہت معمولی تسکین ہے اور مزید یہ حکم ہے کہ اللہ نے جو دنیا میں اشیاء بنائی ہیں (وَلَـکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا) کہ تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے اس کو اچھے طریقہ اور انسانیت کے فائدہ کے لئے حاصل کرنے کی جستجو تحقیق و علم و عمل کیا جائے جس کی آج کل مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ایک نکتہ اس طرف یہ ہے کہ حصول مقصد کے لئے پوری کوشش کی جائے اللہ نے جو لکھا ہے وہ تو ہے اس کے لئے محنت کرنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم ان کی آیات و واقعات اور انبیاء کی زندگی سراپا عمل و جدو جہد کی داستان ہے۔تقدیر کو پانے کے لئے جدو جہد ضروری ہے اور جدو جہد میں کامیابی توفیق خداوندی کا نتیجہ ہے۔

حیاتیاتی سائنس (Genetic Engineering / Micro Biology) کی جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ DNA کے خلیہ (Cell) میں پیغام Genetic Massage ریکارڈ ہوتا ہے جب کہ یہ ابتدائی درجہ Embryonic Stage پر ہوتا ہے۔یہ تحقیق اس حدیث کی وضاحت ہے جس میں آپ نے فرمایا جب بچے کو ماں کی کوکھ میں روح پڑتی ہے تو اس کے بدبخت یا خوش بخت ہونا اور موت کا دن (تقدیر) لکھ دی جاتی ہے اور شاید یہ Genetic Massage (پیغام) وہی ہے۔(تفصیل کے لئے Concept of Human Desiney and Free will with respect to the new discovery of Genome by Sultan Bashir Mehmood)

سائنس جو انکشاف بڑی جستجو اور کوشش کے بعد کر رہی ہے ان کا اشارہ ہمارے نبی ﷺ نے اپنے علم لدنی (جو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا) سے 1400 سال پہلے فرما دیا تھا۔ مشکل یہ ہے مسلمان سائنسدان اس قابل نہیں کہ سائنس اور اسلام کی ابدی سچائی سے دنیا کی رہنمائی کر سکیں۔

وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[2:188]

اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھایا کرو اور نہ مال کو (بطور رشوت) حاکموں تک پہنچاؤ کہ اس طرح تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ (ناجائز طریقے) سے کھا سکو اور تم اس کو جانتے ہو (یہ گناہ ہے)۔

معاشرہ میں معاشی استحکام اور معاشرتی استحکام کے لئے عبادات کے ساتھ معاملات کا پہلو بھی بہت اہم ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ انسانی ملکیت کا حق اور اسکا احترام بہت زیادہ ہے۔ بسا اوقات آدمی لالچ کی وجہ سے دوسرے کے حق کو غصب کرنا چاہتا ہے اور پھر اس کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوتے ہیں مثلاً سرکاری قوت، معاشرتی عزت و وقار، سرکاری عہدہ یا حکومتی درجہ یا نظام انصاف میں کمزوری کی وجہ سے رشوت کو استعمال کر کہ وہ دوسرے بھائی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ تمام طریقے اور حربے حرام ہیں اور حدیث شریف ہے کہ "میں انسان ہوں اور تم میرے سامنے جھگڑا لاتے ہو اور تم میں بعض زیادہ چرب زبان ہیں اور ان کے دلائل سن کر میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ پس یہ سمجھ لو کہ اس طرح اس نے اپنے بھائی کے حق میں سے جو چیز فیصلہ سے لی ہے تو دراصل اس کے لئے یہ فیصلہ ایک دوزخ کے ٹکڑا کا فیصلہ ہے۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَ اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ؛ فَأَقْضِي لَهُ بِنَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ أَخِيْهِ فَاِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ (بحوالہ تفسیر مظہری)

اس لئے علماء کا قول ہے کہ قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرتا کیونکہ قاضی ظاہری دلائل پر فیصلہ کرتا ہے۔

جس معاشرہ میں انسانی جان و مال کی حفاظت نہیں وہ ترقی نہیں کر سکتا اور انفرادی عمل کا کردار بہت ضروری ہے۔ عدالتی نظام اچھا ہونے کے باوجود باطن امور پر فیصلہ نہیں کر سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر منع فرمایا اور کہا تم اگر چاہتے ہو تو اس طرح کبھی نہ کرو۔ اسی طرح اپنی کمائی میں پوری طرح محنت نہ کرنا بھی مالک یا اجر کے ساتھ دھوکا ہے اور یہ آمدن بھی ناجائز ہے۔ اس طرح ایک طرف ملکی پیداوار میں یا اجر کی پیداوار میں کمی ہوتی ہے تو دوسری طرف آدمی روحانی اور رزق حلال کی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ وَ لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا

الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [189:2]

وہ آپ سے نئے چاند کے بارے پوچھتے ہیں۔آپ فرما دیں یہ لوگوں کے لئے اور حج کے اوقات کے تعین کے لئے ہے۔ یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم (حالت احرام میں) گھروں میں پشت (پیچھے) سے داخل ہو نیکی تو یہ ہے کہ تم گھروں میں ان کے دروازے سے آؤ۔ اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

صحابہ کرامؓ نے چاند کی شکلوں کے بارے میں استفسار فرمایا۔ چاند کی چاندنی اور اس کی شکل (ایک تنکے کی طرح سے لیکر مکمل چاند اور پھر کم ہو کر صرف تنکا رہ جانا) میں تبدیلی کے بارے میں پوچھا۔ چاند کے بارے میں کچھ مافوق الفطرت خیالات بھی تھے جیسے جاہل لوگ اس کو دیوتا یا خدا سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے اس کا بڑا حقیقی اور علمی جواب دیا ہے۔ چاند سے تاریخ کا تعین آسان ہے اس کی شکل اور طلوع (ظاہر ہونے) کے اوقات میں تبدیلی ہر آدمی کو تاریخ کا اندازہ دے دیتی ہے۔ مثلاً ابتدائی تاریخ میں مغرب کی طرف سے غروب سورج کے ساتھ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے پھر سورج کے غروب کے ساتھ ساتھ دیر سے طلوع اور دیر تک چمکتا ہے۔ چودھویں کو سورج کے غروب کے ساتھ ہی طلوع ہوتا ہے پھر اس کا سائز بھی بڑھ کر مکمل ہو جاتا ہے۔ اس تاریخ کو چاند کی کشش ثقل کے اثرات سے سمندروں میں تلاطم آتا ہے جس کی وجہ سے سمندر کا پانی ہلتا جلتا ہے اور صاف ہو جاتا ہے۔ پھر آخری تاریخوں میں یہ مشرق سے نظر آتا ہے اور سورج کے غروب کے بعد تاخیر سے طلوع ہوتا ہے یہ وہ اشارے ہیں جو تاریخ کا اندازہ ہر ذی شعور آدمی کو بتا دیتے ہیں۔ نئے چاند سے ہر ماہ کا پتہ چلتا ہے تا کہ لوگ حج و عمرہ اور دوسرے معاشرتی اور معاشی امور سرانجام دے سکیں۔ چاند زمین سے 389000 میل کے فاصلے پر ہے جو 29 دن چھ گھنٹے 44 منٹ اور 28 سیکنڈ میں زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔ چاند اور تاروں کی چمک نے علوم فلکیات کی بنیادیں رکھیں جن پر چل کر آج سائنس آگے پہنچی ہے۔ اسلامی مہینے قمری ہیں اس کا فائدہ ہے کہ 35 سال کے اندر ہر قسم کا موسم ہر ماہ میں دوبارہ مل جاتا ہے۔ اس طرح رمضان اور حج ہر موسم میں ہر ملک کے لئے بدلتے رہتے ہیں جس میں انسان کے لئے آسانی ہے۔

آیت میں کچھ اور تعلیمات بھی ہیں۔ انصار بالخصوص احرام باندھ کر سامنے کے دروازے سے آنے کی بجائے پچھلی طرف سے سوراخ کر کے یا دیوار پھلانگ کر آتے اور اسے اعلیٰ عبادت تصور کرتے یہ اور دوسرے انسانی توہمات کے بارے ہمیں منع کیا گیا ہے کہ ان رسومات یا انسان کی تخلیق کردہ رواجوں کو مذہب یا عبادت کا درجہ نہیں دینا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل اور نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرنا ہی دین ہے۔ اللہ سے ڈرنا تقویٰ ہے اسی میں انسان اور مسلمان کی کامیابی ہے۔

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

[190:2]

اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ [191:2]

اور (دورانِ جنگ) ان کو جہاں بھی پالو مار ڈالو اور انہیں وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت (جرم) ہے اور تم ان سے مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کے پاس جنگ نہ کرو حتیٰ کہ وہ خود تم سے وہاں جنگ نہ کریں پھر اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی جنگ کرو (قتل کرو) (ایسے) کافروں کی یہی سزا ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [192:2]

پس اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ تعالیٰ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ [193:2]

اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (نظام زندگی) اللہ کے لئے ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی روا نہیں۔

اسلامی اصول حرب/جنگ:۔

یہ آیات اس موقع پر نازل ہوئیں جب مسلمان صلح حدیبیہ کے بعد دوبارہ حج کے لئے جا رہے تھے اور خدشہ تھا کہ کفار بیت الحرام میں جنگ نہ کریں۔اسلام کے اصول جنگ اور مقصد جنگ اور طریقہ جنگ کے بارے ان آیات میں اصولی احکام نازل فرمائے گئے ہیں۔مقصد جنگ اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اللہ کے احکام کی سر بلندی اسکا مقصد حکومت کا بڑھانا دوسروں پر اپنی طاقت کا اظہار نہیں بلکہ حق کی آواز کو ہر ایک شخص کے لئے مہیا کرنا اور اسے یہ اختیار دینا کہ وہ چاہے تو اس کو قبول کرے یا چاہے تو اس کو قبول نہ کرے۔

شہادت ہے مطلوب مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اصول جنگ یہ ہے کہ اُن سے جنگ کی جائے جو زیادتی کرتے ہیں (یقاتلونکم) تم سے قتال کرتے ہیں۔ اسلام یا تمہارے اسلامی معاشرے کے لئے ایک خطرہ ہیں اور اپنا ظلم لوگوں پر مسلط رکھتے ہیں۔ ان کے ظلم سے لوگوں کو چھٹکارا دلوانے کے لئے یہ جنگ ہے (جو تمہیں گھروں سے نکالتے ہیں یعنی تمہارے امن کو تباہ کرتے ہیں جس طرح کفار مکہ مسلمانوں پر حملہ کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے بلکہ حملے کرتے تھے مسلمانوں پر انتہائی ظلم کئے گھروں سے نکالا بلکہ کمزوروں کو نکلنے سے بھی روکتے اور ظلم بھی کرتے تھے) تاکہ انسانی معاشرہ ظلم اور استحصال سے محروم ہو کر گہوارہ امن رہے۔ اور طریقہ جنگ یہ ہے کہ زیادتی نہ کی جائے وہ لوگ جو جنگ میں عملی طور شریک نہ ہوں مثلاً کمزور عورتیں ، گھروں میں بیٹھی عورتیں ، بوڑھے ، بچے ، معذور یا وہ افراد جو عملی جنگ کا حصہ نہ ہوں ، عبادت گاہوں میں بیٹھے لوگ (یہ لوگ زیادتی کرنے والوں المعتدین میں نہیں ہیں) لہٰذا ان کو قتل نہ کیا جائے۔ اس کا فلسفہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو ہدایت حضور کی احادیث اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں اسلامی لشکروں کو دی گئی ہیں ان کی روشنی میں یہ ہے۔(۱) جنگ میں پہل نہ کی جائے اور جو جنگ کرتا ہے اس سے کی جائے۔ (۲) فصلات اور کاشتکاری جنگل یا ذرائع معاش کو تباہ نہ کیا جائے جب تک دفاعی مجبوری نہ ہو۔ (۳) امن قبول کرنے والے کو قتل نہ کیا جائے ، جو لوگ صلح کریں ان سے جنگ نہ کی جائے۔ (۴) کمزوروں اور جنگ میں عملی طور پر نہ شامل افراد کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ (۵) قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ (۶) جو فتنہ کا اصل محرک اور فتنہ موجود ہے (یعنی ظلم ، خوف کا) اس کا مکمل طور پر سد باب کیا جائے اور اس کو ختم کیا جائے تاکہ اسلامی اور پر امن معاشرہ کو استحکام مل سکے۔ (۷) جو لوگ قتل و فتنہ کے لوگ ہیں ان کو قتل کیا جائے تاکہ عبرت کا سبب بن سکیں۔

یہ وہ اصول ہیں جو آج بھی دنیا کے اعلیٰ ترین قوانین میں مکمل طور پر موجود ہیں۔ اور ان موجودہ قوانین کی اساس وہی اصول ہیں جو اسلام نے چودہ سو سال پہلے بیان فرمائے تھے۔ اسلامی جہاد کا فلسفہ امن برائے انسانیت ہے اور دفاعی انداز کو اس قدر مضبوط کرنا ہے کہ ایک دافع (حملہ کرنے والے کے لئے خطرہ) بن جائے یعنی Effective Deterrent ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ظلم کو ظالم کو روک کر اور مظلوم کی مدد کر کے مٹایا جائے (بحوالہ حدیث بخاری شریف) آیات میں <u>فتنہ</u> کا لفظ اہم ہے۔ عربی میں آگ پر گرم کرنے کے پروسس کو کہتے ہیں جس میں سونا سے اسکے دوسرے کم درجہ اجزاء (کھوٹ) پگھل کر نکل جاتے ہیں اور اس سے مراد معاشرہ میں ظلم سے یعنی مذہبی تعصب کی بناء پر قتل (Persecution) ہے جس طرح کفار مکہ مسلمانوں سے کرتے تھے اور آج بھی مختلف معاشرے دوسرے مذاہب کو ختم کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق بطور انسانیت مسلمان سے کم نہیں۔ مسجد حرام کی حرمت کے باوجود انسانی جانوں کی حفاظت کے تحت اجازت فرمائی کہ اگر

کفار قتل کریں تو تم بھی قتل سے دریغ نہ کرو (یہ صحابہ کرامؓ کو مکہ شریف میں جنگ کے خوف کے بارے احکام تھے)۔آیات میں بار بار زیادتی سے منع کیا گیا ہے اور ظالموں کے سوا ہر ایک سے درگزر کرنے کو کہا گیا ہے۔اس طرح کی تعلیمات جو انسان کی عظمت وحفاظت کے لئے ہوں کسی اور مذہب نے نہیں دیں۔

اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَ الۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ [2:194]

ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام میں ہے۔(دیگر) حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کا بدل ہیں پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَ اَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ وَ اَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ [2:195]

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی اختیار کرو اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

پچھلی آیت میں صحابہ کرامؓ کے مکہ حج کے لئے سفر پر کفار کیساتھ لڑائی کے خدشات کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ اگر حرمت کے مہینہ میں وہ جنگ کرتے ہیں تو جنگ کی جائے۔جس طرح وہ حرمت کو پامال کرتے ہیں تو ان کو اس کی سزا دی جائے لیکن زیادتی یا مقابلہ اسی قدر ہو جس قدر انہوں نے کیا ہے یعنی اینٹ کا بدلہ اینٹ اور پتھر کا بدلہ پتھر سے دیں۔اس میں بھی ظلم و زیادتی سے منع فرمایا گیا اور اس کا اجر یہ ہے کہ اللہ کی نصرت و مدد اور رحمت جو اس سے ڈرتے ہیں ظلم نہیں کرتے ان کے ساتھ ہے۔اس سلسلہ میں بتانا ضروری ہے کہ عربوں کے ہاں چار مہینے ایسے تھے جن میں جنگ و جدال، حج وعمرہ کے لئے چھوڑ دیتے۔ یہ ذوالقعدہ، ذوالحج محرم تو حج کے لئے تھے اور رجب کا مہینہ عمرہ کے سفر کے لئے تھا۔مقصد یہ تھا کہ سفر کرنے والے محفوظ سفر کریں اور حج وعمرہ کر لیں۔صحابہ کرامؓ بھی حج کے لئے آئے تھے اس لئے خدشہ تھا کہ شاید اہل مکہ ان حرمت والے مہینوں کو نظر انداز نہ کر دیں۔اللہ تعالیٰ نے دفاع کرنے اور ظلم کے خلاف جدو جہد کا حکم فرمایا خواہ حرمت کا مہینہ کیوں نہ ہو۔ ہر حرمت کا قصاص کا مطلب ہے کہ ہر پابندی یا معائدہ کی خلاف ورزی جرم ہے اور قابل سزا ہے تا کہ معاشرہ میں امن و استحکام ہو۔مسلمانوں کے اندر اختلاف کی صورت میں اور بین الاقوامی قوانین میں اگر کچھ مہینے صرف امن وانسانیت کے لئے ہوں تو اس کا انسانیت کو بہت فائدہ ہوگا۔

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم ہے۔ یہ انسانی نفس وخواہش کا بڑا مشکل امتحان ہے کہ ایک طرف دولت و مال کی محبت اپنے لئے ، اولاد کے لئے اور دوسری طرف اللہ کے دین جس میں سب کی سلامتی اور اس کے لئے بھلائی ہے۔ یہ کام بہت مشکل اور بہت اہم ہے اور اس سے انکار کرنا اپنے آپ اور معاشرہ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا صرف مال ہی نہیں اگر مال نہ ہو تو جان وانسانی اعمال ہیں۔ پھر خرچہ Consumerism کی طرف ترجیح ہے تاکہ دولت کی تقسیم میں آسانی ہو اور معاشرہ میں اقتصادی نمو (Economic Growth) کا سبب بنے۔ اس طرح معاشرہ کو ہلاکت سے محفوظ کرنا ہے۔ یہ وہ ثمرات ہیں جن کا علم ہمیں علم معاشیات میں بھی تحقیق سے ہوا ہے۔

ایک اور اہم حکم ہے کہ بھلائی کرو۔ احسان کرو۔ اچھے اعمال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ یہ اصول دینی اعمال اور دنیاوی (معاشرتی ومعاشی) اعمال کے لئے بہت اہم ہے۔ دینی اعمال کے بارے حضرت عمرؓ کی طویل حدیث جس میں ایمان اور احسان اور قیامت کے بارے کی تفصیل بتاتے ہوئے حضورﷺ نے احسان کی تعریف فرمائی "**اعبد اللہ کانک تراہ فان لم تراہ فانہ یراک**" اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا اسکی ذات کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے تو یقین کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ جس قدر خوبصورت جامع عبادت کا فلسفہ بیان فرمایا محبت اور حکم کے درجے کا امتیاز بھی ظاہر کر دیا۔ یہ عمل جہاں عبادت میں اہم ہے اسی طرح دنیاوی اعمال میں لگاؤ کا بڑا درجہ ہے اور اس کا نتیجہ بھی اچھا نکلتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں مصنوعات کا اعلیٰ درجہ اور ترقی وہاں کے کارکنوں کے اپنے کام لگن اور توجہ کا نتیجہ ہے اور اس کے برعکس جہاں کام کرنے والے لگن سے کام نہیں کرتے ان کی مصنوعات کا معیار ناقص ہوتا ہے اور وہ مقابلہ میں رہ جاتی ہیں۔ انسانی بھلائی کے بارے چند احادیث تحریر ہیں:

تحب اللناس ما تحب لنفسک و تکرہ لھم ما تکرۃ لنفسک(رواہ احمد عن مغاذ) لوگوں کے لئے وہ پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو۔ حضرت ابوھریرہ کی روایت ہے کہ جب سوال کیا گیا کہ کونسی چیز اسلام میں افضل ہے تو فرمایا جو تمہارے درمیان اخلاق میں بہتر ہے۔ **فی جواب ای الاسلام افضل وقال ان من احبکم الیٰ احسنکم اخلاقاً** (روایت سنن و صحیح البخاری 3759) ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں بھلائی کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ اگر تم ذبح کر رہے تو دردناک طریقے سے ذبح نہ کرو اور جب کسی جانور کو ذبح کرنے لگو تو چھری تیز کر لو تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو (بحوالہ صحیح المسلم الصید والزبائح 1955) **اِنَّ اللہَ کَتَبَ الْاِحسَانَ عَلٰی کُلِّ شیءٍ فَاِ ذَا قَتَلْتُم فَاَ حْسِنُو الْقِتْلَۃَ وَ اِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَ حْسِنُو الذِّبْحَۃَ ، وَ لْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ، وَلْیُرِحْ ذَبِیحَتَہٗ.** ان چند احادیث سے ظاہر ہے کہ بھلائی اسلامی معاشرہ میں انتہائی اہم ہے۔ اہل دل صوفیاء کے نزدیک **انفقو** (خرچ کرو) سے مراد لیتے ہیں کہ اغنیاء (امیر لوگ) اپنے معاشی مال ونقد خرچ کریں۔ عبادت گزار (عابدین) اپنی عبادت ونفس، عارفین (اللہ کو جاننے والے اولیاء) اپنے دلوں (قلوب) اور

(محبین خدا) اپنی روحیں اللہ کی ذات کی رضا کے لئے خرچ کر دیں، کیا یہی بلند محبت کا مقام ہے۔

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ [2:196]

اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو پھر اگر تم راستے میں روک لئے جاؤ تو جو بھی قربانی میسر آئے کر و اور اپنے سر کے بالوں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے۔ پھر تم میں جو کوئی مریض یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (قبل از وقت سر منڈوانے والے کے) تو اس کے بدلے روزے یا صدقہ یا قربانی کرے۔ پھر جب تمہیں امن نصیب ہو تو جو کوئی عمرہ اور حج کو ساتھ ملانے کا فائدہ اُٹھائے تو جو بھی قربانی میسر آئے (کردے) پھر جسے یہ بھی میسر نہ ہو وہ تین دن روزے (حج کے زمانہ میں) اور سات جب تم حج سے واپس گھر پہنچو یہ پورے دس (روزے) ہوئے۔ یہ (رعایت) ان لوگوں کے لئے ہے جس کے اہل وعیال مسجد الحرام کے پاس نہ رہتے ہوں اور اللہ سے تم ڈرتے رہو اور جان لو کہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ [2:197]

حج کے چند مہینے معلوم (مقرر) ہیں جو شخص ان مہینوں میں حج اپنے پر لازم کیا تو حج کے دنوں میں عورتوں سے شہوانی فعل نہ برا کام (گناہ) اور نہ جھگڑا کرے اور تم جو بھی نیک کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ اپنے ساتھ سفر کا زاد راہ لے لو، بہترین زاد راہ تقویٰ (پرہیز گاری) اور اے عقل مندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔

فریضہ حج:۔

ان دو آیات سے قبل ماہ حرام کا ذکر تھا اسی مضمون کو مزید حج کی تفصیل میں بیان فرمایا گیا ہے، حج کے مہینے ذوالقعد، ذوالحج اور محرم الحرام ہیں۔ اس کے تفصیلی احکامات فقہ کی کتابوں میں درج ہیں۔ اسلام کے پانچ ستونوں (ایمان، نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ) میں ایک ہے، زندگی میں ایک بار ہر عاقل بالغ جس کے پاس اس کے سفر کے اخراجات اور دورانِ سفر اس کے زیرِ کفالت افراد کے اخراجات عمومی اخراجات کے بعد ہوں تو اس پر لازم ہے کہ یہ فرض ادا کرے۔ حج بیت اللہ کرے اور حضور ﷺ کے روضہ زیارت اور مسجد النبی میں نمازیں ادا کرے۔ جس قدر جلد فرض ادا کیا جائے گا اتنا بہتر ہے۔ حج کا مقصد اللہ کی رضا میں جان و مال کی قربانی، امت مسلمہ کا اتحاد اور اخوت کا مظاہرہ ہے اس کے سیاسی، معاشرتی اور روحانی فوائد ہیں۔ اس کے فضائل و برکات پر کافی کتب موجود ہیں۔ سفر کے دوران سب سے اہم بات امن و سلامتی، محبت اور ہر قسم کا معمولی لڑائی جھگڑا کا بھی مکمل خاتمہ ہے۔ دوران احرام کسی زندہ چیز کو مارنا جرم ہے جس کے لئے کفارہ دینا پڑتا ہے یہ اس بات کا درس ہے کہ اسلام انسان تو ایک طرف جاندار اشیاء کے لئے بھی سلامتی کو اہم سمجھتا ہے۔ سفر کے لئے ہدایت فرمائی گئی کہ مناسب (معتدل مقدار) میں اپنا زاد راہ ساتھ رکھو۔ گداگری کے ذریعے حج کرنا اور اسے توکل کہنا اس کے علاوہ فضول خرچی کا سامان بھی منع ہے لیکن سب سے اہم اس سفر کا زاد راہ اللہ کا خوف، اسکی محبت اور پرہیز گاری ہے جس پر قبولیت کا دارو مدار ہے۔ اور ان کو سمجھنے اور عمل کرنے والوں کو عقل مند کے خطاب سے پکارا گیا ہے۔ دورانِ سفر اگر بیماری، خوف یا اور کوئی ایسا عارضہ (سبب بن جائے) کہ حج و عمرہ کا سفر جاری نہ رہ سکے تو اس کے لئے کفارہ کے احکام کا ذکر ہے کہ قربانی کرے، روزے رکھے یا صدقہ دے تا کہ اس کمی کی تلافی ہو جائے اور احرام کھول سکیں۔ مکہ شریف کے قریب (حدود میقات کے اندر) رہنے والوں کے لئے یہ نہیں کیونکہ وہ دوبارہ سفر کر سکتے ہیں لیکن دور کے صوبوں یا ممالک سے آنے والوں کے لئے یہ رعایت دی گئی ہے تا کہ ان مقصد پورا ہو اور دوبارہ سفر کرنے سے بچ جائیں۔ حج صرف اکیلا بھی کیا جاتا ہے اور دوسری طرف ہے کہ عمرہ اور حج ایک سفر میں کیا جائے یعنی پہلے عمرہ مکمل کر کے اس کے بعد دوبارہ حج کو شروع کیا جائے اسے تمتع کہتے ہیں۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلاً مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ وَ اذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰكُمۡ وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ

[198:2]

اگر تم حج کے ساتھ اپنے رب کا فضل بھی تلاش (تجارت کے ذریعہ) کرو تم پر کوئی حرج نہیں۔ پھر جب تم عرفات سے واپس ہو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس اللہ کا ذکر کیا کرو اور اس کا ذکر اس طرح کرو جیسے

اس نے تمہیں ہدایت فرمائی ہے اس (اسلام) سے پہلے تم گمراہوں میں تھے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [2:199]

پھر تم وہاں سے جا کر واپس آیا کرو جہاں سے (اور) لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے خوب معافی طلب کرو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

پچھلی آیات کے ساتھ ان آیات میں بھی حج کے احکام ذکر فرمائے ہیں کہ جہاں سے عام لوگ واپس پلٹے ہیں یعنی مقام عرفات سے واپس پلٹو اور مزدلفہ کے مقام پر رات گزارو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا اسکا سبب یہ ہے کہ قریش اپنے آپ کو اونچا اور دوسروں سے بزرگ قبیلہ خیال کرتے ہوئے اپنے کو علیحدہ اس طرح رکھتے کہ عرفات تک نہ جاتے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر ہی واپس لوٹ آتے جب کہ دوسرے قبائل مقام عرفات جا کر واپس آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس متکبرانہ انداز سے منع فرمایا کہ تم عام لوگوں کی طرح عرفات جا کر واپس آؤ تا کہ انسانی مساوات کی مثال قائم اور یہ تمام مسلمانوں کے لئے حکم ہے کہ قومیت یا رنگ کی بناء پر تکبر نہ کریں۔

مقام عرفہ:۔

حج کا اہم رکن (فرض) وقوفِ عرفات یعنی میدانِ عرفات میں زوال سے قبل موجود ہونا ہے یہ عرفات کا مقام اس لئے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت حوا سے جنت سے نکلنے کے بعد ملاقات ہوئی تھی یہ مکہ مکرمہ سے سولہ کلو میٹر دور باہر واقع ہے۔ یہ جگہ مغفرت و رحمت کی ہے، یہیں ایک پہاڑی پر حضور دو عالم نے حجۃ الوداع کا خطبہ اونٹنی پر سوار ہو کر ایک لاکھ سے زائد افراد کے اجتماع کو دیا تھا جو تمام دنیا میں انسانوں کے حقوق کا بہترین چارٹر ہے۔ اور آپ نے لوگوں سے اپنے فرض کی ادائیگی (یعنی پیغام الٰہی کے پہنچانے) کی گواہی لی تھی۔ اس کے بعد مشعر الحرام جہاں رات رہنے کا حکم ہے وہ مزدلفہ ہے جہاں رات کو تمام حاجی کھلی فضا میں روز محشر کی طرح سو رہے ہوتے ہیں پھر منیٰ (مقام قربانی) کی طرف سفر ہے اور راستے میں شیطان کو کنکریاں مار کر انسانی نفس امارہ پر فتح حاصل کی جاتی ہے۔ یہ تمام مقامات اپنے اپنے واقعات کے لحاظ انتہائی اہم ہیں۔ عرفات مقام معرفت، مزدلفہ مقام وصل، منیٰ مقام نعمت اور جمراۃ (کنکریاں مارنے والی جگہ) مقام مغفرت ہے۔ یہاں کے لمحات قیمتی اور زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

اخراجات حج:۔

عربوں کو ایک خیال تھا کہ دورانِ سفر حج کسب معاش کو گناہ سمجھتے تھے، کہتے دنیا داری ہے اس لئے طویل مسافت سے آنے والوں کے لئے اخراجات ایک مسئلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بوسیدہ نظریہ کو رد فرمایا اور حکم دیا کہ اللہ کے فضل کو تلاش کرو، یعنی

دورانِ سفر اگر تجارتی اعمال کئے جائیں جس سے سفر آسان ہوگا۔ اس کا مقصد ہے کہ محنت مزدوری تجارت سے اللہ کا فضل حاصل کیا جائے۔ تجارتی نقطہ نظر اور سیاسی اور سماجی نقطہ نظر سے حج کا موقع ایک انتہائی اہم اتحاد امت کا موقع ہے۔ جہاں مسلمان ممالک اپنی اشیاء کا تبادلہ وتجارت کر سکتے ہیں، باہمی تجارت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ علمی اجتماع کے ذریعے علماء کا اجماع (یعنی فقہی اتحاد) پیدا کیا جا سکتا ہے اور نئے نئے امور پر اجتہادی رائے حاصل کی جا سکتی ہے۔ کاش امت مسلمہ اور اس کے حکمران اس بابرکت عمل اور فرض کی مذہبی روحانی برکات کے علاوہ دوسری برکات سے فائدہ اُٹھائیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ [200:2]

پھر جب تم حج کے ارکان پورے کرلو تو اللہ کا خوب ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کا (شوق) سے کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ شوق سے اللہ کا ذکر کرو۔ پھر لوگوں میں (ذکر کرنے والے) ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں ہی عطا کر اور ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ [201:2]

ان لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ [202:2]

یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی کمائی (نیکی) کے مطابق حصہ (دونوں جگہ) پایا اور اللہ جلدی سے حساب کرنے والا ہے۔

بہترین دعا:۔

انسان اپنے اباؤ اجداد کا ذکر بڑی خوشی وفخر سے کرتا ہے اگر ان کے بارے کوئی بری بات کرے تو اس سے لڑ پڑتا ہے۔ عرب ایام جاہلیت میں حج کے بعد مختلف مقامات پر بیٹھ کر قصیدوں اور نظموں سے اپنے اپنے قبائل کی تعریفیں کرتے تھے جو غلو سے بھری ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما کر ہدایت کی کہ حقیقی منعم اور مہربان کا ذکر بڑھ کر کرو (اشدّ ذکرا) اللہ کے ذکر کے کئی طریقے ہیں مثلاً اللہ کے اسمائے باری کا ذکر، قرآن کی تلاوت و سمجھنا، احادیث کا ذکر، مسجدوں کی تعمیرات اللہ کی رضا کی خاطر محتاجوں کی مدد اور بھوکوں کو کھانا کھلانا وغیرہ ہیں۔ ایک اہم نکتہ اس میں بڑائی یا نمائش نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا ہو یہی حق کا

راستہ ہے۔ ذکر کے ساتھ دعا کا فلسفہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ اللہ کو ماننے والے بھی عقل و سمجھ کے مختلف درجہ پر ہیں کچھ صرف دنیا کے طلبگار ہیں ۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

وہ صرف اسی دنیا جو چند سالوں کہ ہے کے مسائل میں پھنس کر رہ جاتے ہیں اور ان سے چھٹکارا کو کامیابی سمجھتے ہیں ابدی دنیا کی حقیقت و اہمیت سے غافل ہیں لہٰذا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے ان کی محنت کے صلہ میں دنیا ہی کر دیتا ہے لیکن وہ آخرت سے غافل تھے اس لئے اس میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا داروں کی دعا قبول کرتا ہے ان کی کوششوں کا صلہ ان کو دیتا ہے وہ کم عقل مسلمان ہو کافر یا کوئی بھی ہو۔ لیکن دنیا صحیح مسلمان اور مومن کے آگے بہت معمولی ہے وہ دنیا میں بھلائی ضرور چاہتا ہے لیکن اس کا مقصود اعلیٰ آخرت میں کامیابی ہے، مومن کا نظریہ مختلف ہے۔ جس کو علامہ اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معنی میں تفاوت نہیں لیکن — ملا کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور

لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کے بدلے دعا قبول کرتے ہوئے اسے دنیا اور آخرت میں کامیابی عطا فرماتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس دعا کے پڑھنے کی تلقین فرمائی آپ اکثر یہی دعا پڑھتے اور اسی کو حاجی طواف کے وقت حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان پڑھتے ہیں اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے آسانی اور بھلائی مانگنی چاہیے۔ یہ چند الفاظ کس قدر اہم ہیں جن میں اس جہاں اور اگلے جہاں کا سب کچھ جو انسان کے لئے بھلا اور مفید ہے مانگ لیا گیا ہے۔ بھلائی کے لفظ کی تفسیر اور تعبیر بہت بڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ جہاں اپنے نافرمانوں کو بہت ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنی آرزوئیں پوری کر سکیں اور آخرت میں ناکام ہوں۔ وہاں حساب و کتاب لینے میں بہت سریع ہے اسکا حساب کسی وقت بھی اور فوراً پورا حساب لے لیتا ہے۔ لہٰذا وقت اور مہلت سے فائدہ اُٹھا کر اس کو یاد اور اس سے توبہ کرنی چاہیے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ [203:2]

پس اللہ کو ان چند دنوں میں (خوب) یاد کرو پس جو (منیٰ سے) دو دن جلدی واپس چلا گیا اس پر کوئی حرج نہیں اور جس نے تاخیر کی تو اسکی بھی کو حرج نہیں جس نے پرہیزگاری اختیار کی۔ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب اس کے حضور پیش ہو گے۔

حج کے ان ایام میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور بالخصوص پوری توجہ سے کرنے کا حکم ہے۔حج کے مکمل ہونے کے بعد منیٰ میں دو روز قیام ہو یا تین روز دونوں میں کوئی حرج نہیں، اہم چیز ٹھہرنا نہیں بلکہ اللہ کا ذکر، اسکی محبت اس کا خوف اور اس سے رحمت کی امید ہے۔اور یہ ایام بہت اہم ہیں۔اے اللہ میں حاضر ہوں کی صدا جو احرام کے شروع سے احرام کے کھلنے تک لگتی رہی ہے اسکی روح یعنی تقویٰ کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ ایک دن (قیامت) ہمیں اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔مقبول حج کا صلہ یہ ہے کہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُہٗ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یُشۡہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیۡ قَلۡبِہٖ ۙ وَ ہُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ [2:204]

اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کی دنیاوی گفتگو تمہیں اچھی لگتی ہے وہ اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بناتا ہے اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡہَا وَ یُہۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ [2:205]

جب آپ سے وہ پھر جاتا ہے (دور جاتا ہے) تو وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ زمین پر فساد پھیلائے کھیتوں اور انسانوں کو تباہ کرے، اور اللہ فساد ہرگز پسند نہیں کرتا۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتۡہُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُہٗ جَہَنَّمُ ؕ وَ لَبِئۡسَ الۡمِہَادُ [2:206]

جب اسے اس فساد پر کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اس کا غرور اسے مزید گناہ پر اکساتا ہے، پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

انسانی صفات کا تجزیہ:۔

آیات مبارکہ انسانی صفات و کیفیات کا تجزیہ کرتی ہیں کہ انسان کا ظاہر کتنا خوبصورت ہو، انداز گفتگو کتنا دلنشین ہو لیکن دراصل اس کے اندر کے اچھے جذبات اہم ہیں کہ وہ کس قدر انسان دوستی کو پسند کرتا ہے یا انا غرور اپنی عظمت کی خاطر ہر رکاوٹ انسانی ہو یا حیوانی یا نباتاتی تہس نہس کر دیتا ہے اور پھر جھوٹے دلائل چرب زبانی سے منطق چلاتا ہے جب اسے نیکی کا مقصد یاد دلایا جاتا ہے یا ٹوکا جاتا ہے تو اپنے شیطانی غرور کی وجہ سے اور بھڑکتا ہے اور فساد کو ہوا دیتا ہے۔ان آیات کا مصداق مدینہ شریف میں ایک منافق اخنس بن شریف تھا جو خوبرو و خوب گفتگو تھا۔حضور کی مجلس میں قسمیں اُٹھا کر اسلام کی وفاداری کا اعلان کرتا لیکن

در پردہ پکا منافق تھا اور ہر وقت فساد بھڑکانے کا منتظر رہتا۔ یہ کیفیت ایک انسانی شیطانی جذبہ کا نتیجہ ہے جو آج بھی قائم ہے اور تہذیبوں کے تصادم اور سیاسی و معاشی دشمنی کا اصل سبب ہے جس نے (Colonial) استعماری اور نو آبادیاتی نظام کو فروغ دیا۔مختلف تنظیمیں ، ادارے دوسرے قوموں اور افراد کے معاشی و سماجی اور نظریاتی تباہی اپنے دل لبھانے والے پروگرامز کے ذریعہ کرتے ہیں۔

مارکیٹنگ تکنیک (Marketing Strategy) کا خوب تجزیہ ضروری ہے۔ظاہری امور دیکھ کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ دوست دشمن کی صحیح پہچان کرنی چاہیے یہ رہنمائی آیت میں واضح ہے۔اگر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر اقوام کے مسائل کا تجزیہ کریں تو اسکی عملی تطبیق نظر آتی ہے۔اس میں فساد کے ضمن میں انسانی اور زرعی تباہی کا ذکر ہے۔زرعی تباہی کے ضمن میں زراعت کے ساتھ قدرتی ماحول کا بھی تعلق ہے جو انسان صنعتی ترقی کی وجہ سے نقصان اُٹھا رہا ہے۔ایک عالمی ادرہ کی رپورٹ United Nations Environment Programme (UNEP) کے مطابق صنعتی ترقی کے سبب آلودگی گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے فضا میں پھیل رہی ہے۔ بیس تیس سال میں حیوانات وجنگلی پودوں کی تقریباً ایک ملین (دس لاکھ) اقسام ختم ہو جائیں گی۔ Biological Diversity International Environmental Educational Programme (IEEP) of UNEP

اس صنعتی ترقی نے ترقی یافتہ اقوام کے لئے تو بہت زیادہ سہولتیں میسر کی ہیں لیکن دنیا میں غربت اور پسماندگی میں زیادہ اضافہ کر دیا ہے آج کل 70% آبادی غریبی میں رہتی ہے اور زمینی خزانوں کا فائدہ غریب ممالک کی بجائے ترقی یافتہ ممالک اُٹھا رہے ہیں جبکہ فضائی آلودگی مثلاً ماحول کی آلودگی ،گندگی کا پھیلاؤ ، زہروں کا چھڑکاؤ، درختوں کا کٹاؤ،مختلف گیسوں کی تیاری اوراخراج ،حرارت کا اخراج ،کاربن ڈائی آکسائیڈ اور گلوبل وارمنگ وغیرہ میں برابر کے حصے دار بن جاتے ہیں۔اس طرح کی کیفیت بھی انسانیت کے ساتھ منافقت ہے UNO World Economic Situation Project Report (2017) 70% Population less than $ 12 per day Gross National Income (GNI)۔آیت میں فرمایا گیا ہے کہ انسان اپنے برے نفسانی خواہشات وجذبات کی وجہ سے فساد کرتا ہے لیکن اللہ تعالی اس فساد کو پسند نہیں کرتا۔ قدرت چاہتی ہے کسی قسم کا انسانوں حیوانوں یا نباتات کے لئے فساد نہ ہو۔اس لئے قدرتی ماحول کی حفاظت ہمارا اہم فرض ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ

[207:2]

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے (پہلے کے برعکس) جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے بدلے اپنی جان بیچ ڈالتا

ہے اور اللہ اپنے بندوں کے ساتھ لطف و کرم کرنے والا ہے۔

جہاں ایک طرف ان افراد کا ذکر تھا جو سراپا شیطانی کردار اور صورت کے مختلف اور فساد کا مرکز و منبع بنتے وہاں دوسری طرف وہ انسان بھی ہیں جو حق کے لئے اپنا سب کچھ لٹانے پر تیار ہیں بلکہ لٹا دیتے ہیں ان کا مقصد اللہ کی رضا ہے۔ یہ لوگ جہان کے لئے سراپا رحمت ہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مکہ سے ہجرت کر کے جا رہے تھے تو کفار نے مکہ میں روک دیا آپ نے کہا کہ میرا سب کچھ مال و دولت جو مکہ میں ہے لے لو اور مجھے جانے دو جس پر وہ راضی ہو گئے، مدینہ شریف میں جب حاضر ہوئے تو حضورﷺ نے آپ کی خوش نصیبی کا ذکر فرمایا (ربح البیع ابا یحییٰ) (ابا یحییٰ تمہاری خریداری نفع والی ہے یعنی ہجرت مال دے کر کی)۔ انسان اپنی زندگی اللہ کی رضا کے لئے وقف کر دیتا ہے یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد حتیٰ کہ جان کی قربانی سے بھی نہیں رکتا۔ حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کونسا جہاد افضل ہے تو آپﷺ نے فرمایا اَفْضَلُ الْجِهَادَ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (ظالم حکمران کے سامنے حق کی بات کرنا سچی بات کرنا بہترین جہاد ہے) (بحوالہ ابن ماجہ کتاب الفتن باب امر بالمعروف و نہی عن المنکر) یہ تو ایک واقعہ ہے اس کے علاوہ کئی واقعات اور بھی موجود ہیں جو رہتی دنیا تک حق کے لئے قربانی اور عمل کا قابل تقلید نمونہ رہیں گے۔

بنا کردند خوش رسمے و خاک و خون غلطیدند
خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طنت را

(خاک و خون میں لپٹ کر کتنی خوبصورت بنیاد رکھی ہے۔ اللہ ان پاک نفس عاشقوں کو بخش دے)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ [208:2]

اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے راستے پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

پچھلی آیت میں اہل صفا کا ذکر تھا اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ اور اپنی مصلحتوں کو نظر انداز کر دو۔ شیطان کی پیروی نہ کرو وہ کھلا دشمن ہر وقت مختلف بہانوں سے اسلام سے دور کرتا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس نے ہر نظام عمل کی راہنمائی اصولوں سے کی ہے جس میں عدل، حکومت، معاشیات، تجارت، صنعت، تعلیم، سائنس، معاملات، مساوات، معاشرت، سیاست سب شامل ہیں۔ یہ نہیں کہ مسلمان کچھ لے لیں اور کچھ چھوڑ دیں، حق و باطل کے درمیان لٹک

جائیں اس طرح نفاق کا شکار ہو جائیں گے یہ منافق کی علامتیں ہیں۔اگر شیطان یہ بہکاوا دیتا ہے کہ کچھ نہ کچھ تو کر لیا ہے یہ مسلمان کو مومن بننے سے محروم کرتا ہے۔اس طرح ایک مسلمان منافقت کی وجہ سے اسلام کی برکت سے اس دنیا میں بھی محروم ہو جاتا ہے کیونکہ اسلام پر پورا عمل نہیں کرتا اور آخرت میں بھی محروم رہتا ہے۔بدقسمتی سے مکمل مسلمان معاشرے بھی آج کل اس کا شکار ہیں اور مکمل اسلام ان میں نافذ العمل نہیں۔آدمی نماز پڑھ لیتا ہے، حج کر لیتا ہے لیکن امر بالمعروف ونہی عن المنکر ، عدل، معاملات میں اسلامی اصول پر عمل نہیں کرتا۔آسان اعمال پر زور دیا جاتا ہے اور مشکل کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ [2:209]

پس اگر تم لغزش کھا جاؤ جب کہ تمہارے پاس واضح نشانیاں اور ہدایات آ چکیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے(تم اس کے حساب سے بچ نہیں سکتے)۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ [2:210]

کیا (ان واضح نشانیوں اور ہدایات کے باوجود) یہ لوگ منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سایہ فگن بادلوں میں ان کے پاس آئیں اور فیصلہ ہو چکا ہے اور تمام معاملات اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

آیت مبارکہ میں واضح فرمایا گیا ہے کہ ان دلائل وشواہد (قرآن پاک اور نبی علیہ السلام) کے باوجود اگر انسان لغزش کھاتا ہے گمراہی کی طرف جاتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے حساب وکتاب (یعنی جزا وسزا) سے نہیں بچ سکے گا۔وہ بڑا زبردست قوت والا اور حکمت والا ہے۔جو لوگ بے یقینی کی کیفیت اور نامکمل ایمان کی وجہ سے بھٹک گئے ہیں وہ اپنے امتحان میں ناکام ہیں۔انسان کا امتحان اسے عطا کردہ اختیار کی وجہ سے ہے، قبول کرے یا ترک کرے اور جب تک وہ اس کو اپنے آزادانہ ارادہ سے قبول نہیں کرتا اس وقت تک وہ کامیاب اور مومن نہیں ہوسکتا۔زبردستی عذاب الٰہی دیکھ کر قبول کرنا تو فطرتی بات ہے کہ خوف کا نتیجہ اور بے بسی کا عمل ہے اختیاری نہیں بلکہ اجباری ہے۔اس صورت میں اس کی تابعداری یا اقرار کی کوئی اہمیت نہیں اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ توبہ اس وقت تک قبول ہوگی جب تک اختیار ہے یعنی موت سامنے نظر نہیں آ رہی (ما لم یغر غر) ایمان بالغیب ہی درجہ قبولیت پر ہے۔اعمال کا فیصلہ تو قیامت کو ہوگا لیکن تاکید کے طور پر معافی کا لفظ استعمال ہوا (فیصلہ ہو چکا ہے) کہ وہ لوگ جو اپنے ارادہ سے حکم نہیں مانتے اور خوشی سے ماننے والے کامیاب ہوں گے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کیفیات وکمیات وجھات سے پاک ہے اس کی کوئی مثال نہیں ، انسان جو کہ خواس خمسہ پر بنی معلومات پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے اس لئے کیفیات ،مثالوں سے سمجھایا گیا ہے (واللہ و رسولہٗ اعلم بالصواب) بادلوں کا ذکر قرآن مجید میں محض ہماری ذہنی کیفیت

کی آگاہی اور اس خوفناک منظر کا اظہار ہے جب انسان عاجز ہو کر جھک جاتا ہے۔ بادل اتنے تہہ در تہہ اور گہرے چھا جاتے ہیں کہ سورج کی چمکتی روشنی جو سارے جہان کو پرنور کر دیتی ہے کو چھپا کر دن میں رات کی تاریکی کا سماں پیدا کر دیتے ہیں۔ کڑک اور چمک سے مزید ایک خوف کا سماں پیدا ہو جاتا ہے اور آدمی بے بس محسوس کرتا ہے۔ اس طرح کی کیفیت میں سر جھکانا مجبوری بن جاتی ہے۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ

تْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ [2:211]

پوچھو بنی اسرائیل سے ہم نے کتنی واضح نشانیاں انہیں دیں اور جو اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آ جانے کے بعد بدل ڈالے تو بے شک (ایسے لوگوں کو) اللہ تعالیٰ سخت سزا (عذاب) دینے والا ہے۔

قوم یہود کی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی کہ اس کا عروج و زوال سامنے موجود رہا ہے۔ یہ برگزیدہ قوم جس میں انبیاء اور کتابیں لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئیں، پھر یہود ان سے کچھ عرصہ بعد ذاتی مفادات وخواہشات کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ حقائق و عبارات واحکام کو مصالح شخصی مفادات تجارتی اور احکام سلطان کی بناء پر تبدیل کیا گیا اور اس کا نتیجہ ان پر پابندی، عذاب قتل و غارت کی صورت میں ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں نجاعت دلائی پھر یہ گمراہ ہوئے اور نزول قرآن اور نبی آخر الزماں کے متعلق تورات میں تمام شواہد کے باوجود منکر ہو گئے عذاب کا شکارہ ہوئے۔ ان کا یہ قصہ اس لئے بھی فرمایا کہ جو قوم ایسا کرے گی اس کو اس کے اعمال کی سزا کے طور پر اس طرح کے واقعات کا سامنا ہوگا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان بھی اسلامی احکام سے منہ موڑ کر ذاتی اغراض اور مفادات کی بناء پر اللہ کی ناراضگی کی سزا بھگت رہے ہیں کیونکہ ہم نے اسلام کو اپنے معاشرے میں نافذ نہ کر کے اس کی قدر و منزلت کو ضائع کر دیا۔

ع دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ٹھکرانا اور ان کو ضائع کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ یہ بات افراد اور معاشرہ کے لئے ایک اصول کا درجہ رکھتی ہے۔ نعمتوں کو سمجھنا صحیح استعمال ہی کامیابی اور فلاح کی نشانی ہے۔ انسانی ہدایت (اسلام) اور اس کا صحیح استعمال (معاشرہ میں اس کا نفاذ) ہی سب سے بڑی کامیابی ہے ورنہ عذاب ہی عذاب جس کی کئی صورتیں ملتی ہیں ظلم، ناانصافی، معاشی محتاجی، ظالم حکمران اور آفات سماوی وغیرہ (جس میں اکثر مسلم ممالک گرفتار ہیں)

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ [212:2]

کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب آراستہ کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا وہ قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اس دنیا کی زندگی میں مومن اور کافر کی زندگی کا مقابلہ (موازنہ) کیا گیا ہے۔ جو ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھ رہے ہیں۔ کفار کی زندگی بسا اوقات کامیاب اور رنگین نظر آتی ہے بالخصوص اس کی مادی، معاشی ترقی وخوشحالی جس کے اسباب میں اس کی کوشش کا صلہ ہے یا پھر اسے آخرت میں عذاب میں مبتلا کرنا مقصود ہے۔ دوسری طرف مومن کو اگر کوشش کے باوجود بھی ناکامی معاشی طور پر ہو رہی ہے تو یہ اس کا امتحان ہے اور اسے دنیاوی زندگی میں مشکل کا صلہ دوسری زندگی جو دائمی ہوگی اس کی نعمتیں وعزت انہیں ملیں گیں اور دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ رزق کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اس میں کوششوں کا بڑا دخل ہے لیکن کوششوں کا نتیجہ مثبت صورت میں ہونا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا رزق میں فرق فطری ہے۔ ہمیں حسد وبغض وکینہ جیسی اخلاقی اور سماجی بیماریوں کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور محنت کر کے رزق حلال پر گزارا کرنا چاہیے۔ دوسروں کی طرف رشک وحسد سے نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اپنے سے کمتروں کو دیکھ کر اللہ کا شکر اور اس کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہیے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان بندے کو رزق اس لئے کم دیتا ہے کہ زیادہ سے اس کی گمراہی کے مواقع زیادہ تھے اور کسی مسلمان کو زیادہ اس لئے دیتا ہے کہ اگر کم دیتا تو وہ نافرمان بن جاتا، لہٰذا اس کی عطا پر شکر گزار ہونا چاہیے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [213:2]

ابتداء میں سب لوگ ایک دین پر جمع تھے (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہوگئے) تو اللہ نے (نیکوں کو) خوشخبری دینے والے اور (بروں کو) ڈرانے والے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اُتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کرے جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور اس میں انہی لوگوں نے اختلاف کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی باوجود اس کے کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکی تھیں (اور انہوں نے یہ اختلاف بھی) محض باہمی بغض اور حسد کے باعث (کیا) پھر اللہ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے

وہ حق کی بات سمجھا دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے۔

انسانی تمدن کی تاریخ میں مختلف ماہرین اجتماعیات ونسلیات(Anthropologist) کا خیال ہے کہ انسان ابتداء میں وحشی اور تہذیب سے عاری تو ہم پرست، قدرت پرست، مشرک و بت پرست تھا پھر آہستہ آہستہ مختلف سماجی، مذہبی اور علمی رہنماؤں نے اس کو موجودہ تہذیب تک پہنچایا۔ جبکہ اسلام کا نظریہ ہے کہ انسان مکمل طور پر ہدایت یافتہ (توحید پرست) مکمل ذہنی پختگی کے ساتھ جنت سے نکل کر (حضرت آدم علیہ السلام) دنیا میں آئے۔ اس نظریہ کو جدید ماہرین آثار قدیمہ اجتماعیات و نسلیات نے بھی تسلیم کیا ہے جس میں سر چارلس مارٹن، پروفیسر شمڈٹ شامل ہیں (بحوالہ تفسیر ماجدی)۔حضرت آدم علیہ السلام پیغمبر تھے توحید پرست اور اسلام کے داعی تھے۔ بڑی دیر تک ان کی اولاد اسلام پر رہی۔نسل انسانی جس طرح بڑھتی گئی، لوگ مزاج، طبیعتوں، علم وعقل کی بنیاد پر آپس میں اختلاف کرتے گئے اور جھگڑے کرتے رہے۔حق سے دور چلے گئے اور بت پرستی تک پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کا پیغام اور راستہ دکھانے کے لئے پیغمبروں کو بھیجا اور کچھ کے ساتھ کتابیں بھی نازل فرمائیں، ان کی تعداد ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے(بحوالہ تفسیر مظہری)۔تمام خشکی پر ہر قبیلہ ہر علاقہ (جہاں تک اس وقت کے مواصلات وابلاغ ممکن تھا) ہر نسل کے لئے نبی بھیجا گیا کہ لوگوں کو حق و باطل کے بارے بتائے تاکہ قیامت کے روز وہ اپنے اعمال کے جواب دہ ہوں۔ اس سلسلہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ اور آخری پیغام قرآن مجید ہے۔ چونکہ ابلاغ اور مواصلات کی حدود ایک ملک یا قبیلہ یا ایک نسل تک باقی نہیں رہیں بلکہ ساری زمین گلوبل ویلج بن چکی ہے۔ اس لئے آپ آخری نبی ہیں اور کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں اور قرآن بھی بغیر کسی رد و بدل کے مکمل محفوظ ہے اس لئے دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔

تمام لوگ حق پر ایک تھے یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے بھی اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ بھی ہوسکتا ہے جب طوفان نوح کے بعد صرف اہل ایمان ہی باقی بچ گئے تھے۔ پیغمبروں کے راستے پر چلنے والوں کے لئے کامیابی اور خوشخبری ہے اور اس سے منہ موڑنے والوں کے لئے عذاب اور دوزخ کی سزا بتائی گئی ہے۔ انسانیت کی فلاح اسی میں ہے کہ حق کی راہ پر چلے اور اس دنیا اور دوسری دنیا (آخرت) میں کامیابی پائے۔

وقت کے گزرنے کے ساتھ انبیاء کے بعد علماء جن کا کام انبیاء کا پیغام جاری رکھنا تھا اور جنہیں حق کا علم تھا مگر انھوں نے ذاتی عناد، انا وبغض کی وجہ سے آپس میں اختلاف شروع کر دیا اور غلط توجیہات کر کے لوگوں کو حق سے ہٹا دیا۔ کئی مذہب اور کئی فرقے بن گئے۔ جدید علم نفسیات و جرائم (Crimnology) کے مطابق محرک جرائم میں سے یہ نکتہ بہت اہم ہے جسے قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ معاشرہ میں اختلاف میں شدت انسانی ضد، غلط انا اور بغض وعناد

کی وجہ سے ہے۔ یہودی، عیسائی، بدھ، ہندو مذہب ایک دوسرے سے دور اور مخالف ہیں اس کے ساتھ بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر بھی فرقہ بندی اور تشدد عالموں کے ذاتی عناد اور ضد کا نتیجہ ہے۔ ایک فرقہ دوسرے کو گمراہ اور کافر کہہ رہا ہے۔ موجودہ صورت حال میں اتحاد امت اسلامیہ انتہائی ضروری ہے کیونکہ ایک ہی دین، ایک ہی نبی، ایک ہی کتاب (قرآن مجید) اور ایک ہی قبلہ پر یقین رکھتے ہیں ۔

قبلہ بھی ایک، دین بھی ایک، قرآن بھی ایک کاش ہوتے جہاں میں جو مسلمان بھی ایک
کہیں فرقے ہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اتحاد انسانیت اللہ کا پیغام، اسلام کا پیغام ہے اس میں انسانیت کی کامیابی ہے کیوں کہ جب انسانی آبادی کی اکثریت ایک خدا اور ایک نبی پر اکٹھی ہو جائے گی تو امن وسلامتی آ جائے گی۔ اس وجہ سے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسلامی نظام کو اپنے اسلامی ممالک میں نافذ کر کہ ایک کامیاب معاشرہ کا نمونہ تمام دنیا کو دیں جس طرح خلفائے راشدین نے ابتدائی ایام میں دیا تھا۔ جب مسلمان ایک امّت بن جائیں گے اور مثالی معاشرہ کے ذریعہ اس کی عملی صورت دنیا میں پیش کر دیں گے تو تمام دنیا ایک ہی نظام (ورلڈ آرڈر) پر اکٹھی ہو جائے گی اور وہ نظام اسلام یعنی دین فطرت کا ہے جو سب انسانوں کے لئے ہے۔ جس میں سب برابر ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور اس لئے انسانیت کو محفوظ بنانے کے لئے تمام کوششوں کو اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرمائے گا اور راہ حق پر چلائے گا۔ اس لئے آخر میں فرمایا کہ جسے وہ چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور کوشش کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ جس طرح ہر مقصد کے حصول کے لئے کوشش ضروری ہے اسی طرح راہ ہدایت کے لئے بھی ضروری ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ [214:2]

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم (یوں ہی بلا آزمائش) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر تو ابھی ان لوگوں جیسی حالت نہیں بیتی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں انہیں شدید سختیاں اور مصیبتیں پہنچیں اور لرز اُٹھے یہاں تک کہ (اس وقت کا) پیغمبر اور اس کے اہل ایمان ساتھی پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک اللہ کی مدد قریب ہے (تسلی کے لئے)۔

پچھلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جنہیں خدائے پاک نے ہدایت عطا کی۔ اب آیت مبارکہ میں جنت کے معیار کا ذکر فرمایا۔ جس قدر کوئی اہم مرتبہ مقصود ہوتا ہے اس کے لئے اسی قدر کوشش کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں

سارے کام محنت طلب ہیں تو پھر جنت جو بہت ہی اعلیٰ مقام اور ابدی زندگی کی نعمتوں کا خزانہ کیوں کر آسان ہوگا۔اس لئے فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ تمہیں یونہی جنت مل جائے بلکہ اس کے لئے بہت محنت کی ضرورت ہے۔مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات، نیکی کو پھیلانا، برائی کو ختم کرنا، معاشرے میں تمام افراد کے حقوق پورے کرنا، انصاف کو پھیلانا، سارے کام آسان نہیں۔ان کے لئے کوششوں کی ضرورت ہے اور جنت مومنوں کا مطلوب ہے اور اس زندگی میں اس کے حصول کے لئے محنت وعمل کا صرف موقع دیا گیا ہے۔لہٰذا اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

پھر پچھلی امتوں کا حال بتایا کہ انہیں کتنی قربانیاں کرنی پڑی ہیں۔آگ میں جلائے گئے، پھانسی پر لٹکائے گئے۔آرے سے چیرے گئے۔سینکڑوں سال کوشش کرتے رہے لیکن کامیابی نہ ملی۔آزمائشوں اور امتحانوں نے بے بس کر دیا اور یہاں تک کہ پیغمبر جو رہنما تھے وہ بھی پکار اُٹھے اللہ تیری مدد کب آئے گی۔لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں کہ ؎

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

حضورﷺ نے فرمایا جنت خاردار جھاڑیوں میں گھری ہے اور دوزخ خوبصورت باغوں کے درمیان ہے۔یعنی جنت کے لئے خواہشات نفس کی مخالفت والے اعمال ہیں۔مسلمان کے لئے آزمائش زندگی کا حصہ ہے کسی نظریہ کی کامیابی کے لئے کوشش اور قربانی ضروری اور بالخصوص اگر زمین پر حق، عدل، انسانی مساوات کا نظام رائج کرنا ہے جو اسلام کی تعلیمات ہیں تو اس کے لئے بہت محنت اور مقابلوں کا سامنا ہوگا۔ان تمام مشکلات میں اللہ کی مدد ہر وقت قریب ہے۔صرف اس کے صبر، استقلال اور محنت کی ضرورت ہے۔جب مومن اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی مدد فرماتے ہیں۔جب اللہ مدد فرماتا ہے تو اسباب پیدا ہو جاتے ہیں، ذرائع میسر آ جاتے ہیں، ماحول سازگار بن جاتا ہے حتیٰ کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور کامیابی قدم چوم رہی ہوتی ہے۔لیکن ان سب کا مقصد اللہ کی رضا کے لئے ہو۔

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ [2:215]

آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم (اللہ کی راہ) میں کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی درست مال خرچ کرو مگر اس کے حقدار (ترجیحاً) تمہارے والدین قریبی رشتہ دار، یتیموں، محتاج اور مسافر ہیں اور جو بھی بھلائی تم کرتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

نیکی کا معیار اور مقدار:۔

جنت کے حصول کی جدو جہد کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے فرمایا کہ کس چیز کو خرچ کریں تو وہ درست مال (خَیۡـــــــرٍ) کا لفظ فرمایا یعنی رزق حلال، پاک اور صاف مال اور بھلے انداز میں محبت وخلوص کیساتھ۔ یہ صدقہ خیرات حسب استطاعت ہے حضورﷺ نے فرمایا (اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ) آگ (جہنم) سے بچو اگر چہ کھجور کا ٹکرا ہی کیوں نہ ہو یعنی کتنا کم ہی صدقہ کیوں نہ ہو۔اور کن پر خرچ کرو اس کی تفصیل بھی ترتیب وار بتا دی کہ پہلے تمہارے والدین پھر رشتہ دار مستحق ہیں تا کہ صلہ رحمی ہو خاندان میں محبت ہو تفریق اور معاشی ناہمواری ختم ہو اس کے بعد معاشرہ کے یتیم افراد جن کے کفیل اس دنیا سے چلے گئے اور ریاست کے وسائل بھی کافی نہیں ہو سکتے (اس دور میں 70% آبادی کی حکومتیں غیر ترقی یافتہ تھیں اور غربت میں گذارا کر رہی تھیں) پھر معاشرہ کے محتاج لوگ جن کے وسائل تو ہیں لیکن ان کی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتے اور اس کے بعد مسافر لوگ جو سفر میں مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے مال متاع ان کی دسترس (قبضہ) سے دور ہوتے ہیں۔یتیم، مسکین، محتاج افراد کی کفالت و معاونت اسلامی حکومت کی وسائل کی حد تک ذمہ داری ہے لیکن انفرادی عمل کا معاشرہ میں انتہائی اہم کردار ہے جسے آج کل ہم جدید معاشرت و معاشیات میں سمجھتے ہیں۔قرآن پاک نے اس کی طرف ہمیں رہنمائی فرمائی ہے کہ اس کو استعمال کیا جائے ساتھ ہی تسلی و یقین کے لئے فرما دیا کہ جو بھی تم نیکی کرتے ہو کتنی کم سے کمتر ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وَ هُوَ كُرۡهٌ لَّكُمۡ ۚ وَ عَسٰٓى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـــًٔا وَّ هُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ وَ عَسٰٓى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـــًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ [216:2]

اللہ کی راہ میں جنگ تم پر فرض کر دی گئی ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے تم جس چیز کو ناپسند کر و وہ حقیقتاً تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے تم جس چیز کو پسند کرو وہ حقیقتاً تمہارے لئے بُری ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا اور تم نہیں جانتے۔

جہاد اور دفاع:۔

جنت کے حصول کے سلسلہ میں کلام جاری ہے۔ جہاں مال کے خرچ کے بارے کہا گیا وہاں اپنی جان کو نذرانہ دینے کے بارے حکم ہے اور اس کی مصلحتیں بیان فرمائی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کے لئے قتال (جنگی جہاد) مسلمانوں کے لئے فرض کیا ہے۔ یہ بڑا مشکل کام ہے جس سے بڑے بڑے تن آور کے دل ڈر جاتے ہیں اور ہر آدمی اس سے منہ موڑتا ہے اس لئے اس کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ شاید تم اسے اپنی جان کے لئے سخت جانو لیکن تمام مسلمانوں کے معاشروں کے لئے اس میں حفاظت اور امن ہے۔ اسلام پر جنگ کا الزام لگایا جاتا ہے ساری دنیا جانتی ہے کہ دفاع وطن، دفاع معاشرہ ہر حکومت کی ذمہ

داری ہے جس میں ہر فرد شامل اور ذمہ دار ہے۔اسی مقصد کے لئے اسلام نے بھی جہاد کو فرض کیا ہے۔اگر کسی معاشرے یا ملک کے حفاظت کرنے والے نہ ہوں تو وہ ملک ظلم اور غلامی کا شکار ہو جاتا ہے۔اس لئے بہت سے ممالک میں جنگی خدمات لازمی سروس ہیں۔اسی طرح کئی ایسی چیزیں جنہیں ہم اپنے لئے بہت مفید اور اچھا سمجھتے ہیں درحقیقت بہت نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں اس کی مثال جنگ سے بھاگنا ہے۔دفاع سے پیچھے ہٹنے سے فرد کی جان تو بچ سکتی ہے لیکن سارا معاشرہ غلامی کا شکار بن جاتا ہے۔اسلام میں جہاد معاشرہ پر فرض ہے لیکن اس میں اگر کوئی فرد شامل ہو جاتا ہے تو فرض کفایہ کی طرح ادا ہو جاتا ہے۔جہاد کے فضائل بہت زیادہ میں اس کی تفصیل کتب احادیث میں موجود ہیں۔حضور کے صحابہ کرام نے جہاد میں قربانی کی اعلیٰ مثالیں چھوڑی ہیں۔جہاد کو حکومتی ذمہ داری کہا گیا ہے افرادی طور پر شروع کر دیا جائے تو فتنہ و دہشت گردی کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔"لَا مَنْعَہ بِدُوْنِ الْاِمَامِ وَ جَمَاعَتِ الْمُسْلِمِیْنَ" سیاسی وعسکری قوت کے لئے امام اور اسلامی ریاست ضروری ہے (کتاب السیر الھدایہ)

جہاد کی افضل نوعیت (قتال) جنگ اسلامی شرعی حکومت جو اسلامی قوانین کے تحت قائم اور جس نے اسلامی قوانین کو نافذ العمل کیا ہوا ہے کی حفاظت ہے۔جہاد کی اعلیٰ مثال نفس امارہ کی خواہشات کے خلاف عمل اور ان کو روکنا ہے۔جس کو حضور نے فرمایا کہ جہاد اصغر سے ہم جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہیں یعنی معاشرہ میں نیکیوں اور بھلائیوں کو نافذ کرنا و پھیلانا اسلامی حکومت کی اہم ذمہ داری ہے۔ایک صحابی حضور سے جہاد بالقتال کی اجازت طلب کی آپ نے پوچھا کہ تمہارے والدین موجود ہیں اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا ان کی خدمت کرو۔حقوق والدین اور حقوق اولاد کی ادائیگی بہت اہم ہے۔

زندگی میں فیصلہ کے بارے ایک اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ ظاہری اور سطحی خواہشات کی بناء آدمی کا فیصلہ حقیقی طور پر صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں ذاتی مصالح، عقل وفکر کی کمی ماحول کے اثرات شامل ہوتے ہیں اس لئے یہ فیصلہ کرنے سے پہلے ظاہری امور کے علاوہ دوسرے امور کو بھی زیر غور رکھا جائے۔ہم اپنے ذاتی تجربات میں دیکھتے ہیں کہ کتنے اہم واقعات جنہیں ہم بہت برا محسوس کرتے تھے بعد میں اچھے ثابت ہو جاتے ہیں اور کئی ایسے امور جن پر بہت خوبصورت امیدیں تھیں ناکامی کا سبب بنے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور اس کا فیصلہ حقیقی طور پر سودمند ہے اور اس پر عمل کامیابی کا راز ہے۔

جہاد (قتال/ جنگ) کے ضمن میں اسلامی حرمت کے مہینے بھی ہیں، ان کا ذکر اور اس کے دوران معاملات کے بارے اگلی آیات میں بیان فرمایا ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ کُفْرٌ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ وَ الْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ

الْقَتْلِ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [2:217]

لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے کے بارے پوچھتے ہیں فرما دیں اس میں جنگ لڑنا بڑا گناہ ہے مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور اس (اللہ) کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے بھی زیادہ بدتر ہے اور یہ (کافر) تم سے جنگ جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان کے بس میں ہو اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور کافر ہی مَرے تو ایسے لوگوں کی دنیا اور آخرت میں سب اعمال برباد ہو گئے اور یہی لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [2:218]

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کے لئے وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کا شان نزول ایک واقعہ کی طرف ہے جو چند صحابہ اور قریش کے تاجروں کے درمیان تھا اور شک تھا کہ شہر حرام یعنی رجب شروع نہیں ہوا لیکن ہو گیا تھا۔ جسکی وجہ سے ایک طرح کا احساس ندامت وہ اصحاب جو اس میں شریک تھے محسوس کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ حرمت کے مہینوں (ذوالحج، ذی القعد، محرم/رجب) میں جنگ وجدال بہت برا ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن اس سے بڑھ کر جرم اللہ کے گھر میں عبادت سے روکنا ہے، اللہ کی ذات کا انکار، اللہ کی راہ میں کوشش اور زندگی بسر کرنے میں رکاوٹ ڈالنا، مکہ میں رہنے والوں پر اس قدر ظلم کرنا کہ وہ ہجرت پر مجبور ہو جائیں اپنے گھر بار مال ومتاع چھوڑ دیں۔ یہ امور، اس قتل سے جو دفاع کی وجہ سے ہو، زیادہ گناہ ہے جو اہل مکہ کر رہے ہیں اس سے بڑھ کر فتنہ انگیزی یعنی فساد پھیلانا اور جنگ وقتال کا ماحول بھڑکانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس سے یہ سہولت ملی کہ کفار جو سمجھتے تھے کہ شہر الحرام (امن کے مہینوں) میں مسلمان دفاع بھی نہیں کریں گے لہٰذا حملہ کرنا چاہیے باطل کر دیا ہے۔ اور دفاعی نقطہ نظر سے بین الاقوامی امور میں دفاع کی ضرورت کو اہمیت دی گئی ہے کہ اسلامی مملکت اپنا دفاع ہر وقت کر سکتی ہے۔

معاشرہ میں اسباب جرائم، قتل وغارت کا علاج کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے کہ فتنہ انگیزی کے اسباب کو ختم کیا جائے تا کہ قتل و

فتنہ نہ پیدا ہو۔اس طرح احتیاطی تدابیر (Preventive Policy) کا حکم دیا ہے۔اسی طرح معاشرہ میں ظلم ختم کیا جا سکتا ہے۔ ایک اور حکم بھی بین الاقوامی تعلقات سے متعلق ہے کہ غیر مسلم کبھی نہیں چاہتے کہ مسلمان کامیاب ہوں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف مکہ اور مدینہ کے مسلمانوں کے حالات کے بارے میں تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بغداد کا سقوط ہو یا سپین میں مسلمانوں کا قتل، سلطنت عثمانیہ یا مغلیہ سلطنت کا عبرتناک انجام تمام غیروں کے ہاتھوں بڑے سفاکانہ طریقے سے ہوئے ہیں۔آج بھی مسلمان بوسنیا (یورپ) برما (ایشیا) ہندوستان (ایشیا) فلسطین جہاں بھی ہیں کمزور ہیں۔آج مسلم امت میں بے اتفاقی غیروں (اسلام مخالف) طاقتوں کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔لہٰذا اسلامی حکومت اور معاشرہ کو اس اہم حقیقت سے غافل نہیں ہونا چاہیے، اپنی تعداد وقوت کو مضبوط کرنا چاہیے تاکہ خوف جنگ مخالف کو محسوس ہو۔اسلام کی نورانیت کے بعد کفر کی طرف لوٹنے والے کی سزا یہی ہے کہ وہ واصل جہنم ہوگا، دنیا کہ نیکیاں ضائع نہیں جائیں گی جب تک توبہ کرے لوٹ نہ آئے اس لئے مرتد کی سزا قتل ہے۔ فتنہ کفر اور کفار ارادوں کے ذکر کے بعد اہل ایمان کا ذکر ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنا وطن، گھر، مال ومتاع اس لئے چھوڑتے ہیں کہ ان کی زندگی احکام الٰہی کے مطابق گزرے تو انہوں نے وفا، تابعداری کا حق ادا کر دیا۔اور جو اللہ کی راہ جہاد یعنی اپنی ساری کوششیں زبان، دل، مال، جان اور وسائل اللہ کے احکام میں نیکی کے پھیلانے میں، اسلام کی تنفیذ اپنی ذات پر اور معاشرہ میں صرف کرتے ہیں اور جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے وہ دراصل یہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت اور مہربانی کے صحیح امیدوار ہیں کیونکہ مجاہد ہیں۔ جہاد کا لفظ وسیع معنی کا حامل ہے۔لڑائی کے لئے لفظ قتال استعمال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کیوں نہ ان کو رحمت سے نوازیں وہ ذات تو بہت مہربان رحم کرنے والی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ کَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَ يَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ کَذٰلِکَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ [219:2]

آپ سے شراب اور جوئے کے بارے سوال کرتے ہیں (کیا حکم ہے؟) فرما دیں ان دونوں میں بڑا گناہ (نقصان) ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان دونوں کا گناہ (نقصان) ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں (اللہ کی راہ میں) فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کردو) اسی طرح اللہ تمہارے لئے احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔

دفاع معاشرہ، جہاد، اور جان و مال کی قربانی کے بعد معاشرہ کے عمومی احکام کے بارے میں آیات ہیں۔اس آیت میں شراب، جوا، معاشرہ میں غریب افراد کی امداد، یتیموں کی حفاظت کے بارے احکام درج ہیں جو معاشرے کے لئے ضروری

ہیں۔

شراب:۔

اسلام میں شراب حرام ہے۔شراب اور جوأ بھی حرام ہے لیکن لوگ اس میں مشغول رہتے ہیں۔کسی حد تک نفسانی تسکین پاتے ہیں جو بالاخر تباہی مالی اور جانی پر ختم ہوئی ہے۔قرآن مجید نے بڑے خوبصورت انداز سے تجزیہ کیا ہے کہ ان کا مجموعی طور نقصان بہت زیادہ ہے اور ان کے فائدے بہت معمولی ہیں، مثلاً بیماری میں استعمال، عارضی بہادری اور عارضی سرور۔ ہر وہ چیز جو نشہ دیتی ہے اور انسانی دماغ پر حاوی ہو جاتی ہے وہ خمر یعنی نشہ ہے اس میں شراب، نشہ، الکحل، ہیروئین شامل ہیں۔جدید طبی تحقیق کے مطابق شراب سے تقریباً انیس عمومی بیماریوں (نظام ہضم، نظام اعصاب، دل اور خون کا نظام، دماغی امراض، گلے، بلڈ پریشر، قبض) کا براہ راست تعلق ہے۔یورپی ممالک جہاں شراب کو ایک ضرورت سمجھا جاتا ہے وہاں بھی نابالغ نوجوانوں (بیس سال) سے کم عمر کے لئے ممنوع ہے۔شراب قرآن مجید کے علاوہ بائبل میں منع ہے And be not drink with wine (EMPHESIANS) 5:18 اسی طرح باب Proverb (20:1) میں بھی منع کا حکم ہے۔امریکہ میں نیشنل کرائم وِکٹم سروے (بیورو آف جسٹس) کی 1996 رپورٹ میں ہر روز 2713 زنا بالجبر (Rape) کے واقعات ہوئے جو شراب کی وجہ سے تھے (National Crime Victomization Survey Beureau of Justice (US Deptt of Justice)۔شراب کی وجہ سے صرف برطانیہ جو ایک چھوٹا سا ملک ہے اس میں اس کی وجہ سے چھ بلین پونڈ کا سالانہ قومی نقصان ہوتا ہے (بحوالہ Daily Mail)۔یہ صرف صحت و علاج کے ضمن میں ہے اس سے معاشرتی مسائل (قوت فیصلہ کی کمی، نشہ کی وجہ سے برائیاں اور طلاقیں، اولاد کے کردار پر اثر) اس کا تجزیہ بہت مشکل ہے۔اور اس کا صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، عالمی ادارہ صحت نے بھی اس کے بارے اعداد و شمار شائع کئے ہیں۔

A few of the alcohol related illnesses:

1. Cirrhosis of Liver is the most well known alcohol associated disease.
2. Others are Cancer of Esophagus, Cancer of Head and Neck, Cancer of Liver (Hepatoma), Cancer of Bowel, etc.
3. Esophagitis, Gastritis, Pancreatitis and hepatitis are linked with alcohol consumption.
4. Cardiomyopathy, Hypertension, Coronary Artherosclerosis, Angina and heart Attacks are linked with heavy alcohol intakes.
5. Strokes, apoplexy, Fits and different types of Paralysis are linked with alcohol intake.
6. Peripheral Neuropathy, Cortical Atrophy, Cerebellar Atrophy are well-known syndromes caused by alcohol consumption.

7. Wernicke - Korsakoff syndrome with amnesia of recent events, confabulations and retainment of memory to old events with different types of paralysis are mainly due to thiamine deficiency due to excessive alcohol intake.
8. Beriberi and other deficiencies are not uncommon among alcoholics. Even Pellagra occurs in alcoholics.
9. Delerium Tremens is a serious complication that may occur during recurrent infection of alcoholics or post operatively. It also occurs during abstention as a sign of withdrawal effect. It is quite serious and may cause death even if treated in well equipped centres.
10. Numerous Endocrine Disorders have been associated with alcoholism ranging from Myxodema to Hyperthyroidism and Florid Cushing Syndrome.
11. Hematological ill effects are long and variable. Folic acid deficiency, however, is the most common manifestation of alcoholic abuse resulting in Macrocytic Anemia. Zeive's syndrome is a triad of Hemolytic Anemia, Jaundice and Hyperlipaedemia that follows alcoholic binges.
12. Thrombocytopenia and other platelet abnormalities are not rare in alcoholics.
13. The commonly used tablet metronidazole (Flagyl) interacts badly with alcohol.
14. Recurrent infection is very common among chronic alcoholics. The resistance to disease and the immunological defense system are compromised by alcohol intake.
15. Chest infections are notorious in alcoholics. Pneumonia, Lung Abcess, Emphysema and Pulmonary Tuberculosis are all common in alcoholics.
16. During acute alcoholic intoxication, the drunk person usually vomits, the cough reflexes which are protective are paralysed. The vomitus thus easily pass to the lung causing Pneumonia or Lung Abscess. Occasionally it may even cause suffocation and death.
17. The ill effects of alcohol consumption on women deserves special mention. Females are more vulnerable to alcohol-related Cirrhosis than men. During pregnancy alcohol consumption has a severe detrimental effect on the foetus. Foetal Alcohol Syndrome is being recognized more and more in the medical profession.
18. Skin diseases are also related to alcohol indulgence.
19. Eczema, Alopecia, Nail Dystrophy, Paronychia (infection around the nails) and Angular Stomatitis (Inflammation of the angle of the mouth) are common diseases among alcoholics.

میسر کا مادہ (اصل) یسر ہے جس کی معنی آسان ہے۔ جوأ، سٹے بازی، لاٹری ایسے کام جن کی بنیاد صرف چانس پر ہو (سب کچھ ضائع جائے یا بہت مل جائے) یہ امور حرام ہیں۔ بعض لوگ اسے کاروبار سمجھتے ہیں لیکن یہ ایک کاروبار ہے جو دولت نہیں پیدا کرتا بلکہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں تقسیم کرتا ہے اور محنت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اسلام، اکنامکس (معیشت) کی ترقی کے سلسلہ میں (Consumerism) صَرَف کو بچت یعنی savings پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس سے معیشت متحرک ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں جو اصحاب ثروت (امیر لوگ) ہیں ان کے لئے رہنمائی کی گئی ہے کہ جو زائد ہے (اَلْعَفْوُ) یعنی جو تمہاری ضروریات سے زائد ہے اسے لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔ اسطرح مزید گردش کی وجہ سے طلب میں اضافہ ہوگا۔ اسلامی نظام کی یہ خوبی ہے کہ وہ مقید (پابند) نہیں کرتا۔ اصول یہ ہے کہ جو زائد از ضرورت ہے اسے دوسروں پر خرچ کیا جائے اس طرح ہر آدمی کو اپنی ضرورت کے مطابق فیصلہ کرنے کی آزادی ہے اور اسلام اعتدال (میانہ روی) کو پسند کرتا ہے، بخل کی مذمت کرتا ہے۔ اس طرح معاشرہ میں دولت کی تقسیم مزید منصفانہ ہو جاتی ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص سونے کا انڈہ لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میری طرف سے یہ صدقہ قبول فرمائیے (یہ انڈہ اسے مال غنیمت سے ملا تھا) حضور نے منہ پھیر لیا وہ بار بار اصرار کرتا رہا حضور ﷺ اعراض فرماتے رہے جب وہ باز نہ آیا تو حضور ﷺ نے وہ انڈہ اس سے لے کر دور پھینک دیا اور اگر وہ اسے لگ جاتا تو اس کا سر پھوڑ دیتا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی آتا ہے اور اپنا سارا مال خیرات کر دیتا ہے اور لوگوں سے بھیک مانگنے لگتا ہے، صدقہ تو تب ہے جب احتیاج نہ ہو (بحوالہ ابوداؤد، تفسیر مظہری)

فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ [2:220]

دنیا اور آخرت میں (یعنی ان کے معاملات تمہارا غور وفکر رہے) اور آپ سے یتیموں کے بارے سوال کرتے ہیں، فرما دیں ان کے معاملات کی اصلاح نیکی ہے اور اگر انہیں تم اپنے ساتھ ملا لو (کاروبار خرچ میں) تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے اور فساد کرنے والے کو خوب جانتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور حکمت والا ہے۔

اسلامی معاشرہ اور معیشت میں انسانی فلاح مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں یتیموں کے بارے احکام پہلے آئے تھے کہ ان کے مال کی سخت حفاظت کی جائے بعض لوگوں نے اس وجہ سے بالکل کنارہ کشی (علیحدگی) اختیار کر لی۔ جو محبت اور اصلاح کے تقاضا کے خلاف تھی۔ اس لئے حکم ہوا کہ بھلائی کی نیت سے تمام امور صحیح ہیں اور اس سے مقصد اصلاح ہے تاکہ

ان کے مال میں اضافہ ہو، ان کے کردار کی اصلاح و تربیت ہو۔ وہ معاشرے کے اچھے فرد بن سکیں۔ اس طرح ان کے مال کو کاروبار یا ان کی ضروریات کے لئے اپنے مال سے ملا کر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جس کا مقصد ان کی خیر خواہی ہے اور اللہ تعالیٰ ان مفسدوں کو جو اصلاح کے نام پر غلط کام کرتے ہیں خوب جانتا ہے اور انہیں اس کی سزا ملے گی۔ یہ سارے امور کی اجازت (کاروبار و اخراجات میں شرکت) اس لئے دی گئی کہ تمہارے لئے (جو افراد یتیم کے والی ہیں) آسانی ہو۔ اللہ کی ذات حکمت والی ہے۔ اس لئے اس نے آسانی دی ہے اور قوت والا ہے وہ فساد کرنے والوں کو اصلاح کرنے والوں سے علیحدہ کر کے سزا دے گا۔

وَ لَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ ۚ وَ لَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَ لَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَكُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدۡعُوۡٓا اِلَى الۡجَنَّةِ وَ الۡمَغۡفِرَةِ بِاِذۡنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ [2:221]

اور تم مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ بے شک مسلمان لونڈی (کنیز) آزاد مشرک عورت سے بہتر ہے اگر چہ وہ تمہیں پسند ہو اور (مسلمان عورتوں) کا مشرک مردوں سے نکاح مت کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور بے شک مومن غلام بہتر ہے مشرک مرد سے اگر چہ وہ تمہیں پسند ہو۔ وہ (مشرک / کافر) تمہیں دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنی آیات لوگوں کے لئے واضح بیان فرماتا ہے تا کہ وہ نعمت حاصل کریں۔

معاشرے کے امور سے متعلق اہم عمل شادی بیاہ ہے۔ شادی کا مقصد صرف جنسی تسکین نہیں بلکہ ایک ہمیشہ کا ساتھی جو زندگی کے ہر موڑ پر ساتھ ہو اور نیک اولاد پیدا ہو تا کہ انسان کے جانے کے بعد وہ زمین پر اپنا بہتر نعم البدل (یعنی بہتر انسان) چھوڑ کر جائے۔ اگر عورت مشرک ہو گی تو یقیناً اس کا اثر مسلمان مرد پر ہو گا پھر آگے پیدا ہونے والی اولاد پر ہو گا۔ ابتداء میں تو مجبوری تھی کہ اسلام کی جب حضورﷺ نے پیش کیا تو سب کافر تھے انہی میں سے لوگ مسلمان ہوتے تھے اور بقایا گھر کے افراد اپنے مذہب (کفر) پر رہتے تھے۔ مدینہ شریف ہجرت کے بعد اسلامی ریاست کا قیام ہوا اور اسلام عملی طور پر ہر شعبہ زندگی میں لاگو ہوا تو یہ احکام آئے کہ مشرکہ یا کافر کتنی بھی کسی مسلمان کو جمال وحسن، مال و دولت، خاندان ونسب، عقل و دانش کی وجہ سے پسند ہو لیکن مسلمان نہ ہو تو اسے اس سے شادی کی اجازت نہیں۔ کیونکہ مسلمان کے لئے دین سب سے اہم ہے اور اس کی خاطر

ہر قربانی دی جاسکتی ہے لہٰذا ایمان اور اسلام کو ہر چیز پر ترجیح دی جانی چاہیے۔اس کی حکمت یہ ہے کہ برا ساتھی برائی کی طرف یعنی کفر وشرک کی طرف لے جائے گا جس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔جبکہ اسلام انسان کو جنت کی طرف لے جاتا ہے۔انسانی پسند کے ذکر کے ساتھ شادی میں پسند کی ضرورت واہمیت کو ظاہر کیا ہے لیکن مشرکین کے ساتھ اس کو حرام قرار دیا ہے۔حضورﷺ کی حدیث ہے کہ شادی کے لئے (اسلام کے بعد) عورت کا انتخاب چار امور پر ہو یعنی اس کا خاندان ونسب،علم وعقل، جمال حسن اور مال و متاع ہے۔ایک اور حدیث میں دنیا میں بہترین دولت (متاع) صالح (نیک) عورت ہے (بحوالہ کتاب الرضاع)۔قرآن مجید میں یہ سارے امور اس لئے فرمائے ہیں کہ ہم ان سے زندگی میں رہنمائی لیں اور بھلائی پائیں۔

اہل کتاب سے شادی کی اجازت ہے۔آیت میں مشرکین / کفار سے شادی کرنے سے منع فرمایا ہے۔تفصیل کے لئے کتب فقہ سے رجوع کریں۔

وَ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡمَحِيۡضِ قُلۡ هُوَ اَذًى فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الۡمَحِيۡضِ وَ لَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ حَتّٰى يَطۡهُرۡنَ فَاِذَا تَطَهَّرۡنَ فَاۡتُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيۡنَ وَ يُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ [2:222]

اور وہ آپ سے حیض (ایام ماہواری) کے متعلق سوال کرتے ہیں فرما دیں وہ نجاست ہے پس تم ایام ماہواری (حیض) میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرو اور ان سے خصوصی قربت نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔اور جب وہ پاک (ایام ماہواری ختم) ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے (فطری طریقہ سے) بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

شادی کے ساتھ ہی عورت مرد کے تعلقات بالخصوص ایام ماہواری کے دوران کا ذکر ہے۔یہودی ایام حیض کے دوران عورت (بیوی، بہن، بیٹی) سے مکمل لاتعلق کر لیتے حتیٰ کہ کھانا پینا علیحدہ کر لیتے۔جبکہ عیسائی اسے معمول کے طور پر لیتے تھے۔ہندو بھی عورت کو علیحدہ کر دیتے تھے۔اسلام کے احکام فطری امور کی بناء پر انسانی ضرورت کے مطابق ہیں۔عورتیں گھر کا حصہ ہیں ان سے عمومی تعلقات کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، رہنا سب اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح ہوتا ہے۔صرف جنسی خصوصی تعلقات نہیں کرنے چاہییں اور اس کی وجہ آج جدید سائنس نے تصدیق کر دی ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عورت کی بچہ دانی میں خون پیدا ہونے کا انتظام فرمایا ہے تا کہ حمل کی صورت میں بچہ کی غذا بن جائے اور

حمل نہ ہونے کی صورت میں یہ جسم سے باہر نکل جاتا ہے۔ یہ ایک بگڑا ہوا خون ہے جس کی بدبو ہوتی ہے دوران اخراج جسم کو تھکا دینے والا کر دیتا ہے اور یہ جس حصے سے باہر نکلتا ہے اس کو بھی کمزور کر دیتا ہے اس دوران جنسی عمل عورت کے لئے نقصان دہ ہے جبکہ مرد کے لئے بھی گندے خون کی وجہ سے امراض کا سبب بن سکتا ہے بالخصوص HIV/STI(Sexually Transmitted Infections) بیماریوں کو سبب بنتا ہے۔ اس لئے جنسی عمل سے منع کیا گیا ہے۔ ایام ماہواری عورت کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ جب یہ دورانیہ (ماہواری) ختم ہو جاتا ہے تو نہا دھو کر جسم کو پاک صاف کر کے دوبارہ جنسی تعلقات فطری طریقہ پر جاری رکھے جانے کا حکم ہے۔ دوران حیض کے مسائل کے لئے فقہ کی کتب میں تفصیل موجود ہے۔ دوران ماہواری چونکہ خون خارج ہوتا رہتا ہے اس لئے نماز کی چھوٹ ہے اور یہ عمل ہر ماہ ہوتا ہے اس لئے قضا کی بھی چھوٹ ہے اور جسمانی طور پر تھکا دینے والا ہے اسلئے روزہ کی چھوٹ ہے لیکن قضا کا حکم ہے۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں اور صاف (پاکیزہ) رہنے والوں کو اپنی محبت کی خوشخبری فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور اللہ کے ہاں پاکیزگی جسمانی ہو ذہنی اعمال کی کس قدر اہم ہے۔ اور اللہ کو پسند ہے۔ جسمانی صفائی صحت کے لحاظ سے بھی بہت اہم ہے۔ غسل استنجا وضو سب پاکیزگی کے لئے ہیں اور باوضو رہنے کی بڑی برکت ہے۔ ساتھ ہی اگر غلطی ہو جاتی ہے اعتراف گناہ اس پر پریشانی و شرمندگی آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد کر کے اور توبہ کر کے آدمی اللہ کی محبت کا مستحق بن جاتا ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ [2:223]

تماری عورتیں تمہارے لئے مانند کھیتوں کے ہیں پس تم اپنے کھیتوں میں آؤ جیسے چاہو اور اپنے لئے مستقبل کا بندوبست کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ تم اس کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور آپ (محمد ﷺ) مومنین کو خوشخبری دیں۔

پچھلی آیت مبارکہ سے متعلق میاں بیوی کے تعلقات یا مرد اور عورت کے تعلقات کا ذکر ہے۔ انسان کے لئے زمین سب سے قیمتی چیز ہے جس پر وہ رہتا ہے اور زمین میں سب سے زیادہ مفید اور قریب ترین کھیت اور قابل زراعت زمین ہے جس پر انسان غذا، پھول، پھل، ذہنی سکون اور معیشت کی بنیاد رکھتا ہے۔ سب سے قدیم معیشت کا سہارا بھی زرعی زمین کھیت رہے ہیں اور یہی محبت و تعلق کی مثال قرآن مجید نے دی ہے۔ کھیت نہ ہو تو دانہ کس طرح ایک پورا درخت یا پودا بنے۔ اگر عورت نہ ہو تو نسل انسانی کس طرح جاری رہے بلکہ اگر مادہ نہ ہو تو جاندار کس طرح آگے بڑھیں۔ جس طرح زمین بیج کو غذائیت دے کر نکالتی

اور پالتی ہے اسی طرح ماں بھی بچے کو اپنے پیٹ میں غذائیت دیتی اور پھر دودھ پلا کر پالتی ہے۔ اسلام نے جنسی اعمال کے بارے فطری اصولوں کو مدنظر رکھا ہے ان کو چھپا کر رکھنے کے بجائے بہت خوبصورت باپردہ انداز میں بیان کیا ہے بتایا گیا ہے کہ اس عمل میں فطری ضرورت طریقہ اور مقام کا خیال رکھا جائے۔ پھر یہ بھی حکم دیا ہے کہ اپنی زندگی کو ایک موقع جانو اور اپنے مستقبل یعنی آنے والی زندگی جو اس دنیا میں بھی اور قیامت کے بعد بھی آئے گی اس کا احساس کرو۔ اس کے لئے اہتمام کرو تا کہ بوقت ضرورت کام آئے اس لئے نیک اولاد کی کوشش بذریعہ تعلیم و تربیت، ان کے حقوق اور دنیا میں نیک اعمال کا سرمایہ مراد ہے اور آگاہ کیا کہ اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور حساب و کتاب دینا ہے لیکن نیک اعمال کرنے والوں کو ان کی کامیابی کی خوشخبری بھی دی ہے۔

وَ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ [224:2]

اپنی قسموں کے باعث اللہ (کے نام) کو (لوگوں کے ساتھ) نیکی کرنے، پرہیز گاری اختیار کرنے اور لوگوں میں صلح کرانے میں آڑے آنے کا بہانہ مت بناؤ اور اللہ خوب سننے والا سب جاننے والا ہے

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ [225:2]

اللہ تمہاری لایعنی (بے ارادہ) قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن ان کا ضرور مواخذہ کرے گا جس کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہو اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور حلم والا ہے۔

زندگی کے معاملات میں قسم تاکید کے طور پر استعمال ہوتی ہے اگر اس کا مقصود صحیح ہے اور پوری نہیں کی تو دھوکہ ہے اور اس کا کفارہ ہے (تین روزے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا) اور اگر بلا مقصد قسم اُٹھائی ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ ایک غیر ضروری کام کے لیے تاکید کے الفاظ (قسم) استعمال کئے اور وہ بھی اللہ کی ذات کا نام۔ عربوں کے ہاں قسم کے الفاظ بطور تکیہ کلام (واللہ، باللہ) استعمال ہوتا ہے اس لئے بے معنی ہے اللہ تعالیٰ نے رحمت کرتے ہوئے اس کو معاف فرما دیا ہے لیکن اس سے بھی بچنا چاہیے۔

دوسری صورت میں اگر غصہ کی وجہ سے ایسی قسم کھائی جو صلہ رحمی، معاشرہ میں نیکی اور بھلائی کے سلسلہ میں رکاوٹ کا سبب ہے تو اسلام نے انسانی معاشرے میں بھلائی کو ہمیشہ اہمیت دی ہے اس لئے حکم دیا ہے کہ اس کو توڑا جائے اور کفارہ ادا کیا

جائے اس قسم کو برقرار یا لاگو نہیں کرنا چاہیے اور بھلائی کرنے میں رکاوٹ برداشت نہیں۔حضور کی حدیث ہے اگر کوئی آدمی قسم اُٹھاتا ہے اور دوسرا کام نیک ہے تو وہ نیک کام کرو اور قسم کا کفارہ دو۔(بحوالہ مسلم شریف کتاب الایمان والنذور)

قسم کی تاکید ہے اسلئے کچھ امور مثلاً نکاح، طلاق، عتاق (کسی کو آزاد کرنا) چونکہ یہ امور معاشرہ میں انتہائی اہم ہیں اس لئے فقہ میں کسی قسم کی یَـمِیـنَ اَللَّغْوِ (لایعنی قسم) کی اجازت نہیں (تفصیل کتب فقہ)۔حضور ﷺ نے غیر اللہ کے نام کی بھی قسمیں کھانے سے منع کیا ہے۔جس طرح کہ جاہلیت میں لوگ اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھاتے تھے۔

لِلَّـذِيـنَ يُؤْلُونَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَـاِنْ فَـآءُ وْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

[226:2]

اور ان لوگوں کے لئے جو اپنی بیویوں کے قریب نہ جانے کی قسم کھالیں چار ماہ کی مہلت ہے پس اگر وہ (اس مدت میں) رجوع کرلیں تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ [227:2]

اور اگر وہ طلاق کا پکا ارادہ کر چکے ہیں تو اللہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

زندگی کے معاملات میں میاں بیوی کے حقوق کا ذکر ہے۔جاہلیت میں لوگ قسمیں کھا کر عورتوں کو تنگ کرتے تا کہ وہ کسی دوسرے سے شادی نہ کرسکیں اور مجبور رہیں۔اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل عورت کو وہ حقوق دیئے جو اسے آج انتہائی محنت اور سماجی جدو جہد کے بعد ملے۔آیت مبارکہ میں فرمایا کہ اگر کوئی آدمی عورت سے تعلق منقطع کرنے کی قسم کھاتا ہے تو یہ قسم صحیح ہے۔چونکہ میاں بیوی اولاد کا رشتہ / تعلق اہم ہے اس لئے اسکی مدت چار ماہ دی ہے جو کہ بڑی کافی مدت ہے اس دوران خاوند کو اپنے کئے پر غور کرنا چاہیے اور اگر غلطی یا جذباتی وجہ سے قسم اُٹھائی تو اسے رجوع کرنا چاہیے اور رشتہ داروں کو صلح وصفائی کی کوشش کرنی چاہیے یعنی عورت سے ازدواجی تعلقات قائم کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے تا کہ معاشرتی زندگی رواں دواں رہے اور اگر ایسا نہیں کیا تو اس کا ارادہ پختہ تھا اسلئے طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کو دوسرے آدمی کے ساتھ شادی کا اختیار ہے۔طلاق وعدت کے مسائل فقہ کی کتب میں درج ہیں۔یہ فقہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اہل تشیع، ظاہری (اہل حدیث)) میں تفاصیل درج ہیں۔اللہ بڑا غفور ورحیم ہے۔آگے رجوع کرنے کی ترغیب فرمائی ہے کہ غلطی ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔لہٰذا خاندان کو ممکنہ حد تک قائم رکھنا چاہیے۔ہمیں عورت کے حق آزادی کو تسلیم کرایا گیا ہے۔اگر ارادہ طلاق کا کرلیا ہے تو اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے یعنی جو لفظ تم زبان سے نکالتے ہو تو اللہ سننے والا ہے۔اپنی عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھاتے ہو اللہ سننے والا ہے یا دل میں کوئی بات رکھتے ہو زبان پر کوئی اور بات کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے لہٰذا تمہیں تمہارے

اعمال اور نیتوں پر پکڑ ہوگی۔طلاق کی اسلام نے اجازت دی ہے لیکن حضورﷺ نے اسے ناپسندیدہ فعل کہا ہے اور ایک مجبوری کا عمل ہے تاکہ مزید نقصان سے مرد اور عورت بچ جائیں۔اگلی آیت میں طلاق اور اس کے بعد کے مسائل کا ذکر ہے۔

وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ [2:228]

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہے اپنے آپ کو تین مرتبہ ایام ماہواری (حیض) تک روکے رکھیں اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہیں۔اور اس مدت کے اندر ان کے شوہروں کو انہیں (پھر) اپنی زوجیت میں لوٹانے حق زیادہ ہے اگر اصلاح کا ارادہ کرلیں۔عورتوں کے لئے بھی دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ (برتری) حاصل ہے اور اللہ زبردست قوت والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

نکاح اور طلاق کے قوانین مرد اور عورت کے حقوق میں بہت اہم ہیں۔اس لئے عورتوں کے لئے حکم ہے کہ ان کے حقوق ہیں لیکن ان کے فرائض بھی ہیں اور یہ ایک اہم ذمہ داری ہے کہ وہ رحم میں موجود حمل کے بارے مطلع کریں۔آیت مبارکہ میں گھریلو زندگی کے طریقے کو بڑے خوبصورت طریقے سے بیان فرمایا گیا اور اسے عائلی قانون بنایا ہے۔طلاق کے فوراً بعد دوسرا نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ تین ماہ ایام ماہواری تک انتظار کیا جائے۔بعض فقہاء نے **قُرُوْٓءَ** (یہ ذومعنی لفظ حیض اور بعد از حیض طہارت) سے مراد حیض لیا ہے اور بعض نے بعد از حیض طہارت،جس سے مدت حیض کا فرق پڑ جاتا ہے(تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے) اس کا مقصد یہ کہ جو نئی زندگی عورت کے رحم میں ہے اس کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔اس کی وراثت،اس کی عصبیت (نسل) کا احترام کیا جائے اور ذاتی مفاد (عورت کی خواہش دوسری شادی) کی وجہ سے اسے نقصان نہ ہو۔دوسری طرف اس مدت میں جب مرد کو اس کے اولاد کی آمد کی خبر مل جائے تو مرد اور عورت دونوں کے لئے ایک خوشخبری ہے۔یہ ایسا امر ہے جس پر غور ضروری ہے اور امکانات ہیں کہ صلح ہو اور بکھرے ہوئے دل مل جائیں۔

حقوق نسواں اور اسلام:۔

یہ بڑا اہم موضوع ہے اس سلسلہ میں ایک نکتہ بڑا اہم ہے کہ اس معاملہ (حمل) میں ساری شہادت (خبر) کا دارو مدار عورت پر ہے۔ مرد کا اس میں کوئی حصہ نہیں اور عورت کی گواہی سب سے اہم ہے۔ عام طور پر اسلام پر عورت کی مالی امور میں دو عورتوں کی گواہی کی وجہ سے الزام لگایا جاتا ہے کہ عورت کی قدر مرد کے نصف کے برابر ہے۔ یہ الزام محض لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہے۔ ملاحظہ فرمائیں حمل (اقرار یا انکار) کی صورت میں عورت کی ہی گواہی قابل قبول ہوگی۔ یہاں تو مرد کو چوتھائی کی بھی حیثیت حاصل نہیں۔

عدت کی مدت کی حکمت:۔

عدت کی مدت اور جدید بیالوجی (تولیدی سائنس):۔

شریعت میں عدت کی مدت کی حکمت جدید تولیدی سائنس "Embryologists" نے واضح کر دی ہے کہ اسلام اس قدر انسانی صحت کی حفاظت کا اہتمام کرتا ہے۔ ایک جدید تحقیق جو کہ امریکہ میں مسلمان، افریقن، امریکن عورتوں اور غیر مسلم افریقن امریکن عورتوں پر کی گئی اس کے نتائج حسب ذیل ہے۔ مرد عورت کے جنسی تعلقات کے بعد مرد کے ساتھ مادہ تولیدی مائع(Imprint Man Water) میں 62 پروٹین ہوتے ہیں اور ان کی ترکیب ہر فرد کے لئے مخصوص اور مختلف ہوتی ہے جس طرح ہمارے انگلیوں کے نشان ہوتے ہیں اور یہ ایک خاص کوڈ کی مثال ہے اور یہ کوڈ یا ذرات عورت کے جسم میں محفوظ رہتے ہیں۔ جس طرح کوئی چیز کمپیوٹر میں محفوظ ہوتی ہے۔ اگر عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ جنسی عمل کرتی ہے یا شادی کرتی ہے تو اس آدمی کے تولیدی مادہ کے قطرات اس کے جسم کے میں داخل ہوکر اسے اندر محفوظ ہوکر پہلے والے قطرات سے مل کر اس کا پہلے موجود توازن خراب کر دیتے ہیں اور جنسی بیماری کا سبب بنتے ہیں۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہوئی ہے کہ جنسی عمل کے بعد ایام ماہواری کے دوران یہ وائرس 32 فیصد سے 35 فیصد تک اس کے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسری ماہواری کے موقعہ پر 67 فیصد سے 72 فیصد تک نکل جاتے ہیں اور تیسری ماہواری پر 99 فیصد نکل جاتے ہیں اور بچہ دانی (Womb) پرانے وائرس سے مکمل طور پر صاف و پاک ہو جاتی ہے اور نئے وائرس کو بغیر کسی مشکل کے قبول کرنے کے لئے تیار ہوتی ہے اس لئے اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل تین ماہواری کو طلاق کی عدت قرار دیا ہے اور اس کے بعد دوسری شادی کی اجازت دی ہے تا کہ عورت کی صحت مکمل طور پر محفوظ رہے۔

حمل کے بعد انسانی وجود کا پہلا تخلیقی مرحلہ رحم مادر ہے (عورت کی بچہ دانی) جہاں انسانی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ رحم کا اور رحمت کا لفظ ایک جیسا ہے۔ اس سے عورت کی فطرت محبت اور انس کے عنصر کا اظہار جو ہم دیکھتے ہیں۔ سائنس بڑی تگ و دو کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ بچے کا ابتدائی نشو نما مادر رحم میں ہوتا ہے اور وہ اس کی شخصیت کا اہم حصہ

ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے "مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىٓ أَرْحَامِهِنَّ" (جوان کے رحموں میں پیدا کیا ہے) فرما کر اعلان کر دیا کہ یہ انسان کی ابتداء اور پروان چڑھنے کا مقام ہے۔ اور اس دوران عورت کی ذہنی کیفیت اور جسمانی کیفیت بچے کے نشو نما اور اس کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں پر بڑی اثر انداز ہوتی ہے۔ اسلام نے اس اہمیت کے پیش نظر خاوند (بچہ کے والد) کو عورت کے نان نفقہ، رہائش کا قانون پابند کر دیا ہے تا کہ عورت اسی دوران مسائل معاش سے آزاد ہو اور بچے کی شخصیت پر منفی اثر نہ ہو۔ سائنسی تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ عورت کے ذہنی سکون اور غذائی آرام کی وجہ سے بچے کا نشو نما اچھا ہوتا ہے۔ اس لئے اگر عورت اس دوران اچھے خیالات (بالخصوص عبادت و تلاوت) رکھے تو بچے کی شخصیت پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اگر پر تشدد جذبات و کیفیت (اعصابی تناؤ) کا شکار ہو تو بچہ پر منفی اثر پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے طلاق سے رجوع کا حق دیا ہے تا کہ ازدواجی مشکل ختم ہو جائے اور خاص کر اصلاح کا ذکر فرمایا۔ مرد اور عورت کے حقوق کے بارے قرآن مجید کا اصول بہت خوبصورت ہے کہ "عورتوں کے لئے بھی دستور کے مطابق ویسے حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق" اس کے بارے میں حضرت ابن عباس کا قول بہت خوبصورت ہے کہ "اِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ أَتَزَيَّنَ لِلْمَرْأَةِ كَمَا أُحِبُّ أَنْ تَزَّيَّنَ لِي؛" میں اپنی عورت کے لئے اسی طرح کا ہونا چاہتا ہوں جس طرح کا میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے لئے ہو (بحوالہ تفسیر مظہری)

عام طور پر "لِلرِّجَالِ عَلَيْهِ" کا درجہ عورتوں پر مردوں کو ایک درجہ (برتری) حاصل ہے اسکا مقصد یہ نہیں کہ عورت کے حقوق نہیں۔ حقوق میں انسانی طور پر مساوات ہے لیکن گھر ایک انتظامی یونٹ (اکائی) ہے۔ اس یونٹ کی ذمہ داری ولیڈرشپ مرد کے ہاتھ دی ہے اور اس کے بدلے اس کے کندھوں پر گھر کے معاش کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ غور کریں اگر عورت کو انتظامی سربراہ مقرر کر دیا جاتا اور اسے معاش کی ذمہ داری دی جاتی تو پھر ایام ماہواری میں طبیعت میں تھکن و کمزوری ایام حمل میں آرام و غذا، ولادت کے دوران اور بعد از ولادت کے ایام پھر دودھ پلانے کے ایام میں کیا روزگار کرتی اور کماتی اور ادھر خاوند بچوں کو باہر سے لے کر دودھ پلاتا۔ یہ ایک غیر فطری تقسیم ہے اگر دونوں کے برابر حقوق ہوتے تو بھی نقصان تھا۔ کسی بھی انتظامی یونٹ میں اگر دو برابر کے سربراہ ہوں گے خواہ وہ ملک پر، کمپنی پر یا ایک معمولی دوکان وہاں تصادم (کنفیوژن) اور ناکامی ہوتی ہے لہذا ایک ہی ٹیم لیڈر کا بننا، ایک اصول سے کر دیا ہے کہ مرد کے پاس گھر کی انتظامی لیڈرشپ ہے اور اسے اس کی قیمت بطور طعام و قیام ادا کرنی پڑتی ہے۔

عورت کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر نہیں کر اسے کھانے پینے اور رہائش کے مسائل سے چھٹکارا دلا کر اولاد کی تربیت جیسے اہم کام جس پر ساری انسانی معاشرے کا دارومدار ہے کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ ہاں اگر کسی وجہ سے گھر کے حالات اور اس ہاں فارغ وقت موجود ہے تو اس میں وہ ضرور اسلامی انداز لباس کے ساتھ اختلاط سے بچ کر مرد کا ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ اس خاندانی یونٹ میں ٹیم سپرٹ کے جذبہ کے لئے بہت ساری احادیث ہیں۔ عورت کو مرد کی تعلیمات کی پابندی کی ہدایت کی ہے اور

دوسری طرف مرد کو اس کے خیال اور پیار کا حکم دیا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے (ترمذی کتاب الرضاع) **"ما جاء حق المرئة علی زوجھا"**۔ ایمان کے لحاظ سے تم میں سب سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو عورتوں سے (معاملات میں) اچھا ہے **"ان اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا و خیارکم خیارکم لانسائھم"**۔

مغربی تہذیب نے عورت کو آزادی کے بہانے گھر سے نکال کر کارخانوں، دوکانوں، دفتروں اور بازاروں میں لا کھڑا کیا ہے اس اختلاط کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جو عورتیں شادی شدہ ہیں ان کے خانگی حالات (میاں بیوی) خراب ہو جاتے ہیں ایک رپورٹ کے مطابق 70% خانگی معاملات اس لئے خراب ہوتے ہیں کہ عورتیں ایک ایسے مقام پر کام کرتی ہیں جہاں وہ مردوں سے آزادانہ اختلاط (میل جول) کرتی ہیں۔ اس اختلاط کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شادی شدہ عورتوں میں 70-80% فیصد عورتیں مغربی ترقی یافتہ ممالک مثلاً امریکہ، مغربی یورپ میں طلاق ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اولاد پس جاتی ہے۔ بچوں کی نشونما (بالخصوص سماجی ونفسیاتی) کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ پھر 60% عورتیں بغیر کسی نکاح کے ساتھ مردوں کے ساتھ رہتی ہیں اور ان میں 75% بچے بغیر باپ کے پیدا ہوتے ہیں اور پھر جب ان کا حسن ختم ہو جاتا ہے تو اسے چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں چونکہ نکاح نہیں ہوا ہوتا اس لئے وہ بے بس ہو جاتی ہیں اور ان بچوں کا بوجھ بھی اپنے کندھوں پر اُٹھاتی ہیں یا ریاست کے حوالے کر دیتی ہیں لیکن ان بچوں کا نفسیاتی کردار انتہائی طور کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ اس عورت کی آزادی یا مساوات حقوق نسواں کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے عورت کو نکاح کے ذریعے معاشی آزادی عطا کی ہے۔ طلاق کے کئی ایسے مواقع قانونی طور پر ہیں کہ وہ علیحدہ ہو سکتی ہے اور اپنے حقوق بھی منوا سکتی ہے۔ اختلاط کو روکا گیا ہے یا اسے کم کیا ہے تا کہ خانگی زندگی میں اختلافات و تباہی سے بچایا جا سکے، یہ حفاظتی طریقہ کار ہے اسی میں انسانیت کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ اللہ سب سے زیادہ قوت والا ہے لہٰذا وہ انسان کو اس کے جرائم کی سزا دے گا اور بڑا حکمت والا ہے اس لئے اس کے قوانین واصول انسانیت کی بھلائی کے لئے ہیں۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡتَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَیۡتُمُوۡھُنَّ شَیۡـًٔا اِلَّآ اَنۡ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡھِمَا فِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِہٖ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ فَلَا تَعۡتَدُوۡھَا وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ [229:2]

طلاق دو بار ہے پھر اس کے بعد یا تو بیوی کو اچھے طریقے سے روک لینا (زوجیت میں) یا خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو چیزیں تم انہیں دے چکے ہو ان میں سے کچھ واپس لو مگر اس صورت میں کہ دونوں کو اندیشہ ہ (کہ رشتہ زوجیت میں) اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے۔ پس

اگر تمہیں ڈر ہو کے دونوں اللہ کی حدود کا قائم نہ رکھ سکیں گے تو پھر دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی کچھ فدیہ (بدلہ) دے کر اس (نکاح) سے آزادی لے لے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں پس وہی لوگ ظالم ہیں۔

فَـاِنْ طَـلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَـعْـدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَـاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَـلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَ تِـلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ [2:230]

پھر اگر اس نے (دوسری کے بعد تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ یہاں تک کو وہ کسی اور شخص کے ساتھ نکاح کرے پھر اگر وہ (دوسرا شخص) بھی طلاق دے دے تو اب ان دونوں (پہلا شوہر اور عورت) پر کوئی گناہ نہ ہوگا اگر وہ خیال کریں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے تو دوبارہ رجوع (رشتہ زوجیت) کر لیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں جنہیں وہ علم والوں کے لئے بیان کرتا ہے۔

طریقہ طلاق:۔

معاشرے میں مرد اور عورت کا آپس میں اکٹھی زندگی گزارنے کے طریقے کا نام نکاح ہے یہ ایک معاہدہ ہے جو ساری زندگی کے لئے ہے لیکن با مرمجبوری اس کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اگر مرد ختم کر رہا ہے تو اسے طلاق کہا جائے گا جو اپنی مرضی سے دے سکتا ہے کیونکہ وہ گھر کا انتظامی سربراہ ہے، گھر کے انتظامی امور کو صحیح رکھنے کے لئے اسے یہ اختیار اسلام نے دیا ہے۔ دوسری طرف عورت بھی ایک آزاد انسان ہے اسے بھی حق حاصل ہے کہ اگر مرد کے ساتھ رہنا ممکن نہ ہو تو وہ عدالت کے ذریعے نکاح سے آزاد ہو سکتی ہے۔ اسے خلع کہتے ہیں اور شریعت میں اس کی اجازت ہے مثلاً نان نفقہ (اخراجات) کی کمی، گھر سے لمبی مدت (تین سال) تک بغیر بتائے غائب ہو جانا۔ کسی ایسے ملک میں جانا جہاں سے واپسی کے امکان یقینی نہیں (جنگ کے دوران دوسرے ممالک) یا مزاج کے اختلاف یا ذاتی ناپسندیدگی اس صورت میں عورت کی چونکہ اپنی ذاتی خواہش ہوتی ہے اس لئے اسے مہر یا دوسرے تحائف جو اس نے مرد سے حاصل کئے ہیں یا اسکی ملکیت ہیں کے ذریعے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے جسے فدیہ کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔ تفصیل فقہ کی کتب میں موجود ہے۔ یہ وہ حقوق ہیں مغربی دنیا یا جدید دنیا نے آج عورت کو اپنے ملکوں (ہندوستان، چین، جاپان، یورپ، شمالی امریکہ، جنوبی امریکہ) میں بیسویں صدی میں دیئے ہیں لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل دے دیئے تھے۔

طلاق کے طریقے کا بھی ذکر ہے کہ فریقین اپنے خاندان (اولاد) کو پریشانی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔مرد حقِ طلاق کو بطور دھمکی استعمال نہ کرے۔سوچ سمجھ کر تین ماہ کے اندر ہر ماہ کے وقفہ کے ساتھ (طہر یعنی بعد از ایام ماہواری) ایک طلاق دے تا کہ حمل کے بارے شک نہ رہے۔پھر اس مدت میں عورت و مرد اپنے امور پر غور کر سکتے ہیں۔اس لئے یہ فیصلہ جذباتی طور پر نہیں بلکہ انتہائی سمجھداری اور مستقبل کے مسائل کو دیکھ کر کرنا چاہیے۔اسلام نے مرد کو یہ حق استعمال کرنے پر معروف (بھلائی کا انداز) اور اس کے علاوہ احسان (سخاوت و درگذر) کی ہدایت کی ہے۔لہٰذا جو کچھ بیوی کو بطور مہر ہدیہ، گفٹ دیا ہے اس اس کے پاس رہنے دینا چاہیے بلکہ بطور تعاون اس جدائی اور ساتھ کو ختم کرنے پر مزید کچھ دینا چاہیئے۔دو دفعہ طلاق کے الفاظ کہنے بعد آخری دفعہ طلاق (تیسری) ہوگی۔اس کے بعد رجوع کی اجازت نہیں اور مستقل علیحدگی ہو جائے گی۔قرآنی تعلیمات میں کہ کہا گیا ہے کہ طلاق ہو یا خلع کی صورت کسی دوسرے فریق پر زیادتی، سزا دینا، بدنام کرنا مقصود نہیں ہونا چاہیے، ایسی صورت میں آدمی ظالم شمار ہوگا اور اس کی سزا اللہ تعالیٰ سے پائے گا۔ طلاق کے بعد رجوع کا طریقہ بھی بیان فرمایا کہ اگر طلاق ہوگئی اور مرد یا عورت نے محسوس کیا کہ ان کا فیصلہ غلط تھا اور اب وہ اپنا رویہ تبدیل کر کے اکٹھے بطور میاں بیوی رہ سکتے ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ عورت کسی اور مرد سے شادی کرے پھر اس کے ساتھ رہے اور وہ اسے طلاق دے پھر وہ دوبارہ پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔چونکہ طلاق کا عمل انتہائی ناپسندیدہ ہے اس لئے اسلام نے دوسرے مرد سے نکاح کی شرط رکھی ہے تا کہ اسے جذبات کا کھیل نہ بنایا جائے اور اگر دوسرا نکاح محض پھر طلاق لینے کی وجہ سے کیا تو یہ دھوکہ ہے اور موجب لعنت ہے۔

تمام امور میں احسان بھلائی اور مناسب (معروف) رویہ و طریقہ کا حکم دیا ہے تا کہ خدائی قائم کردہ قوانین و حدود کا خاص خیال کر کے انسانی حقوق کی حفاظت کی جائے اور ظلم سے بچا جائے اسلامی معاشرہ اور نظام حیات کی یہی خصوصیت ہے۔

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا
اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ
الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ [231:2]

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور اپنی عدت کی مدت (پوری ہونے) آ پہنچیں تو انہیں اچھے طریقے سے (اپنی زوجیت میں) روک لو یا انہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دو اور انہیں نقصان دینے کے لئے نہ روکے رکھو کہ ان پر زیادتی کرو۔اور جو کوئی ایسا کرے پس اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بناؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر اتاری ہیں یعنی کتاب اور حکمت، وہ

اس سے تمہیں نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کے بے شک سب کچھ جاننے والا ہے۔

یہ آیات بھی طلاق کے بعد یعنی طلاق رجعی جب تک پورے طریقہ ومحبت کے ساتھ عدت مکمل نہ ہو جائے اس دوران تک رجوع کی اجازت ہے لیکن گھر بسانے کے لئے ہو اس سے عورت کو پابند کرنا نہ ہو یا کوئی بدلہ نہ لینا ہو۔ اگر یہ صورت ہے تو یہ اس آدمی کی اپنے ساتھ زیادتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے دھوکہ دہی کی سزا دے گا۔ اور اس سے اس کی اولاد (اگر اس عورت سے ہے) تو وہ بھی متنفر ہو گی۔ دوسرا یہ حکم ہے کہ اچھے طریقے سے رخصت کرو تاکہ گذشتہ رنجش بھی کم ہو جائے۔ یہ احکام الٰہی انسانی معاشرہ کی فلاح کے لئے ہیں لہٰذا ان میں حکمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت (قرآن مجید) اور قوانین ایک نعمت ہیں ان کا احترام اور صحیح نفاذ کرنا چاہیے۔

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [2:232]

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو وہ اپنی عدت (پوری ہونے) جو آ پہنچیں تو انہیں اپنے شوہروں (نئے یا پرانے) سے نکاح سے مت روکو اگر وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضا مند ہوں۔ یہ تم میں ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ اور بہت ستھری بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم (بہت سی باتیں) نہیں جانتے ہو۔

طلاق کے احکام کا ذکر ہے اسلام نے خواتین کی آزادی کے لئے آج سے چودہ سو سال قبل قوانین وضع کئے تھے وہ آج بھی تمام مہذب اور جدید قوانین کی بنیاد ہیں۔ آیت میں حکم دیا ہے کہ جب عورت کی عدت کی مدت پوری ہو جائے تو سابقہ خاوند کسی طریقے سے عورت کو اپنی مرضی کے ساتھ دوسرے آدمی سے مناسب طریقے سے نکاح کرنے سے قطعاً رکاوٹ نہ ڈالے۔ اسی طرح عورت کے گھر والے (رشتہ دار، فیملی) اسے اگر وہ کسی مرد کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو رکاوٹ نہ ڈالیں اسے اس کا حق آزادی استعمال کرنے دیں اگر وہ آخرت اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایک اور نکتہ یہ ہے کہ طلاق و نکاح کو دشمنی نہیں بنانا چاہیے بلکہ ایک سماجی مسئلہ سمجھنا چاہیے اور دونوں افراد (مرد وعورت) کی مشکل اور ضرورت کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہی حکمت ہے۔ پھر فرمایا یہ باتیں بہت پاکیزہ اور ستھری ہیں کیونکہ ایک صاف ستھرے معاشرہ کی بنیاد فراہم کرتی جہاں گھرانے خوشی کے ساتھ رہیں اور اگر علیحدہ ہو تو وقار و احترام کے ساتھ علیحدہ ہوں اللہ تعالیٰ وہ باتیں جو انسان کے علم سے بھی آگے ہیں جانتا

ہے۔

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ [2:233]

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیے اور بچے کے باپ پر لازم ہے دودھ پلانے والی ماؤں کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دے۔ کسی شخص پر اس کی طاقت اور برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ نہ کسی ماں کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچہ کے باعث اور نہ کسی باپ کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچہ کے باعث اور یہی حکم وارث کے لئے بھی۔ پھر اگر وہ دونوں باہمی رضا مندی اور مشورہ سے دودھ چھڑوانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ کے ذریعہ) دودھ پلانا چاہو تو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم انہیں اچھے طریقہ سے (معاوضہ) ادا کرو اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اور اچھی طرح جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

رضاعت:۔

طلاق کے بعد اگر شادی کے دوران بچہ پیدا ہو گیا ہے اور طلاق بائن بھی واقع ہو گئی ہے تو اس کے بارے احکام درج ہیں۔ اس میں نئے پیدا ہونے والے کے حقوق کا بیان ہیں، بچے کا حق ہے کہ اسے ماں دودھ دو سال تک پلائے۔ ماں کے دودھ کا کوئی نعم البدل نہیں۔ یہ آج علم صحت کی تحقیق کا نتیجہ ہے ماں کی گود اور سینے سے لگانا بچے کی نفسیاتی کیفیت اور شخصیت کے لئے بہت اہم ہے لیکن افسوس کہ محض فیشن کی خاطر کئی مائیں بچوں کو اس سے محروم کرتی ہیں۔ چھاتی کے دودھ پلانے سے قدرتی طور پر اچھا ہے اور پیدائش میں وقفہ مل جاتا ہے جو بچے کی صحت اور نشو نما کے لئے مفید اور اہم ہے۔ دورانِ رضاعت چونکہ ماں بچے کی پرورش میں مصروف رہے گی اس کا رہنا کھانا کپڑا بچے کے والد کے ذمہ ہے اور اس کا معیار اس کی مالی استطاعت پر ہے۔ اس مسئلہ (بچے کو دودھ پلانا یا اس کی پرورش) کو بہانہ بنا کر ایک دوسرے کو تکلیف نہ دی جائے مثلاً ماں زیادہ خرچ طلب کرے یا بغیر

کسی ضروری وجہ کے دودھ پلانے سے انکار کردے۔ یا باپ محض ضد کی خاطر ماں کو بچے کی پرورش سے محروم کرے یہ معاشرے میں فساد کا سبب بن جاتا ہے۔اس لئے اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔(فقہ میں رضاعت کے مسائل کی تفصیل درج ہے)۔

دوسری صورت میں اگر ماں دودھ نہیں پلاسکتی تو کسی دایہ کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں لیکن اس میں ماں کی رضا مندی شامل ہونی چاہیے اور اسے بچے تک رسائی ملنی چاہیے۔ دایہ کے اخراجات بھی (معروف طریقہ / معیار کے مطابق) بچے کے والد کے ذمہ ہیں اور اگر خدانخواستہ والد موجود نہیں تو والد کے ورثاء کے ذمے ہیں۔

طلاق کے بعد جب عمومی طور پر اختلاف اور مستقل دوری ہو جاتی ہے تو اسلام نے نومولود کے ذہنی وجسمانی نشوونما کے لئے آپس میں بھلائی، اخلاق، نیکی اور رواداری کا حکم دیا ہے۔ پھر احکام میں انسانی وسعت وطاقت کا بہت خیال رکھا گیا ہے تا کہ بجالانے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ یہ اصول دنیا و آخرت میں لاگو ہوگا، مثلاً امیر اور غریب، پڑھا لکھا اور ان پڑھ، صحت مند اور بیمار، طاقت والا اور کمزور برابر نہیں لہٰذا ان کی کیفیت وحالت کے مطابق حساب ہوگا اور جزا وسزا ہوگی یہی عدل خداوندی ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ جو کچھ ہم اعمال کرتے ہیں اور ان کے پیچھے جو بھی ہمارا مقصد ہے وہ اس ذات علیم وخبیر کے سامنے ہے اور اس کے مطابق ہمیں اس کی سزا و جزا ملے گی۔

وَ الَّـذِيْـنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا فَـاِذَابَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْـفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ [2:234]

اور تم میں جو فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں جب وہ اس مدت (عدت) کو پہنچ جائیں تو پھر وہ جو کچھ مناسب (معروف) طریقے سے اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مواخذہ نہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

عائلی قوانین کے ضمن میں بیوہ کے حقوق کے بارے آیت ہے۔ بیوہ کی عدت مطلقہ (طلاق یافتہ) سے زیادہ ہے کیونکہ اس کے دکھ اور غم کی کیفیت مطلقہ سے مختلف ہے۔اس مدت کے کئی معاشرتی فوائد ہیں۔

۱۔ اس دوران غم کم ہو جاتا ہے اور مایوسی کی کیفیت بھی بہت حد تک کم ہو جاتی ہے۔

۲۔ مرحوم خاوند کے ساتھ لگاؤ کا اظہار ہے۔

۳۔ خاوند کے ورثاء کے ساتھ بھی تعلق اور لگاؤ کا اظہار ہے۔

۴۔ مالی ، وراثتی معاملات میں بھی موجودگی رہتی ہے اور بیوی کو حقوق آسانی سے مل جاتے ہیں۔

۵۔ حمل کی حالت پتہ چل جاتی ہے اور اگر بیوی کو دوسری شادی کی ضرورت ہو تو اس کی بھی اجازت دی گئی ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے ساتھی کا چناؤ اپنی مرضی کے ساتھ کرے اس میں کسی کو دخل دینے یعنی رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں صرف یہ چناؤ معروف اور اچھے طریقے سے (شرعی حدود کے اندر) ہو۔

دوران عدت بیوہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ بناؤ سنگھار، زینت والے شوخ کپڑے نہ استعمال کرے تا کہ خوشی کا اظہار نہ ہو اور اس لئے خاوند کے ورثاء کے لئے دکھ کا باعث بنے۔ گھر سے ضروری (شرعی حاجت) سے علاوہ باہر نہ نکلے۔ اپنے لئے اسے فیصلہ کا پورا اختیار ہے لیکن حیاء اور ناموس کا خیال ضروری ہے جو اسلامی معاشرے کا شعار ہے۔

حکمت مدت عدت:۔

عدت کی مدت اور جدید بیالوجی (تولیدی سائنس)

شریعت میں عدت کی مدت کی حکمت جدید تولیدی سائنس (Embrology) نے واضح کر دی ہے کہ اسلام اس قدر انسانی صحت کی حفاظت کا اہتمام کرتا ہے۔ ایک جدید تحقیق جو کہ امریکہ میں مسلمان، افریقن، امریکن عورتوں اور غیر مسلم افریقن امریکن عورتوں پر کی گئی اس کے نتائج حسب ذیل ہے۔ مرد عورت کے جنسی تعلقات کے بعد مرد کے ساتھ مادہ تولیدی مائع میں 62 پروٹین ہوتے ہیں اور ان کی ترکیب ہر فرد کے لئے مخصوص اور مختلف ہوتی ہے جس طرح ہمارے انگلیوں کے نشان ہوتے ہیں اور یہ ایک خاص کوڈ کی مثال ہے اور یہ کوڈ یا ذرات عورت کے جسم میں محفوظ رہتے ہیں۔ جس طرح کوئی چیز کمپیوٹر میں محفوظ ہوتی ہے۔ اگر عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ جنسی عمل کرتی ہے یا شادی کرتی ہے تو اس آدمی کے تولیدی مادہ کے قطرات اس کے جسم کے میں داخل ہو کر اس کے اندر محفوظ ہو کر پہلے والے قطرات سے مل کر اس کا پہلے موجود توازن خراب کر دیتے ہیں اور جنسی بیماری کا سبب بنتے ہیں۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہوئی ہے کہ جنسی عمل کے بعد ایام ماہواری کے دوران یہ وائرس 32 فیصد سے 35 فیصد تک اس کے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسری ماہواری کے موقعہ پر 67 فیصد سے 72 فیصد تک نکل جاتے ہیں اور تیسری ماہواری پر 99 فیصد نکل جاتے ہیں اور بچہ دانی (Womb) پرانے وائرس سے مکمل طور پر صاف و پاک ہو جاتی ہے اور نئے وائرس کو بغیر کسی مشکل کے قبول کرنے کے لئے تیار ہوتی ہے اس لئے اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل تین ماہواری کو طلاق کی عدت قرار دیا ہے اور اس کے بعد دوسری شادی کی اجازت دی ہے تا کہ عورت کی صحت مکمل طور پر محفوظ رہے۔ لیکن خاوند کے مرنے کے بعد عدت کی مدت زیادہ کر دی ہے کیونکہ غم کی وجہ سے بچہ دانی کے اندر وائرس جم جاتے ہیں اور نکلنے کی رفتار سست ہوتی ہے وہ تین ماہ کے بجائے تقریباً چار ماہ کے عرصہ میں مکمل نکلتے ہیں۔ جب دو مختلف المذاہب عورتوں پر تحقیق کی گئی تو

پتہ چلا کہ مسلم عورتوں میں صرف ایک ہی طرح کے وائرس جو اِن کے شوہروں کے تھے جبکہ غیر مسلم خواتین میں مختلف قسم کے وائرس ملے جو (Multiple Men's Imprint) مختلف مردوں کے تھے۔ اس طرح مسلمان عورتیں صحت اور صفائی کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی حامل تھیں یہی وجہ ہے کہ حمل کی صورت میں عورت کی عدت ولادت تک بڑھا دی گئی ہے تا کہ عورت اور آنے والے مولود کی صحت کا خاص خیال رکھا جا سکے۔

وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ [2:235]

اور تم پر اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ (دوران عدت) اشارۃً عورتوں کو نکاح کا پیغام دو یا اس خیال کو اپنے دل میں چھپا کر رکھو، اللہ جانتا ہے تم عنقریب ان سے ذکر کرو گے مگر چھپ چھپا کر (نکاح) وعدہ نہ کرو البتہ معروف بات (کنایہ) کہہ دو۔ اور نکاح کا پکا عزم نہ کرو یہاں تک کہ عدت اپنے خاتمہ کو پہنچ جائے اور جان لو اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے پس اس سے ڈرو اور جان لو اللہ بہت معاف کرنے والا اور حلم والا ہے۔

بیوہ عورتوں کے حقوق کے ساتھ ان کے ساتھ دوبارہ نکاح کس طرح کیا جائے اس کے احکام ہیں۔ اسلام بیوہ عورتوں کے دوبارہ نکاح کی ترغیب دیتا ہے تا کہ وہ معاشرہ میں اچھے طریقہ سے رہ سکیں۔ ہمارے نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے علاوہ سب بیوگان سے نکاح فرمایا۔ دوران عدت نکاح کے اعلانیہ ارادے کو ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے تا کہ مرنے والے خاوند کے وارثوں کی دل شکنی نہ ہو اور مرنے والے کا بھی احترام رہے۔ لیکن چونکہ بعض اوقات فطری مجبوری کے تحت اشارہ و کنایہ سے اظہار کی اجازت دی ساتھ ہی خفیہ ساز باز اور میل ملاقات سے سختی سے منع کیا ہے کہ جو بھی ہو معروف اور دستور کے انداز میں ہو۔ جب عدت مکمل ہو جائے تو اس کا پختہ اظہار کیا جائے پھر اس کو نکاح کو اعلانیہ طریقہ سے کیا جائے اور مناسب طریقے سے کیا جائے اور مناسب طریقہ سے منایا جائے اس لئے ولیمہ سنت ہے۔ انسان اپنے حالات و معاملات میں غلطی بھی کر سکتا ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اللہ درگذر کرنے والا ہے اور مہربان ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّ

مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًاۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ [2:236]

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اپنی عورتوں کو ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو (ایسی صورت میں) تم اُنہیں ھدیہ دو۔ امیر آدمی پر اس کی حیثیت کے مطابق اور غریب آدمی پر اس کی حیثیت کے مطابق دے۔ یہ بھلائی کرنے والوں پر واجب ہے۔

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ [2:237]

اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے اور تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو اس مہر کا جو تم نے مقرر کیا تھا نصف دینا ضروری ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ عورت خود معاف کر دے یا وہ (مرد) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے معاف کر دے اور تم (اے مردو) اگر معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے اور آپس میں لطف و احسان مت بھولو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

طلاق کے بعد معاملات:۔

طلاق یافتہ عورتوں کے احکام کے ضمن میں اگر کسی عورت کو اس کی رخصتی سے پہلے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس کے کیا احکام یا اگر مہر مقرر ہو گیا نکاح ہو گیا اور رخصتی نہیں ہوئی تو اس صورت میں کیا احکام ہیں۔ پہلی آیت میں حکم یہ ہے کہ چونکہ نہ رخصتی ہوئی نہ مہر مقرر ہوا تو انہیں کچھ نہ کچھ ہدیہ جو خاوند کی حیثیت کے مطابق ہو دینا چاہیے اور بڑا خوبصورت لفظ استعمال فرمایا " حقً علی المحسنین" یعنی بھلائی۔ اچھے اخلاق والوں کے لئے واجب ہے کہ کچھ نہ کچھ دیں۔ اس میں بخل نہیں کرنا چاہیے بلکہ معروف (اچھائی، نیکی، سخاوت) اور دوسری طرف محسنین بھلائی کرنے والوں میں شامل ہونے کی ترغیب دی ہے۔ مہر کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا لیکن اس کا تعین قبل یا بعد از نکاح کیا جا سکتا ہے لیکن نکاح کے وقت کرنا زیادہ احسن ہے۔ مہر کی مقدار کوئی معین نہیں یہ عورت کا حق ہے اور اس کی ملکیت ہے اور مباشرت سے قبل ادا کرنا چاہیے اور اس کو پہلے یا بعد میں ادا کیا جا سکتا ہے یعنی معجّل (پہلے) اور غیر معجّل (بعد میں تاخیر کے ساتھ) اگر عورت چاہے تو مہر کو معاف کر سکتی ہے یہ اس کی اپنی خوشی پر منحصر ہے۔ اسلام کے اصول فطری اور عدل کی بنیاد پر ہیں اس لئے فرمایا کہ غریب کے لئے اس کے مطابق اور امیر کے

لئے اس کے مطابق ہے خواہ ھد یہ ہو یا مہر۔
اگر مہر متعین ہو گیا اور نکاح ہو گیا لیکن رخصتی سے قبل ہی طلاق ہو گئی تو اس صورت کے احکام بھی دوسری آیت میں ہیں کہ اس صورت میں نصف مہر کی ادائیگی واجب ہو گی۔ یہاں بھی عدل کا تقاضا ہے کہ ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی، ملاقات نہیں ہوئی اس صورت میں ھد یہ کے بجائے نصف مہر دیا جائے گا بلکہ بعض فقہاء کے ہاں پورا مہر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ آیت میں عفو کا لفظ تقویٰ کا لفظ اور فضل کے الفاظ اس بات کی ترغیب و دلیل ہیں کہ جس قدر دیا جائے یعنی پورا مہر اتنا ہی بہتر ہے۔

مہر کو معاف کرنے کا اصل حق عورت کے پاس ہے لیکن اس کے والی جنہوں نے نکاح میں اس کی وکالت کی انہیں بھی حق ہے کہ نصف معاف کر سکتے ہیں اس سے یہ مقصود بھی ہے کہ معاملات کو افہام وتفہیم ومشورہ سے نمٹایا جایا۔ پھر اس موقعہ پر جبکہ علیحدگی کی فضا اور فیصلہ پھر بھی بھلائی اور احسان کا حکم دیا ہے کہ اچھے حالات میں طلاق ومہر کا معاملہ انجام پائے۔

اسلامی معاشرہ کی یہ خصوصیت ہے کہ نکاح وطلاق کے معاملات چونکہ عائلی ہیں ان کا تعلق ہمارے معاشرے کے اساسی حصہ یعنی خاندان، فرد اور مستقبل کے افراد (اولاد) سے ہے اس لئے ان تمام آیات میں محبت، اخلاق، رواداری، درگذر اور سخاوت کا حکم دیا ہے۔ ملاحظہ کریں یہ آیات 228 تا 237 یعنی دس آیات میں ہر دفعہ احسان، معروف کا بارہ مرتبہ ذکر آیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں باہمی تعلقات کی بنیاد کس پر قائم ہے۔

حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ [238:2]

نمازوں کی حفاظت کرو خاص طور پر درمیانی نماز کی اللہ کے سامنے سراپا ادب بن کر قیام کیا کرو۔

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ [239:2]

پھر اگر تمہیں دشمن کا ڈر ہے تو پیادہ یا سوار (جیسے بھی ہو نماز پڑھ لو) اور جب امن میں آجاؤ تو اللہ کو انہی طریقوں پر یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھائے ہیں جنہیں تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

صلوٰۃ وسطیٰ:۔

عائلی معاملات کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہم ستون نماز کی اہمیت کے بارے حکم دیا ہے۔ نماز کی معاشرتی برکت اور طبی فوائد نفسیاتی برکات سے کون اس وقت آگاہ نہیں روحانی فوائد کا ذکر تو اس کے علاوہ ہے جو کہ ہر فرد کی قوت وخلوص کے ساتھ ہے۔ نماز کی حفاظت یعنی اس کو خاندان میں اور معاشرہ میں قائم کرنا چاہیے۔ اسلامی معاشرہ میں اس کے قیام کے لئے ماحول میسر کرنا ضروری ہے۔ اوقات نماز میں وقفہ، مقام نماز کی سہولت ضروری ہے۔ متعدد احادیث میں اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ نماز

دین کا ستون ہے (الحدیث) نماز وسطیٰ کا ذکر فرمایا کہ اس کا خصوصی اہتمام کرو۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے جس بارے کافی احادیث ہیں کچھ کا خیال نماز مغرب ہے یعنی دن اور رات کی نمازوں کے درمیان اور اس کی رکعات کی تعداد سفر میں کم نہیں ہوتی۔ نماز ظہر بھی ہے جو بہت بھاری ہے کیونکہ آدمی کاروبار میں مصروف ہوتا ہے۔ یا نماز فجر ہے جو صبح اُٹھنا مشکل ہے پھر دو دن کی نمازوں اور دو راتوں کی نمازوں کے درمیان ہے۔ دراصل نماز کی اہمیت میں قانتین کا لفظ فرما کر خلوص اور ادب کی اہمیت ظاہر فرمائی ہے کہ نماز دل سے ادا کی جائے جس طرح حضور نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم دیکھ رہے ہو اگر تم نہیں دیکھ رہے تو وہ دیکھ رہا ہے۔ نماز کے جملہ ارکان کی ادائیگی سے فرض ادا ہو جاتا ہے، طبی و معاشرتی و نفسیاتی فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔ جس قدر اہتمام اور کوشش ہو گی اس قدر اس عبادت کی قبولیت اور جزا ہو گی لیکن روحانیت کے درجات انسانی اخلاص اور عشق الٰہی کے ساتھ ہیں۔ ؎

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا

تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

نماز کی معافی کی کوئی صورت نہیں خوف، جنگ کی حالت جس طرح ہو سواری یا پیدل (کھڑی) نماز ادا کی جائے اس کی تفصیل صلوٰۃ الخوف کے ضمن میں کتب فقہ میں موجود ہے۔ دوران خوف، جنگ جس طرح کی صورت ہو اجازت ہے۔ لمبے سفر کے دوران قصر (کمی کرنے کی) اجازت ہے اور امن میں اس کو اہتمام اور خلوص سے جو طریقہ ہمارے نبی علیہ وسلم نے بتایا ہے اس طریقہ سے ادا کرنی ضروری ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَ یَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا وَّصِیَّۃً لِّاَزۡوَاجِہِمۡ مَّتَاعًا اِلَی الۡحَوۡلِ غَیۡرَ اِخۡرَاجٍ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡ مَا فَعَلۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ [2:240]

اور تم میں جو لوگ فوت ہو جائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں ان پر لازم ہے کہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لئے انہیں ایک سال خرچہ دینے کا (اور) اپنے گھروں سے نہ نکالے جانے کی وصیت کر جائیں۔ پھر اگر وہ خود (اپنی مرضی سے) نکل جائیں تو دستور کے مطابق جو کچھ بھی وہ اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملہ میں کوئی گناہ نہیں۔ اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

وَ لِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ حَقًّا عَلَی الۡمُتَّقِیۡنَ [2:241]

اور مطلقہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچ دیا جائے، یہ پرہیز گاروں (نیکوں) پر واجب ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [242:2]

اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام واضح فرماتا ہے تاکہ تمہیں عقل آجائے۔

نماز سے پہلے نکاح و طلاق (عائلی) احکام کا ذکر تھا اور اس کے بعد بھی اِن آیات میں اُن احکام کا ذکر ہے۔ اسلام نے عورت کے حقوق کے لئے آج سے چودہ سو سال قبل ایک انقلاب لایا جو صرف نصیحت کی صورت میں فلسفیانہ نہیں تھا بلکہ ایک قانونی صورت میں معاشرہ میں نافذ کیا۔ عورت کے حقوق بحیثیت انسان، بیوی یا مطلقہ ہو یا بیوہ کو عادلانہ طریقے پر متعین کیا ہے کہ اگر مرد فوت ہو گیا ہے تو بیوی کے لئے ایک سال تک اس کی رہائش و خرچہ کی وصیت کر جائے تاکہ اس کی آئندہ اگر نسل کے امکان (حمل) ہیں تو واضح ہو جائیں۔ عورت کے لئے سال بھر تک کسی پریشانی یا دوسری زندگی (بطور شادی) اختیار کرنے تک بندوبست رہے۔ اور اگر اس دوران وہ خود اپنی زندگی کی راہ متعین کرتی ہے تو اس کی آزادی میں کوئی رکاوٹ مرد کے خاندان سے نہ ڈالی جائے صرف یہ ضروری ہے کہ تمام امور اچھے معروف دستور (یعنی شرع محمدی ﷺ) کے مطابق ہوں اور واضح فرمایا ہے کہ عورت اپنے امور میں آزاد ہے اگر وہ گھر سے چلی گئی ہے تو ورثاء پر اس کا کوئی بوجھ یا گناہ نہیں بشرطیکہ انھوں نے اسے اس کے نان نفقہ کے معاملات میں تنگ نہ کیا ہو۔ اسلام نے بعد میں اُن قوانین کو مزید عورت کے حق بہتر فرما دیا کہ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ اور دس دن مقرر کر دی اس کے بعد اسے مکمل آزادی ہے (یہ سال کی مدت سے بہت کم ہے) دوسری طرف اسے وراثت میں 1/8 حصہ بھی دیا جو سال بھر کے نفقہ سے زیادہ بہتر ہے۔ اس کی اپنی علیحدہ ملکیت ہے۔ مطلقہ عورتوں کے بارے بھی حکم فرمایا کہ ان کو بھی مناسب خرچ دیا جائے اور اسے پرہیزگاروں کے لئے واجب قرار فرمایا۔ اس کے بعد عدت کی مدت متعین کر کے اور اس کے ساتھ مرد کی حیثیت کے مطابق ھدیہ دینے کا حکم دیا ہے۔

یہ سارے امور جو معاشرہ میں عدل، احترام، حقوق کی نگہداشت اور مساوات سے تعلق رکھتے ہیں ان پر ہم غور کریں تو ان کے فوائد سے آگاہ ہو جائیں گے۔ اور ان پر عمل کرنا اور کرانا آسان ہوگا۔ اس لئے فرمایا کہ تمہیں عقل آجائے اور سمجھ آجائے تم عقلمند بن کر معاشرے میں زندگی گزارو۔ اسلام عقل و سمجھ کی بنیاد پر انسانی فلاح کا مذہب ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ [243:2]

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل گئے حالانکہ وہ ہزاروں

(کی تعداد) میں تھے تو اللہ نے انہیں حکم دیا مر جاؤ (مر گئے) پھر انہیں زندہ کیا بے شک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ (اس کا) شکر یہ ادا نہیں کرتے۔

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ [2:244]

اور اللہ کی راہ میں جنگ (قتال) کرو اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

عائلی (نکاح/طلاق) کے احکام کے بعد مسلمانوں کو پرانی امتوں کے واقعہ کے ذریعے اللہ کی راہ میں جنگ کی اہمیت کے بارے واقعہ ذکر فرمایا ہے اور ترغیب دی ہے۔ یہ واقعہ پچھلی قوم بنی اسرائیل کا ہے جن کوان کے نبی نے اللہ کی راہ میں جہاد/جنگ کرنے کو کہا لیکن وہ ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود خوف کی وجہ سے گھروں سے بھاگ نکلے لیکن اللہ نے ان پر موت واقع کر دی کہ وباء کی وجہ سے مر گئے۔ پھر اس قوم کو زندہ کیا گیا۔ اس واقعہ کا مقصد یہ ہے کہ موت انسان کے بس میں نہیں بلکہ جس طرح ایک آیت میں آیا ہے کہ تم کسی مضبوط سے مضبوط تر مقام یا مورچہ میں بیٹھے ہو تو بھی موت آئے گی لہٰذا اللہ کے احکام سے جان بچانا موت سے بچنے کی ضمانت نہیں تو کیوں نہ اس کی رضا کی خاطر حکم بجالایا جائے موت آئے یا نہ آئے۔ اگر اللہ بچالے تو اس کا فضل ہے اور اگر اس کے حکم میں جان لے لے تو اس کا انعام ہے۔ لیکن اس حکمت کو لوگ نہیں سمجھتے پھر اگلی آیت میں اللہ کی راہ میں یعنی معاشرہ میں اللہ کے قانون و حاکمیت جو انسانیت کی فلاح کے لئے ہے اس کے نفاذ کے لئے کوشش کا ذکر فرمایا جس میں دفاع و حفاظت کے لئے قتال کا حکم ہے۔ اللہ ان کوششوں کو جاننے والا ہے لہٰذا کسی کا عمل ضائع نہیں ہوگا۔ بزدلی کی زندگی اور خوف میں زندگی بھی ایک طرح کی موت ہے جس طرح آج کل مسلمان ممالک رہ رہے ہیں۔ دوبارہ زندگی کے بارے اکثر لوگ اس کو حقیقت کے خلاف سمجھتے تھے لیکن جدید سائنس نے اس کی نہ تردید کی ہے نہ تصدیق کی ہے۔ مرنے کے بعد زندگی کے چند واقعات جو قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں وہ قیامت سے پہلے کے ہیں۔ یہ بطور خصوصی معجزہ تھے قیامت کے بعد زندگی تو ہونی ہی ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ [2:245]

کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ وہ اسے کئی گنا بڑھا دے (بلکہ) اس سے بھی زیادہ اور اللہ ہی (تمہارے رزق میں) تنگی اور کشادگی کرتا ہے تم سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اللہ کو قرض دینا:۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابواحداع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ

ﷺ میں اللہ کو قرض دینا چاہتا ہوں، فرمایا ہاں ابواحداع۔ کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے تو آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا میں نے اپنے رب تعالیٰ کو اپنا باغ قرض دیا جس میں میرا گھر اور 600 درخت ہیں۔ پھر حضرت ابواحداع رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر تشریف لائے اور باہر سے بیوی کو آواز دی کہ یہ باغ اللہ کو قرض دیا ہے اس سے باہر آ جاؤ وہ باہر آ گئیں اور کہا تم نے بہت اچھا سودا کیا ہے۔ جہاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرض حسنہ کا ذکر کیا، قرض حسنہ وہ قرض مال ہے جو کہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے اس سے کوئی ذاتی کسی قسم کی منفعت (فائدہ) کا لالچ نہ ہو یہ مال کی صورت، جان کی صورت اور اعمال کی صورت ہے۔ ہر انسان فطری خواہش کے تحت اپنے مال کو بڑھانا چاہتا ہے، زراعت ہو یا تجارت وصنعت اس کے لئے پوری کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابل ایک اور سرمایہ کاری اور تجارت کا راستہ دکھایا ہے کہ اللہ کے لئے مال کو خرچ کرو۔ یہ خرچ دین اسلام کی ترویج، غریبوں کی مدد، مظلوموں محتاجوں کی مدد کی صورت ہے اور اس مال کا منافع اس دنیا اور آخرت میں کئی گنا ملے گا۔ اللہ نے اس کو خرچ کرنے کی ترغیب بہت خوبصورت انداز میں بیان فرمائی کہ اللہ کی ذات کو قرض دیا جا رہا ہے اور کئی گنا وہ اسے لوٹائے گا۔ اس سرمایہ کاری وتجارت میں نقصان کا اندیشہ نہیں اور وصولی یقینی ہے پھر بندے کو اعزاز بخشا کہ قرض دے اور دوسری طرف اپنی مخلوق کی حفاظت وآرام کے لئے اس قرض کو استعمال ہونے کا حکم دیا۔ خالق کا مخلوق سے پیار کا انداز ہے، ایک حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا اے ابن آدم میں بیمار تھا، میری عبادت نہیں کی، میں نے کھانا طلب کیا کھانا نہیں دیا، پانی طلب کیا پانی نہیں پلایا، جب بندہ عرض کرے گا یہ کیسے تو جواب آئے گا جو انسان تھا وہ میرا بندہ ہی تھا جو مجبور تھا اور تجھ سے مدد طلب کرتا تھا مگر تو نہیں نہیں کی (روایت صحیح البخاری وصحیح المسلم۔ پھر غربت اور فقر کا ایک نفسیاتی خوف جو ہمیں خرچ کرنے سے روکتا ہے، اسکا تجزیہ فرمایا کہ رزق کی فراخی اور تنگی کا کل دارومدار اللہ کے فضل پر ہے۔ لہٰذا خرچ کرو گے تو اضافہ ہوگا۔ پھر یہ بھی کہا کہ تم سب نے میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ یہ مال، جاہ وحشم، اولاد سب رہ جائیں گے۔ لہٰذا مال کے خرچ میں بخل نہیں کرنا چاہیے۔

ع: سکندر جب چلا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّہُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ ہَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ قَالُوۡا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ قَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِیَارِنَا وَ اَبۡنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ [2:246]

کیا آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا (غور کیا) جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا۔ جب

انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم (اسکی قیادت میں) اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ نبی نے ان سے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر قتال (جنگ) فرض کر دیا جائے تو تم قتال ہی نہ کرو۔ وہ کہنے لگے ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں ہمیں اپنے گھروں سے، اولاد سے جدا کر دیا گیا ہے پھر جب ان پر قتال (جنگ) فرض کر دیا گیا تو ان میں چند ایک کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے جب وہ عمالقہ کے تحت غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ شاید یہ حضرت شموئیل کا زمانہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کئی سو سال بعد بنی اسرائیل برے اطوار اور گمراہیوں میں مبتلا ہو چکے تھے ان کا جذبہ جہاد و حریت ختم ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ غلامی کا شکار ہو گئے۔ ان کے کچھ سرداروں کو اس کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنے نبی سے ایک بادشاہ کے تعین کی درخواست کی (درحقیقت وہ اس میں مخلص نہ تھے) ان میں سے ہر ایک اپنی بادشاہی کے اعلان کی امید کرتا تھا۔ نبی نے انہیں ان کے کردار کی پستی کا احساس دلایا کہ تم جہاد سے بھاگ جاؤ گے اور ایسا ہی ہوا۔ اس کی تفصیل اگلی آیات میں آئے گی۔ ان واقعات کا ذکر بائبل میں موجود ہے (باب 7 آیت 15 اور باب 8 آیت 22) اللہ تعالیٰ نے جہاد سے بھاگنے والوں کو ظالمین کے نام سے پکارا ہے۔ اس سے ایک اور نکتہ کی وضاحت ملتی ہے کہ ظلم کے خلاف اور حقوق انسانی کے لئے آواز اُٹھانا بھی جہاد ہے کیونکہ مظلوم کی مدد اور ظلم سے آزادی اور انصاف و عدل کا نفاذ اللہ کو عزیز ہیں اور اللہ اس جدوجہد میں مدد فرماتا ہے۔

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ وَ اللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ [2:247]

اور اُن سے اُن کے نبی نے فرمایا بے شک اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے تو کہنے لگے کہ اسے ہم پر حکمرانی کیسے مل گئی حالانکہ ہم اس سے حکومت کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اسے تو دولت کی فراوانی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے کہا بے شک اللہ نے اسے تم لوگوں میں چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرما دی ہے اور اللہ جسے چاہے حکومت عطا فرماتا ہے اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔

لیڈر کی اہلیت:۔

پچھلی آیت سے متعلق ہے جب طالوت حضرت شمویئل کے ہاں پہنچا تو آپ نے نور بصرت سے، جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا جناب طالوت کو اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرمایا۔ جب آپ نے یہ فیصلہ کیا تو سرداروں نے اس کو دل سے قبول نہیں کیا اور اس پر اعتراض کئے کہ طالوت مال و دولت میں ہم سے کم تر ہے۔ کیونکہ جناب طالوت ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان کے اعتراض کے جواب میں حضرت شمویئل نے طالوت کی امارت کے حق میں دلائل بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے علم وعقل اور جسمانی طاقت میں تم سے بہتر کیا ہے اور یہ امور کسی بھی لیڈرشپ کے لئے اہم ہیں۔علم کے ساتھ جسمانی کیفیت بھی ضروری ہے ورنہ ان کا صحیح استعمال نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بادشاہی عطا فرمائے۔ اس کا تعلق دولت یا خاندان سے نہیں بلکہ اس کے فضل سے ہے۔ہمیں اپنے حکام کے انتخاب میں ان کے کردار کی اہمیت ان کے علم وجسمانی صحت کے بارے ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ یہی اسلامی اصول انتخاب ہے۔ایک اور اہم نکتہ لیڈرشپ کی ضرورت ہے کہ لیڈر کا ہونا کسی مہم کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ جب بھی کوئی سفر گروپ میں ہو تو کسی ایک کو لیڈر مقرر کر لیا جائے۔ یہ ایک انتظامی ضرورت بھی ہے۔ پھر لیڈر کے انتخاب میں علم وحکمت و جسامت کے اصول کو دیکھا جائے تو کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [2:248]

ان کے نبی نے ان سے کہا اس کی بادشاہی کی نشانی کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے سامانِ تسکین ہو گا۔ اور کچھ آل موسیٰ اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی چیزیں۔ اسے فرشتوں نے اُٹھایا ہو گا۔ بے شک اس (واقعہ) میں تمہارے لئے (واضح) نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

حضرت شمویئل نے جہاں ان کے کردار اور علم وصحت کے دلائل دیئے اور ان کے ہاں جو فوقیت مال یا خاندان کی تھی اسے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا انتخاب ہے وہاں مزید ایک غیبی دلیل یہ فرمائی کہ اس بادشاہ کو تائید خداوندی حاصل ہے اور اس کی نشانی یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک متبرک تابوت جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے تبرکات تھے اور وہ اسے اپنے لئے بہت متبرک اور اللہ کی رحمت و مدد کا سہارا سمجھتے تھے ان سے یہ تابوت بنو عمالقہ نے جب انہیں شکست دی اور فلسطین پر قبضہ کر

لیا تو ان سے چھین کر لے گئے تھے۔ انہیں خود بخود واپس مل جائے گا۔ روایت کے مطابق اس میں حضرت موسیٰؑ کے عصا، توریت کی تختی اور عمامہ (حضرت ہارون علیہ السلام) کے جوتے تھے، روایت کے مطابق جب اسے بنی عمالقہ لے گئے تو ان پر مصائب اور پریشانیاں شروع ہوگئیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس تابوت کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے ایک ریڑھا گاڑی لیا اس پر تابوت رکھا اور اس کے آگے بیل جوت دیئے۔ اور ان کو ہانک دیا (بجانب ارض فلسطین) اور دو بیل فرشتوں کی نگرانی میں (بغیر کسی گاڑی بان کے) اسے اہل فلسطین (بنو اسرائیل) کے پاس ایام طالوت میں لے آئے یہ ایک اور طالوت کی بحیثیت بادشاہ (حکمران) تائید خداوندی کا ثبوت تھا کہ فرشتوں کا بیلوں کو بنی اسرائیل کی طرف لے آنا غیبی تائید و نصرت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ کے فرشتے کائنات میں غیبی مدد کا سامان مہیا کر دیتے اور اسباب کو مزید قوت عطا کرتے ہیں۔ اچھے حکمران اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر مہربانی ہوتے ہیں اس لئے عادل حکمران ایک طرح کا عدل خداوندی کا سایہ ہے۔ جس سے سارے ملک میں برکت پھیلتی ہے اور معاشی ترقی ہوتی ہے اس کے برعکس برے حکمران اللہ تعالیٰ کا عذاب ہیں اور معاشرتی و معاشی تباہی کا سبب بنتے ہیں یہ تاریخ عالم سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کے تابوت کے ساتھ سکینت اور اطمنان کا ذکر کر کے اپنے نیک بندوں بالخصوص انبیائے کرام اور اولیائے کرام کے کردار اور اس کے اثرات کا ذکر فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل اس صندوق کی برکت سے جنگ میں کامیاب ہوتے تھے۔ انہیں اس سے حوصلہ ملتا تھا اور تائید خداوندی کا یقین ہو جاتا تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اشیاء بھی باعث برکت ہیں اور ان سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے بارے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا بال مبارک اپنی ٹوپی میں بطور تبرک رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ موئے مبارک کی برکت سے فتح عطا ہوئی ہے۔ سکونت قلب اور ہمہ تن توجہ بھی کامیابی میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے جو ایک اچھی لیڈر شپ مہیا کرتی ہے لیکن حقیقی مددگار ذات خداوندی ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [2:249]

پھر جب طالوت اپنے لشکروں کو لے کر نکلا تو اس نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعے آزمانے والا ہے پس جس نے اس میں سے پانی پیا وہ مجھ سے (ساتھیوں میں) نہیں ہوگا۔ جو اس کو نہیں پیئے گا بے شک وہ میری جماعت سے ہوگا مگر جو شخص اپنے ہاتھ سے صرف ایک چلّو پی لے (اس پر کوئی

جرم نہیں) پھر ان میں چند لوگوں کے سوا باقی سب نے خوب پانی پی لیا پھر جب طالوت اور ان کے ایمان والے ساتھی نہر کے پار چلے گئے تو کہنے لگے آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلے کی طاقت نہیں (لیکن) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر (شہید ہو کر) یقین رکھتے تھے کہنے لگے کئی مرتبہ چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آتی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لشکر کی کیفیت اور انسانی کمزوریوں کا ذکر کیا جو عام طور کامیابی میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ جناب طالوت نے وفادار اور غیر وفادار کے فرق کو جاننے کے لئے ایک آزمائش ڈالی تاکہ لشکر کے اندر ایسا فریق نہ ہو جو میدان سے بھاگ کر ساری جنگ کا نقشہ الٹ دے۔ اس آزمائش میں کہ گرمی کے باوجود پیاس کے باوجود پانی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کنٹرول کرنا ہے یا صرف انتہائی قلیل مقدار میں پانی کا استعمال کرنا ہے۔ انسانی ضبط کنٹرول کا بڑا امتحان ہے (جس طرح رمضان کا مہینہ بھی صبر اور ضبط کی ٹریننگ ہے) اس واقعہ سے کسی لشکر کی کامیابی لئے مفید خصوصیات کا اندازا ہوتا ہے۔(۱) ڈسپلن یعنی طریقہ کار کی بڑی اہمیت ہے۔ (۲) امیر لشکر کی اطاعت سب سے اہم ہے۔ (۳) صبر اور ثابت قدمی بہت ضروری ہے۔ ان خصوصیات والی فوج ہمیشہ کامیاب رہتی ہے۔ اس لئے دنیا کی ہر فوج میں Why (کیوں) نہیں بلکہ Yes (ہاں) ہے اور Do or Die (کرو یا ختم ہو جاؤ) والا اصول کامیاب اصول ہے۔ کسی بھی تنظیم کی کامیابی کے لئے یہ زریں اصول ہے۔

یہ واقعہ شاید دریائے اردن یا اس علاقے میں کسی بڑے نالہ کے ساتھ کا ہے۔ جناب جالوت نے اس امتحان کو اللہ کی طرف منسوب کیا کہ لشکر والے اس کا اہتمام کریں۔ اس طرح جو منافق تھے وہ خود بخود علیحدہ ہو گئے۔ ایک اہم چیز کہ افراد کا جذبہ جہاد، اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے قربانی کا جذبہ اور اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک چھوٹی منظم بلند مقصد، صابر فوج کسی غیر منظم اور بلا مقصد اور کمزور ڈسپلن والی بڑی فوج کو شکست دے دیتی ہے کیونکہ ان کے ساتھ اللہ کی نصرت (مدد) شامل ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان حالات اور جہاد کے دوران جنگ میں صبر کرنے والوں کو اپنی معیت (ساتھ) کی خوشخبری دی ہے۔

وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ [250:2]

اور وہ جب جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل ہوئے عرض کرنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر میں وسعت فرما اور ہمیں ثبت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ

مِمَّا يَشَآءُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ [2:251]

پھر انہوں نے اللہ کے حکم سے ان (جالوتی لشکر) کو شکست دی اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اس کو (داؤد علیہ السلام) حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں جو چاہا سکھایا اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے نہ مٹاتا رہتا تو زمین (ظلم کی وجہ سے) فساد سے تباہ ہو جاتی مگر اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ [2:252]

یہ اللہ کی آیتیں ہم انہیں آپ پر سچائی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ میں استقامت کی کیفیت اور دنیا میں فساد کو روکنے کا ذکر بھی فرمایا ہے جب جالوت (کافر) اپنے لشکر اور اسلحہ کے ساتھ مقابلہ میں آیا دوسری طرف بنی اسرائیل کے لشکر کی سربراہی حضرت طالوت کر رہے تھے تو آپ نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ہمیں صبر عطا کرنا۔ ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور ہمیں کافروں پر غلبہ عطا فرما کیونکہ ان کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں بہت کم تھی اگرچہ ان کا لشکر منظم، صابر، با مقصد جنگ اور جذبہ شہادت سے بھرا ہوا تھا لیکن پھر بھی اللہ سے نصرت کی درخواست کی۔ اللہ کی نصرت کے بغیر کوئی کامیابی ممکن نہیں لہٰذا مسلمان ہر وقت نصرت خداوندی کا طالب ہے اس جنگ میں جالوت کو شکست ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام جو اس وقت نوجوان تھے جالوت ایک وجیہہ اور بہت بڑے جُسہ والا سپہ سالار تھا جسے دیکھ کر لوگ خوف کھاتے تھے اس کو انہوں نے قتل کیا۔ آپ کے اس کارنامہ پر آپ سارے لشکر کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔ حضرت طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا اور آپ اس کے تخت کے وارث بنے۔

اللہ نے آپ پر حکومت اور حکمت وعلم کا خصوصی انعام فرمایا۔ آپ نے بنو اسرائیل کی سب سے بڑی سلطنت قائم کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے، خوبصورت آواز میں تسبیح وتحلیل بیان کرنے کا کلمہ عطا فرمایا جس میں حیوان و پرند بھی شامل ہو جاتے۔ لوہے اور فولاد کی انجینئرنگ کا بھی علم عطا فرمایا۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب ومومن
نہ مالِ غنیمت نہ کِشور کُشائی

مسلمان کی جنگ، مقصد کی جنگ ہے نہ مال غنیمت ہے نہ زمین کا قبضہ بلکہ اللہ کی وحدانیت اور انسانیت کی تکمیل کے لئے ہے تا کہ ہر انسان فلاح و بہبود کے ساتھ زندگی گزار سکے اور ظلم وستم سے محفوظ رہے۔ اس آیت میں اللہ نے یہ فرمایا کہ جب ظلم کسی بھی

زمین پر بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی اور انسانوں کے گروہ یا لشکر کے ذریعے ظالموں کو ختم کر دیتا ہے تاکہ زمین پر فساد آگے نہ بڑھے۔ حضرت علیؓ کے بارے مشہور ہے کہ آپ کا قول ہے کہ کفر رہ سکتا ہے لیکن ظلم نہیں رہ سکتا اور قول اس آیت کی تفسیر ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ جہانوں پر اپنی رحمت فرماتا ہے۔ مسلمان کے جہاد کا مقصد ظلم کا خاتمہ ہے۔

پھر آخری آیت میں حضور کی تسلی وتشفی کے لئے آپ کی تصدیق کی ہے یہ قرآن ساری دنیا کے لئے روشنی ہے۔ ساری حق کی باتیں ہیں ہدایت ہے اور آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ ان تمام آیات میں مسلمانوں کے لئے ایک تعلیمی تنظیمی درس ہے کہ کس طرح زندگی میں حق اور انصاف کے لئے کوشش کریں اور اللہ کے کلام کو مضبوطی سے تھامیں۔

تِلۡکَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ۘ مِنۡہُمۡ مَّنۡ کَلَّمَ اللّٰہُ وَ رَفَعَ بَعۡضَہُمۡ
دَرَجٰتٍ ؕ وَ اٰتَیۡنَا عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ الۡبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدۡنٰہُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَا
اقۡتَتَلَ الَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنٰتُ وَ لٰکِنِ اخۡتَلَفُوۡا فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ
وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ کَفَرَ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقۡتَتَلُوۡا ۟ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَفۡعَلُ مَا یُرِیۡدُ [253:2]

یہ سب رسول (جو ہم نے بھیجے ہیں) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کو درجات میں بلندی عطا کی اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں عطا کیں اور ہم نے روح القدس (جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعہ اس کی مدد فرمائی۔ اگر اللہ چاہتا تو ان رسولوں کے بعد لوگ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ جانے کے بعد آپس میں کبھی بھی نہ لڑتے جھگڑتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا (اس اختیار کے باعث جو اللہ نے دیا) ان میں کچھ ایمان لائے اور ان میں سے کچھ نے کفر اختیار کیا اگر اللہ چاہتا تو باہم نہ لڑتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

پچھلی آیات میں انبیاء (شموئیل، داؤد، موسیٰ، ہارون) کا ذکر تھا پھر آپ ﷺ کی حق نبوت کا ذکر فرمایا اور اب دوسرے رسل کا ذکر ہے کہ ان میں بعض کو بعض کے مقابلے خصوصی عنایات عطا کیں اور یہ درجات اللہ کے عطا کردہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ انہیں یہودی گناہگار تصور کرتے ہیں جبکہ عیسائی اللہ کا فرزند، ان کو خاص معجزات مثلاً مردے کو زندہ کرنا اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا اور مائدہ (کھانا) اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی خصوصی اعانت۔ حضور کی سب سے امتیازی حیثیت اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے آپ کو سب سے بڑھ کر معجزات عطا ہوئے اور ابدی معجزہ قرآن کریم ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری
انچہ خوباں ہمہ دار ندتو تنہا داری

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چمکدار ہاتھ سارے معجزے ایک طرف اور آپ ﷺ کے معجزے ایک طرف ہیں۔ لیکن یہ ضروری احتیاط رہے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر اس طرح فضیلت نہ دو کہ دوسرے نبی کی معاذ اللہ تحقیر ہو۔ آیت میں ذکر ہے انبیاء کے آنے اور ان کے معجزات کے آنے کے بعد بھی لوگ گمراہ ہو گئے اور آپس میں قتل و غارت میں لگ گئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اختیار دیا ہے اگر چاہے تو وہ اچھا راستہ اختیار کرے جب ارادہ کرے گا تو اللہ توفیق دے گا اور اگر چاہے تو برا راستہ اپنائے جب اس کا طرف عمل کرے گا تو اللہ اس کے عمل کو کرنے دے گا۔ یہی اختیاری عمل انسان کے یوم جزا (قیامت) کو جنت و دوزخ کا سبب ہوگا۔ اگر اللہ چاہتا تو انسان کو مجبور محض کر سکتا تھا

مگر اس نے نہیں کیا ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عقل پیدا فرمائی اور اسے آگے بڑھنے اور پیچھے ہونے کا حکم دیا اور اس نے اس طرح عمل کیا تو پھر فرمایا کہ جس کو میں یہ عقل (عقل کی نعمت) دوں گا اس کو آزماؤں گا (کہ وہ کیسے استعمال کرتا ہے) (بحوالہ الحجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی)۔ اللہ نے رسولوں کو بھیج کر حق اور گمراہی کا راستہ انسانوں کو واضح کر دیا ہے اور پھر وہ اپنے اعمال کے مطابق جزا پائیں گے یہ سارا عمل اللہ کی مشیّت کا حصہ ہے۔ اللہ کے انبیاء، اللہ کی واحدانیت، انسان کی سلامتی اور امن کا پیغام لے کر آئے ہیں لیکن دوسری طرف شیطان انسانوں کو غلط راستہ پر دھوکہ سے لگا کر فساد و قتال برپا کر دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ وَ الْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ [2:254]

اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ) میں خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی اور نہ دوستی اور نہ ہی سفارش ہوگی اور یہ کافر (انکار کرنے والے) ہی ظالم ہیں۔

پچھلی آیت مبارکہ میں لوگوں کی گمراہی اور راہِ حق پر چلنے کا ذکر تھا۔ اسی سلسلہ میں نیکی کا حکم دیا ہے اور اس کی اہمیت بیان فرمائی ہے کہ وقت اور فرحت کے وقت عقل مند آدمی اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتا ہے اس لئے یہ صحت، یہ زندگی، یہ مال و دولت، یہ عقل و جان سب فرحتیں ہیں اور یہ زندگی وقت اور موقع ہے۔ اس میں جو کچھ کر لیا وہی کام آئے گا۔ پھر اس دن کا ذکر ہے یعنی قیامت جس دن روزِ جزا ہوگا۔ انسان کو اس کے اختیار کی وجہ سے اس کے اعمال کے بدلے انصاف و عدل پر جزا و سزا ہو گی۔ وہ دن وہ ہوگا جب کافروں کو کوئی بھی ان کا بڑے سے بڑا دوست نہیں بچا سکے گا اور گنہگاروں کو ان کے گناہوں سے کوئی سفارش نہ بچا سکے گی۔ کیونکہ یہ عدل کا دن ہوگا۔ پھر فرمایا اس حقیقت سے انکار کرنے والے اور اللہ کے احکام ماننے سے انکار کرنے والے ظالم ہیں اور اپنے ظلم کی سزا پائیں گے۔ اس فرحت (زندگی) سے فائدہ اُٹھا کر نیکی کے کام کرنے چاہیے اور جو کچھ عطا کیا ہے اس میں (مال، جان، عقل، جسم) سب نعمتیں ہیں۔ ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے تاکہ آگے ہمارے کام آ سکیں جب کوئی سفارش یا دوستی کام نہیں آئے گی۔ کاش مسلمان اپنے اعمال کو اس آیت کی روشنی میں دیکھیں اور صحیح سمت قدم اُٹھائیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ [2:255]

اللہ! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا، قائم (سارے عالم کو اپنی تدبیر سے) رکھنے والا ہے۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا اور کون ایسا ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ وہ سب جانتا ہے جو کائنات میں (ہوا ہے) جو ہونے والا ہے اور کوئی اسکے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔ اس کی کرسی (علم و قدرت) آسمانوں اور زمین سے وسیع ہے اور اس پر اس (کائنات) کی حفاظت کوئی بوجھ نہیں۔ وہی سب سے بلند مرتبہ اور عظمت والا ہے۔

اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں کیونکہ اس میں کرسی کا ذکر ہے اور کرسی سے مراد اللہ کی قدرت وعلم ہے جو ہر چیز سے وسیع ہے جس کے کچھ حصہ کو بھی ہمارا عقل وعلم احاطہ نہیں کر سکتا، یہ آیت اللہ کی جلالت وعظمت کا مظہر ہے۔ اس کی شان میں کئی احادیث ہیں۔ یہ حفاظت کے لئے بہت اہم ہے، گھر، سفر اور کسی بھی مہم کے لئے ایک حفاظت کا حصار ہے۔ حضرت اُبیؓ بن کعب سے روایت ہے کہ انہوں نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کون سی آیت اعظم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا آیت الکرسی اور جب پوچھا کہ کون سی سورۃ اعظم ہے تو فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (بحوالہ المسلم کتاب الصلوٰۃ)۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک روایت ہے کہ سوتے وقت (آیت الکرسی) پڑھنے سے اللہ تعالیٰ گھر اور پڑوس کی حفاظت فرماتا ہے۔

واحدانیت وتخلیق:۔

اس کے اہم موضوع اللہ کی وحدانیت جس سے اس کی ابتداء ہے۔ اس کی اور صرف اس کی عبودیت (عبادت کے لائق) کا اعلان ہے کیونکہ ساری کائنات اس کے وجود کا مظہر ہے۔ اس کا اعلان مسلم صوفیاء نے آج سے چھ سو سال قبل (وحدت الوجود یا وحدت الشہود) کی صورت میں کیا اور آج جدید فزکس میں عالم مختلف الجہات سے اشیاء 118 عناصر مادہ سے پھر ایٹم سے پھر نیوٹرون و پرٹون، الیکٹرون اور پھر کوئنٹم (Quantum) اور پھر چار مختلف انرجی کی صورتیں (کشش ثقل Gravity، برقی مقناطیسیت Electromagnetism، مضبوط انٹرایکشن فورس Strong Interaction Force، کمزور انٹرایکشن فورس Week Interaction Force) پر لگ گئی ہے اور پھر صرف ایک قوت ہے جس کے مظاہر "کن فیکون" کی صورت میں موجود ہیں۔ اس کائنات کی مالک وہ ذات واحد ہے جو ظاہر ہے باطن ہے قریب ہے دور ہے غائب ہے حاضر ہے۔ اسے ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں وہ سب کو دیکھ رہا ہے اور اس سے سب قائم وزندہ ہیں۔ وہ الحی القیوم ہے۔ (**لا تدرکہ الابصار**) ان سب کی حفاظت اس کے لئے کوئی بوجھ یا باعث تھکاوٹ نہیں۔ کاش مسلمان سائنسدان آگے بڑھ کر اس سائنس کو جو ستاروں میں بھٹک رہی ہے سیدھا راستہ دکھا دیتے اور اللہ کی واحدانیت کو سائنس کے ذریعے بھی اعلان کر کہ منوا دیتے۔ پھر

کائنات کے نظام جس کو آج سے چودہ سو سال پہلے لوگ نہیں سمجھتے تھے مگر اَب ہم جدید ایجادات اور سائنس کی ترقی بالخصوص علم کائنات (Cosmology) کی وجہ سے حیران ہیں کہ نظام شمسی پھر مختلف کہکشائیں، ستارے، سیارے اس سے بھی بڑھ کر ہے جس کی ہمارے پاس نہ معلومات ہے نہ اس کو سمجھنے کے لئے ذہنی قابلیت موجود ہے لیکن یہ موجود ہیں۔ اس کو قائم کرنے والا، حفاظت کرنے والا وہی ہے۔ یہ نظام لاکھوں سالوں سے چل رہا ہے اس کی نگہبانی وہی ذات اللہ تعالیٰ کر رہی ہے۔ لہٰذا وہ نیند یا اس طرح کی تھکا دینے والی کیفیت جو ہم محسوس کرتے ہیں سے پاک ہے (نیند کی تعریف یہ ہے کہ یہ ایک کام کے بعد تھکن اور اعصاب کی کمزوری کی کیفیت ہے جس میں اعضاء کام چھوڑ دیتے ہیں لیکن نظام خون و دماغ کام کرتا ہے) اس کو ہم محسوس کرتے ہیں اس لئے اس کا ذکر فرما کر ہمیں اس کیفیت سے آگاہ کیا ہے پھر ساری کائنات زمینوں آسمانوں کہکشاؤں پر اسکی بادشاہی و کنٹرول ہے۔ ایسی طاقت اور عظمت والے کے آگے کوئی کیا حیثیت رکھتا ہے یہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اس کے علم کے معمولی حصے کا بھی احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور کوئی اس کے سامنے سفارش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا مگر جس پر وہ انعام فرما کر اسے یہ اعزاز بخش دے اور وہ ہستی احادیث کے مطابق ہمارے پیارے نبی حضرت محمد واحمد ﷺ ہیں جن پر کروڑوں سلام ہوں جو وجہ تخلیق کائنات ہیں خدا کا آخری پیغام تمام انسانیت کو پہنچانے والے ہیں۔ انسانیت کے منشور کی تکمیل کرنے والے اور رہتی دنیا تک اللہ کا پیغام دینے والے ہیں اور اگر پھر کسی کو اجازت ملے گی تو آپ ﷺ کی ذات کے ذریعہ سے مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی تابعداری سے ہی ان کی شفاعت مل سکتی ہے ورنہ عذاب بھی ہے اور شرمندگی بھی۔

تو غنی از ہردو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر گر تو بینی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر (اقبال)

ترجمہ: اے اللہ! تو غنی تمام عالموں سے غنی ہے اور میں فقیر ہوں، قیامت کے روز میرے عذر کوتاہی کو قبول فرما اور اگر میرا حساب وکتاب تو ضرور لینا چاہے تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہوں سے چھپا کر لے تاکہ میں ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔

علم اور کنٹرول:۔

اس کے علم کے معمولی حصے کا کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا مگر جسے چاہے وہ عطا کرتا ہے۔ یہ علم کی طاقت جو انسان کو ودیعت کی گئی ہے یہ ذات خداوندی کی عنایت ہے۔ انبیاء اپنے وقت میں سب سے بڑے عالم تھے۔ اس کی عنایت سے بھی ہے ہمارا آج کا علم و سائنس (انجینیر نگ) کے مختلف شاخیں اور اس میں ترقی جبکہ یہ قوانینِ فطرت تو شروع سے موجود تھے مگر انسان کو آگہی پہلے زمانے میں نہیں دی گئی، اب دی جا رہی ہے۔ یہ اس کے حکم اور نظام کے مطابق ہے جو کوئی کوشش کرے گا اس کو وہ عطا فرمائے گا۔ اس لئے فرمایا کہ ”لیس الانسان الا ما سعی“ کہ انسان کو اس قدر ملتا ہے جس قدر وہ اس کے لئے محنت کرتا ہے۔ جو قومیں محنت و جدوجہد کر رہی ہیں وہ مقاصد کو پا رہی ہیں اور جو غافل ہیں وہ پیچھے رہتے جا رہے ہیں۔ ساری مخلوق اس کی ہے

اس کا نظام ابدی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ”ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا“ (القران)۔ وہ سب کے لئے ہے۔

قدرت و وسعت:۔

اس کی طاقت و قدرت تمام زمینوں اور آسمانوں سے بڑھ کر ہے (وسع کرسیه) حضورﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ کرسی کے مقابل زمین و آسمان کی وسعت ایسی ہے جس طرح صحرا میں پڑی ایک انگوٹھی ہے۔ کرسی کی نسبت عرش معلیٰ سے ویسے ہے جس طرح کی نسبت زمین و آسمانوں کی کرسی سے ہے (بحوالہ تفسیر مظہری روایت ابن مردویہ)۔ یہ مثال ہمیں بتانے کے لئے ہے کیونکہ ہم حواس خمسہ و فہم کے ذریعے اپنے علم کو پہچانتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ لامحدود ہے (Infinity) اور لامحدود کی تعریف یہ ہے کہ اس کی حدود نہیں ہوتی جس کے ذریعے اس کا احاطہ کیا جائے یا بیان کیا جائے۔ اس کا مرکز کہاں ہے یہ ہمارے علم سے ماورا ہے اور ایک خیال ہے کہ (Infinity) لامحدودیت کا مرکز کوئی بھی نقطہ (پوائنٹ) ہو سکتا ہے۔ جہاں شاہد (Observer) کھڑا (موجود) ہے۔ انسانی زندگی کے حوالہ سے مرکز زمین ہے جہاں وہ موجود ہے (واللہ اعلم بالصواب - اللہ کی ذات ہی صحیح جانتی ہے)

حفاظت و کنٹرول:۔

فرمایا کہ یہ نظام جس کے معمولی حصہ کا بھی ہم علم و ادراک نہیں رکھتے اِس سارے کو اُس نے قائم کیا ہوا ہے۔ اس بے شمار آسمانوں، زمینوں، کہکشاؤں سب کو اس نے بنایا و قائم رکھا ہوا ہے، اس کے حکم و نظام کے مطابق چل رہے ہیں اور چلتے رہیں گے۔ اُس کے لئے ان سب کی حفاظت و کنٹرول کوئی بوجھ نہیں۔ کوئی بھی اس کے نظام و احکام سے بال کے برابر بھی انحراف نہیں کر سکتا اور اس کے قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں ”لا تبدیل لکلمٰت الله“ اس کے بنائے ہوئے طریقے (یعنی فرشتوں) کے ذریعے بغیر کسی کمی و بیشی رواں دواں رہے گا۔ وھو العلی العظیم۔ ان سب قدرتوں کا مالک واقعی بہت بلند اور عظیم ہے۔ اگر سارے سمندر سیاہی بن جاتے اور درخت قلم بن جائیں تو اس کی توصیف کا احاطہ نہیں کر سکتے اور ساری مخلوق (انسان، جن، حیوانات، جاندار، بے جان) اس کی تسبیح کریں تو حق ادا نہیں کر سکتے۔ آپ تصور کریں کہ سینکڑوں سالوں سے ہزاروں سائنسدان اپنی اپنی کوشش میں ہیں لیکن اب تک وہ کائنات کے معمولی حصے کا ادراک نہیں کر سکے جیسے ایک گلاس پانی کی نسبت سمندر سے ہے۔ انسان اللہ کی بہترین مخلوق ہے اور اسے چاہیے کہ ہر وقت وہ اس کو یاد کرے آیت الکرسی کا ورد بہت بابرکت اور اہم ہے بالخصوص ”یا حی یا قیوم“ یہ ایک ہی آیت ہے لیکن بہت عظیم ہے۔

لَآ اِكۡرَاهَ فِي الدِّيۡنِ قَدۡ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَيِّ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ يُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا انۡفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ [256:2]

دین میں کوئی زبردستی (جبر) نہیں بے شک ہدایت کی راہ (حق) گمراہی کی راہ سے واضح جدا ہو چکی ہے، پس جو کوئی گمراہ کرنے والوں (ظالموں) کا انکار کردے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک مضبوط سہارا پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا ہی نہیں بے شک اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

انسانی آزادی:۔

اللہ کی جلالت وعظمت کے بعد ایمان (حق) اور باطل (گمراہی) کو بیان کیا ہے اور انسان کے اختیار کا حق ظاہر فرمایا ہے۔ روایت ہے ایک صحابی کے بیٹے عیسائی تھے اس نے انہیں جانے سے روک دیا کہ وہ جبراً مسلمان ہو جائیں۔ جب بات حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ نے اُسے بلایا اُس نے کہا یارسول اللہ! یہ میرے جگر کے ٹکڑے ہیں میں نہیں چاہتا کہ یہ آگ (جہنم) میں جائیں۔ حضور نے فرمایا کہ آزادیِ دین ان کا حق ہے۔ لہٰذا حکم دیا کہ وہ جس طرح کریں آزاد ہیں۔ یہ اسلامی انسانی حقوق، مذہبی آزادی کا معیار ہے جسے آج سے چودہ سو سال پہلے اللہ کے حکم کی وجہ سے قانونی صورت دے دی گئی۔ اسلام پر جو مذھبی جبر کا الزام لگایا جاتا ہے وہ سراسر جھوٹا پروپیگنڈا ہے تا کہ لوگوں کو حقیقت سے دور کیا جائے۔

انسانی حقِ آزادی (مذہبی وسماجی) مضبوط سہارا:۔

دین اسلام کا مقصد انسان کو گمراہی اور غلط راستہ کے مقابل حق اور بھلائی کا راستہ دکھانا ہے۔ انسان کا اختیار ہے کہ جسے چاہے اپنائے جس طرح وہ اپنائے گا عمل کرے گا۔ اس طرح اس کو اس کا بدلہ ملے گا۔ قرآن اور صاحب قرآن (حضرت محمد ﷺ) نے حق اور فلاح انسانیت کا راستہ تمام دنیا کے لئے واضح بیان اور عملی طور پر نافذ کر کے بتلا دیا ہے۔ اب جو اس راستے پر چلے گا کامیاب ہوگا اور جو گمراہی کا راستہ (شیطان خواہ وہ نفس امارہ کی صورت میں ہو یا گمراہ انسانی ساتھ یا لیڈر کی صورت میں ہو) اپنائے گا وہ آخرت میں نقصان اُٹھائے گا۔ وہ خالق جس نے ساری کائنات پیدا کی ہے اگر چاہتا تو انسان کو بھی محض مجبور پیدا کر دیتا (عقل وسمجھ سے محروم کر دیتا) جس طرح چرند و پرند، حشرات الارض ہیں۔ لیکن اس نے اسے اختیار دیا ہے لہٰذا اب اس سے کوئی اختیار نہیں چھین سکتا البتہ کسی کو معلومات کی فراہمی (حق کی راہ) دکھانا یعنی تبلیغ کرنا، بھلائی کی دعوت دینا ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور پھر دوسرے آدمی کو اختیار ہے کہ اپنے لئے وہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ کا سہارا اور راستہ سب سے مضبوط ہے وہ اللہ جو ساری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے جس کی صفات پچھلی آیت (آیت الکرسی) میں بیان کی گئی ہیں اس کا سہارا کیسے ٹوٹ سکتا ہے اور اس کا سہارا پکڑنے والے ہمیشہ محفوظ ہیں اور جو ہم آپس میں کہتے ہیں اس کو سننے والا ہے اور جو ہم کرتے ہیں اس کو جاننے والا ہے لہٰذا اس کا ڈر ہر وقت رہنا چاہیے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ

الطَّاغُوتُ يُخرِجُونَهُم مِنَ النُّورِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصحٰبُ النَّارِ هُم فِيهَا خٰلِدُونَ [2:257]

اللہ ایمان والوں کا ولی (کارساز) ہے۔ انہیں ظلمت (اندھیرے) سے نور (روشنی) کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جو کافر (اللہ کا انکار کرنے والے) ہیں ان کے دوست (کارساز) طاغوت (گمراہ کرنے والے) ہیں اور (حق) سے اندھیرے (گمراہی) کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آگ کے ساتھی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

پچھلی آیت کے ساتھ جہاں اللہ کے سہارے کا ذکر ہے کہ حق اور گمراہی کا واضح فرق ظاہر ہو چکا ہے تو پھر انسان جس کا ساتھ دے گا اسی طرح فائدہ ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی ذات مومنوں (ایمان والوں) کا والی یعنی کارساز ہے اور یہ کارسازی اس بات کی ہے کہ وہ اپنے ایمان والوں کو اندھیروں یعنی گمراہی سے نکال کر نور (روشنی) یعنی حق کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ نور، اسلام کا نور ہے جس میں ہر انسان کے حقوق محفوظ ہیں۔ معاشرے میں فلاح و بھلائی کا حکم اللہ کے احکام کی پابندی جس میں بہت سے فوائد اور برکتیں ہیں تو کیوں نہ ہم اللہ کے ولی بن جائیں اور اندھیروں اور گمراہیوں سے نکل جائیں اور اس کے قریب ہو جائیں۔

جہاں اللہ کی ذات انسان کو نور یعنی روشنی پر اور حق یعنی اللہ کی عبودیت و انسانی بھلائی کی طرف لے جاتی ہے اسی طرح گمراہوں کی دوستی اور ساتھ انسان کو نور یا حق کی پیروی کے بجائے اندھیروں یا گمراہی میں دھکیل دیتی ہے اور اس کا نتیجہ جہنم کی آگ کی صورت میں نکلتا ہے۔ ہمارا ان سے بچنا فرض ہے اور یہ اپنی سلامتی اور حفاظت کے لئے ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا کہ ہم اللہ سے محبت کریں اور اپنے اندر اس کے احکام (قرآن مجید) اور صاحب قرآن (حضرت محمد ﷺ) کے ارشادات سے رہنمائی لیں۔

نورِ خدا:۔

اللہ کا نور ایک سادہ سا مفہوم ہے یعنی روشنی جس طرح دن کی روشنی سے ہر چیز آسانی سے واضح نظر آ جاتی ہے اسی طرح جب دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے تو دل دن کی طرح روشن ہوتا ہے جس طرح آنکھ روشنی کی وجہ سے چیزوں کو دیکھتی ہے اسی طرح دل کی آنکھ (جو ظاہراً نظر نہیں آتی) اللہ کی محبت سے ایک نور بصیرت (روشنی) پیدا ہوتی ہے اس سے دیکھتی اور اس کا دیکھنا اور ہے۔ ہماری ظاہری آنکھ صرف ظاہری سطح کو دیکھ سکتی ہے اس کے آگے کیا ہے اس کا اس کو کوئی علم نہیں ہوتا۔ لیکن دل کی آنکھ جو نور بصیرت کی شعاعوں سے دیکھتی ہیں وہ ظاہر اور باطن، اندر اور باہر دونوں طرف سے دیکھ لیتی ہیں اور زیادہ عرفان رکھتی

ہیں۔اس لئے ایک حدیث شریف ہے کہ مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے (البخاری)۔ہم اللہ کے نور کو سائنسی طریقہ سے واضح نہیں کر سکتے کیونکہ سائنس ان چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو محسوس ہیں۔سائنس نے ایسے لطیف ذرات جس کو نیوٹرینو(Neutrino) کہتے ہیں۔دریافت کئے ہیں جو لا جواب طاقت رکھتے ہیں اور اتنے لطیف ہیں کہ معمولی سی جگہ (مربع سینٹی میٹر) میں ایک سیکنڈ میں کروڑوں کی تعداد میں زمین سے آر پار ہوتے رہتے ہیں (بحوالہ کتاب زندگی از سلطان بشیر محمود) اللہ کی یہ ایک مخلوق ہے اور یقیناً اللہ کا نور اس سے اعلیٰ و برتر ہے۔

اللہ کے مقابل جو قوتیں انسان کو گمراہ کرتی ہیں ان کے لئے طاغوت کے الفاظ قرآن مجید میں ذکر ہیں اور اسے گمراہی کا سبب ذکر کیا ہے۔یہ انسان خود بھی ہو سکتا ہے جس کی صورت اس کے نفس امارہ کے خیالات و نظریات ہیں جن کی بنیاد شیطانی وسوسے ہیں یا وہ گمراہ افراد ہیں جو کسی دوست یا ساتھی کی صورت میں ہوں یا کسی لیڈر کی صورت میں جو عام آدمیوں پر اثر انداز ہوتا ہے یا وہ معاشی سماجی نظام جو ان گمراہ کن نظریات کی بنیاد پر قائم ہے اور ان کی ترویج کرتا ہے۔احکام خداوندی اور اس کی طاقت و عظمت کا منکر ہے اس کے نازل کردہ احکام (کتب سماویہ) کا منکر اور اس کے پیغامبروں (انبیاء) کا انکاری ہے۔یہ سارے نظریات اور ان کی بنیاد پر اعمال ،انسان کو اندھیرے یعنی گمراہی اور جہنم (آگ) کی طرف لے جائیں گے۔ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔

اگلی آیت میں ایک طاغوتی فرد نمرود اور نور رحمانی سے روشن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے جو ہمارے لئے ایک مثال ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُۙ قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ‌ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ

[258:2]

کیا آپ نے نہیں دیکھا اس شخص کو جو ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے جھگڑا کرتا تھا حالانکہ اللہ نے اسے حکومت دی تھی۔جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو وہ بولا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا بے شک (میرا) اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لے آ۔پس وہ کافر پریشان (مبہوت) ہو گیا۔یقیناً اللہ ظالموں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

پچھلی آیت میں حق اور باطل ،روشنی اور اندھیرے کی طرف لے جانے والے اسباب کا ذکر تھا۔اسی کے ساتھ حضرت

ابراہیم علیہ السلام جو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر اور حضور علیہ السلام کے جد امجد گزرے ہیں۔ ان کا حق کی تبلیغ کے لئے کوشش کا ذکر ہے جو نور کی طرف لے جانے کے لئے ہے۔ آپ نے نمرود جو اس وقت جہاں آپؑ جوان ہوئے بادشاہ تھا۔ آپ کے چچا اس کے ہاں ایک اعلیٰ عہدہ پر تھے آپ نے بتوں کی عبادت کی مخالفت کی اور بادشاہ کی عبادت سے بھی انکار کیا۔ اس کی تفصیل دوسرے مقامات پر موجود ہے۔ جب معاملہ بادشاہ کے علم میں آیا تو اس نے آپ کے خیالات جاننے کے لئے آپ کو دربار میں بلایا اور آپ سے آپ کے رب کے بارے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا رب زندگی اور موت دینے والا ہے۔ اس نے فوراً اس کو اپنے مفاد میں یوں استعمال کیا کہ ایک شخص جس کو موت کی سزا مل چکی تھی اسے بری کر دیا (چھوڑ دیا) اور دوسرا شخص جو بری کر دیا گیا تھا اس کو موت کی سزا دے کر قتل کر دیا۔ چونکہ دلیل تو کمزور تھی لیکن وقتی طور پر لوگوں کے سامنے کامیاب رہی تو حضرت ابراہیمؑ جو نور خداوندی سے صاحب بصیرت تھے فوراً طریقہ دلائل کو تبدیل کیا اور ماورا طاقت انسانی اعمال سے دلیل لیتے ہوئے کہا کہ میرا خدا سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے اور اگر تم واقعی انسانی خدا ہو تو سورج کو مغرب کی طرف سے طلوع کرو۔ یہ ایک حقیقی چیلنج تھا جس کا جواب قدرت انسانی سے باہر تھا تو سارا مجمع (دربار) مبہوت حیران و پریشان ہو گیا اور حضرت ابراہیم دلائل کی جنگ جیت گئے۔ اس سے ایک سبق یہ ہے کہ علم و دلائل کا استعمال حالات کے مطابق کرنا چاہیے اور حقیقی دلائل سے اپنے دعویٰ کا ثبوت دینا چاہیے۔

ظلم ایسے موقعوں پر حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے اور حقیقت کو تسلیم کرنا اپنی ناکامی و کم تری خیال کرتا ہے اس کی ایک وجہ تکبر اور ضد کا مرض ہے۔ اس لئے اللہ نے فرمایا کہ اللہ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا تا کہ وہ جہنم میں جائیں اور سزا پائیں۔

اگلی آیات میں حقیقی زندگی اور موت کا ذکر ہے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَ انْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ وَ لِنَجْعَلَکَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ [259:2]

کیا اسی طرح اس شخص پر (غور نہیں کیا یا دیکھا) جو ایک گاؤں کے پاس سے گزرا جو چھتوں سمیت زمین پر (گرا پڑا) تھا تو اس نے کہا اللہ ان کو موت کے بعد ایسے کیسے زندہ کرے گا۔ (اپنی قدرت دکھانے کے

لیے) اللہ نے اسے سو برس مردہ رکھا پھر اسے زندہ کیا کہا تو کتنی دیر ٹھہرا رہا۔ اس نے کہا ایک دن یا اس سے بھی کم عرصہ ٹھہرا ہوں فرمایا بلکہ تو سو سال پڑا رہا پس تم اپنے کھانے پینے (کی چیزوں) کو دیکھو وہ خراب نہیں ہوئیں اور اپنے گدھے کی طرف (حالت) دیکھو (جس کی ہڈیاں رہ گئی ہیں) یہ اس لئے کہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں اور اب تم (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف دیکھو ہم کیسے ان کو اُٹھاتے اور گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس جب یہ سب اس کے سامنے ظاہر ہوا تو بولا میں نے جان لیا (یقین کرلیا) بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

موت کے بعد زندہ ہونا اور حساب و کتاب ایک اہم عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن سارے انسان زندہ ہوں گے اور اپنا حساب و کتاب دیں گے۔ اور بظاہر اس کو سمجھنا یا عقل سے یقین کرنا بڑا مشکل ہے اس لئے یہ ایمان بالغیب کا حصہ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ساتھ معجزات کی صورت میں بطور نشانی (دلیل یا ثبوت) ایسے چند واقعات اس دنیاوی زندگی میں ہوئے ہیں تا کہ یقین ہو جائے مثلاً یہ واقعہ آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا، اصحاب کہف، اسی طرح بنی اسرائیل کے لوگوں کا جبل طور کے پاس مرنا و زندہ ہونا۔

یہ واقعہ بنی اسرائیل کے کسی نبی کا ہے کہ وہ کسی گاؤں (علاقہ فلسطین) پر سے گزرے اور دیکھا کہ سارا گاؤں تباہ ہو چکا ہے مکانوں کی چھت زمین پر پڑے ہیں اور اس میں لوگ مر گئے ہیں۔ اس تباہی کے منظر کو دیکھ کر ان کے دل میں فوراً موت کے بعد قیامت کے روز لوگوں کے زندہ ہونے کا خیال آیا۔ یہ سارے لوگ کس طرح اُٹھیں گے۔ ان کا ایمان تو تھا لیکن بس تصدیق کے دل میں خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت دکھانے کے لئے نیند کی صورت میں موت دے دی (حدیث نبوی ہے کہ نیند آدھی موت ہے) پھر ان کے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان تھا وہیں پڑا رہا۔ ان کی سواری کے لئے گدھا تھا جو ساتھ کھڑا تھا وہ بھی مر گیا۔ اس کا جسم گل گیا ہڈیاں بکھر گئیں۔ پھر سو سال بعد اللہ نے انہیں زندہ کیا اور ان سے ان کے وہاں (بستی کے پاس) ٹھہرنے کی مدت کے بارے سوال کیا جس کا جواب انہوں نے دیا کہ ایک دن یا کچھ حصہ (کیونکہ) سورج چمک رہا تھا مگر انہیں بتایا کہ تمہارا کھانا اسی حالت میں ہے خراب نہیں ہوا جبکہ ان کی سواری کا گدھا نہ صرف مر چکا تھا بلکہ اس کا بدن گل کر ختم ہو چکا تھا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہڈیوں پر گوشت اکٹھا فرمایا اور گدھا ایک زندہ جانور بن گیا جو انہوں نے اپنے سامنے ہوتے دیکھا اور یقین کے ساتھ اقرار فرمایا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے لئے لوگوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔

اس واقعہ میں ایک زندگی کے بعد موت اور پھر زندگی کا بیان ہے۔ اگرچہ اس وقت کے علم و عقل کے معیار سے ایک ناممکن تھا لیکن جدید واقعات سے ثابت ہوا کہ لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو گئے (بحوالہ کتاب " قیامت اور حیات بعد الممات "

از سلطان بشیر محمود) ایک واقعہ 24 اگست 2013 کو OHIO کے شہر ڈائٹن میں پیش آیا جس میں ایک مکینک Tony Yale کو ڈاکٹروں نے ہسپتال میں مردہ قرار دے دیا۔ مردہ قرار دینے کے تقریباً 45 منٹ بعد اس کا 17 سالہ بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور باپ سے لپٹ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم نے جنبش کی اور وہ زندہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے کھانا اور مشروب کو بھی سو سال تک تازہ رکھا۔ یہ واقعہ ہزاروں سال پرانا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ شدید ٹھنڈک میں رکھ کر محفوظ کر سکتے ہیں اور شعاعوں کے ذریعے کسی کو سالوں تک محفوظ کیا جا سکتا ہے اور اگر جراثیم ختم ہو جائے تو یہ خوراک ہمیشہ تازہ رہ سکتی ہے۔ ان آیات نے انسان کو دعوت جستجو دی ہے جس میں اب انسان ترقی کر رہا ہے۔ اگر انسان یہ کام کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو تمام کائنات کے نظاموں کا مالک ہے اس کے لئے یہ کوئی کام نہیں لہٰذا ہمارا ایمان صحیح ہے۔

مزید حیات بعد از موت کے بارے عینی شواہد کا ذکر ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ [2:260]

اور (وہ واقعہ) جب ابرہیم (علیہ السلام) نے عرض کی اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے اللہ نے فرمایا کیا تم یقین نہیں رکھتے۔ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن (چاہتا ہوں) کہ میرے دل کو اطمنان آ جائے۔ اللہ نے فرمایا تو پھر چار پرندے پکڑ لو اور انہیں اپنے سے مانوس کر لو پھر (انہیں ذبح کر کے) ان کا ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ، وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے۔

جستجوئے حق:۔

موت کے بعد دوبارہ زندگی کے موضوع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے نمرود کے ساتھ آپؑ کے مباحثہ کا ذکر تھا۔ آپ اولعزم انبیاء میں سے ہیں جنہوں نے توحید کو زندہ کیا۔ اس سے پہلے آپ علمی اور عقلی (Logic and Knowledge) طور پر نمرود سے مباحثہ کر چکے تھے۔ آپ کی یہ خواہش کہ مردہ دوبارہ کیسے زندہ ہو گا صرف اطمنان قلب کے لئے تھی۔ یعنی پروسس (Process) کس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے جاننے کے لئے تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کے سامنے پورا فرمایا اس کے لئے کہا کہ آپ کوئی سے چار پرندے پکڑیں انہیں مانوس کریں تا کہ آپ کی آواز کو پہچان کر آپ کے پاس آ جائیں ان کو ذبح کر کے ان کے اجزاء کو مکس کریں اور پھر ان مکس اجزاء کو مختلف پہاڑ کی چوٹیوں پر رکھ

دیں اور پھر ایک ایک پرندے کو آواز دے کر بلائیں وہ دوڑتے ہوئے آئیں گے اور اسی طرح وہ ٹکڑے مل گئے اور جسم و جان بن کر دوبارہ زندگی کی حالت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے ۔اس واقعہ سے اللہ کی قوت اور حکمت ظاہر ہوگئی قیامت کو جب دوبارہ صور اسرافیل پھونکی جائے گی تو تمام مخلوق جس کے ذرات زمین میں موجود ہوں گے پھر زندہ ہو جائے گی اور کھڑی ہو جائے گی۔

انبیاء علیہ السلام کے ذمہ چونکہ انسانیت کی راہنمائی ہوتی ہے اس لئے ان کا اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت پر مکمل یقین ہوتا ہے اور یہ دعویٰ نبوت سے پہلے ہوتا ہے اگر نہ ہو تو وہ کس طرح راہنمائی کر سکیں اور مصائب کا مقابلہ کر سکیں بلکہ ان کو عین الیقین کی حالت سے بھی گزارا جاتا ہے۔اور وہ اللہ کی قدرت و جلال و رحمانیت کے مظاہر دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے عرض کیا میں بس دل کی تسلی کے لئے چاہتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا۔سوال میں ادب کا عنصر واضح ہے جو ہمارے لئے ایک سبق ہے۔

روح کا تعلق:۔

آیت سے ایک اور علمی انکشاف یہ ہوتا ہے کہ مرنے والوں کا تعلق ان کے ساتھ جس سے وہ زندگی میں مانوس ہوتے ہیں برقرار رہتا ہے۔احادیث نبوی میں ذکر آیا ہے کہ انسانی روح مرنے کے بعد کس طرح اپنے رشتہ داروں اور مقامات پر واپس آتی رہتی ہے یا تعلق رکھتی ہے ۔اس کی کیفیت کا ہمیں اندازہ نہیں کیونکہ ہمارے ہاں ابھی تک اتنے اعلیٰ آلات دریافت نہیں ہوئے جو ان سگنلز جو رابطہ کا ذریعہ ہیں کی پیائش یا تعین کر سکیں۔ایٹمی ذرہ بھی اپنی اجزاء کو پہچانتا ہے اور ایک تجربہ 1985 پیرس یونیورسٹی میں ہوا کہ روشنی کے ذرات جو ایک منبع (Source) سے نکلتے ہیں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں بلکہ تعلق بھی رکھتے ہیں (بحوالہ تفسیر کتاب زندگی New Scientist 1985)۔موجودہ کمیونیکیشن میں ریڈیائی سگنل بھی ایک خاص باہمی تعلق رکھتے ہیں جس وجہ سے مختلف ہونے کے باوجود ان کو علیحدہ علیحدہ شناخت کیا جاتا ہے۔

جدید سائنس بالخصوص بائیو انجینئرنگ اور جنرل سائنس (General Science & Bio Engineering) نے حیوانات کی نقل (کاربن کاپی) پیدا کرنے کے تجربات کئے ہیں۔ پہلا تجربہ 1993 میں جارج واشنگٹن یونیورسٹی امریکہ کے دو سائنسدانوں رابرٹ سٹلمین (Robert Stillman) اور جیری ہال (Jerry Hall) نے کیا اسے کلوننگ کہتے ہیں۔انہوں نے جاندار کا DNA جسم کا مالیکیول ایٹم (جین) کو (Test Tube) عارضی بچہ دانی میں رکھ کر اس کے مشابہ جانور کا بچہ پیدا کیا گیا۔ اس طرح یہ جرثومے (جین) کئی سال تک مخصوص ٹھنڈے پانی میں محفوظ ماحول میں رکھے جا سکتے ہیں لیکن یہ مخلوق کی کاپی ہے نئی تخلیق نہیں۔ اگر انسان اس علم محدود جو اسے خدا نے کائنات کے بارے دیا ہے اس کے ذریعہ کسی جاندار کے وجود سے DNA

لے کر کاپی پیدا کر سکتا ہے تو خالق کائنات (اللہ تعالیٰ) انسان کے وجود جو کسی بھی صورت میں زمین پر ہی محفوظ رہتا ہے پھر وہی انسان کیوں نہیں بنا سکتا جس طرح حضرت ابراہیم نے پرندوں کو مرنے کے بعد ان کے اجزاء ملنے کا بعد دیکھا۔

احادیث میں دجال کے واقعات اور اس کے حیرت انگیز سائنسی کارنامے، علامات قیامت میں سے ہیں۔ اس لئے اس کو فتنہ دجال سے یاد کیا گیا ہے۔ کلوننگ کے ذریعہ پیدا کرنے کے طریقے نے اخلاقی اور مذہبی مسائل پیدا کئے ہیں جن پر علماء نے بحث کی ہے جس کے لئے متعلقہ کتب کا مطالعہ بہتر رہے گا۔

مَثَلُ الَّـذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ [2:261]

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیاں (خوشے) نکلیں اور پھر ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اضافہ (کئی گنا) فرما دیتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔

خرچ کہاں کیا جائے:۔

پچھلی آیت میں موت کے بعد زندگی کا ذکر تھا اب زندگی کے دوران نیک اعمال کا ذکر ہے۔ اس میں اہم عمل اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ زندگی میں کمانا اور پھر خرچ کرنا پڑتا ہے یہ خرچ اپنی ذات پر اور اولاد پر اور انسانی خواہشوں پر ہوتا ہے مگر ایک اور جگہ جہاں خرچ کرنا ضروری ہے وہ اللہ کی رضا کے لئے (فی سبیل اللہ) ہے جہاں ذاتی و دنیاوی فوائد نہ ہوں۔ بظاہر یہ خرچ بے فائدہ نظر آتا ہے کیونکہ ذاتی فائدہ نظر نہیں آ رہا ہوتا اس وہم یا مفروضہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی واضح دلیل جو ہم سب روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کے ذریعہ واضح کیا اور وہ ایک دانہ زمین میں بونے کی مثال ہے۔ جس سے ایک پودا نکلتا ہے اااور اس سے کئی بالیاں نکلتی ہیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوتے ہیں اور اس طرح ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی مثال ہے اللہ کے ہاں خرچ کرنے کی کہ اس میں کئی گنا اضافہ ملے گا پھر یہ حد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اسے اور بڑھاتا ہے یہ خرچ اللہ کی راہ میں ہے۔ اور مال سے مراد صرف نقدی نہیں بلکہ انسان کے دوسرے اثاثے ہیں مثلاً ذاتی جدو جہد جس میں جسمانی کوشش، علمی کوشش سب شامل ہیں اور فی سبیل اللہ سے مراد ان طبقات معاشرہ کو فائدہ پہنچانا ہے جو محتاج اور کمزور ہیں مثلاً یتیم، مسکین و فقراء، بیوگان، غریب طلباء، اللہ کی راہ میں مجاہدین یا مبلغین وغیرہ اسلامی حکومت کے کسی پروجیکٹ میں امداد، ناگہانی آفت وغیرہ۔ اللہ وسعت والا ہے لہٰذا فراغدلی، سخاوت کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا سخی شخص اللہ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے، آگ (جہنم) سے دور ہے اور بخیل (کنجوس) اللہ

سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور آگ (جہنم) کے قریب ہے اور جاہل سخی اللہ کو بخیل (کنجوس) عابد سے زیادہ پسند ہے۔ (جامع ترمذی۔ کتاب البر والصلہ باب ماجاء فی السخاء)۔ اللہ علیم ہے ہماری اندرونی نیتوں اور بھیدوں کو بھی جانتا ہے اور ہمارا اخلاص یا دکھلاوا اس کے سامنے ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ [2:262]

جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور پھر اس خرچ کئے ہوئے پر احسان نہیں جتلاتے اور نہ اذیت (دکھ) پہنچاتے ہیں۔ ان کے لئے اس کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم (روز قیامت کو)۔

صدقہ کا فلسفہ:۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی فضیلت بیان کی جا رہی ہے اور ساتھ ہی مقصد (Strategy) بھی واضح فرما دیا ہے چونکہ یہ خرچ اللہ کے لئے ہے دنیاوی منفعت یا دکھاوا یا کسی اور فائدہ کے لئے نہیں اس لئے اس خرچ کے بعد اس آدمی پر کسی طرح کا احسان جتلانا یا اس کے ذریعہ اس کی عزت نفس کو گرانا منع ہے ان حرکات کو اذی (تکلیف، اذیت) کہا گیا ہے۔ ایسے مخلص لوگوں کو اللہ نے اپنے ساتھ ایک تعلق فرمایا کہ ان کا رب ان کو اجر دے گا اور روز قیامت ان کو کوئی غم یا تکلیف خوف نہیں ہو گا۔ ایک بہت واضح کھلا پیغام ہے کہ اللہ کی راہ میں دیا جانے والا مال یا عمل اس کے پیچھے کسی قسم کا انسانی لالچ، احسان، کوئی فائدہ نہیں ہونا چاہیے ورنہ سارا عمل باطل ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ [2:263]

پیار سے اچھی بات کرنا اور معاف کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد اس کی دل آزاری (اذیت) کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا دینے والا ہے اور بڑا بردبار (حلیم) ہے

اچھی بات:۔

اللہ کی راہ میں خرچ کریں لیکن جن کے پاس دولت نہ ہو وہ کیا کریں ایک خوبصورت اور میٹھی بات بھی صدقہ ہے اسی طرح کسی نے غلطی کر دی آپ بدلہ لے سکتے ہیں لیکن معاف کر دیا وہ بھی صدقہ ہے اور ایسا ویسا صدقہ نہیں بلکہ اللہ کے ہاں مقبول ہے اور اس مال و جان یا علم کی معلومات دینے سے بہتر ہے جن کے بعد انسان احسان جتاتا رہے اور دوسرے کی عزت نفس کا خیال نہ رکھے۔ اسلام نے انسانی عزت، معاشرہ میں اخلاق اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر گزارنے (Sharing) کو کس قدر

اہمیت دی ہے ان آیات سے واضح ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَکَهٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ [2:264]

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ دے کر ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پس اس کی مثال ایسے چکنے پتھر کی سی ہے جس پر تھوری سی مٹی پڑی ہو پھر اس پر زور دار بارش ہو تو وہ اسے صاف (پتھر) کردے۔ ایسے لوگ (ریاکار) اپنی کمائی سے کچھ بھی نہ پاسکیں گے اور اللہ کافر قوم کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

ریا کا نقصان:۔

صدقہ میں اخلاص کی اہمیت کے بارے آیت ہے۔ دکھلاوا کا خرچ کوئی فائدہ مند نہیں کیونکہ قیامت میں اس کا کوئی ثواب نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر صدقہ دیا اور پھر اس کے بعد احسان جتلانا شروع کر دیا تو بھی صدقے کے ثواب کو باطل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بڑی خوبصورت مثال دی ہے جو ریا (دکھلاوا) کے لئے صدقے کرتے ہیں کہ ایک سخت چکنا پتھر جس پر آ کر کوئی گرد غبار جم جائے تو وہ زمینی مٹی کا ڈھیلہ نہیں بن جاتا بلکہ پتھر ہی رہتا ہے جب ذرا سی بارش ہوتی ہے تو مٹی وگرد اُتر جاتی ہے اور صاف پتھر نظر آ جاتا ہے اس لئے بارش کے باوجود پتھر پر کوئی چیز اُگ نہیں سکتی۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں دکھلاوا زیادہ ہے اور لوگ اس کے نقصانات سے آگاہ نہیں۔ دکھلاوا کی وجہ سے نقصان یہ ہے کہ آدمی وہاں صدقہ دیتا ہے جہاں اس کا پروپیگنڈا زیادہ ہوتا ہے اور مستحق افراد کو نظر انداز کر دیتا ہے یا پھر جب مستحق افراد کو دیتا ہے چونکہ مقصد شہرت ہے اس لئے لوگوں کے سامنے احسان جتلاتا یا ذکر کرتا رہتا ہے جس سے صدقہ کا ثواب ختم ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ اس طرح دو کہ دایاں ہاتھ دے تو بایاں ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔ مسند احمد کی روایت بذریعہ محمود بن لبید ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تم پر سے شرک اصغر کا خوف ہے (کہ کرو گے) کہا یارسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے فرمایا "الریا" (نیکی کے عمل میں دکھلاوا کرنا) البتہ فرائض کو اعلانیہ طور پر کرنا چاہیے تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب جنگ تبوک کے موقعہ پر اصحابہ کرام نے دل کھول کر اللہ کے لشکر کے لئے مدد کی بالخصوص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار اونٹ بمعہ سامان

اور نقد ایک ہزار دینار حضور اکرم ﷺ کی جھولی میں ڈال دیئے۔ حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار ہزار درھم لائے ان کے پاس کل آٹھ ہزار درھم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر کا آدھا سامان جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارا سامان لے آئے اور لا کر کہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس لئے اللہ نے فرمایا ان کے لئے نہ خوف اور نہ گھبرانے کی ضرورت ہے۔

ع صدیق کے لئے خدا اور خدا کا رسول بس

ان آیات میں زراعت کی برکات کا بھی ذکر ہے اور اس کی برکت یا پیداوار سات سو گنا تک حاصل کی جا سکتی ہے۔ مسلم زرعی سائنسدانوں کے لئے ایک ٹارگٹ ہے۔ اسلامی حکومت میں رزق کی تلاش کے لئے زراعت اور معدنیات کو خصوصی اہمیت ہے یہ انسان کا پہلا ذریعہ غذا ہے۔ اسی طرح بیج کا ذکر فرما کر اچھے بیج کی اہمیت واضح فرمائی۔ پتھر کا ذکر فرما کر پتھریلی اور زرخیز زمین کے فرق کو ظاہر کیا اور زرخیز زمین کی اہمیت واضح کی ہے۔ یہ باتیں ان کے لئے ہیں جو قرآن مجید پر غور وفکر کریں اور زندگی کی رہنمائی لیں اور جو قومیں ان اشیاء کی کیفیت و ماہیت پر تحقیق کرتی ہیں، فوائد اُٹھاتی ہیں۔

وَ مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبۡوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ اُكُلَهَا ضِعۡفَیۡنِ فَاِنۡ لَّمۡ یُصِبۡهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ [265:2]

اور جو لوگ مال اللہ کی رضا کے لئے اور اپنی ذاتی مضبوطی (ایمان و اطاعت) کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی ہے جو اونچی زرخیز سطح پر ہو جب اُس پر زوردار بارش پڑے تو وہ دوگنا پھل دے اور اگر اسے زور کی بارش نہ پڑے تو اسے شبنم (ہلکی پھوار) بھی کافی ہے۔ اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

صدقہ ذریعہ تسکین:۔

پچھلی چار آیات کی طرح یہ آیت بھی انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنا) کے بارے ہے اور ایک بہت ہی خوبصورت مثال سے واضح فرمایا ہے۔ یہ مثال سائنسی یعنی (زرعی ٹیکنالوجی) اور معاشرتی مسائل کے اعتبار سے اعجاز اور خوبصورتی کا نمونہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ باغ یا زراعت کے لئے اونچی جگہ بہت بھلی ہے کیونکہ منظر خوبصورت و دلکش ہوتا ہے۔ پودوں کو دھوپ اچھی لگتی ہے۔ ہوا اچھی لگتی ہے۔ بارش زیادہ ہونے کی صورت میں پانی نکل جاتا ہے اور نقصان نہیں ہوتا اور بارش نہ ہو تو فضا کی خنکی کی وجہ سے شبنم زیادہ پڑتی ہے اور اس طرح زمین کو نمی کی مقدار زیادہ ملتی ہے۔ یہ باتیں ہمیں آج زرعی سائنس

میں تحقیق کے بعد ملی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑے خوبصورت اور جامع الفاظ میں آج سے چودہ سو سال پہلے ذکر فرما دی ہیں۔

اس آیت میں ایک نکتہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کسی خوف یا کسی تذبذب کی وجہ سے نہیں بلکہ انتہائی یقین اور اپنی ایمان وعقیدہ کی پختگی کے ساتھ کرتا ہے اس کا نفس مطمئن ہوتا ہے کہ سارا سودا یا سرمایہ کاری انتہائی نفع مند ہے اور ان کو اس کا نفع ملے گا جب ان کو اس کی شدید ضرورت ہو گی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت دل کی تنگی محسوس نہیں ہوتی بلکہ سکون و فراخدلی محسوس ہوتی ہے۔ ایک دفعہ ہمارے نبی حضور علیہ السلام کے ہاں بکری ذبح کی گئی آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گوشت کتنا ہے انہوں نے بتایا کہ سارا تقسیم کر دیا ہے اور گھر میں صرف ایک ران رہ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کہو کہ سارا کام آ گیا ہے یعنی صدقہ کی صورت میں صرف ایک ران بچ گئی ہے (یعنی کام نہ آسکی) تو یہ نظریہ خرچ فی سبیل اللہ ہے کہ جو خرچ ہو گیا وہی کام آئے گا۔ یہ خرچ معاشرہ میں معاشی اور معاشرتی خوشحالی کا سبب بنتا ہے اور یہی اسلام کا مقصد ہے ورنہ اللہ کی ذات کو کوئی ضرورت نہیں، وہ ان امور سے پاک و بلند ہے۔

اگلی آیت میں اس کا مقصد ایک اور خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ لَهٗ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ اَصَابَهُ الۡكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ [2:266]

کیا تم سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہتی ہوں اور اس میں اس کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں۔ اسے بڑھاپا آپہنچے اور (ابھی) اس کی اولاد کمزور (چھوٹی) ہو (ایسے حالات میں) اس باغ پر ایک آندھی کا بگولا آ جائے جس میں آگ بھی ہو تو وہ باغ جل جائے۔ اس طرح تمہارے لئے اللہ تعالیٰ واضح نشانیاں بیان فرماتا ہے تا کہ تم غور وفکر سے کام لو۔

اچھا عمل وہ، جس کا انجام اچھا ہے:۔

پچھلی آیت کے ساتھ معاشرہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال بڑے خوبصورت انداز میں بیان فرمائی جس میں انسانی نفسیات اور معاشی و معاشرتی محرکات کا ذکر فرمایا تا کہ ہم اس پر غور کر کے اپنی زندگیوں میں نافذ کریں۔ ہر آدمی معاشی و معاشرتی ونفسیاتی سکون چاہتا ہے اور بالخصوص چاہتا ہے کہ بڑھاپے میں اس کی حفاظت ہو اور مشکلات نہ ہوں اسی مقصد کے تحت پنشن یا سرمایہ کاری کی سکیمیں بنائی جاتی ہیں یہی عقلمندی وسمجھ کا تقاضا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی تصویر یوں کھینچی ہے کہ ایک انسان جو اپنی جوانی اور کمائی کا وقت گزار چکا ہے بڑھاپے نے اسے گھیر لیا جسم کمزور ہو چکا ہے اس کی زندگی کی کمائی ایک

خوبصورت باغ ہے جس میں پانی کی نہریں بہتی ہیں زمین سیراب ہوتی ہے انگور اور کھجور جیسے پھلوں کے درختوں سے بھرا ہے اس کے علاوہ بھی ہر قسم کے پھل جو انسان کو پسند ہیں لگے ہوئے ہیں اور یہ سارا باغ ایک بڑا ترکہ اور سرمایہ ہے جس پر وہ اور اس کے چھوٹے بچے جو ابھی کمسن ہیں کمانے اور مزدوری کی طاقت نہیں رکھتے اس کی آمدنی پر بھروسہ کرتے ہیں ۔ معاشرہ میں اس کی اس خوشحالی ملکیت اور دولت کی وجہ سے عزت ہے۔ اس کو اس سارے باغ اور اس کی متوقع آمدنی سے سکون ہے کہ نہ اسے اور نہ اس کے بچوں کو مستقبل میں پریشانی ہوگی۔ لیکن اچانک ایک دن ایک آندھی کا بگولہ چلتا ہے اور اس کے باغ پر چھا جاتا ہے ۔ بگولہ میں آگ جل اُٹھتی ہے ۔ چونکہ بگولہ ایک (Cyclone, Whirl Wind) تیزی سے گھومتی ہوا (جو ایک جگہ ہوتی ہے) اُس کے باغ کے نہ صرف پھلوں کو بلکہ درختوں کو بھی جلا دیتا ہے ۔ یہ کیفیت کس قدر شدید ہے اس کے سارے خواب اور سکون ختم ہو جاتا ہے ۔ وہ اس وقت میں بڑھاپے کی وجہ سے دوسرے کام کرنے کے قابل نہیں اس کی اولاد بھی کمزور ہے وہ بھی کام نہیں کر سکتے وہ مکمل طور پر تباہ ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی انسان خوشی یا بغیر خوشی کے ایسی کیفیت کا سوچ بھی سکتا ہے۔ کس قدر شدید ہے کہ ساری محنت ضائع گئی۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ مال رکھ کر وہ خود فائدہ اُٹھائیں گے اور پھر جب ان کو فائدہ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ نہیں ملتا۔ اسی طرح انسان جب اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرے گا تو قیامت کے دن جب اسے نیکیوں کی ضرورت ہوگی وہ محروم ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ ان آیات ، مثالوں پر غور کرو تا کہ ان کی مصلحتوں اور فائدوں کو سمجھ سکو۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ [267:2]

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ تم خود اسے سوائے کراہت اور چشم پوشی کے لینے والے نہیں ہو۔ اور جان لو اللہ تعالیٰ غنی ہے اور حمد و ثناء کے لائق ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ [268:2]

شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا

ہے۔

مال وصدقہ کا معیار:۔

آیت مبارکہ میں اللہ کے راہ میں خرچ کے پہلے حکم تھا۔کس طرح کی چیز خرچ کی جائے اس کے معیار کو ذکر فرمایا اس میں دو نکات اہم ہیں کہ اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اس سے مراد رزق حلال ہے جو انسان نے قانونی طریقہ سے کمایا ہو اور شریعت کے مطابق ہو اس طرح معاشرہ میں رزق حلال کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور دوسرا نکتہ ہے کہ اچھی چیز دو اور بری یا گھٹیا چیز نہ دو اور اس کا ایک سادہ آسان اور بہت عمدہ معیار مقرر کیا ہے کہ جو تم خود خوشی سے نہ لینے والے ہو صرف بطور مجبوری لے لو۔ ایسی چیز اللہ کی راہ میں بطور صدقہ خیرات یا زکوٰۃ مت دو۔اس کے علاوہ دوسری کمائی وہ ہے جو انسان کے دینی اعمال سے نہیں بلکہ نظام کائنات کا حصہ ہیں مثلاً نباتات، جنگلات، معدنیات یا پانی کے ذخائر۔اسلامی فقہ میں ان کی ملکیت ایک خاص موضوع ہے عمومی طور پر ریاست کو ان میں زیادہ حق حاصل ہے اور اگر کسی کی ملکیت ہے تو اس پر بھی خمس یا عشر کی صورت میں ٹیکس لگا ہے۔ تفصیل کے لئے کتب فقہ سے رجوع کریں۔اللہ کی راہ میں خرچ کا مقصد یہ ہے کہ(۱) غریب اور محتاج کا فائدہ (۲) اپنے نفس کی اصلاح (۳) اللہ تعالیٰ کی رضا۔یہ مقاصد تب حاصل ہوں گے اگر مال عمدہ ہو تا کہ جو اسے استعمال کرے اس کو اس کا صحیح فائدہ مل سکے اگر ناکارہ چیز دی جائے گی تو فائدہ نہیں ہوگا۔اسی طرح برا مال دینے کا محرک انسان کا بخل ہے اور مال دینے سے نفس کی اصلاح کا یہ مقصد ہے کہ جو انسان کے اندر غیر ضروری دولت کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور مختلف برائیوں یا کرپشن کا سبب بنتی ہے اسے ختم کیا جائے۔گندی چیز دینے سے بخل بڑھتا ہے۔تیسرا مقصد اللہ کی رضا ہے لیکن جب نہ نفس کی اصلاح ہوئی نہ ہی غریب کو فائدہ ہوا تو اللہ کی رضا کیسے حاصل ہوگی؟ چونکہ سارا مقصد اسلامی معاشرہ کا فائدہ ہے تاکہ دولت کی تقسیم مساویانہ ہو۔ غریب اور امیر کا فرق کم ہو حکومت پر اجتماعی بوجھ کم پڑے۔گردش دولت کی وجہ سے (یعنی غریبوں کو زکوٰۃ اور مالی امداد سے) ان کی قوت خرید میں اضافہ ہوگا۔طلب میں اضافہ ہوگا۔جس سے پیداوار میں اضافہ ہوگا پھر روزگار میں اضافہ ہوگا اور پھر مزید طلب میں اضافہ ہوگا۔اسی طرح معاشرہ خوشحالی کی طرف گامزن ہوگا۔اس سارے عمل میں ایک رکاوٹ انسانی نفساتی یا نفسانی خوف اور لالچ ہے۔لالچ یہ ہے کہ سب کچھ میرے پاس ہو اور خوف یہ ہے کہ اگر کسی کو دے دیا تو میں کیا کروں گا۔اللہ تعالیٰ نے بڑے خوبصورت طریقے سے اس کی وضاحت ہمارے لئے فرما دی ہے یہ ایک وسوسہ ہے جس کا محرک شیطان ہے اگر ہم خرچ کریں گے تو اللہ ہمیں اس کے بدلے مغفرت اور فضل عطا فرمائے گا یعنی دنیا میں محتاجی نہیں ہوگی اور آخرت میں بخشش ہو جائے گی۔ایک اور اہم نکتہ ہے کہ سارے خرچ اپنی جائز ضرورت سے زائد ہیں احادیث سے ثابت ہے کہ اگر گھر میں محتاجی ہے تو صدقہ قابل قبول نہیں ہوگا اور سب سے پہلے یہ چیزیں اپنے خاندان کے افراد کا حق ہیں۔ہاں ضرورت کا معیار قائم کرتے وقت

اسراف سے بچا جائے اور متوسط درجہ کو ترجیح دی جائے۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اسے صدقات کی ضرورت نہیں یہ سارے احکام انسانیت کی فلاح کے لئے ہیں اور خالق و مالک اپنی مخلوق کی اس قدر فلاح چاہتا ہے وہ بہت ہی حمد وستائش وتعریف کے لائق ہے۔

يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ [269:2]

جسے چاہتا ہے دانائی (حکمت) عطا فرماتا ہے اور جسے دانائی (حکمت) عطا کی گئی اسے بہت بڑی نعمت مل گئی اور صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل و دانش والے ہیں۔

بڑی نعمت:۔

پچھلی آیات میں انسانی بھلائی کی خاطر اللہ کے لئے خرچ کرنے کے احکامات اور اس کی فضیلت و برکت کے بارے تعلیمات تھیں اور اِس آیت میں ایک انتہائی اہم پیغام ہے کہ اللہ کی ذات اپنے فضل وکرم سے جس کو چاہتا ہے حکمت (یعنی دانائی) عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت یعنی دانائی دی اس کو سب سے زیادہ خیر و بھلائی عطا فرمائی کیونکہ سب سے بڑھ کر انعام خداوندی مال و دولت، صحت وجسم طاقت وحکومت، شہرت وخوبصورتی یہ سب انعام خداوندی ہیں لیکن حکمت و دانائی سے کم تر ہیں۔علم وحکمت سب سے بڑھ کر انعام نہیں۔حکیم و دانا وہ شخص ہے جو مقصد حیات کو سمجھتا پہچانتا ہے اس دنیا میں عارضی زندگی کی قدر کرتا ہے آخرت میں جوابدہی پر یقین رکھتا ہے اور ابدی زندگی کو جانتے ہوئے دونوں کو ان کی اہمیت وضرورت کے مطابق اہمیت دیتا ہے۔اسی بناء پر متوازن طور پر حقوق العباد اور حقوق اللہ کو پورا کرتا ہے۔جس معاشرہ میں اصحاب دانا وحکمت کی عزت و قدر ہے اور ان کی لیڈرشپ سے ہی معاشرہ کامیاب ہوتا ہے۔حکمت میں دنیاوی سائنس اور دین کا سمجھ دونوں کا حصہ ہے صرف سائنسی ترقی یا اس دنیا میں معیار زندگی کامیابی نہیں بلکہ دنیا کے ساتھ انسان کے روحانی سکون وامن کی بھی ضرورت ہے جو دین اور حقوق اللہ کے ساتھ منسلک ہے۔جس نے دونوں حاصل کر لئے وہی معاشرہ حقیقی طور پر کامیاب رہتا ہے۔انسانی عقل پر سارا بھروسہ صحیح نہیں جب تک خدا کی رہنمائی اس کو نہ ملے یہ بھٹک جاتی ہے اور انسانی خواہشوں کے تابع بن کر برائیوں کا مرکز بن جاتی ہے۔اس کا دارومدار صرف ظاہر کی معلومات تک رہتا ہے اور وقتی فوائد اور عارضی ضرورت کے تابع بن کر دائمی فوائد کو نظر انداز کر دیتی ہے اور اس عارضی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ لیتی ہے۔لیکن حکمت کی فراست، عقل کی اِس کمزوری کی اصلاح کرتی ہے۔علم وعقل وعمل و ہدایت کا مجموعہ حکمت ہے۔پھر فرمایا کہ ان نکات کو صرف وہی لوگ جو سمجھ والے ہیں اور جو غور وفکر کرتے ہیں وہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ

[270:2]

اورتم نے جو کچھ (رہن سہن کے لئے) خرچ کر دیا جو نذر مانو تو یقیناً اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کے کوئی مددگار نہیں۔

نذر و منت:۔

جو کچھ ہم اپنی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اسے اللہ جانتا ہے اور پھر کوئی ہم منت یا نذر مان لیتے ہیں جس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ منت یا نذر اللہ کے لئے مان لیں تو چونکہ وہ خود ہم اپنے اور لازم کرتے ہیں اس لئے پورا کرنا ضروری ہے مثلاً کسی کام کے ہونے کی تمنا پر ہم کسی قربانی یا خیرات یا صدقہ کا وعدہ کرلیں۔ چونکہ یہ ایک اللہ کے ساتھ وعدہ ہوتا ہے اس لئے اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی پورا نہیں کیا تو گناہ ہے۔ اگر ایسی نذر مانی جس سے گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس کو نہ کرنا بہتر ہے۔ جو لوگ ظلم کرنے والے ہیں ان میں وعدہ توڑنے والے بھی شامل ہیں ان کا کوئی قیامت کو مددگار نہیں ہوگا۔

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَ اِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَ تُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَ یُکَفِّرُ عَنۡکُمۡ مِّنۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ [271:2]

اگر تم اپنے صدقات کو ظاہر کر کے دو تو بھی اچھا ہے اگر تم انہیں چھپاؤ اور فقراء کو دو یہ تمہارے لئے اور بہتر ہے اور اللہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

صدقہ دینے کا طریقہ:۔

صدقات کا ذکر فرمایا اب ان کو دینے کے طریقہ کی وضاحت فرمادی۔ یہ صدقہ دینے والے کی مرضی ہے کہ کس طرح دیتا ہے اگر سب کے سامنے اظہار کر کے دیتا ہے تو بھی ٹھیک ہے اور اگر چپکے سے (چھپا کر) دیتا ہے تو اور بہتر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اظہار میں نمائش ہو جاتی ہے جس سے انسان کے دل میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ جو نیکی کو کھا جاتا ہے۔ دوسری طرف اگر تکبر نہ ہو تو لینے والے کو احساس کمتری بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ چپکے سے چھپا کر دیا جائے کیونکہ جس کی رضا کے لئے دیا جارہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہمارے اعمال سے آگاہ ہے۔

پھر فرمایا کہ ہمارے گناہوں یعنی صغیرہ کو مٹا دے گا۔ پھر دنیا میں اس کا فائدہ نہ ملا تو آخرت میں گناہوں کا کفارہ بنے گا جب ہمیں کفارہ کی سخت ضرورت ہوگی۔ صدقہ کے بارے احادیث میں روایت ابی امامہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھپا کر صدقہ دینا اللہ کے غصہ کو ختم کر دیتا ہے اور رشتوں کو قائم کرنا عمر میں اضافہ کرتا ہے۔ ایک اور حدیث شریف جو کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جن سات افراد کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنا سایہ عطا فرمائے جبکہ اس وقت کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں

ساتواں وہ شخص ہے جو صدقہ اتنا چھپا کر دیا کرتا تھا کہ اس کے بایاں ہاتھ کو بھی یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے (بحوالہ تفسیر مظہری)۔ یہ سب اسلامی معاشرے میں مساوات، اخوت اور خوشحالی کے لئے ہیں۔ فرضی صدقہ یعنی زکوۃ کو ظاہر کر کے ادائیگی کا ثواب زیادہ ہے تاکہ دوسروں کو ترغیب ہو اور نوافل یعنی زائد صدقات کو مخفی انداز میں کرنا زیادہ باعث ثواب ہے یہ اصول عبادات کے لئے بھی ہے۔ حضرت عباس کا ایک قول بہت خوبصورت ہے کہ نیکی میں تین اصول اہم ہیں (۱) جلد کمائی جائے (۲) اس کو زیادہ نہ سمجھا جائے بلکہ کم سمجھا جائے (۳) اس کو چھپا کر کیا جائے۔ ان تینوں کی حکمت واضح ہے۔ یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اپنے معاشی و سماجی مسائل کو ایک منظم انداز سے حل فرمایا ہے۔

لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰهُمۡ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ وَ مَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ [272:2]

ان کو ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اور تم جو بھی اچھا مال خرچ کرو وہ تمہارے اپنے فائدے کے لئے ہے۔ اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے علاوہ تمہارا خرچ کرنا مناسب نہیں اور جو تم مال خرچ کرو گے (اس کا بدلہ) تمہیں دیا جائے گا اور تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

غیر مسلموں کے لئے صدقہ / خیرات:۔

اس آیت کے نزول کے بارے روایت ہے کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کو خیرات و صدقات دینے بند کر دیئے مقصد تھا کہ وہ اسلام قبول کریں تو انہیں دیں گے تاکہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی مساوات کا حکم دیا کہ نوافل صدقات ان کو بھی دیں جو محتاج و غریب ہیں ہدایت کا ملنا یا نہ ملنا اللہ کے حکم سے ہے۔ ہاں تبلیغ دین فرض ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اے رسول ﷺ! آپ کا فرض یا ذمہ داری ان کی ہدایت کو قبول کرنا نہیں بلکہ صرف پہنچانا ہے جو آپ کر رہے ہیں۔ اسلام میں انسانی آزادی کا کس قدر خیال ہے اور پھر مساوات کی کس قدر اہمیت ہے۔ اسلام کے بارے جو منفی پروپیگنڈہ ہے کہ اسلام غیر مسلموں پر ظلم کو روا رکھتا ہے سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ اپنی بات منوانے کے لئے لوگوں کی مجبوریوں کا فائدہ اُٹھانا بھی اسلام میں منع ہے اور کسی پر دین کو ٹھوسنا بھی منع ہے (جس طرح پہلے آیت میں "لا اکراہ فی الدین" ذکر ہے)۔

اللہ کے لئے جو مال خرچ کیا جاتا ہے اس کا فائدہ خرچ کرنے والا ہر صورت میں پاتا ہے اور اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا چاہیے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا، اس کی رحمت اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ [273:2]

تمہارے (مال وخیرات) ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں (کسب معاش سے) روک دیئے گئے ہیں۔وہ (ہر وقت اس میں مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر (روزگار تلاش) نہیں کر سکتے۔ ناواقف حال ان کے صبر اور سوال نہ کرنے کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتا ہے (لیکن) تم انہیں ان کی صورت (حالت) سے پہچان لو گے وہ لوگوں سے لپٹ کرنہیں مانگتے اورتم جو اچھا مال (چیز) بھی خرچ کرتے ہو بے شک اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

اَلَّـذِيۡـنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ [274:2]

وہ لوگ جو اپنا مال رات دن (ہر وقت) پوشیدہ اور کھلے طور پر خرچ کرتے ہیں ان کے لئے اجر ان کے رب کے پاس ہے۔انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی غم۔

یہ آیت بھی اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کے بارے ہے اور اس میں حکم دیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں کام کر رہے وہ جہاد یعنی تبلیغ اسلام پر، دفاع اسلام پر، تعلیم اسلام اور دوسری تعلیم بھی ہو کیونکہ اس کے بغیر سماجی ترقی ممکن نہیں (علوم ظاہرہ وعلوم الشرعیہ وعلوم باطنیہ) میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ کسب معاش تلاش نہیں کر سکتے اور اِدھر اُدھر سفر نہیں کر سکتے۔ان کو صدقہ دینا چاہیے اور معاشرہ کے وہ افراد جو اپنی عزت نفس کی وجہ سے سوال نہیں کرتے اور ضرورت مند ہوتے ہیں اور بلکہ ان کے چہرے اور لباس کے آثار سے ان کی تکلیف وحاجت پتہ چل جاتی ہے۔اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ایسے افراد کو ترجیح دیں۔شان نزول کے مطابق اس آیت کا اشارہ اصحاب صفہ کی طرف ہے جو تعداد میں دو تین سو کے لگ بھگ تھے اور ہر وقت طلب علم اور دفاع اسلام کے لئے مسجد نبوی میں تیار رہتے تھے۔

ضرورت منداور گداگر:۔

جو لوگ بار بار (لپٹ کر) سوال کرتے ہیں اور جب تک کچھ نہ ملے اصرار کرتے رہتے ہیں ان کا بھی حق ہے لیکن آج کل کے دور میں گداگری ایک ذریعہ معاش بن گیا ہے۔جس کی حضور علیہ تسلیم نے بہت مذمت فرمائی ہے۔ان کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔حضور نے فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے یعنی مانگنے سے دینا بہتر ہے (بخاری شریف)۔ایک اور حدیث

ہے جو آدمی مال جمع کرنے کے لئے بھیک مانگتا ہے وہ انگارے جمع کر رہا ہے، وہ تھوڑے انگارے جمع کرے یا زیادہ اس کی مرضی۔(صحیح المسلم باب زکوٰۃ)۔سوال کا حق کس کو ہے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے گھر ایک دو روز کے لئے کھانے کا سامان ہے تو اسے سوال کا حق نہیں بلکہ اسے معاش یا کام کی جستجو کرنی چاہیے (بحوالہ ابوداؤد)۔البتہ اگر یقین ہے کہ کمانا ناممکن ہے تو جب تک کمانا ممکن نہ ہو تو سوال کر سکتا ہے۔احادیث وفقہ کی رو سے اگر کسی کے پاس چالیس درھم تک نقدی (یا اس کے مساوی ہے) تو اس کے لئے سوال کرنا مطلقاً حرام ہے۔(تفسیر مظہری)

دینے والے مال کی صفت میں فرمایا "خیر" یعنی اچھا مال اللہ کی رضا کے لئے محتاجوں کو دو اللہ اسے خوب جانتا ہے اور اس کا ثواب واجر اچھا دے گا۔اللہ کی رضا کے لئے محتاجوں، غریبوں اور طالب علموں پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ اگلی آیت میں ان لوگوں کی تعریف فرمائی کہ جو لوگ دولت کو بچا کر رکھنے کی بجائے حالات کے مطابق ظاہر اور چھپا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے اجر وثواب ان کے رب کے پاس ہے۔انہیں کوئی غم وخوف نہیں۔ان کو کوئی ذہنی پریشانی نہیں ہو گی۔ اللہ انہیں جذبہ سخاوت سے نواز دیتا ہے۔وہ اس دنیا میں بھی مطمئن زندگی گزارتے ہیں اور آخرت میں بھی بغیر غم وتکلیف کے ہوں گے کیونکہ ان کو اپنے رب پر یقین ہے۔اس کے برعکس بخیل اور کنجوس دولت کے بڑھانے کے لالچ میں خود بھی تنگدست رہتا ہے اور اس کے کم ہونے کے خوف سے پریشان بھی رہتا ہے۔

اگلی آیت میں مال بڑھانے کے لالچ میں سود کا ذکر ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ [275:2]

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) کھڑے نہیں ہوں گے مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر پاگل کر دیا ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید وفروخت) بھی تو سود کی مانند ہے۔حالانکہ اللہ نے تجارت (خرید وفروخت) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔پس جس کو اس کے رب کی نصیحت ہوئی پھر وہ باز آ گیا (سود سے) جو پہلے گزر چکا وہ ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔جس نے پھر بھی (سود) لیا پس ایسے لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِى الصَّدَقٰتِ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ [276:2]

اللہ سود مٹاتا (ختم کرتا) ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

یہ آیت روزمرہ کی معاشی زندگی میں بہت اہم ہے اللہ تعالیٰ نے سود کو ممنوع قرار دیا اور صدقات کو پسند فرمایا۔سود لینے والے کی کیفیت بیان فرمائی کہ وہ روز قیامت مخبوط الحواس شخص کی طرح کھڑا ہوگا۔حضور علیہ السلام نے بھی سود کی بہت زیادہ مذمت فرمائی ہے۔سود لینے والے کہتے ہیں تجارت بھی ایک نفع ہے اور سود کی طرح ہے جبکہ اللہ نے تجارت کو جائز قرار دیا (کیونکہ تجارت سود سے بالکل مختلف ہے) اور ان کی یہ دلیل صرف گمراہ کرنے کے لئے ہے۔سود کیا ہے لفظ "ربوا" کی معنی زیادتی ہے۔اسلام سے قبل تمام معاشروں میں سود تھا۔سود یہ تھا کہ اگر کسی نے کوئی رقم لی یا کوئی سودا کیا اور وقت پر رقم نہ ادا کرسکا تو رقم لینے والے نے اس پر مزید رقم بڑھا دی اور یہ سود ہوگیا۔تقریباً یہ اسی طرح ہے جس طرح آج کل مغربی بنکنگ نظام میں چل رہا ہے۔رقم ذاتی اغراض کے لئے لی جائے یا تجارتی مقاصد کے لئے سود کا اصول اور حرمت برابر ہے۔پھر سود زیادہ شرح سے ہو یا کم، چونکہ اصل زر سے زیادہ ہے اس لئے حرام ہے۔آج بھی سود کو جاری رکھنے والے یہی کہتے ہیں کہ یہ رقم پر نفع ہے جس طرح تجارت میں تاجر نفع لیتا ہے۔کچھ لوگ افراط زر کا بہانے بناتے ہیں لیکن افراط زر (Inflation) ایک عارضی معاشی کیفیت ہے جو کہ حکومتوں کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔اس لئے اس کی قانونی شرعی طور پر کوئی اہمیت نہیں اسی طرح اگر افراط زر ہے تو کسادبازاری (Recession) کا مسئلہ بھی یہ حکومتی پالیسی کے ذریعہ تبدیل ہوسکتا ہے۔لیکن اگر ہم غور کریں تو تجارت کا نفع اور سود کا نفع دو بالکل مختلف عمل ہیں اور دونوں کے مختلف نتائج اور اثرات ہیں اس کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

بیع سے مراد خرید وفروخت ہے۔بیع (Sale) میں تبادلہ (Exchange) ہے جو ایک آدمی کا اپنا مال (جس پر حق ملکیت ہو سکے) کو دوسرے آدمی کے مال کے بدلے دینے کا ہے۔اس کے چند پوائنٹ ہیں (۱) یہ حق ملکیت ہے اور ٹرانسفر ہوتا ہے۔(۲) اس میں قیمت یا مال کے بدلے مال ملتا ہے (اگر قیمت نہیں ہے تو (حصہ) یا (گفٹ) ہے)۔(۳) یہ آپس میں رضا مندی کے ساتھ ہوتا ہے (اگر رضا مندی سے نہ ہو تو چوری یا ڈاکہ ہے)۔(۴) تجارت میں مال کے ساتھ انفرادی عمل وکوشش بھی شامل ہوتی ہے (جس کی وجہ سے نفع یا نقصان ہوسکتا ہے)۔

اب سود (Interest) کے معاملہ کو دیکھیں وہ اس بیع سے کس قدر مختلف ہے (۱) سود میں حق ملکیت تبدیل (ٹرانسفر) نہیں ہوتا بلکہ استعمال کی اجازت ہوتی ہے (یہ کرایہ داری سے اس لئے مختلف ہے کہ کرایہ داری میں اصل کا وجود مثلاً مکان زمین یا گاڑی برقرار رہتا ہے اور فائدہ ملتا ہے مگر سود میں اصل زر بالکل ختم ہو جاتا ہے اور اس سے فائدہ بھی ہوسکتا ہے نقصان بھی)۔(۲) اس میں نقدی دینے والے کی اپنی کوئی ذاتی کوشش شامل نہیں ہوتی وہ سود دینے کے بعد بغیر کسی محنت وکوشش کے اصل زر اور اس پر زائد رقم کا حقدار بن جاتا ہے جبکہ تجارت میں خریدار مال خرید کر اس میں اپنی ذاتی کوشش کرنے کے بعد بھی نفع کا یقینی حقدار نہیں بنتا بلکہ نقصان کا خدشہ رہتا ہے۔

اب دونوں کے معاشی اثرات دیکھئے۔سود کی وجہ سے رقم مختلف افراد سے نکل کر چند افراد کے ہاتھوں جمع ہوتی رہتی ہے اور معاشرہ میں طبقاتی تقسیم بڑھتی ہے۔ایک طبقہ بہت سے سرمایہ کا مالک بن جاتا ہے اور دوسرا مجبور غریب رہتا ہے۔یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جو محنت کرتا ہے اور سرمایا لگاتا ہے اس کو نفع کی امید کے ساتھ ساتھ نقصان کا بھی خطرہ رہے اور ایک آدمی جو صرف "الہ تبادلہ" یعنی کرنسی دیتا ہے وہ صرف نفع اُٹھاتا ہی رہے۔دوسری طرف خیال کریں کہ کرنسی کی اپنی کوئی حیثیت نہیں یہ نوٹ صرف حکومتی یا ادارہ کے اعتماد کی وجہ سے کام کرتے ہیں (ان کو لوگ قبول کرتے ہیں) ان کی ذاتی افادہ نہ ہونے کی وجہ کے باوجود بھی ایک آدمی غلط نظام معاشیات کی وجہ سے کرنسی کے استعمال سے فائدہ اُٹھاتا ہے جو غیر منصفانہ ہے جبکہ اشیاء کا اپنا ذاتی افادہ ہوتا ہے اس لئے ان سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے مثلاً ایک پانی کے گلاس کا اپنا فائدہ ہے لیکن ایک کرنسی نوٹ کو اگر حکومت منسوخ کردے تو اس کا کوئی فائدہ نہ رہے گا۔اس لئے پانی کا گلاس بیچ کر نفع ٹھیک ہے لیکن ایک تھوڑی مدت کے نوٹ دے کر نفع اُٹھانا انصاف کے مطابق نہیں۔اس لئے تجارت کرنے والا طبقہ معاشی جدوجہد میں خطرات، ذہنی محنت ،نقصانات ،قربانیاں برداشت کرتا ہے مگر قرض دینے والا سرمایہ دار یا ادارہ بغیر کسی محنت وخطرہ کے فائدہ اُٹھاتا ہی رہتا ہے۔اس لئے اسلام نے اس عمل کو معاشرے میں مجموعی طور پر نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔تجارت میں ترقی کرنے والی قوم معاشی طور پر خوش حال اور تمدن تعمیر کرنے والی بن جاتی ہے اور سود کی بناء پر ترقی کرنے والی طبقاطیت میں لپٹ کر الٹا خون خرابے کا شکار ہو جاتی ہے۔اس کی واضح مثال کمیونزم کی تحریک ہے جو کیپیٹل ازم (سرمایہ داری) کے خلاف اٹھی، جس میں کئی معاشرے اور ملک تباہ ہوئے لاکھوں لوگ قتل ہوئے۔پھر سود کا اخلاقی نقصان یہ ہے کہ افراد میں زر پرستی ،دوسروں کے لئے بخل ،خودغرضی ، بے رحمی کی صفات پیدا کرتا ہے جو معاشرے اور انسانی تمدن کے لئے بہت نقصان دہ ہیں۔اس لئے یہ معاشی اور معاشرتی (اخلاقی) طور پر انسانیت کے لئے تباہ کن ہے۔آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ترقی پذیر ممالک سود کا کاروبار سے عالمی اداروں مثلاً بین الاقوامی ترقیاتی فنڈ (IMF)، بین الاقوامی بنک برائے تعمیر جدید ترقی (IBRD) اور ایشین بنک برائے ترقی (ADB) جو ترقی یافتہ ممالک کے سرمائے کو تو بڑھا رہے ہیں لیکن ایشیاء، افریقہ، لاطینی امریکہ کے ترقی پذیر ملکوں کو قرض در قرض کے بوجھ کی وجہ سے معاشی و معاشرتی آزادی سے محروم کررہے ہیں۔ان کی خارجہ وداخلہ پالیسیاں غیروں کے تابع ہو جاتی ہیں۔ان کے نقصانات کے بعد سود کی تعریف بھی ضروری ہے۔

سود کی تعریف:۔

قرآن میں لفظ ربوا استعمال ہوا ہے۔اُس وقت ربوا کی صورت کرنسی کے لین دین (دینار، درھم ،اوقیہ) میں زائد لینا تھا لیکن حضور ﷺ نے اس میں مزید اضافہ فرمایا ہے جو کہ ایک حدیث حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے

اس میں سونا کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور اور نمک کے بدلے نمک کو ایک ہی جیسی اور برابر برابر پر تبادلہ کی اجازت دی اگر زیادہ ہو تو سود ہے(مثلاً بـمثلٍ سواءً بسواءٍ) اگر ان اشیاء میں صفات یا کیمیات تبدیل ہوں گی تو کمی و بیشی ممکن ہے۔ کچھ فقہاء کا قول ہے کہ یہ زیادتی صرف ان چھ اشیاء میں منع ہے باقی میں نہیں۔ اکثر کا قول ہے کہ ان اشیاء کی صفات (مادہ تبادلہ) یعنی چاندی اور سونا اور پھر مادہ غذا کھجور، نمک، جو، گندم ان کو (وزن/ تول) وزن کی پیائش سے تعین کیا جا سکتا ہے اس لئے یہ اصول تمام اشیاء جو کہ وزن اور پیائش میں متعین کی جا سکیں کی ان پر لاگو ہوگا۔ اس لحاظ سے سود کی تعریف یوں ہے" یہ لین دین کی بناء پر زیادتی ہے جو کہ دو اشیاء جو باہم مکمل طور پر صفات و ذات میں ایک جیسی ہوں کے تبادلہ پر کی جائے"

چونکہ آج کے دور میں جدید آلات کے ذریعے اشیاء کی صفات، ذات، کیمیات میں تعین ممکن ہے اس لئے جب اشیاء ایک ہی جیسی 100% (سو فیصد) ہوں تو ان میں زیادتی منع ہے لیکن اگر ان میں اوصاف و کیمیات و ذات میں اختلاف واقع ہو گیا تو اجازت ہوگی۔ مزید تفصیلات کے لئے فقہ کی کتب (بالخصوص کتاب البیوع والرباء) سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سود کو عیسائیت، یہودیت نے بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ جدید ماہرین معاشیات نے سود کے لئے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ پرانے ماہرین معاشیات ارم سمتھ اور ریکارڈو کے مطابق استعمال کا معاوضہ ہے کوئی نظریہ ترجیح نقد (Liquidity Preference Theory) یا ادھار کے قابل (Loanable Theory) کہتا ہے۔ سارے نظریات صرف جمع کرنے کا تصور کرتے ہیں ایک نظریہ ہے کہ یہ عامل پیداوار ہے کیونکہ پیداوار میں اضافہ کرتا ہے لیکن یہ دھوکہ ہے کیونکہ سرمایہ سے مراد آلات سرمایہ ہیں یعنی مشینری اور آلات پیداوار نہ کہ نقدی، نقدی بذات خود کیونکہ کام نہیں کرتی بلکہ ایک ذریعہ تبادلہ ہے جس کی وجہ سے اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اصل پیداوار تو انسانی محنت اور مشین کا پیداواری عمل کرتا ہے۔ زراعت وصنعت یا انسانی حرفت اسلئے محنت اور سرمایہ ملا کر نفع جائز ہے۔ یہی اسلامی نظریہ پیداوار ہے۔

مغربی ممالک میں سودی نظام رائج ہے اور اس کے مضر اثرات وہاں پر ہیں لیکن ان کا احساس اس شدت سے نہیں ہوتا جس طرح کہ ترقی پذیر ممالک میں ہے کیونکہ ان کے ہاں اجتماعی عدل کا جو نظام رائج ہے۔ یہ نظام اسلامی اصولوں پر قائم ہے ان کی وجہ سے اس کے اثرات کم ہو جاتے ہیں، ترقی یافتہ ممالک میں شرح بھی بہت کم ہے۔ جاپان میں کئی سالوں سے شرح سود صفر ہے لیکن پھر بھی ان کی معاشی ترقی کی رفتار بہت تیز رہی ہے۔

صدقات کی برکت:۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ سود کے نظام کو ختم کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ سود کے اخلاقی

اثرات پہلے بیان کئے ہیں جس میں معاشرہ کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ خودغرضی کریں گے۔ایک کی حاجت کو دوسرے کے نفع کے لئے استعمال کیا جائے گا اور اس کا فائدہ اُٹھایا جائے گا۔ مالدار طبقوں کے مفاد عامہ الناس سے مختلف ہوں گے۔ایسے افراد یا سوسائٹی میں محبت کے بجائے حسد وبغض سے دوری نشونما پائے گی اور سوسائٹی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی لیکن اگر سوسائٹی میں صدقات کا نظام رائج ہوگا جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ فراخدلی اور ہمدردی کے ساتھ معاملہ کریں گے۔ ایک کی حاجت پر اس کی مدد کریں گے۔ باوسیلہ یا دولت مند بے وسیلہ یا محتاج لوگوں کی مدد کریں گے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور محبت بڑھے گی نفرت کم ہوگی۔اندرونی تنازعات اور طبقاتی کشمکش ختم ہوگی اور تعاون وخیر خواہی میں امن وسکون بڑھے گا معاشرہ ترقی کرے گا۔ یہ وہ امور ہیں جو انسان کی بھلائی کے لئے ہیں اس لئے اسلام میں ان کے احکام ہیں ۔ بدقسمتی سے مسلمان ممالک جہاں سود ایک گناہ تھا وہاں آج غلامی کے اثرات اور مغربی بنکنگ (Banking) کے نظام کی وجہ سے لوگوں نے سود کو ایک متنازعہ موضوع بنا دیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے بدامنی اور فسادات کا شکار ہیں ۔خدا تعالیٰ ہمیں سود کی لعنت سے محفوظ فرمائے۔

اِنَّ الَّـذِيۡـنَ اٰمَـنُوۡا وَ عَـمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ [2:277]

بے شک جو لوگ ایمان لائے انہوں نے نیک اعمال کئے اور نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ غمگین ہوں گے۔

پچھلی آیت سود کے بارے تھی کہ اللہ تعالیٰ سود کو ختم کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے تاکہ معاشرہ میں آسانی ورحمت ہو۔کامیاب معاشرہ جس میں سلامتی اور ترقی ہوگی اس کے بارے ذکر ہے یہ وہ معاشرہ ہے جس کے افراد اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور دل کے ساتھ ایمان لائے اور عمل کر کے بھی دکھایا۔ یہ اعمال نیک کام ہیں جس کا ذکر سب سے پہلے فرمایا کہ نیک اعمال کرتے ہیں بھلائی ، مدد، تعاون، ہمدردی، سچ بولنے والے، وعدے پورے کرنے والے،حقوق ادا کرنے والے، اپنے رشتہ داراں یا دوسرے معاشرے کے افراد مسلمان اور غیر مسلم سب کے ساتھ ان کا بھلائی کا رویہ ہے۔نماز کو قائم کرتے ہیں یعنی نماز کا نظام جو عبادت ، اخوت ، مساوات اور مل جل کر رہنے کا درس ہے اس کے ساتھ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اپنے مالوں سے غریبوں محتاجوں ، ناداروں کی مدد کرتے ہیں۔ایسے معاشرے جن میں ایسے کردار کے افراد ہوں، کامیاب ہیں ان کا اجر اللہ کے ہاں ہے اس دنیا میں بھی ملے گا سکون ،امن وسلامتی کی صورت میں اور آخرت میں ان کو اللہ کی رحمت اور بخشش میسر آئے گی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ [2:278]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ اِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ [279:2]

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارا اصل مال (جائز) ہے۔ نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

وَ اِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ وَ اَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ [280:2]

اگر مقروض تنگ دست ہو تو اسے فراغت (خوشحالی) تک مہلت دو۔ اگر تم قرض کو معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہو۔

وَ اتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَ هُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ [281:2]

اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر نفس (آدمی) کو جو کچھ عمل اس نے کیا اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

خدا سے جنگ:۔

یہ آیات بھی سود سے متعلق ہیں۔ اس میں سود کے حرام ہونے کے علاوہ اس بات کا حکم ہے کہ جو کچھ گذر کیا اس کی سزا معاف ہے۔ کیونکہ پرانے حساب و کتاب ایک لمبا سلسلہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس کو معاف کر دیا صرف وہ اپنی اصل رقم لینے کے حقدار ہیں اور یہ عمل ان کے خالص ایمان ہونے کی دلیل ہیں۔ [جب یہ آیات نازل ہوئیں تو عرب قبائل کے آپس میں سود کے لین دین تھے۔ عمر بن ثقیف کے قرضے بنی مغیق پر تھے۔ جب آیت نازل ہوئی تو کہنے لگے ہم اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے اور انہوں نے سارا سود چھوڑ دیا اور اصل رقم صرف واپس لی۔

اگلی آیت میں انکار کی صورت میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اگر تم سود پر اصرار کرتے ہو تو اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اب ایک مومن کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس قدر بڑے جرم کا ارتکاب کرے اس لئے مومن کبھی سود خور نہیں ہو سکتا۔ بعض اوقات رقم حفاظت کی غرض سے بنک میں رکھی جاتی ہے۔ اصل اسلامی اصول یہ ہے کہ اسے تجارت میں لگایا جائے اور اس پر نفع اُٹھا کر زکوٰۃ ادا کرے مزید صدقہ کے لئے رقم میسر آ جائے گی۔ لیکن اگر سرمایہ کاری نہیں کی جاتی تو اسے

بنک میں رواں کھاتے (Current Account) میں رکھا جاتا ہے جس پر کوئی سود نہیں ہوتا اور اگر لمبی مدت کے لئے وہاں پڑی ہے تو جو سود کی رقم بنک سے میسر آئے اسے بنک کو نہیں دینا چاہیے بلکہ غرباء پر صدقہ کر دینا چاہیے تاکہ ان کا فائدہ ہو۔قرض اور لین دین میں بسا اوقات مقروض اپنے وقت پر ادا نہیں کر سکتا، مغربی سرمایہ کاری نظام غریب کی اس مجبوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس پر سود در سود لگا دیتے ہیں اور اس کا غلط فائدہ اُٹھاتے ہیں۔اسلامی معاشی نظام کی اساس اخوت اور تعاون ہے۔اس لئے قرض دار کو سہولت دینی چاہیے یعنی اسے مہلت دی جائے اور اتنا مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنی ضروری اشیاء فروخت کرنے پر مجبور ہو جائے بلکہ قرض کا کچھ حصہ معاف کر دیا جائے تاکہ بقایا جلد ادا ہو جائے (Discounting of Receivable)۔اسی اصول کی بناء پر اگر عدالت میں قرض کی ریکوری کا مقدمہ ہو تو عدالت مقروض کے حالات کا صحیح جائزہ لے کر اسے مہلت اور رعایت دے گی اور اگر پھر بھی رقم میسر نہ آئے تو اس کے مختصر ذاتی مکان برائے رہائش اور آلات روزگار کو فروخت نہیں کیا جائے گا اور اسلامی ریاست وقتی طور پر قرض خواہوں کی ادائیگی میں مدد کرے گی۔کیونکہ ایک حدیث ہے کہ جس کا کوئی والی نہیں اس کا میں (یعنی نبی پاک ﷺ) والی ہوں اور آپ کی ذات ریاست کی ایگزیکٹو کی نمائندگی کرتی ہے اور جب مقروض کے حالات ٹھیک ہوں گے تو ریاست اس سے ریکوری کرے گی۔اگر قرض کی ادائیگی میں تاخیر محض بہانہ سازی ہے تو حدیث میں اسے بڑا جرم قرار دیا ہے اور اس صورت میں مقروض سے نہ صرف قرض وصول کیا جائے گا بلکہ عدالتی طریقہ سے مزید جرمانہ بھی عائد کیا جائے گا۔ صاحب ثروت افراد کو مستحق افراد (غرباء) کے لئے قرض معاف کرنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے اگرچہ یہ قانونی طور پر نہیں صرف انفرادی طور پر ترغیب ہے۔

اسلامی بنکنگ:۔

اسلامی بنکاری نظام جو ۱۹۵۰ء سے شروع ہوا اب کافی ترقی کر چکا ہے۔اس میں سرمایہ کاری کی بنیاد اسلامی اشتراک (شراکت) ہے اسی طرح جب رقم بنک میں جمع کرائی جاتی ہے تو اسے امانت کے بجائے بطور قرض حسنہ رکھا جاتا ہے یا اسے بطور مضاربہ (اشتراک کاروبار جس میں ایک فریق صرف سرمایہ فراہم کرتا ہے دوسرا صرف اسے استعمال کرتا ہے اور نفع کماتا ہے اور نفع دونوں کے درمیان کسی متفقہ شرح سے تقسیم کیا جاتا ہے) کی بناء پر کیا جاتا ہے۔اگر سراسر نقصان ہو تو سرمایہ کار کا سرمایہ اور عامل کا وقت (یعنی اُجرت) ضائع جاتی ہے) کی بناء پر رقم جمع کرائی جاتی ہے۔چونکہ اسلامی دنیا بنکاری میں پیچھے ہے اور پھر مسلمان ممالک کے معاشروں میں عمومی ایمانداری، وقت کی پابندی، وعدہ کو پورا کرنے کا فقدان ہے اس لئے اسلامی بنکاری صحیح طور پر ترقی نہیں کر رہی لیکن یہ کوششیں بہت بہتر ہیں۔دراصل اسلامی بنک، بنک نہیں بلکہ سرمایہ کاری کے ادارے ہیں لیکن نظام بنکاری کی وجہ سے مختلف قوانین کے اطلاق اور صارفین (بچت جمع کرانے والوں) کے حقوق کے تحفظ کے لئے مختلف قوانین کے تحت

پابندیاں عائد کی جاتی ہیں جس سے یہ طریقہ بنکنگ بھی مغربی (سود والی) بنکنگ کی طرح نظر آتا ہے لیکن اصولی طور پر مختلف ہے۔

سود کے خاتمہ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کیے جاؤ۔ یہی اسلامی اصول ہے کہ معاشرہ میں ظلم ختم کیا جائے۔ طبقاتیت جس کی بنیاد ایک دوسرے کا استحصال ہوتا ہے اسے ختم کیا جائے اور ایسے تمام اعمال جو کہ کسی طبقہ یا فرد کے ظلم پر جا ٹھہرتے ہوں ان کو ختم کیا جائے تاکہ معاشرہ مساوات، تعاون اور امن کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ سود کو ختم کرنے کا مقصد بھی یہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ

[282:2]

اے ایمان والو! جب تم کسی معین مدت کے لئے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان جو لکھنے والا ہو اسے چاہیے کہ انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جب کہ اللہ نے اسے لکھنا سکھایا ہے۔ پس وہ لکھے اور وہ شخص مضمون لکھوائے جس کے ذمہ حق (قرض) ہو اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پالنے والا (پروردگار) ہے اور اس (قرض) میں کچھ بھی کمی نہ کرے۔ اگر وہ شخص جس کے ذمہ حق واجب (قرض واجب الادا) ہوا ہے۔ ناسمجھ، کمزور یا خود مضمون لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کے والی کو چاہیے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھوائے اور اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنا

لو پھر اگر دونوں مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں جن پر تمہیں اعتماد ہو، تا کہ ان دو عورتوں میں ایک بھول جائے تو اسے دوسری یاد دلا دے۔ اور گواہوں کو جب بھی بلایا جائے (گواہی دینے کے لئے) وہ انکار نہ کریں اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی معین معیاد کے لکھنے میں سستی نہ کرو۔ یہ تمہاری دستاویز اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کے قریب اور گواہی کے لئے مضبوط تر ہے اور آسان طریقہ ہے کہ تم شک میں مبتلا نہ ہو۔ اس کے علاوہ اگر سودا دست بدست ہو جس کا لین دین تم آپس میں کرو تم پر اس کے نہ لکھنے کا کوئی گناہ نہیں۔ جب بھی آپس میں خرید وفروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو اور نہ ہی لکھنے والے اور نہ ہی گواہ کو نقصان پہنچایا جائے۔ اگر تم نے ایسا کیا (نقصان پہنچایا) یہ تمہاری نافرمانی ہو گی اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اسلام کے بنیادی مالی اور حسابی اصول:۔

سود کا طریقہ اُدھار ذاتی اور کاروباری امور میں استعمال ہوتا تھا اسے حرام قرار دینے کے بعد اقتصادی اور تجارتی امور میں اسلامی اصول وضع کئے گئے ہیں۔ یہ آیت طویل آیات میں سے ہے اور اسلام کے تجارتی، مالیاتی اور حسابات کے قوانین کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ موجودہ دور کے مالیاتی اور حساباتی (اکاؤنٹنگ اینڈ فنانس) کے لئے بھی بنیاد ہے۔ یہ اصول آج سے چودہ سو سال قبل اُس معاشرہ میں جو انتہائی پسماندہ، ناخواندہ (جاہل) اور غیر مہذب تھا میں پیش کئے گئے اور آج بھی یہ اصول اسی طرح نہ صرف قائم ہیں بلکہ ضروری ہیں۔ کسی بھی معاشرہ میں تجارتی اور اقتصادی ترقی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک تجارتی قوانین منظّم نہ ہوں۔ اسلام نے تجارتی اور معاشی قانون کے اصول دے دیئے ہیں تا کہ ہر دور کی ضروریات اور ماحول کے مطابق ان اصولوں کی بنیاد پر نظام قائم کیا جا سکے۔ اصول یہ ہیں۔

(۱) ہر معاملہ تھوڑا ہو یا بڑا اس کو تحریر کیا جائے تا کہ سند رہے اور بطور ثبوت بھی پیش کی جا سکے۔ یہ اصول مستندات (Documentation) کی بنیاد ہے۔

(۲) معاملہ کے اوصاف، مدت، رقم، اشیاء کو بھی واضح طور پر تحریر کیا جائے یہ اصول آج کل شفاف پالیسی (Transparency) کی بنیاد ہے۔

(۳) لکھنے والا فریق (معاملہ میں حصہ دار یا فریق نہ ہو) غیر جانبدار ہو، تا کہ کسی طرح ذاتی وگروہی مفاد میں ملوث نہ ہو سکے۔ یہ اصول "Conflict of Interest" مفادات کا ٹکراؤ کے لئے ہے اور لکھنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔

(۴) لکھنے والے اور لکھانے والے پر واجب (ضروری) ہے کہ واقعہ یا متفقہ امور کے مطابق تحریر لکھی جائے اور دونوں

فریقوں کے حقوق کا برابر خیال رکھے ۔ یہ اصول "Full Disclosure" مکمل معلومات کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

(۵) لکھوانے کی ذمہ داری فریقین پر ہے لیکن اصل ذمہ داری اس کی ہے جس پر حق لازم ہو رہا ہے یعنی اس وقت لین دین سے فوری فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ یہ اس لئے وضاحت ہے کہ تحریر کرنے میں کوئی کنفیوژن نہ رہے۔ تحریر کا خرچ اسی کے ذمہ ہے اور اگر مقروض معذوری یا کم عقلی کی وجہ سے نہیں کر سکتا تو اس کا ولی الامر (نگہداشت کرنے والے) پر لازم ہے کہ اس کی جانب سے تحریر کرائے۔

(۶) گواہ کی موجودگی ضروری ہے ۔ گواہ صاحب کردار اشخاص ہونے چاہئیں تا کہ کسی اختلاف کی صورت میں صحیح گواہی دے سکیں انصاف کو قائم کر سکیں۔ متعلقہ افراد کے رشتہ دار یا ان کے مفاد میں نہ ہوں یہ اصول غیر جانبداری (Neutrality of Wittness) کے تحت ہے۔

(۷) تحریر کرنے والا انکار نہیں کر سکتا ہاں اُجرت طلب کر سکتا ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ تمام معاملات تحریر شدہ (ریکارڈڈ) ہوں۔ یہ دستاویزی معیشت (Documentary of Economy) کی بنیاد ہے۔ گواہ دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عوتیں گواہ بنائی جائیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری عورت کی وجہ سے نفسیاتی سپورٹ ہوگی اور اگر پہلی والی بھول گئی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی اور اگر کسی معذوری کے باعث ایک میسر نہیں (مثلاً ولادت وحمل) تو دوسری میسر آجائے گی (گواہ کی حیثیت سے عورت ایک علیحدہ گواہ اور تشخص ہے)۔

(۸) نقد معاملات جہاں لین دین کوئی بقایا نہ ہو اس میں تحریر لکھنا واجب/ضروری نہیں۔ لیکن بہتر ہے تحریر کی جائے۔

(۹) تحریر کرنے والے (وثیقہ نویس، اکاؤنٹنٹ، وکیل) اور گواہی دینے والے پر کسی بھی فریق کی طرف سے کسی قسم کا دباؤ، تکلیف نہیں ڈالنی چاہیے اور گواہ کی حفاظت ہونی ضروری ہے یہ حکومت کا کام ہے کہ ایسے افراد جو گوا ہوں، لکھنے والوں پر اثر انداز ہوں ان کو خدائی احکام کی خلاف ورزی کی وجہ سے سزا دی جائے۔

(۱۰) گواہ یا کاتب کو گواہی سے انکار نہیں کرنا چاہیے اور صحیح یعنی واقعہ کے مطابق گواہی دینی چاہیے۔ تا کہ انصاف قائم ہو سکے۔

بیع موجل وسلم:۔

حضرت ابن عباس کے مطابق بیع سلم اور بیع موجل کا جواز بھی اسی آیت سے ثابت ہے۔ بیع موجل وہ خرید وفروخت ہے جس میں اشیاء کی فروخت اور ڈیلیوری کر دی جاتی ہے لیکن قیمت بعد میں وصول کی جاتی ہے اس سے سیلز کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ کاروباری حضرات جانتے ہیں کہ سرمایہ خرچ کئے بغیر مصنوعات مل جاتی ہیں اگر ادھار کی اجازت نہ ہوتی تو معاشی ترقی بہت

کم ہوتی ۔ بیع سلم وہ بیع ہے جس میں مکمل قیمت پہلے ادا کر دی جاتی ہے لیکن خرید شدہ چیز کو بعد میں وصول کیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے حالانکہ مصنوعات /چیز کا وجود نہیں ہوتا ۔ اس طرح ایڈوانس قیمت کے ملنے سے کاروبار کے لئے سرمایہ میسر آ جاتا ہے۔

عورتوں کی گواہی:۔

تمام قدیم مذاہب (ہندومت، یہودیت، بدھ مت، عیسائیت، زرتشت وغیرہ) میں سے اسلام واحد مذہب ہے جس نے حسابات اور مالی کنٹرول کے اصول وضع کر کے دیئے ہیں تاکہ ریاست ان کو لاگو کر کے معاشرے میں تجارتی و معاشی ترقی کرے۔ جو اصول اوپر بیان کئے گئے ہیں وہ اسی آیت سے لئے گئے ہیں ۔ اس میں معاملات کے تحریر کرنے کا حکم، گواہوں کی ضرورت، ان کی اہلیت، حفاظت، تحریر کرنے والے کی حفاظت و اہلیت، اُجرت اور ادھار والے معاملہ کو لکھنا ضروری قرار دیا ہے، عورتوں کو بطور گواہ پہلی دفعہ مردوں کے برابر شامل کیا گیا ہے (عورت بحیثیت گواہ مرد کے برابر ہے دوسری عورت کا مقصد ایک کی بیماری یا یاداشت کی کمزوری یا اعصابی طور پر پریشانی سے مدد و تعاون کی بناء پر ہے لیکن بطور گواہ برابر ہے۔ کچھ معاملات میں صرف عورت کی گواہی قابل قبول ہے مرد کو گواہی کا حق نہیں ولادت و عدت وغیرہ) گواہ کی اہمیت اور گواہ کو انکار کا حق نہیں، گواہ کو غیر ضروری طور پر گواہی کی بنیاد پر تنگ نہیں کیا جا سکتا انکے حقوق و فرائض ہیں ان کو ایک عدالتی نظام کی بنیاد بنا دیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی مملکت نے پہلے سو سال میں اس قدر معاشی و معاشرتی ترقی کی کہ انسانی تاریخ میں کوئی اس قدر طویل و عریض حکومت اتنے کم عرصہ میں نہ بن سکی جو ایک طرف بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) یعنی مراکش دوسری طرف سندھ (ہندوستان) بنگال (بحر ہند/انڈین اوشین) پھر تیسری طرف روس (تاجکستان) اور چوتھی طرف افریقہ میں سوڈان ایتھوپیا تک پھیل چکی تھی۔

یہ تجارتی اصول آج کل ترقی یافتہ ممالک میں ان کے تجارتی و مالیاتی قوانین میں بطور بنیادی اصول استعمال ہوتے ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تمہیں علم سکھاتا ہے۔ علم سیکھنے کے دو طریقے ہیں ایک کسبی یعنی مدرسہ، استاد سے تعلیم حاصل کرنا جس میں ہمارے حواس خمسہ دماغ کا بڑا دخل ہے یہ بھی اللہ کی نعمت ہے اور دوسرا علم وھبی ہے جو اللہ تعالیٰ نیکیوں، عبادتوں کے بدلے انسان کو عطا فرماتا ہے۔ انبیاء کا علم وھبی ہوتا ہے اس طرح اللہ کے ولیوں کو بھی ان کی نیکیوں اور عبادتوں کے بدلے اللہ علم عطا فرماتا ہے کیونکہ سب سے بڑھ کر علیم اور خبیر وہی ذات ہے۔ اگلی آیت میں بھی معاملات کے بارے انعام کا ذکر ہے۔

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ عَلٰی سَفَرٍ وَّ لَمۡ تَجِدُوۡا کَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ ؕ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا فَلۡیُؤَدِّ الَّذِی اؤۡتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَ لۡیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَ لَا تَکۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ [2:283]

اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ہو تو کوئی چیز بطور رہن قبضہ میں لے لو۔ پھر اگر تم ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہو تو جس کی دیانت پر اعتماد کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا پالنے والا ہے اور تم گواہی کو نہ چھپایا کرو اور جو گواہی چھپاتا ہے یقیناً اس کا دل گنہگار ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ

[284:2]

اللہ کے لئے ہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ اسے ظاہر کر و یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا پھر جسے چاہے معاف کر دے گا اور جسے چاہے عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

رہن کے احکام:۔

پچھلی آیت کے ساتھ یہ آیت مضمون میں ملی ہوئی جہاں لین دین کے معاملات کا ذکر ہے۔ وہاں حالات کبھی نارمل کے علاوہ بھی ہوتے ہیں مثلاً سفر وغیرہ اس دوران وہ سہولیات میسر نہیں ہوتیں جو نارمل حالات میں ہوتی ہیں۔اس کے لئے طریقہ کار بیان فرمایا ہے کہ اگر سفر ہے اور دستاویز لکھنے والا میسر نہیں اور لین دین ضروری ہے۔ اس صورت میں کوئی چیز بطور رہن قبضہ میں لی جاسکتی ہے جو ایک معاملہ کی دلیل ہے۔ رہن کے اسلامی اصول یہ ہے کہ زمین سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا کیونکہ اصل ملکیت اس کے مالک کے پاس ہے اگر کوئی فائدہ ہوگا تو مالک کو ادا کرنا ہوگا اور ادا نہیں کیا تو سود بن جائے گا لیکن اگر رہن کی شے کی حفاظت کے لئے خرچ کرنا پڑے جس طرح کہ حیوانات کو چارہ کھلانا پڑتا ہے تو اس کے بدلے دودھ وغیرہ استعمال کر سکتا ہے۔ساتھ یہ حکم فرمایا کہ یہ اعتماد کے معاملات ہیں امانت پر یا تجارتی معاملہ کو وعدہ کے مطابق پورا کرنا اسلامی فرض ہے۔اگر اس طرح نہیں کیا تو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔اللہ سے ڈرنا چاہیے کہ وہ رزق دینے والا ہے اور پالنے والا ہے۔

معاملات میں گواہی بہت اہم ہے کسی بھی مقدمہ کا فیصلہ گواہی پر منحصر ہوتا ہے اس لئے حکم ہے کہ گواہی کو کبھی بھی نہ چھپایا جائے۔گواہی چھپانے کی صورت میں معاشرہ میں انصاف قائم نہیں ہو سکے گا۔ظلم بڑھے گا اور نتیجہ فساد پر ختم ہوگا۔حضور نے فرمایا روایت ابی موسیٰ" جس نے شہادت چھپائی جب اسے اس کے لئے بلایا گیا تو گویا اس نے جھوٹی شہادت دی (بحوالہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط)" ۔ ایک اور حدیث مبارکہ ہے روایت مالک بن زید بن خالد الجہنی کہ حضور نے فرمایا آگاہ رہو کہ

گواہوں میں بہترین گواہ وہ ہے جو خود گواہی دینے کے لئے آئے بغیر اسے طلب کیا جائے یا طلب گواہی سے پہلے دے (بحوالہ مسلم کتاب لاقصینہ۔ باب خیر الشھود)۔بعض اوقات پولیس یا عدالت یا معاشرتی دباؤ کے تحت بہت سارے لوگ بہت سارے جرائم کو دیکھتے ہوئے بھی گواہی سے انکار کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے انصاف قائم نہیں ہوتا اور معاشرہ فساد کا گھر بن جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے دل کا گناہ قرار دیا ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا لیکن اس کا اثر بہت خطرناک ہے۔اس طرح کی عادت دل کے نور اور برکت کو ختم کر دیتی ہے اور گناہ و نیکی کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔تمام احکامات بیان کرنے اور ان کے ذمہ حقوق و فرائض کی آگاہی کے بعد فرما دیا ہے کہ جس زندگی میں معاشی و سماجی جدو جہد کے لئے ہم کام کر رہے ہیں وہ ساری اللہ کے کنٹرول میں ہے۔ہمیں اپنے ذاتی مفادات، معاشرتی خرابیوں یا دباؤ کی وجہ سے حق و انصاف اور فرائض وحقوق سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔اگر غفلت برتی تو ہم نے اپنی زندگی کے کاموں کا حساب دینا ہے۔ بظاہر ہم قانون یا معاشرے کی نظر سے تو بچ جائیں گے لیکن خدائے علیم وخبیر کے حساب سے نہیں بچ سکیں گے اور ہمیں سزا ملے گی۔مقصد یہ ہے کہ قانون کے ڈر یا معاشرے کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے لئے ہر وقت اپنے آپ کو جوابدہ تصور کرنا چاہیے اور اس طرح کے افراد اپنے معاشرے کو دنیا ہی میں جنت بنا سکتے ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ [2:285]

رسول (ﷺ) ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوا اور مومنین نے بھی یہ سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر (نیز کہتے ہیں) ہم اس کے پیغمبروں میں کسی کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اور ہم نے سنا اور اطاعت کی۔اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور ہم نے تیری طرف لوٹنا ہے۔

دین کے اہم عقائد:۔

یہ آیت اسلامی عقائد کا نچوڑ ہے۔سورۃ البقرہ کی ابتداء بھی الٓم ذٰلک الکتاب لا ریب فیه کہ یہ کتاب (قرآن مجید) میں کوئی شک نہیں ہے فرمایا ہے اور اس کے اختتام میں بھی اس بات کا اعلان فرمایا کہ رسول پر نازل شدہ کتاب جس کی تصدیق ذات رسول ﷺ نے کی پھر اس کے اصحاب اور اسلام کو ماننے والوں نے کی، برحق کتاب ہے اور سب جملہ مومنین پر ایمان لائے ہیں اللہ کی ذات تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر جو نوری مخلوق ہیں اس کی کتابوں پر جو اس نے اپنے رسولوں پر انسانیت

کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہیں اور آخری کتاب یہ قرآن مجید ہے جو راہ ہدایت کی تکمیل ہے اور اس کے پیغمبروں کی ذات پر اور ان کے سچے ہونے پر ایمان لائے اور بحیثیت نبی ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے سب برابر ہیں۔ ہاں اللہ کے ہاں ہر رسول کا اپنا اپنا مرتبہ ہے۔ یہ احکام الٰہی جو نبی علیہ التسلیم نے ہمیں بتائے۔ کتاب مبین میں ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں۔ ان کی ہم من وعن اطاعت کرتے ہیں۔ اپنے نبی کے احکام کو سنا اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے باوجود اپنے رب سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب" تم چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اس کا حساب لے گا" نازل ہوئی تو صحابہ کرام بہت گھبرائے کہ ہمارا کیا انجام ہوگا کیونکہ کئی مختلف افکار و وسواس چھپے ان کے دلوں میں آتے ہیں تو اس کے بارے حضور نے فرمایا کہ کہو ہم نے سنا، اطاعت کی اور تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے (حساب و کتاب) کے لئے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی مہربانی فرما کر میری امت سے ان وسواس پر جو دل میں پیدا ہوتے ہیں اور ان پر نہ تو عمل اور نہ اس پر کلام کرتے ہیں سے درگزر فرمائی ہے یعنی اس پر باز پرس نہیں ہوگی۔ یہ اللہ کا اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی وجہ سے کرم ہے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو تمام مخلوق راہ ہدایت سے بھٹک چکی تھی آپ کی ذات پر کروڑوں درود و سلام۔ زمین پر ہر ذی روح آپ کی ذات کی برکات کی مرہون منت ہے۔

؎ یا صاحب الجمال و سید البشر من وجھک المنیر لقد نور القمر

اے خوبصورت جمال والے انسان کے سردار، آپ کے منور چہرے سے چاند نے روشنی لی ہے

؎ لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کی تعریف جس طرح کہ حق ہے ممکن نہیں، قصہ مختصر یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے بعد آپ کی ذات ہی بزرگ و برتر ہے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ [2:286]

اللہ کسی جان کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مشقت نہیں ڈالتا۔ اس نے جو نیکی کمائی اس کے لئے اس کا اجر اور جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے۔ اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں اور خطا کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ فرما۔ اے ہمارے رب! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب! ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جسے اُٹھانے کی ہم میں استطاعت نہیں اور ہماری غلطیوں سے درگذر

فرما اور ہمیں معاف فرد ے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا آقا ہے اور ہمیں کافروں پر کامیابی عطا فرما۔

اصول عدل:۔

سورۃ البقرہ کی آخری بہت ہی خوبصورت آیت اس آیت میں اسلامی معاشرہ اور قوانین کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں ۔ یہ دعا کی صورت ہے اور راہنمائے زندگی بھی۔ پچھلی آیت میں حساب و کتاب کا ذکر تھا اس کے بارے اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی استطاعت کے مطابق اپنے احکام کا "یکلف" یعنی پورے کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ اس کی طاقت سے بڑھ کر اس پر بوجھ نہیں ڈالتا (تکلیف بقدر توفیق)۔ اسلام کے سارے احکام ، نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، حقوقِ والدین و اقرباء، خرید و فرخت ، تجارت و زراعت سب اسی اصول پر مبنی ہیں ۔ کسی کی اگر طاقت و استطاعتِ عمل کم ہے تو اس پر حکم کا اطلاق بھی اس درجہ پر ہے جہاں حکم میں نرمی کا درجہ رکھ کر رعایت دی گئی ہے وہاں انسان کے اوپر ایک اور ذمہ داری ڈال دی گئی ہے کہ اس حکم کے بجالانے میں پورا اخلاص اور کوشش کرے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے اور انسان کی کمزوری کے درجہ کو جانتا ہے۔ دوسری طرف یہی اصول حکمرانوں اور معاشرہ کے دوسرے افراد کے لئے بھی ہے کہ کسی آدمی پر اس کی وسعت کے مطابق بوجھ ڈالا جائے یہ بوجھ کسی مزدوری کی صورت میں ہو یا معاشرہ میں ٹیکس کی صورت میں یا دوسرے لین دین کے حقوق و واجبات کی صورت میں ۔ یہ ایک حقیقت پسندانہ عملی انداز فکر ہے جو اسلام نے ساری دنیا کو ایک روشنی کی صورت میں دیا ہے۔ اس کا اطلاق معاشی ، معاشرتی ، ذہنی ، روحانی اعمال پر ہے اور یہ دور جدید کے قوانین کی بھی بنیاد ہے۔ دوسرا اہم اصول قانون "ہر عمل کی جزا" ہے۔ یعنی جو آدمی عمل کرے گا اچھا ہوگا یا برا ہوگا۔ اس کے مطابق اس کو جزا ملے گی۔ کسی دوسرے کو اس کی جگہ نہ سزا دی جائے گی اور نہ ہی انعام ۔ یہ تمام اسلامی قوانین کا اصول ہیں اور یہی حقیقی انصاف ہے۔ اس سے ایک تو ہر فرد کو اس کی قابلیت و اہلیت کے مطابق اس کی محنت کا صلہ ملے گا۔ یہ اصول Merit کی بنیاد ہے۔ انسانی حقوق کی بنیاد ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ محنت اور مشقت کوئی کرے اور اس کا فائدہ دوسرا انسان اُٹھائے۔ اسی طرح دوسرا اصول برابر کا موقع دینا ہے(Equal Opportunity)۔ ہر آدمی کو جب انعام و سزا اُس کے اعمال یا اس کی کارکردگی پر ملے گی اس طرح ہر آدمی کو برابر کا حصہ اور موقع ملے گا۔ کسی کو نسل ، مرتبہ ، رنگ ، زبان ، خاندان کی وجہ سے کوئی امتیاز نہیں دیا جائے گا ۔ یہ قانون دنیا میں سماجی ، معاشی ، دینی اور معاشرتی اعمال کی جزا و سزا کی بنیاد ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی اصول نافذ فرمایا ہے۔

آیت کا آخری حصہ دعا کا یک خوبصورت انداز و مجموعہ ہے ۔ اس پر غور کریں تو ہمیں اپنے انداز عمل اور انداز فکر کی رہنمائی ملے گی۔ اے اللہ ہماری گرفت نہ فرما، ہم پر ہماری انسانی حیثیت کے مطابق بوجھ ڈال۔ ہماری بھول و چوک ، دانستہ و نا دانستہ خطاؤں کو معاف فرما۔ ہم پر رحم فرما۔ ہمیں رحم فرما کر نیک اعمال کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اس کے رحم و

فضل کی امید رکھنی چاہیے۔ زندگی کے امتحانوں سے اللہ کی مدد مانگنی چاہیے۔مشکلوں سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اللہ سے جب ہم درگذر اور معافی کی توقع اور درخواست کرتے ہیں تو اس کی مخلوق کے ساتھ بھی ہمیں یہی رویہ رکھنا چاہیے۔ ہر فرد کسی نہ کسی صورت میں ذمہ دار ہے اور اپنے حلقہ ذمہ داری پر اس کا اثر ہے لہٰذا اسے وہاں یہ اصول اپنانا چاہیے۔ ساتھ ہی عمل کا جذبہ رکھتے ہوئے ہم دعا مانگتے ہیں کہ انکار کرنے والوں کے مقابل ہماری مدد فرما۔ ان پر ہمیں کامیابی ونصرت عطا فرما۔ یہ انکار کرنے والے (کافر) سے مراد تمام گناہ کے اعمال، ہمارا نفس امارہ اور وہ قوانین ہیں جو اللہ کے وجود واحکام سے مکمل باغی ہیں۔ غلط اور سچ، نیکی اور بدی کا جو سلسلہ کائنات مین چل رہا ہے اس کے لئے یہ ایک مشعلِ راہ ہے۔ یہ بہترین دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ (روایت مسلم شریف) ایک فرشتہ آسمان سے اُترا اور حضور ﷺ کو یہ خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے دو نور آپ کو عطا فرمائے جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورۃ الفاتحہ (الحمد للہ رب العلمین) اور دوسری سورۃ البقرہ کی آخری آیت۔ دوسری حدیث حضرت ابن مسعود سے روایت ہے (بخاری شریف) کہ جس نے رات کو سوتے وقت سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں پڑھیں وہ اس رات اس کو حفاظت وبخشش کے لئے کافی ہیں۔ ہمیں ان آیات مبارکہ کا زیادہ ورد کرنا چاہیے اور ان کے احکام کو سمجھنا چاہیے۔ آمین یا رب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

سورۃ آل عمران

تعارف:۔

سورۃ آل عمران کا نام آل عمران کے ذکر کی وجہ سے ہے یہ سورۃ مدینہ شریف میں نازل ہوئی اس کے بیس رکوع دوسو آیات 3542 الفاظ اور 15336 حروف ہیں۔ سورۃ میں انسانیت کی فلاح کے لئے ایک واضح پیغام ہے جو دین اسلام ہے جو تمام زمان و مکان میں انسانیت کے لئے راہ نجات ہے۔ اس سے انکار گمراہی اور عذاب جہنم کا استحقاق ہے یہ پہلے پیغاموں کی تکمیل ہے اس کے احکام واضح اور سادہ ہے جن پر عمل آسان ہے اور کچھ متشابہات ہیں جن پر وہی لوگ بحث کرتے ہیں جو عمل میں خالص نہیں ہوتے وہ گروہ جو اس کے حقانیت سے انکار کرتا ہے اور اہل کتاب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ توحید کی طرف آئے اور جو کتب سماویہ میں ذکر کیا گیا ہے، اس کو نہ چھپائے۔

غزوہ بدر کے واقعات کے بعد کفار کے شدت سے مسلمانوں پر حملے کا ذکر ہے اُحد میں مسلمانوں سے کچھ کمزوریاں ہوئیں جن کا تجزیہ کیا گیا اور آئندہ کے لئے تنبیہ کر دی گئی۔ کفار کی نفسیات، اسی طرح اہل کتاب کے اسلام سے عناد اور دشمنی کی کیفیت بیان کر کے مسلمانوں کو حق پر چلنے اور عمل کرنے کا حکم دیا ہے جس پر رہ کر وہ کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ توحید کے علمبردار تھے اور ثلیث کا نظریہ، توحید خداوندی اور حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ بغیر باپ کے اگر کوئی بیٹا کہلانے کا حقدار ہے تو حضرت آدم علیہ السلام ان سے پہلے تھے۔ حضرت عیسیٰ کو اللہ نے اُٹھا لیا انہیں موت نہیں آئی۔ حضرت یحیٰی کی ولادت اور حضرت عیسیٰ کی ولادت کا ذکر ہے اور ان کے معجزات کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی توحید کا ذکر ہے کہ وہ خالص توحید پر یقین اور عمل کرنے والے تھے

یہود کی ذہنیت اور اسلام دشمنی کا ذکر اور اسلام دشمنان سے یہود کی ساز باز، ان پر بھروسہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کہ وہ اسلام کو زک پہنچانے کا کوئی لمحہ نہیں چھوڑتے۔ تورات میں جو بشارتیں ذکر تھیں ان کو وہ محض حسد کی وجہ سے چھپاتے رہے یہود کی بدعہدیاں اور معاہدہ شکنیوں نے مسلمانوں کو ان کے ساتھ لڑائی پر مجبور کر دیا۔ منافقین کا ذکر کہ وہ کس طرح وہ غزوہ اُحد کے واقعات سے غلط تعبیر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادوں اور ان کے افراد کو سب کے سامنے ظاہر کر دیا تھا تا کہ مسلمان ان سے احتیاط کریں اور ان کے شر سے بچیں نیز غزوات میں صبر، اطاعت نبی، اتحاد اور افتراق و اختلاف سے بچنے کو کامیابی کا راز قرار دیا۔ اللہ کے دین اور قرآن کو مضبوطی سے پکڑنے میں ہی مسلمانوں کی کامیابی کی تعلیمات دیں۔ ان کو ساری انسانیت کے لئے حق کے پیغام کی ذمہ داری دی گئی اس لئے ان میں محبت اور صبر اور پیار سے تعلیم و تبلیغ کا فریضہ بہت ضروری

ہے، کا حکم دیا ہے۔

معیشت اور معاشی مساوات کے لئے سود کے احکام کا ذکر ہے۔ بخل اور سود خوار کی کیفیت اور نقصانات کا ذکر فرمایا۔ روحانی ترقی کے لئے ایمان اور وحی پر عمل بہت ضروری ہے۔ مسلمانوں کو باہمی مشاورت کے ذریعے معاملات طے کرنے کا حکم ہے آزمائش کی گھڑی میں صبر کا حکم ہے اور شہدا کے مقام کا ذکر ہے کہ وہ زندہ ہیں ان کی زندگی کا ہمیں احساس نہیں۔ اس طرح مجاہدین اور غازیوں کا بلند مقام ہے۔

کفار اور منافقین اور یہود کی ذہنیت کو بیان کیا ان کی حرکات اور مخالفت کا ذکر فرمایا ان کی رونق اور معاشی برتری صرف دکھاوا ہے اور عارضی ہے۔ حقیقی خوشی ابدی زندگی ہی ہے اِس زندگی میں بھی اللہ سے عاجزی، صبر، محنت اور تقویٰ کے ذریعے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اللہ کے آیات اور کائنات کی نشانیاں اہل بصیرت وحکمت کے لئے بڑی رہنما ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام کا پیغام ساری دنیا کو پہنچائیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِo

سورۃ آل عمران مدنی سورۃ ہے، رکوع 20 آیات 200

الٓمّٓ [1:3]

الف۔ لام۔ میم۔

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ [2:3]

اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور سارے عالم کو قائم رکھنے والا ہے۔

الف۔ لام۔ میم۔ سورۃ ال عمران کا آغاز بھی ان حروف مقطعات سے ہوا جس طرح سورۃ بقرہ کا ہوا۔ ان کے معانی، اللہ اور اللہ کا رسول جانتا ہے۔ البتہ علماء نے ان کی توجیہات کی ہیں کہ یہ مخفف ہو سکتے ہیں الف، اللہ تعالیٰ، لام سے جبریل علیہ السلام اور میم سے محمدﷺ ایک اور توجیہ ہے کہ الف سے احدیث لام سے الطیف اور میم سے الملک (تفسیر السلمی بحوالہ انوار القرآن از ملا علی قاری) دوسری آیت بھی آیت الکرسی کی آیت کے ابتدائی لفظوں کا استعمال کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اللہ اسم ذاتی ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے اس کے سوا کوئی بھی نہیں۔ آگے جس صفت کا ذکر ہے وہ الحي، وہ زندہ ہے اور دوسروں کو زندہ رکھنے والا ہے۔ زندگی اس کی محتاج ہے جسے اس نے بنایا وہ زندگی دیتا ہے زندہ کرتا ہے اور پھر لیتا ہے (مار دیتا ہے)۔ ہر چیز کا انجام فنا ہے اس حقیقت کو اب سائنس نے بھی تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے کہ ایٹم سے لے کر ستارون تک ہر چیز سکڑ رہی ہے آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی۔ القیوم، وہ سب کو قائم رکھنے والا ہے یہ کائنات اس نے بنائی ہے اور اسے قائم

رکھے ہوئے ہیں۔اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا، یہ سب کو سہارا دیئے ہوئے ہے۔مسبب الاسباب ہے اور خود بغیر کسی سہارا قائم بالذات ہے۔

نَزَّلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ وَ اَنۡزَلَ التَّوۡرٰىةَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ [3:3]

اس نے یہ کتاب آپ (ﷺ) پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ۔ یہ ان (کتابوں) کی تصدیق کرنے والی چیز ہے جو اس سے پہلے اُتریں اور اس نے تورات اور انجیل نازل فرمائی۔

مِنۡ قَبۡلُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ اَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ وَ اللّٰهُ عَزِیۡزٌ ذُوانۡتِقَامٍ [3:4]

اس نے (پہلے) لوگوں کی رہنمائی کے لئے (کتابیں اُتاریں) اور آب حق اور باطل میں فرق کرنے والا (قرآن) نازل فرمایا۔ بے شک جن لوگوں نے اللہ کے آیات سے انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

آیت مبارکہ میں اللہ کے تعریف کے بعد انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل شدہ مقدس کتابوں کا ذکر ہے یہ کتابیں اللہ کی طرف سے اس وقت کے انبیاء علیہ السلام پر نازل کی گئیں تا کہ لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنیں۔قرآن ان کی تصدیق کرتا ہے یہ کتب تورات اور انجیل ہیں۔

تورات(Torah):۔

تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دوران زندگی چالیس سال (بعثت سے وفات تک) نازل ہوئی دس احکام تو پتھروں پر لوح کنندہ تھے آپ نے ایک نسخہ بنی لادی کو دیا تا کہ حفاظت سے رکھے جس کے ساتھ پتھر کی تختیوں پر نازل شدہ احکام بھی تھے۔اس کو ایک صندوق میں رکھ دیا تھا اور اس میں وہ رہا حتیٰ کہ بخت نصر نے جب یروشلم فتح کیا اور قتل عام کیا تو اسے بھی تباہ کر دیا گیا۔ پھر اسے دوبارہ جب یہود آباد ہوئے تو حضرت عذراء (عذیر علیہ السلام) نے دوسرے لوگوں سے مل کر مرتب کیا۔ جواب کسی شکل میں بائبل کے (پرانا عہد نامہ Old Testament) کی صورت میں دستیاب ہیں لیکن ان کی اصلی صورت نہیں البتہ احکام کے ساتھ مختلف تشریحات بھی ہیں۔ پانچ حصوں میں سے چار حصے مشہور ہیں، جو درج ذیل ہے۔

الف۔ Genesis (اصل احبار) اس میں اللہ تعالیٰ، آدم، نوح اور ابراہیم علیہ السلام کے واقعات ذکر ہیں۔

ب۔ Exodus (خروج) قوم اسرائیل کا مصر میں غلامی سے نجات کا ذکر ہے۔

ج۔ Nubmers(اعداد) اس میں قوم کا کوہ طور، جنگ سے انکار کی سزا کے طور پر مر جانے کا ذکر ہے۔

د۔ Deuteronomy(استثناء) اس میں سماوی قوانین کا ذکر اور قوم کا صحراء میں چالیس دن تک بھٹکتے رہنا، توحید اور حق کا ذکر ہے۔ایک اور باب Leviticus کا ہے جس میں راہبوں کے لئے احکامات کا ذکر ہے۔

یہ ساری کتب اپنی اصلی شکل میں نہیں ہیں بلکہ کچھ کلمات اور زیادہ تفسیری واقعات پر مشتمل ہیں جو بعد میں ترتیب دیئے گئے ۔قرآن مجید میں اسی کتاب کو تورات کے نام سے ذکر کیا گیا ہے (بحوالہ Wikipedia)۔

انجیل Bible (عہد نامہ جدید،New Testament):۔

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندگی کے چند سالوں (ڈھائی تین برس) کے ارشادت ہیں جو آپ کے معتقدین اور ساتھیوں نے آپ سے سنے اور ان کو بعد میں ترتیب کیا۔ یہ سارے آپ کے اس دنیا سے اُٹھ جانے کے بہت مدت بعد ترتیب دیئے گئے جو کہ ان کے مصنفین تک روایات یا داشتوں کے ذریعے پہنچے۔ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زبانی اللہ کا پیغام ان کے اپنے ارشادت اور پھر ان کے حواریوں کی تشریحات سب درج ہیں جن کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر نظریات مشترک ہیں۔ان کے چار حصے ہیں۔

1۔ انجیل متی (Matthew):۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری متی نامی نے بہت عرصہ بعد میں لکھی تھی۔

2۔ انجیل مرقس (Mark):۔ اسے ایک مرقس نامی پادری نے تحریر کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں نہیں تھا۔

3۔ انجیل لوقا (Luke):۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک یہودی تھا پھر عیسائی ہوا اس نے اسے تحریر کیا۔

4۔ انجیل یوحنا (John):۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں تھا لیکن اسے کافی عرصہ بعد تحریر کیا۔

ان انجیل کے اندر کافی اختلاف ہے قرآن مجید نے ان کو انجیل کے نام کے ساتھ ذکر کیا ہے ان کی ترتیب و تدوین میں آج کل کے پادری بھی اختلاف کے معترف ہیں، ہمیں ان کا احترام ضروری ہے۔

فرقان:۔

فرق کرنے والی چیز، یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا، بتانے والا کہ حق (صحیح) کیا ہے اور غلط (باطل) کیا ہے یہ قرآن مجید ہے جو کہ ہمارے نبی محمد ﷺ پر نازل ہوا۔حق کا معیار قرآن مجید ہے۔ پچھلی کتب میں جو احوال موجود ان کی بھی تصدیق صرف قرآن مجید سے کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے یہ آخری تعلیمات کی کتاب نازل ہوئی ہے جو تعلیمات اس کے مطابق ہیں وہی صحیح ہیں۔ باقی یہود و نصاریٰ کا اپنا کیا ہوا اضافہ ہے یہ فرقان (قرآن) تمام انسانوں کے لئے ہے خواہ وہ یہود و نصاریٰ، ہندو، مسلمان یا کوئی بھی مذہب یا بغیر کسی مذہب پر یقین کرنے والے ہوں۔

تمام ضروری ہدایات مہیا کرنے کے باوجود بھی اگر کوئی اللہ کے احکام سے انکار کرتا ہے تو وہ (انکار کرنے والا ہے) کافر ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔ کافر وہ شخص ہے جسے اللہ کے احکام کا پتہ نہیں چلا، معلوم نہیں ہوا اور ان کو صحیح معلومات صحیح طریقہ پر نہیں بتائی گئیں۔ اگر ان معلومات کے ہونے کے باوجود انہوں نے ان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، عمل نہیں کیا تو وہ اللہ کے احکام کے انکار کرنے والے ہیں اور کافر ہیں ان کی سزا سخت عذاب یعنی جہنم ہے یہ عذاب دنیا میں بھی ہوسکتا ہے اور آخرت میں تو ہے ہی، لیکن وہ قومیں جو اللہ کے احکام سے انکاری ہے لیکن اللہ کے پسندیدہ اعمال، عدل، حقوق العباد کا پاس، صداقت و امانت داری، غریبوں اور محتاجوں کی حفاظت کا انتظام کرتے ہیں تو ان کے عدل خداوندی کے تحت اس دنیا میں ان کے اچھے اعمال کا بدلہ کے طور پر عذاب نہیں دیا جاتا۔ لیکن آخرت میں اللہ کی ذات کے احکام کے انکار کی سزا کے طور پر عذاب جہنم میں مبتلا کیا جائے گا۔ دوسری طرف وہ مسلمان افراد یا معاشرہ جو اللہ کے ساتھ اقرار کرنے کے باوجود اس کے احکام (حقوق اللہ اور حقوق العباد) میں عمل نہیں کرتے وہ بھی ایک طرح انکاری ہیں اور وہ بھی دنیا و آخرت کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اللہ بہت بڑی طاقت والا ہے اور اس طاقت وقوت کی بنا پر انتقام یعنی بدلہ لینے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَایَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ [5:3]

بے شک زمین و آسمان میں کوئی چیز بھی اللہ سے مخفی (چھپی ہوئی) نہیں۔

ھُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ [6:3]

وہی ہے جو ماؤں کے ارحام کے اندر صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بڑا غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں فرمایا کہ کائنات میں کوئی چیز بھی اللہ سے چھپی ہوئی نہیں اس کے علم میں چھوٹے سے چھوٹا ذرہ (ایٹمی ذرہ) سے لے کر بڑی سے بڑی کائنات ان کے اندر اور باہر ہر چیز کو اس کا علم محیط ہے اس کا علم ازلی اور ابدی ہے اور ذاتی ہے۔ سائنس اس بات کے اب قریب ہے کہ کائنات کے اندر ایسی قوت ہے جو ہر جگہ موجود ہے اور کوئی قوت ہر جگہ موجود ہے تو اس غائب کوئی چیز کیسے ہوسکتی ہے؟ سائنس کے نظریات تو آلات وعلوم اور انسانی تجسس ہی تبدیلی کے باعث بدلتے رہتے ہیں لیکن قرآنی تعلیمات اور حقائق ایک ابدیت ہیں جنکی صداقت وقت کے ساتھ ساتھ ظاہر ہو رہی ہے۔

انسانی تخلیق:۔

وہی ذات ہے جو انسانوں کو ان کی ماؤں کے رحم (Womb) کے اندر مختلف صورتوں میں بناتا ہے۔ عمل کس قدر پیچیدہ اور سائنسی ہے اس کی حقیقت اب جدید آلات تصویر و خوردبینی (Microscope) اور جینیٹک انجینئر نگ سے انسان پر

ظاہر ہو رہی ہے سائنسی تحقیقات کے مطابق ایام ماہواری کے بعد عورت کے بچہ دانی میں انڈے پیدا ہوتے ہیں اور پھر مرد کے سپرم کے ملنے سے ایک خلیہ Cell بنتا ہے جو دونوں کے DNA پر مشتمل ہوتا ہے۔ جسے سائنس ایک اتفاقیہ (Chance) کہتی ہے لیکن ہم اسے اللہ کا حکم کہتے ہیں جو اس کا سبب بنتا ہے اس سیل میں مرد اور عورت کے Chromosumes برابر تعداد (23 برائے نر اور 23 برائے مادہ) کل 46 عدد ہوتے ہیں پھر ان سے مرکب خلیے بنتے ہیں جن کی تعداد بڑھتی رہتی ہے اس طرح بچہ کا وجود بننا شروع ہوجاتا ہے۔ اتنا باریک خلیہ ایک لوتھڑا پھر انسانی صورت اختیار کرتا ہے یہ سب صرف اتفاق نہیں بلکہ ایک حکم اور ایک ڈیزائن کے تحت واقع ہوتا ہے اور یہی اس آیت میں فرمایا کہ جس طرح چاہے خالق، انسانی صورت ماں کے رحم میں پیدا کرتا ہے رحم کے اندر اس کو غذا فراہم کرتا ہے اور روح عطا فرماتا ہے اس کی وجہ سے یہ بیان فرمائی ہے کہ بے شک وہ ذات خداوندی بڑی قوت اور حکمت والی ہے اس سارے عمل میں اس کی حکمت و کاریگری بڑی واضح ہے اس لئے وہی عبادت کے لائق ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ [7:3]

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اُتاری جس میں کچھ آیات محکم (واضح) ہیں جو کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری آیات متشابہ (غیر واضح) ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ مشابہات کی پیروی محض فتنہ پروری کے لئے اور اپنی پسند کے معنی نکالنے کیلئے کرتے ہیں اور اس کے اصل معانی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں پختہ اور کامل ہے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب ہماری رب کی طرف سے ہے اور نصیحت صرف اہل دانش (عقل) پکڑتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ [8:3]

(دعا کرتے ہیں) اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا پن میں مبتلا نہ کر اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائے بے شک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ [9:3]

اے ہمارے رب بے شک تو لوگوں کو ایک دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں جمع کرنے والا ہے یقیناً اللہ (اپنے) وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ماؤں کے ذریعہ پیدا فرمایا اور ان کو خوب صورت شکلیں، صلاحیتیں اور رزق عطا فرمایا قسمت عطا فرمائی پھر ان انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں میں سے اپنے انبیاء چنے اور ان کے ذریعہ اپنا پیغام مخلوق تک پہنچایا۔ کچھ انبیاء کو کتاب کی صورت میں تعلیمات دی گئیں۔ تاکہ انبیاء کے وفات کے بعد ان کے پاس مستند ذریعہ ہدایت رہے، حضور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آپ پر اپنی آخری کتاب تمام انسانیت کے لئے نازل فرمائی۔

محکم ومتشابہات:۔

جو کہ حق ہے اس حق کی کتاب میں آیات ہیں جو کہ احکام پر مشتمل ہیں اور کچھ احوال جو انسان کی زمینی زندگی سے ماوراء ہیں ان کے بارے ہیں۔ احکام کی آیات واضح ہیں ان سے مطلب بڑی آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور یہ آیات انسانی نظام کا اساسی حصہ ہیں اسلئے ان کو امہات الکتاب کا لقب فرمایا۔

یہ روزہ، حج، نماز، زکواۃ، توحید و رسالت، حقوق العباد، معاشرت، تجارت کے بارے ہیں۔ دوسری آیات جو حالات عالم غیب سے تعلق رکھتی ہیں، ان کے بارے ہیں جن کو انسانی وضاحت کے لئے عمومی الفاظ ناکافی ہیں۔ نامعلوم کو بیان کرنے کے لئے جب کسی دوسرے معلوم (الفاظ) کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس میں متشابہ یعنی ملتے جلتے الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے اس لئے ان کی توضیح وتشریح مشکل ہے لیکن ان کی فصاحت و بلاغت اور جملوں کی ترتیب اپنی مثال آپ ہے۔ مثلاً جنت کی کیفیات، دوزخ کی کیفیات، حروف مقطعات، ذات باری کے اوصاف، اللہ کے عرش، کرسی، عدل وانصاف کے میزان، فرشتوں کے اعمال وغیرہ ان کو انسان کو سمجھانے کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ صرف معلومات کیلئے ایک سہارا ہیں حقیقی کیفیت کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں یا اس کے رسول جن کو اللہ تعالیٰ نے معلومات عطا فرمائی ہیں۔

راسخین فی العلم:۔

وہ لوگ جو اسلام پر دل سے یقین نہیں رکھتے اور منافق ہوتے ہیں، محکمات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور متشابہات میں اپنی تاویلیں جو ان کے مفادات کے مطابق ہوتی ہیں کرتے ہیں حالانکہ ان کی تاویلوں کیلئے محکمات یعنی بینات سے راہنمائی لی جا سکتی ہے۔ لیکن وہ محض فتنہ کی غرض سے اسے نظر انداز کر کے اپنی بحث چھیڑ دیتے ہیں یہ ضروری ہے کہ تحقیق وجستجو کے لئے بھی محکمات و بینات سے رہنمائی لی جائے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اور وہ مشابہات میں الجھنے میں

وقت ضائع نہیں کرتے تمام قرآن پاک کے احکامات پر وہ محکمات ہوں یا متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں محکمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور متشابہات کے بارے میں ان کا ایمان ہے کہ حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔لہٰذا وہ بحث میں پڑنے سے پرہیز کرتے ہیں اور یہی لوگ عقلمند بھی ہیں کیونکہ اپنے حدود کے اندر رہنا اور ان کو سمجھنا ہی عقلمندی کا عمل ہے حدیث شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے حضور نے آیت تلاوت کی اور فرمایا جو لوگ مشابہات کی اتباع کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہے جن کو اللہ نے بیان کیا ہے ان سے 'بچو' (مسلم شریف)۔

طبرانی نے حضرت ابوالدردا سے روایت کی ہے کہ رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ راسخین فی العلم کون ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنی قسم پوری کی، اپنی زبان کا سچا ہے۔اس کا دل حق پر قائم ہے اپنے پیٹ (رزق) اور عصمت کو محفوظ رکھتا ہے۔وہ راسخین فی العلم ہے''۔

دلوں کا پھرنا اور استقامت:۔

اگلی آیت میں اہل عقل اور (اولی الالباب) اہل علم وایمان (راسخون فی العلم) کی تعریف فرمائی ہے اور ان کی دعا بتائی ہے کہ وہ اپنے رب سے یہی دعا کرتے کہ'' اے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت پر قائم رکھ، گمراہی یا ٹیڑھے پن سے بچا اور ہمیں اپنی خصوصی رحمت عطا فرما تاکہ ہم حق پر استقامت رکھیں۔ بے شک تو بڑا بخشنے والا ہے''۔ یہ ہدایت دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لئے ہے اگر دنیا میں بظاہر تکالیف اور کامیابی نظر نہیں آتی تو آخرت، جو ابدی زندگی ہے اس کی کامیابی دراصل کامیابی ہے اور آخری آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اس دن جب سب لوگ جمع ہوں گے تاکہ حساب وکتاب دیں اس میں کوئی شک نہیں اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اہل عقل وعلم ایمان کی ہدایت کی طلب، اس پر استقامت کی دعا کرتے رہا کریں ایک حدیث بروایت ابی موسیٰ الاشعری ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان کا دل ایک ہلکے سے پر کی طرح پڑا ہوا ہے جسے ہوا اوپر نیچے الٹ پلٹ کرتی رہتی ہے اس حدیث پر غور کریں ہم اپنی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ انسانی ارادے وخیالات کتنی جلدی بدل جاتے ہیں حضور ﷺ دعا فرماتے تھے **''یامقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک''**۔اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ (بحوالہ تفسیر مظہری) آمین۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ [3:10]

بے شک جنہوں نے کفر کیا ان کے نہ مال اور نہ ان کی اولاد ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچا سکیں گے اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ [11:3]

قوم فرعون اور ان سے پہلے قوموں جیسا طریقہ ہے جنہوں نے ہماری ایات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ [12:3]

آپ (حق سے انکار کرنے والوں) کافروں سے فرما دیں، عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اہل ایمان کی عاجزی اور یقین کے بعد اہل کفر کا ذکر فرمایا اور اس میں آلِ فرعون کی مثال بھی بیان کی۔اس کے علاوہ بھی مثالیں ہے۔ جو لوگ حق سے انکار کرتے ہیں یعنی جب ان پر حق پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس پر غور نہیں کرتے بلکہ اس کی مخالفت کرتے جس طرح اہل مکہ (قریش) تھے یا یہود مدینہ تھے۔توان کو بتایا کہ ان کے اولاد اور مال جس پر وہ دنیاوی امور پر بھروسہ کرتے ہیں ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچاسکیں گے لہٰذا وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ان کے جسم جلیں گے اور پھر دوبارہ کھال آجائے گی۔وہ آگ کی تپش اور دوزخ میں رہنے کا خوف، غم اور دوسروں کے جنت واعراف کے احوال کی حسد سے جلیں گے جو کہ آگ میں جلد کے جلنے سے کم نہیں یہ سب عذاب کی صورتیں ہیں اور ان کی مثال آل فرعون کا واقعہ ہے جو حضور ﷺ سے پہلے ایک سے دو ہزار سال قبل از مسیح مصر پر حکمران تھے اور سورج کی پرستش کرتے تھے۔کچھ بادشاہوں نے اپنے آپ کو بھی خدا سمجھ کر لوگوں سے عبادت کروانی شروع کر دی۔اس کے علاوہ قوم لوط، قوم عاد وثمود وغیرہ ایسی قومیں گذریں ہے جن کو انبیاء نے اللہ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے اسے جانتے ہوئے انکار کیا اور مخالفت کی۔وہ اللہ کے عذاب کے مستحق ہوئیں اور تباہ و برباد ہو گئیں۔یہ اللہ کا عذاب تھا، یہی تاریخ کفار مکہ اور یہود مدینہ کے سامنے پیش کی جارہی تھی کہ وہ حق قبول کریں۔ورنہ ان کا انجام بھی ان کی طرح ہوگا اور اس دنیا میں مغلوب و مجبور ہو جائیں گے اور آخرت میں جہنم ان کا ٹھکانہ ہوگا۔

اسلام کا غلبہ اور کفار:۔

تاریخ نے ثابت کیا کہ کفار مکہ اور یہود مدینہ دونوں اگلے چند سالوں میں نہ صرف مغلوب ہوئے بلکہ مجبور بھی ہو گئے۔حضور اکرم ﷺ نے دس سال کے عرصہ میں تمام عرب پر اسلام کی حکمرانی بغیر کسی بڑے جنگ جدل کے قائم کر دی۔تمام جنگوں میں دشمن کے تقریباً 240 کے قریب اور مسلمانوں کے اس سے بہت کم افراد شہید ہوئے اور تیس لاکھ مربع میل علاقہ اسلام کی صحیح اسلامی سلطنت قائم ہوگئی اور اگلے دس سالوں میں یہ سلطنت دس گنا سے بھی زیادہ پھیل گئی۔(بحوالہ خطبات بہاپور، ڈاکٹر محمد

حمید اللہ، عہد نبوی میں مملکت اور نظم ونسق) یہ آیات غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی۔آج ہم مسلمانوں کی کمزور حالت اور کفار کی طاقت کو دیکھتے ہیں لیکن اگر بغور تجزیہ کریں تو مسلمانوں نے اسلام کے اصولوں کو چھوڑ دیا اور اس چھوڑنے کی نتیجے میں ان کے معاشرے عدل، معاشرتی و معاشی انصاف، انسانی آزادی واحترام سے محروم ہو کر معاشی و معاشرتی عذاب میں مبتلا ہو گئے، وہ اسلام کی عملی ماڈل کے طور پر تبلیغ میں ناکام ہیں اس لئے کمزور ہیں دوسری طرف کفار نے اسلام کے معاشرتی اور سماجی انصاف و انسانی حقوق و مساوات کو اپنا لیا ہے وہ اس لئے اس دنیا میں طاقتور ہیں اگر مسلمان اسلام کو جس کا نمونہ حضورﷺ اور ان کے خلفائے راشدین نے دیا تھا کے طریقہ پر نافذ کریں اور اسلام کے حقائق غیر مسلموں کو پہنچائیں تو یقیناً مسلمان ،انکار کرنے والوں (یعنی کفار) کے مقابل میں اس دنیا میں سرخرو ہوں گے۔اور کفار مغلوب ہوں گے۔لیکن جب مسلمان خود اپنے کردار میں اس (اسلام) سے منکر ہوں تو پھر کس طرح کامیابی ممکن ہے۔اے اللہ ہمیں حق پر عمل اور استقامت عطا فرما۔ آمین۔

اگلی آیات میں اسلام اور کفر کے معرکہ بدر کے بارے میں ذکر ہے۔

قَدۡ كَانَ لَكُمۡ اٰيَةٌ فِىۡ فِئَتَيۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ اُخۡرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَيۡهِمۡ رَاۡىَ الۡعَيۡنِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ [13:3]

بے شک تمہارے لئے ان دونوں گروہوں میں نشانی ہے (میدان بدر میں) جو باہم مقابل ہوئے۔ایک گروہ اللہ کی راہ میں جنگ کر رہا تھا اور دوسرا کافر تھا۔وہ اپنی آنکھوں سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی مدد کے ذریعہ نصرت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔یقیناً اس واقعہ میں اہل بصیرت کے لئے بڑا سبق ہے۔

یہ آیت مبارکہ معرکہ بدر کے بارے میں ہے ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد یہ واقعہ رمضان المبارک 2ھ ھجری کو پیش آیا۔یہ معرکہ حق و باطل کے عالمی و دائمی جدوجہد کا اعلیٰ نمونہ ہے کفار مکہ مسلمانوں کے مکہ سے نکل جانے پر بھی پریشان تھے اور ہر وقت اس فکر میں تھے کہ ان کو مدینہ میں بھی ختم کر دیا جائے حضورﷺ بھی جنگی اور سیاسی طور پر ان کے خیالات سے آگاہ تھے اور ہمیشہ حالات کے مقابلے کے تیار رہتے تھے تجارت قریش کی معشیت کی بنیاد تھی اور ان کے کاروان مدینہ کے قریب سے ہی گذرے تھے واقعہ کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں درج ہے اس معرکہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی ان کے پاس بیس اونٹ، دو گھوڑے اور چند ذرہ اور تلواریں تھیں۔جبکہ کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار کے قریب اور ان کے پاس بے شمار اونٹ تلواریں، نیزے تھے، لشکر کی سربراہی ابوجہل کر رہا تھا۔

نصرت خداوندی:۔

آیت مبارکہ میں فرمایا کہ ان کو دوگنا نظر آیا اس کی دوطرح کی تشریح ہے کہ کفار کو مسلمانوں کی تعداد دوگنی نظر آئی لہٰذا وہ ذہنی طور پر جو اعتماد میں تھے اُس کو ٹھیس پہنچی اور حوصلے کمزور ہوگئے دوسری طرف کفار مسلمانوں سے تین گنا تھے لیکن ان کو دوگنے نظر آئے جس کی وجہ سے وہ بھی ان سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ احتیاط کے ساتھ منصوبہ بندی کر کے لڑے۔ اللہ کی نصرت نے یہ کرشمہ دکھایا کہ کفار غلط فہمی کے شکار ہوئے اور مسلمان دل جمعی سے شہادت کی طلب میں لڑے اور مسلمانوں کو افراد اور ہتھیاروں کی قلت کے باوجود بڑی کامیابی ہوئی 72 مقتول 72 قیدی چھوڑ کر بھاگ گئے ابوجہل مارا گیا۔ اس واقعہ میں اہل بصیرت کے لئے بڑی نشانی ہے کہ نصرت خداوندی، اسباب اور حربی وسائل پر غالب آتی ہے۔ مسلمان جنگی مہارت پر عمل کرتے ہیں، پوری محنت کرتے ہیں، اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور اسباب کی قلت کے باوجود اللہ کی نصرت ان کو کامیاب کرتی ہے شرط یہ ہے کہ ساری جنگ اللہ کی رضا قتال (جنگ) فی سبیل اللہ اور اسلام کو انسانیت تک پہنچانے کیلئے ہو۔

نقشہ جنگ بدر

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ [3:14]

لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت خوب اراستہ کر دی گئی ہے جن میں عورتیں اور اولاد، سونے اور چاندی کے جمع کیئے ہوئے خزانے، نشان لگے ہوئے گھوڑے، مویشی (حیوانات) اور کھیتی باڑی شامل ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانہ ہے۔

خواہشات نفس کی حقیقت:۔

اس آیت میں اللہ کی راہ میں دورانِ جنگ جدوجہد اور اس کی نصرت کے ساتھ کامیابی کے بعد انسانی زندگی کے دوسرے امن کے مرحلہ میں اس کی خواہشات کا تجزیہ فرمایا کہ دنیا میں انسانوں کے اندر خوبصورت اور دلکش اشیاء کی کشش رکھ دی ہے اور ان اشیاء میں جن کا ذکر کیا ہے وہ ہماری زندگی میں ہروقت محسوس ہوتی ہے اس لئے حضورﷺ نے فرمایا کہ "**حب الدنیا راس کل الخطیه**" کہ دنیا کی محبت برائیوں کی جڑ ہے۔ یہ اشیاء جن کا ذکر فرمایا ہے۔ عورتوں کی محبت، ایک انسانی کشش ہے پھر عورت کے بعد اس کا نتیجہ اولاد ہے اولاد کی محبت بھی شدید ہے اس لئے اس کو عورت کے بعد ذکر کیا ہے اور یہ مال و دولت سے بڑھ کر ہے پھر معاشرتی اور معاشی دولت، سونے چاندی یا تجارتی مال کی صورت میں کارخانے سواری کے جانور جس طرح گھوڑے ہیں آج کل قیمتی کاریں، مویشی، زراعت وصنعت کی دولت ساری اشیاء کی محبت، اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر پیدا کی ہے جس کی وجہ سے یہ نظام کائنات چل رہا ہے۔ ان کی خاطر انسان کوشش کرتا ہے کماتا اولاد پالتا ہے معاشرہ ترقی کرتا ہے اس لئے ایک آیت ہے۔" **انا جعلنا ما علی الارض زینه لها لنبلونکم ایهم احسن عمله**" (سورۃ الکھف) ہم نے زمین پر چیزوں کو باعث زینت بنایا تا کہ تم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے عمل میں کون بہتر ہے۔

یہ زینت اور اس کی کشش ایک فطری عمل ہے اور یہ زینت اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے مطابق انسان کے لئے آزمائش ہے کہ ان کے حصول میں کیا وہ احکام خداوندی کو نظرانداز کرتا ہے اور صرف اپنے نفس امارہ کی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر حربہ استعمال کرتا ہے۔ یہی امتحان ہے کہ ایک حد تک ان اشیاء کا فائدہ اُٹھانا فرض ہے (جان کی حفاظت و بقاء) کچھ حد تک جائز ہے ۔(ضروریات زندگی اور شرعی حدود کے اندر) اس کے بعد منع ہے۔ کیونکہ وہ انسانی نفس امارہ اور معاشرہ میں فساد کا باعث بنتا ہے ۔کافر (غیر مسلم) کی یہ نشانی ہے کہ وہ نفس کی خواہشات کو اپنا رہنما بناتا ہے اور اس کی تسکین پر ختم کرتا ہے لیکن مومن صرف اس حد تک جاتا ہے جو اس کے خدا نے اُسے اجازت دی ہے، جو شریعت میں حلال وحرام کی حدود سے واضح ہے۔ انسانی زندگی کا اگر

تجزیہ کریں اور یہ فرض کریں کہ اوسط زندگی ساٹھ 60 سال ہو تو ہر روز سونے کے لئے اگر آٹھ 8 گھنٹے اور کام کے لئے بھی آٹھ 8 گھنٹے درکار ہوں تو سال میں دوسو چوالیس 244 دن اس میں لگ جائیں گے اور کھانے سے متعلقہ وقت اگر دن رات میں چار 4 گھنٹے ہوں تو سال میں اکیاسٹھ 61 دن اس میں لگ جائیں اور بیماری صرف سال میں سات 7 دن ہوں تو کل یہ دن تین سو بارہ 312 بن جائیں۔ اب باقی صرف ترپن 53 دن تمام امور، عبادت، معاشرتی تعلقات، نیکی یا بدی کے امور کے لئے ہیں۔ ملاحظہ کریں کس قدر مختصر وقت ہے جس کو ہم صحیح استعمال کر کے زندگی اور آخرت بہتر کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ چونکہ انسانی زندگی بہت مختصر ہے اور اس کے بعد قبر والی زندگی دائمی ہے لہٰذا اللہ کے احکام کے تحت ان کا استعمال سب سے بہتر ہے تا کہ اللہ کے ہاں ابدی زندگی میں ایسی نعمتوں بلکہ اس بھی بہتر سے فائدہ اُٹھایا جائے۔

اگلی آیات میں ان نعمتوں کا ذکر ہے۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ

[15:3]

آپ فرمادیں کیا میں تمھیں اس سے بہتر چیز بتاؤں۔ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغ (جنت) ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں ان کے لئے پاکیزہ ازواج ہیں اور اللہ کی طرف سے خوشنودی (رضوان) اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ [16:3]

جو لوگ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے۔ ہماری گناہوں کو معاف فرما ہمیں دوزخ کے آگ سے بچا۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ [17:3]

(یہ لوگ) بہت صبر کرنے والے بہت سچے ہیں اور بہت ادب سے حکم بجا لانے والے اور خرچ کرنے والے (اللہ کے لئے) وقت سحر بخشش طلب کرنے والے ہیں۔

ان آیات میں جنتوں کی نعمتوں اور اُن کے اوصاف کا ذکر ہے۔ حضور ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ لوگ جو خواہشات نفس کی خاطر سب کچھ قربان کرتے ہیں ان کو اطلاع دیں کہ اس سے بھی بہتر اور دائمی نعمتیں ہیں اور وہ ہے 'جنت' جس کی توصیف بیان کرنا مشکل ہے احادیث میں ہمیں سمجھانے کے لئے مختلف کیفیات بیان فرمائی گئیں ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہے شاندار

محلات ہیں موجودہ زندگی جس میں محدود وسائل ۔محدود وقت اور بے شمار خواہش میں بقول شاعر ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش
پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں ،مگر پھر بھی
کم نکلے

محدود زندگی کے بعد حسر و یاس کو لے کر آدمی ختم ہو جاتا ہے۔

جنت کی زندگی اور نعمتیں:۔

دوسری طرف جنت ہے جس میں ہر خواہش جب بھی پیدا ہوگی اور اس کی طلب کی جائے گی پوری ہو جائے گی ، زندگی کی آسائشیں اور آرام کی کوئی جنت کے ساتھ نسبت نہیں ۔ جنت میں چونکہ غذا کا نظام ہضم مختلف ہوگا۔انسانی خواہشات مختلف ہو گی موجودہ نفس کے مختلف اقسام ،امارہ،لوامہ،مطمئنہ کے بجائے صرف مطمئنہ مومن کو نصیب ہوگا۔اہل دوزخ اپنے آپ کو ملامت کریں گے ۔ ہر آدمی کو اس کے درجات یعنی دنیا میں اس کے اعمال کا درجہ ملے گا۔نیک اولاد ساتھ ہوگی، نیک ازواج ساتھ ہوں گی، ازواج کا درجہ حوروں سے بھی بلند ہے۔حوریں تو جس طرح مردوں کی اسی طرح نیک عورتوں کے بھی خادم ہوں گے ۔ انسانی کیفیات وخواہشات بالکل دنیا کے زندگی سے مختلف ہوں گی۔اس لئے کہ یہ خواہش کیسے پوری ہوگی یا وہ خواہش کیسے رہے گی ۔صرف بے معنی بحث ہے جنت کے اندر انسان کے سفلی اور منفی جذبات ختم ہو جائیں گے۔حسد، کینہ ،بغض، دشمنی کے بجائے صرف محبت اخلاص اور اطمینان ہوگا۔ ہر آدمی اپنی حالت اور درجہ پر انتہائی مسرور اور مطمئن ہوگا۔ ہر خواہش پوری ہوگی اور کوئی غلط خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی کیونکہ غلط خواہشات کا منبع (Source) ہی ختم ہو چکا ہوگا۔ساری ابدی زندگی صحت اور سکون پر مبنی ہوگی کوئی گندگی یا آزمائش انسان جسم نہ ہوگی ۔رشتہ داروں کے ساتھ تعلق ہوگا۔لیکن ہر آدمی اپنے اعمال کے نتیجہ کے مطابق ہوگا۔ پہچان ہوگی، جنتی خواتین کے مرتبہ کو حوریں نہیں پہنچ سکیں گی بلکہ ان کے خادم ہوں گے۔ دنیا کی موت سے رشتوں کی موت اور معاملات کی بھی موت ہو جاتی ہے اس لئے مردہ کسی کا وارث نہیں ہوتا۔ اگر میاں بیوی جنت میں اپنے اعمال کے نتیجہ میں جاتے ہیں ۔تو ان میں وہی رشتہ ان کے مرضی کے مطابق برقرار رہے گا اور وہ مطمئن رہیں گے درجات کے فرق سے تعلقات پر کچھ بھی اثر نہیں ہوگا۔

جنت کی عظیم نعمت:۔

اس جنت میں سب سے بڑھ کر نعمت اللہ کی رضوان (رضا) ہوگی یعنی اللہ تعالی اپنے جنتی بندوں سے ہر طرح سے دائمی

راضی ہوگا، اور ان سے پر کبھی بھی کوئی غصہ یا ناراضگی نہ ہوگی اور یہ رضوان ہر جنتی کو اس کے اعمال اور درجات کے مطابق عنایت ہوگی ۔جس پر وہ بہت مطمئن و شاداں ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب سب اہل جنت ، جنت میں پہنچ کر مسرور و مطمئن ہو جائیں گے اور کوئی تمنا نہ رہے گی جو پوری نہ کر دی گئی ہو تو اس وقت حق تعالیٰ خود ان اہل جنت کو خطاب فرمائیں گے کہ اب تم راضی اور مطمئن ہو۔کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب پرودگار آپ نے اتنی نعمتیں عطا فرما دیں ہیں کہ اس کے بعد اور کس چیز کی کیا ضرورت رہ سکتی ہیں حق تعالیٰ فرمائیں گے ۔ کہ اب میں تم کا ان سب نعمتوں سے بالاتر ایک اور نعمت دیتا ہوں وہ یہ کہ تم کو میری رضا اور قرب دائمی طور پر حاصل ہے۔''اب ناراضگی کا کوئی خطرہ نہیں''

جنتی کی صفات:۔

اتنے بڑے مقام پر فائز ہونے والے اتنی نعمتوں کے مالک کون لوگ ہوں اس کا ذکر بھی ساتھ آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ ہر وقت کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، ان کا ایمان قول اور فعل دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ہر کام احکام خداوندی کے تابع ہوتا ہے، اس کے ساتھ وہ اپنے گناہوں کی معافی بھی ہر وقت اور دوزخ (آگ) کے عذاب سے ہر وقت اللہ سے پناہ مانگتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو صابر ہیں، ہر تکلیف پر وہ صبر کرتے ہیں،صوفیا نے صبر کے تین وجوہات بیان کئے ہیں۔ ۱)اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا صبر (مکمل طریقہ پر عمل)۔۲)جن چیزوں سے اللہ نے منع کیا ہے ان سے دور رہنے پر صبر (مکمل طور پر اجتناب)۔۳)ہر حال میں اللہ کی رضا پر صبر۔ یعنی زندگی کے واقعات و حالات پر اطمینان رضا و صبر کا اظہار۔اس کے ساتھ الصادقین کی خصوصیات کہ یہ اپنے اعمال و اقوال میں سچے ہیں معاملات کے کھرے ہیں ۔ دھوکہ دہی ،حرام خوری ، بے ایمانی ان کے تصور میں بھی نہیں ۔سراپا سچ ہیں، زندگی میں لالچ سے دور ہیں، قناعت کرنے والے ہیں، کوشش کو نہیں چھوڑتے لیکن خواہشوں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے اچھے طریقے اور سچائی سے جو حاصل ہوتا ہے اس پر قناعت کرتے ہیں، ناجائز طریقوں سے اپنا مال بڑھانے کا نہیں سوچتے، نہ عمل کرتے ہیں۔ان تمام صفات و اعمال کے باوجود اپنی زندگی میں عاجزی و انکساری سے اللہ سے عبادت کرنے والے اور استغفار طلب کرتے ہیں کہ اگر کہیں کوتاہی یا احکام کے پورے کرنے میں کوئی کمی رہی گئی ہے تو معافی کے طلبگار رہتے ہیں یہ معافی بھی سحور کے وقت مانگتے ہیں سحری کا وقت صبح صادق سے پہلے اور آدھی رات کے بعد کا ہے اس وقت کے کئی خصوصیات ہیں۔ شور کم ہو جاتا ہے،سکون کا ماحول ہوتا ہے، اندھیرے میں روشنی پھیلنا شروع ہوتی ہے، فضا صاف اور آلودگی اس وقت ختم ہوتی ہے، حتیٰ کہ فضا میں تابکار ذرات بھی کم ہو جاتے ہیں، نیند کے غلبہ کا وقت ہوتا ہے اس لئے نیند سے اُٹھنا بڑا مشکل ہے اس وقت اٹھ کر خدا سے معافی مانگنا قبولیت حاصل کرتا ہے ۔ایک حدیث کے مطابق جو ہمیں سمجھانے کے لئے کیفیت بیان کی گئی ہے کہ ذات خداوندی اسمان دنیا پر تشریف لاتے ہیں (یعنی اگر عبادت میں انسان ہو تو اللہ کے قریب

ہوجاتا ہے) اور فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مانگنے والا ، جس کو میں دوں ، ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا جس کو بخش دوں ۔غرض یہ وقت انتہائی قبولیت کا وقت ہے ۔ اس لئے اس کا خصوصی ذکر فرمایا یہ ہیں اہل جنت کے خصوصیات جن کی وجہ سے وہ جنت الفردوس کے مکین ہوں گے ۔ اور رضائے خداوندی سے نوازے جائیں گے ۔ اے اللہ ہمیں بھی ان میں شامل فرما۔آمین ۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [18:3]

اللہ نے اس بات پر گواہی دی کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ فرشتوں اور اہل علم نے بھی۔ (گواہی دی) انتظام کائنات ، اعتدال (توازن) سے فرمانے والا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی غالب اور حکمت والا ہے ۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ [19:3]

بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے اس کے بعد کہ ان کے پاس صحیح علم آچکا تھا جو اختلاف کیا وہ صرف باہمی حسد وعناد کی وجہ سے تھا جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا۔تو بے شک اللہ حساب میں جلدی فرمانے والا ہے ۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ [20:3]

اگر پھر بھی وہ (کافر) آپ سے جھگڑا کریں تو آپ ان سے کہیں کہ میں نے اور جنہوں نے میری پیروی کی ، اللہ کے سامنے اپنے سر جھکا دیا۔ اور آپ کو اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کیا تم بھی اسلام لاتے ہو کہ نہیں ، پھر اگر وہ اسلام لے آئے تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ اپنا منہ پھیر لیں تو آپ کے ذمہ پیغام پہنچانا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ۔

جنت کے احوال اور اہل جنت کی صفات کے بعد توحید ربانی کا ذکر ہے آیات شہادت (گواہی) کے نزول کے بارے روایت ہے جو کہ امام بغوی نے ذکر فرمائی ہے کہ دو بڑے علماء یہود وشام سے مدینہ طیبہ میں آئے مدینہ طیبہ کی بستی اور اس کے ارد گرد کا ماحول دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ یہ بستی تو اس طرح کی ہے جس کے لئے تورات میں پیشگوئی آئی ہے کہ اس میں نبی آخر

الزمان قیام پذیر ہوں گے اس کے بعد ان سے کسی نے ذکر کیا یہاں کوئی بزرگ ہے جس کو لوگ نبی کہتے ہیں یہ دونوں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ پر نظر پڑتے ہی تمام صفات سامنے آگئیں جو توارت میں بتلائی گئی تھی۔ عرض کی کیا آپ محمد ہیں آپ نے فرمایا ہاں پھر عرض کیا کہ آپ احمد ہیں آپ نے فرمایا ہاں! میں محمد ہوں اور احمد ہوں پھر عرض کیا کہ ہم آپ سے سوال کرتے ہیں اگر آپ اس کا صحیح جواب دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے آپ نے فرمایا کہ پوچھو، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے یہ آیت شہادت نازل ہوگئی، آپ نے ان کو پڑھ کر سنادی یہ دونوں اس وقت مسلمان ہوگئے۔ اسی آیت کے سریع الحساب تک پڑھنے کا بڑا ثواب ہے اللہ کی وحدنیت اور لائق عبودیت ہونے کی شہادت تین طرح سے بیان فرمائی ہیں ایک شہادت اس ذات کی اپنی ہے۔ جو خالق کائنات ہے مالکِ کُل ہے، ہر ذرے کے حقیقت کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اس کائنات میں کنٹرول کرتا ہے۔ اس کی اپنی شہادت سب سے بڑی شہادت ہے دوسری شہادت اس کے فرشتے میں جو نورانی مخلوق ہیں اور کائنات کے انتظام و انصرام کو احکام خداوندی کے مطابق سرانجام دیتے ہیں چونکہ وہ ساری کائنات کو دیکھتے، اعمال سرانجام دیتے ہیں اور اس کی قدرت کا اندازہ رکھتے ہیں اس لئے وہ بھی باقاعدہ گواہ ہیں کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک ایک ہی ذات ہے اور وہی لائق عبودیت وحدہ لاشریک ہے (**لا الہ الا ھو**) اس کے ساتھ تیسری شہادت اہل علم وعرفان کی ہے یہ انبیاء کی ذات ہے۔ جس کو اللہ نے علم لدنی سے نواز ہے اور حقیقت توحید کو سمجھتے ہیں اور ساتھ ایسے اصحاب علم وعرفان ہیں علمی اصولوں پر تحقیق وجستجو کر کے کائنات میں غور وفکر کر کے یا زہد وعبادت سے اللہ جل شانہ کی وحدنیت کا علم حاصل کر لیتے ہیں یہ ساری کائنات کا نظام ایک اعتدال ومنظّم، بغیر نقص کے وہ ذات واحد و یکتا چلا رہی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ حکمت والا ہے کہ نظام کو بغیر نقص کے چلا رہا ہے اور غالب وقوت والا ہے کہ ساری کائنات اس کے قبضہ میں ہے۔

پسندیدہ دین:۔

وحدنیت کا دین، دین اسلام ہے تمام اسمانی مذاہب جو سابقہ انبیاء نے لوگوں کو بتائے وہ اسلام تھے جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام ہوئی۔ ان سب میں بنیادی تعلیم توحید ہے حتیٰ تمام دوسرے ادیان کی بھی اگر تحقیق کی جائے تو ابتداء میں وحدانیت تھی۔ پھر یہ وحدانیت کیوں ختم ہوگئی، اختلاف کیوں پیدا ہوا، اس کی حقیقی تفسیر قرآن نے بتائی کہ یہ علماء یا مذہبی رہنماؤں کے مالی مفادات، ذاتی مصلحتوں اور شخصی عناد وحسد کی وجہ سے، بادشاہوں نے سیاسی مقاصد کی خاطر اختلافات کو ہوا دی اور اپنی مصلحت کے پیش نظر تشریح کی، جس کو جاہل لوگ جہالت کی وجہ سے دین سمجھ کر اپنا لیتے ہیں اسلام کے آخری بنی حضرت محمد ﷺ ہیں اور آخری کتاب قرآن مجید ہے، جو ابدی وحدانیت کا پیغام ہے اس سے یہود ونصاریٰ کا انکار ان کے مذہبی رہنماؤں کی حسد

اور ذاتی مفادات کی وجہ سے ہے۔ اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے۔

اللہ کا حساب:۔

اسلام میں معاشرہ اور افراد، سب کے حقوق و فرائض بتائے گئے ہیں، جو لوگ اتنے بڑے دلائل اور حقائق کے باوجود اس سے منکر ہیں ان کا اللہ تعالیٰ حساب لے گا۔ اور وہ بہت تیز حساب لینے والا ہے جس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ آپ غور کریں کہ کمپیوٹر سے قبل بڑے حساب و کتاب میں کئی کئی دن لگ جاتے تھے لیکن اب کمپیوٹر کی وجہ سے حساب چند سیکنڈز میں ہو جاتا ہے یہ حساب و کتاب کی تیزی ہے لیکن اگر کائنات کا حساب دیکھنا ہے تو اندازہ کیجئے اس میں (7810) کے حساب تک ایٹم ہیں جن میں بے حساب تخلیقات ہوئی ہیں۔ اس طرح روشنی جو تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کے حساب سے چلتی ہے، اس کو کائنات کے اندر گزرنے میں اربوں سال لگ جائیں گے۔ اس طرح کمپیوٹر کو بھی حساب لگانے میں اربوں سال لگ جائیں گے۔ لیکن ذات خداوندی سب کا حساب و کتاب رکھے ہوئے ہے اور سب اس کے کنٹرول میں ہے، اس کے لئے ایک انسان کے حساب و کتاب کو رکھنا کوئی مشکل نہیں۔ لہٰذا اس کے حساب سے ہر وقت ڈرنا چاہیے۔

یہود و نصاریٰ اور آج کل سیکولر حضرات دین کے امور میں محض حجت بازی کی خاطر بحث و مباحثہ شروع کر دیتے ہیں جس کا مقصد بات کرنے والے (مبلغ/داعی) کا وقت ضائع کرنا ہے۔ اس لئے قرآن پاک نے تعلیم دی ہے کہ حق کی دعوت دینے والا کا فرض دعوت کو صحیح طریقہ یا صحیح موقع اور صحیح معلومات کے ساتھ پہنچانا ہے اور اگر سننے والے اس کو قبول نہیں کرتا اور محض اعتراض برائے اعتراض کرتا ہے تو اسے کہہ دے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا تمہارا حساب اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر قبول کرو گے تو تمہارا بھلا ہے اور اگر انکار کرو گے تو تمہارا نقصان ہے۔ مُبلّغ (تبلیغ کرنے والا) کو چاہیے کہ پہلے اپنا سر جھکا دے یعنی عمل کرے اور پھر دوسروں کو بتا دے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے اور وہ سب جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ [21:3]

یقیناً جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور انہیں بھی قتل کرتے ہیں، جو انصاف کا حکم دیتے ہیں، سو آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ [22:3]

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ [23:3]

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب (کے علم) میں سے کچھ حصہ دیا گیا وہ کتاب الٰہی کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ (کتاب الٰہی) ان کے درمیان (اختلاف کا) فیصلہ کرے تو پھر ان میں سے ایک فریق نے منہ پھیر لیتا ہے اور وہ (حقیقت) میں منہ پھیرنے والے ہیں۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ وَ غَرَّهُمۡ فِیۡ دِیۡنِهِمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ [24:3]

یہ (منہ پھیرنے کی جرأت) اس لئے کہ وہ کہتے کہ ہمیں چند دنوں کے سوا دوزخ کی اگ نہیں چھوئے گی اور انھیں فریب میں ڈال دیا ہے (اُن باتوں نے) جو دین میں گھڑتے رہتے ہیں۔

فَکَیۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡهِ وَ وُفِّیَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ [25:3]

سو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں جمع کریں گے جس کے (واقع) ہونے میں کوئی شک نہیں اور ہر نفس کو جو اس نے کمایا (اعمال) ہوگا اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

تبلیغ کی ذمہ داری اور لوگوں کے بے پرواہی کے بعد یہود کی حالت اور رویہ کا ذکر فرمایا ہے کہ یہود کی تاریخ بڑی بھیانک ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حق سے منہ موڑ گئے، انبیاء کو قتل کیا، دین میں بادشاہوں کے کہنے پر تحریف کی، حتیٰ کہ جو لوگ حق اور انصاف چاہتے تھے یا کرتے تھے ان کو بھی قتل کیا اور اس گمان اور دھوکہ میں رہے کہ وہ اللہ کی پیاری قوم ہے ۔بخش دیے جائیں گے ۔اللہ نے ان کے اس خیال کو رد فرمایا ہے بلکہ ان کو ان کے جرائم کی دردناک سزا ملے گی۔ان کے جرائم کے بدلے ان کے اعمال (نیک) بھی ضائع ہو جائیں گے ۔ دنیا و آخرت میں نقصان اُٹھائیں گے۔ یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں جن کے پاس اللہ کا پیغام ان کے انبیاء نے پہنچایا اور کتاب کی صورت میں چھوڑا اس میں آخری نبی کے بارے اطلاع دی گئی ہے اور جب وہ یہ جانتے ہیں پھر بھی عناد و تکبر کی وجہ سے حق سے منہ موڑ رہے ہیں اور انکار کر رہے ہیں ان کے علم نے ان کو ایک فریب اور دھوکہ میں رکھا ہوا ہے یہ علم ان کے دھوکہ کا سبب ہے اور یہود یہ سمجھتے ہیں کہ صرف وہ ایام جو انہوں نے بچھڑے کی عبادت کی، دوزخ میں سزا پائیں گے اور اس کے بعد انبیاء (بنی اسرائیل) کے قبیلہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز اور اللہ کے پیارے ہیں۔اس لئے بغیر اعمال صالحہ کے وہ جنت میں جائیں گے۔ان کے تکبر اور ان کے رشتہ بنی اسرائیل (حضرت

یعقوب علیہ السلام سے نسبت وتعلق) کو اللہ نے رد فرمایا کہ یہ خیال ایک فریب ہے۔ ہمیں بھی بطور مسلمان اس طرح کے خیالات اور گمانوں سے بچنا چاہیے اور نیک اعمال کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے۔ قیامت کے دن جب ساری مخلوق اکھٹی ہوگی ان کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی اس دن ہر انسان کو اس کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلے ملے گا۔(وُفِيَتْ كُلُّ نَفْسٍ) کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ حضور ﷺ کی شفاعت اسی صورت میں ملے گی جب ہم ان کی تعلیمات پر عمل کریں گے۔ لہٰذا دنیا کے نیک اعمال بہت بڑا سہارا بنیں گے۔ اللہ ہمیں نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [3:26]

آپ کہو! اے اللہ، مُلکوں کے مالک، تو جسے چاہے سلطنت عطا فرماتا، اور جس سے چاہے سلطنت چھین لیتا ہے، تو جسے چاہے عزت عطا فرمادے جسے چاہے ذلت دے، ساری بھلائی تیری دست قدرت میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

اس آیت کے شان نزول کا واقعہ بڑا خوبصورت ہے جب کفار عرب تمام مل کر اسلامی ریاست کو ختم کرنے پر تل گئے اور حضور ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو جس طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ وہاں ایک گہری چوڑی اور لمبی خندق کھودنے کا حکم دیا جس میں تمام صحابہ کے رات دن کوشش بھوک اور فاقے گذار کر خندق کھودی اس کے کھودنے کے دوران ایک بہت سخت آ گیا جو کسی سے نہیں ٹوٹتا تھا حضرت سلمان فارسی نے درخواست کی کہ سخت پتھر ہے حضور نے کدال سے ایک ضرب لگائی جس سے ایک شعلہ نکلا اور پتھر ایک دم ٹوٹ گیا آپ نے فرمایا کہ مجھے کسریٰ کی محلات عطا فرمائے گئے ہیں اور پھر دوسری کدال سے ضرب لگائی تو شعلہ بلند ہوا اور پتھر کا حصہ ٹوٹا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیصر (روم کے بادشاہ) کے محلات کا قبضہ عطا فرمایا گیا اور پھر ضرب لگائی شعلہ بلند ہوا اور پتھر ٹوٹ گیا آپ نے فرمایا کہ یمن کے محلات کا قبضہ عطا فرمایا گیا۔ غزوہ خندق/احزاب میں کفار ناکام واپس لوٹ گئے اور مسلم ریاست محفوظ رہی۔ جب صحابہ کرام نے اس بات کا ذکر دوسرے لوگوں سے مدینہ میں کیا تو منافقین، یہود اس کا مذاق اُڑانے لگے کہ مسلمان کس طرح ان ممالک پر قبضہ کریں۔ لیکن یہ پیشن گوئی کچھ عرصہ بعد حرف بہ حرف ثابت ہوئی جب مسلمانوں نے تمام عظیم قوموں کو سرنگوں کر دیا۔

غزوہ خندق کا نقشہ

معیارِ عزت:۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اپنی قدرت کا اظہار فرمایا۔ کہ تمام طاقتوں کا مالک وہی خدا ہے۔ اگر کسی کو بادشاہی ملی ہے کوشش یا وارثت سے تو اسی کی مہربانی اور عطا ہے۔ یہ ایک امتحان بھی ہے کہ اس طاقت کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ مخلوق کے گناہوں کے سبب ان کی سزا کے طور پر ظالم حکمران مسلط کر دیتا ہے۔ اسی طریقہ سے کسی ظالم بادشاہ کو اس کی طاقت سے محروم کر دیتا ہے۔ عادل بادشاہ کی سلطنت وحکومت میں ترقی و وسعت عطا فرماتا ہے اسی طرح افراد کو بھی معاشرہ میں عزت و وقار کی نعمت سے ان کے نیک اعمال کے جزا کے طور پر عطا فرماتا ہے اور پھر ان کی بد اعمالی پر اس سے محروم کر دیتا ہے گردش ایام میں یہ سلسلہ شروع سے چل رہا ہے۔ قوموں کے عروج وزوال اور افراد کے عزت و ذلت کا راز اس میں پوشید ہے یہ اصول تمام اقوام پر لاگو ہوتا ہے۔ روم ہو، ایران یا یورپ و ہند، مسلمان ہو یا عیسائی، اس قانون

قدرت میں انسانی اہلیت، علم و عدل، بھلائی اور برائی میں اس کا کردار بہت اہم ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تم مومن ہو گے تو باعزت ہو گے۔ کیونکہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ساری بھلائی اللہ کی قبضہ میں ہے یہ فرما کر بھلائی کا مرتبہ بلند کر دیا ہے کہ خیر اور شر دونوں کا وجود ہے لیکن اللہ کی ذات مخلوقات کے لئے بھلائی یعنی خیر کو پسند فرماتا ہے۔ (بیدہ الخیر)۔

دعا برائے قرض:۔

انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنا محاسبہ کرے عزت و طاقت کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد اور ذلت سے پناہ مانگتا رہے گمراہ افراد کے آگے نہ جھکے اور بھلائی کے کاموں میں لگا رہے جو اللہ کو پسند ہیں۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث حضرت معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قرض کی ادائیگی کیلئے یہ آیت اور اگلی آیت **بغیر حساب** تک پڑھنے اور اسکے بعد "**یا رحمٰن الدنیا و الاخرۃ رحیمھما تعطی منھما ما تشاءُ و تمنع منھما ما تشاءُ وارحمنی رحمۃ تغنی بھا رحمۃمن سواکَ**" (ترجمہ: اے دنیا و آخرت کے رحمٰن اور رحیم، جسے تو چاہے ان دونوں میں عطا کرے یا محروم کرے، مجھ پر اپنی رحمت فرما، جو مجھے دوسری رحمتوں (سہاروں) سے بے پرواہ کر دے) تو اللہ تعالیٰ قرض ادا فرمائے گا جتنا بھی ہو۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَىِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ [3:27]

تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے حساب کے رزق دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ پچھلی آیت کے ساتھ جہاں عزت و ذلت کے بارے فرمایا ساتھ ہی رزق اور زندگی اور موت کے بارے حکمت بیان فرمائی ہے کہ وہ ذات، رات کو دن اور دن کو رات سے نکالتا ہے۔ رات کو مردہ پن سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے اور دن کو زندگی سے کیونکہ سارے عمومی معاشی و سماجی امور دن میں کئے جاتے ہیں اسی طرح زندگی کا سلسلہ بھی دن اور رات سے قائم ہے۔ زمین اور نظام شمسی کا بھی اس سے پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے جس طرح انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے بیج سے ایک درخت اُگتا ہے اور مردہ کو زندہ سے جس طرح جانور سے انڈا درخت سے پھل وغیرہ۔ اسی طرح عالم اور جاہل مردہ و زندہ کی مثال ہیں۔ مومن اور کافر، ایک کا دل زندہ اور دوسرے کا دل مردہ ہے۔ اس طرح کائنات (دن رات) اور زمین پر جملہ اعمال (مردہ و زندہ) کا ذکر فرمایا۔ پھر ان تمام زندوں کو رزق بھی عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہے۔ رزق بے حساب عطا فرما دے اس لئے رزق کی کشادگی کے لئے محنت کرنی چاہیے اور افراد کے آگے بھیک کے بجائے اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا چاہیے۔

لَا یَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَلَیۡسَ مِنَ اللّٰہِ فِیۡ شَیۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡہُمۡ تُقٰىۃً وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ وَ اِلَی اللّٰہِ الۡمَصِیۡرُ

[28:3]

مومنین، مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ جو کہ کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ سوائے اس کے کہ تم ان (کی شر) سے بچنا چاہو۔ اللہ تمہیں اپنی ناراضگی سے ڈراتا ہے اور اللہ کی ہر طرف لوٹ کر جانا ہے۔

خارجہ پالیسی کا اصول:۔

اس آیت مبارکہ میں سماجی تعلقات بالخصوص حکومتی سطح پر یا اس سطح پر جہاں مفادات کا ٹکراؤ ہو کا ذکر ہے۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے حقوق بالکل محفوظ ہیں۔ انہیں امان اسی طرح حاصل ہے جس طرح مسلمانوں کو، بلکہ دفاعی معاملات میں ان پر کوئی عملی دفاع کا بوجھ نہیں لیکن بطور ایک ریاست کے پالیسی مسلمانوں کو دوسری مسلمانوں ریاست کے ساتھ تعلقات اور تعاون میں غیر مسلم ریاستوں کے مقابل زیادہ اہمیت دینی ضروری ہے اگر مسلمان ریاست کے مقابل غیر مسلم ریاست کی مدد کی گئی بالخصوص جبکہ مسلمان ریاست کے بالمقابل غیر مسلم ہوں تو یہ اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ کیونکہ غیر مسلم وقتی طور پر تو تعاون کرے گا لیکن بعد میں مسلمانوں کو کمزور کر کے نقصان دے گا۔ سپین، ترکوں کے خلاف مغربی ملکوں کا گٹھ جوڑ، ہندوستان میں انگریزوں کا لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی سے ثابت ہے۔ یہ مسلم ممالک کی خارجہ پالیسی کا بنیادی اصول بھی ہونا چاہیے۔

انسانی جان کا تحفظ:۔

اگر کوئی مسلمان کسی غیر اسلامی ریاست میں رہتا ہے اور وہاں کی ریاست یا وہاں کی اکثریت مذہب کی بنیاد پر تفریق کرتی ہے۔ تو مسلمان کو اجازت ہے کہ اپنی بقا کی خاطر اپنے مذاہب کو چھپا سکتا ہے لیکن دل میں کفر سے نفرت کرے یہ شرط ہے کہ خیال رہے کہ اس کے اس عمل سے دوسرے مسلمان کو زک یا نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ یہ صرف اسی لئے ہے کہ جان کی حفاظت فرض ہے اگر مسلم مملکت کو نظر انداز کیا گیا یا قبیلہ یا مقامی اختلافات میں مسلمان گروہ کے خلاف غیر مسلموں کی مدد کی گئی تو یہ اخوت اسلامی کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے اس کی اجازت نہیں۔ ہم سب نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے یعنی مرنے کے بعد ہمارا حساب ہوگا۔ اس لئے مومن کو اللہ کی ناراضگی کسی صورت منظور نہیں، ڈر صرف اللہ کا ہی ہونا چاہیے۔ اگر ہم دیکھیں تو آج کل اتحاد امت ختم ہو چکا ہے اور مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف غیر مسلموں کی مدد کر کے اپنے آپ کو کمزور کر رہے ہیں کاش

ہم اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا احساس کرتے ہوئے اپنے ذاتی اور بین الاقوامی اختلافات میں اسلامی اتحاد کی اہمیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس پریشانی سے بچ جائیں جو ہمیں آپس میں مخالفت کی وجہ سے دیکھنی پڑتی ہے۔OIC تنظیم اسلامی ممالک کے ہوتے ہوئے بھی کوئی حقیقی اتحاد نہیں جبکہ دوسری طرف کفر اسلام کے مقابل ہر دفعہ ان کے اختلاف کے باوجود متحد ہو جاتا ہے۔

قُلۡ اِنۡ تُخۡفُوۡا مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ اَوۡ تُبۡدُوۡہُ یَعۡلَمۡہُ اللّٰہُ ؕ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ [3:29]

آپ فرما دیجئے کہ جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو اللہ اسے جانتا ہے اور اللہ اسے جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۛ وَّ مَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَ بَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا ؕ وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ [3:30]

جس دن ہر نفس (جان) اس کے ہر اچھائی والے عمل کو اپنے سامنے (حاضر) پائے گا۔اور جو اس پر عمل کیا اس کو بھی (حاضر پائے گا) تو وہ آرزو کرے گا کاش! اس کے اور اس کے برائی کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کی ناراضگی) سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر بڑا لطف و کرم کرنے والا ہے۔

انسانی اعمال کا مرکز و محرک:۔

پچھلی آیت میں مسلمانوں کے مقابل کفار یا غیر مسلموں سے تعلقات کے بارے حکم تھا کہ مسلمانوں کے خلاف ان سے تعلقات نہ بنائے جائیں اور اگر بنانے ہیں تو معاشرتی، معاشی سفارتی یا تجارتی تعلقات حالات کی ضرورت کے مطابق ہوں لیکن حقیقی دوستی یا محبت نہیں ہونی چاہیے محبت کا تعلق اندرونی جذبات سے ہے اس لئے اس کو چھپا کر دوسرے بہانوں سے تعلقات کو عمومی سطح سے اٹھا کر حقیقی دوستی کی طرح نبھانا اسلامی تعلقات کے اصول کے خلاف ہے۔عوام الناس تو شاید یہ اس کو نہ سمجھ سکیں لیکن اللہ تعالیٰ جو دلوں کا حال جاننے والا ہے، جانتا ہے اور اس طرح کا عمل اس کے غصہ اور ناراضگی کا سبب ہوگا جو مومن کے لئے قطعاً ممکن نہیں۔ یہاں 'صدر' سے مراد انسان کا وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں اس کی سوچ اور اعصابی نظام کا مرکز واقع ہے جو اس کے ارادوں اور اعمال کو کنٹرول کرتا ہے۔صدر کا لفظی ترجمہ 'سینہ' ہے۔ وہ اس لئے کہ انسانی جسم میں سینہ بھی اعلیٰ (اونچے) مقام پر ہے۔اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں و زمین میں ہے، اب سائنس نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ انسانی اعمال

کی کوئی بھی تصویر لے کر کہیں بھی انٹرنیٹ کے ذریعے پہنچائی جاتی ہے اور جب بھی چاہے اس کھول کر دکھا سکتا ہے یہ تو انسانی اعمال ہے قدرت کے ذرائع اور ٹیکنالوجی انسان سے بدر جا بہتر ہے رات کے بھی مناظر اور روشنی کے بھی مناظر اعمال محفوظ کئے جارہے ہیں۔ تاکہ یوم حساب کو عدل قائم کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس لئے ہمارے اعمال کا دار و مدار اللہ کا خوف ہونا چاہیے کیونکہ اس کی ذات پاک علیم وخبیر و بصیر ہے اس کا علم ذاتی ہے اور اپنا ہے تمام کائنات کو محیط ہے اور ہم اپنے اعمال کی بنیاد اس کی ذات کے احکام کو بنائیں۔ اگلی آیت میں اسی حکم کے ساتھ اس منظر کا ذکر فرمایا جب ہر ایک کو اس کے اعمال دکھائے جائیں گے۔ نیکی والے یقیناً خوش ہوں گے کیونکہ ان کو اس کا انعام ملے گا لیکن برائی والے آرزو کریں گے کہ ان سے لاتعلق ظاہر کریں۔ یعنی کوسوں میل دور ہوں جبکہ یہ اعمال ان کو پکڑ لیں گے آج جو بڑی جرأت کے ساتھ برائی کرتے ہیں بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں ان کا قیامت کے دن بہت برا انجام ہوگا۔ اور جو آج ان کے اعمال کا ریکارڈ کہیں جمع ہو رہا ہے وہی ان کو دکھایا جائے گا۔ بلکہ ساتھ اعضاء بھی گواہی دیں گے۔ اس لئے ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہیے ہمارے نیک اعمال کا محرک اللہ کی ذات کا خوف ہونا چاہیے نہ کہ حکومتی قانون اور دیکھنے والے افراد کا خوف، اللہ اپنے مخلوق سے پیار کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اس کی مہربانی والدین کی مہربانی سے بھی کئی گنا زیادہ ہے۔ اس لئے اس کے غصہ سے بچنا چاہیے اس کے احکام کی پیروی کر کے آخرت کو کامیاب بنانا ضروری ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [31:3]

آپ فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ نہایت بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ [32:3]

آپ فرما دیں کہ اللہ اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرو پھر وہ اگر منہ پھیر لیں تو بلاشبہ اللہ کفر (انکار) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ سے محبت کا معیار:۔

ان آیات کے نزول کے بارے ذکر ہے کہ کفار مکہ بتوں کو پوجنے کا سبب (وجہ) اللہ کی محبت بتاتے تھے اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت بھی اللہ کی محبت کی وجہ بتاتے تھے۔ یہودی یہ کہتے تھے کہ وہ ویسے ہی اللہ کے پیارے ہیں اسلئے یہ سارے اللہ کی محبت وتعلق کا دعویٰ کر کے اسلام کا انکار کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ میری محبت کا

معیار یہ نہیں جو کفار نصاریٰ و یہود کہہ رہے ہیں بلکہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو، وہ (اللہ) تم سے محبت کرے گا۔اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔

محبت ایک جذبہ ہے جو میلانِ طبع کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس کو پانے کی شدید خواہش پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کو پانے والے اسباب کی طرف بھی شدید رجحان ہو جاتا ہے یہ جذبہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک کائنات ہے۔ انسان کا رازق ہے اور مہربان ہے وہی انسان کی محبت کا مرکز ہونا چاہیے اور اگر بندہ کو اللہ سے محبت ہو جائے تو وہ ہر کام کرے گا جو اُس کو اس مقصد کے حصول تک پہنچائے۔ اس تک پہنچنے کا راستہ اللہ تعالیٰ نے اس ایت میں ہم پر واضح کر دیا ہے۔ کہ ہم اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کے راستے پر چلیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرے گا۔ حضور ﷺ کی ساری زندگی محبت خداوندی کا مظہر ہے۔ آپ کا ہر کام اللہ کے احکام کے تابع ہے۔ اسی اللہ کی محبت نے آپ کو اللہ کا محبوب بنا دیا۔ اور اسی لئے تمام لوگوں کو حکم ہے کہ اللہ کی محبت اگر حاصل کرنی ہے تو حضور ﷺ سے محبت کی جائے۔ آپ کے نقش قدم پر چلا جائے آپ کے طریقہ زندگی کو اپنی زندگی کا نمونہ بنایا جائے تو اللہ کے حقیقی محبت مل سکے گی وگرنہ صرف دعوی ہے، ایک خیال خام ہے اور سراب ہے۔

ہمیں زندگی میں ایسے آدمی کے دعویٰ محبت کو صحیح سمجھنا چاہیے جو حضور کے نقش قدم پر پھر اگر اس کی زندگی آپ کے نقش قدم کے مطابق نہیں تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہے اور وہ قابل احترام وتقلید نہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا کہ جو لوگ حضور ﷺ کی اتباع نہیں کرتے ان کے احکام کی اطاعت نہیں کرتے وہ اللہ کے احکام سے بھی منہ موڑتے ہیں اور انکار کرتے ہیں اللہ انکار کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا وہ اللہ کی محبت ومغفرت کے مستحق نہیں ہو سکتے حالانکہ اللہ کی ذات بڑی مہربانی اور بخشنے والی ہے۔۔ زندگی کی کامیابی، امت مسلمہ کی ترقی کا راز بھی حضور کی اتباع میں ہے اور یہ اتباع ہی امت کے اتحاد کا سب سے بڑا ماخذ ومنبع ہے اور اللہ کی بخشش ومحبت کا ذریعہ ہے۔ اے اللہ ہمیں نصیب فرما۔

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ [33:3]

بے شک اللہ نے چن لیا آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو سب جہانوں پر۔

ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ‌ وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ [34:3]

یہ ایک نسل ہے۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو افضل ترین مخلوق بنایا، عقل سے نوازا اور عمل کا اختیار دیا۔ جب عمل کا اختیار ہے تو عمل کے بارے اچھا اور برا ہونے کی معلومات بھی ضروری ہے تا کہ اچھی چیز پر عمل کیا جائے اور غلط یا خراب چیز سے دور رہا جائے۔ اس

ضرورت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا انتخاب فرمایا جس کا ذکر ہے۔حضرت آدم علیہ السلام ابوالانسان خود پیغمبر تھے۔اس کے بعد آپ کی اولاد صحیح راستہ سے بھٹک گئی اور کئی پیغمبر آئے جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب کہی جاتی ہے۔ جو تقریباً ہر علاقہ، ہر زبان، ہر نسل کے انسان جہاں بستے تھے وہاں اللہ کا پیغام پہنچایا۔ یہ پیغمبر جن کا ذکر ہے مشرق وسطیٰ کے علاقہ میں تشریف لائے جو انسانی تہذیب کا قدیم ترین مرکز ہے۔آل ابراہیم سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔اسی طرح آل عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد بھی ہو سکتے ہیں اور دوسرا عمران حضرت مریم کے والد جو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد سے تھے، بھی ہو سکتے ہیں۔ چونکہ یہ نسل حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہے اس لئے **ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ** (یعنی بعض کی اولاد بعض سے ہیں) لیکن ایک ہی نسل ہے۔

انبیاء کی فضیلت:۔

ان کی فضیلت اللہ تعالیٰ کے انتخاب کی وجہ سے ہے اور ہر ایک نبی نے اپنے اپنے وقت میں جو اللہ کے پیغام کے لئے محنت کی ہے اس کا حصہ ہے۔انسانوں میں انبیاء سب سے اعلیٰ اور ارفع درجہ رکھتے ہیں۔ان کا علم، اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم لدنی ہوتا ہے۔ان کی انسانی صلاحیتیں بہت بلند ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ اللہ کے احکام کی تبلیغ و تنفیذ کے مشکل ترین کام کی ذمہ داری اُٹھاتے ہیں اور نبھاتے ہیں۔انبیاء کے درجات اللہ کے عطا کردہ ہیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ سب کا احترام کریں اور ان کے درجات کے موازنہ و تجزیہ سے گریز کریں۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی اور علم کی دولت سے نوازا جو اس کی وجہ امتیاز ہے اور انبیاء کی دوسرے انسانوں پر فضیلت ان کا علم (لدنی) اور عمل ہے۔اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سننے والا اور سب سے بڑا جاننے والا ہے اور صحیح افراد کا انتخاب فرماتا ہے۔انہی پیغمبروں کی اولاد کا اگلی آیت میں ذکر ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ [3:35]

جب عمران کی بیوی نے عرض کیا! اے میرے رب جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کرتی ہوں اور سب کاموں سے اسے آزاد کر کے۔ سو میری طرف سے تو اسے قبول فرمالے۔ بے شک تو خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰى وَ اِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّىْٓ اُعِيْذُهَابِکَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ

الرَّجِيۡمِ [36:3]

پھر جب اس نے لڑکی جنی تو عرض کرنے لگی ۔اے میرے رب! بے شک میں نے تو لڑکی جنی ہے اور اللہ اسے خوب جانتا تھا جو کچھ اس نے جنا تھا۔(بولی) لڑکا ہرگز لڑکی جیسا نہیں۔ بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے۔اور بے شک میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔

ان آیات میں حضرت مریم کی پیدائش کا ذکر ہے۔ جناب عمران بیت المقدس کے امام مسجد تھے اور جناب حضرت ذکریا علیہ السلام کے ہم زلف تھے (یعنی دونوں کی بیویاں بہنیں تھیں) دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھی اور تمنا کرتے تھے۔ زوجہ عمران کی دلی تمنا تھی کہ ان کو اولاد ملے اور انہوں نے یہ منت مانی کہ اگر اولاد (لڑکا) ہو تو اس کو اللہ کے گھر (بیت المقدس) کی خدمت پر مامور کریں گی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ نعمت نصیب فرمائی اور وہ حاملہ ہوئیں۔اسی دوران عمران وفات پا گئے اور ان کی وفات کے بعد حضرت مریم پیدا ہوئیں۔تو ان کی والدہ کی امیدوں کو دھچکا لگا کیونکہ وہ بیٹے کی تمنا کرتی تھیں تا کہ وہ بحیثیت مرد اچھی طرح بیت المقدس کی خدمت کر سکے۔ اس وقت ان کی شریعت میں اس کا رواج تھا کہ وہ بچہ / اولاد صرف اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہو جاتا۔ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو والدہ نے ان کا نام مریم (عبادت گزار) رکھا۔

لڑکا اور لڑکی خدا کے حضور:۔

اس واقعہ سے ایک نقطہ سامنے آتا ہے کہ اللہ کے ہاں لڑکا یا لڑکی کا کوئی فرق نہیں دونوں اس کی مخلوق اور بندے ہیں۔ حضرت مریم کی والدہ کی تمنا لڑکے کی اس وجہ سے تھی کہ لڑکا اور لڑکی بحیثیت انسان برابر ہیں بحیثیت مسلمان برابر ہیں لیکن طبعی اور جسمانی صلاحیتیں مختلف ہیں۔مثلاً حمل، ایام ماہواری، جسمانی طاقت وساخت اور اس طرح ان کی عادات و خصائل و مزاج بھی مختلف ہوتے ہیں اور دونوں کی تربیت بھی ان کے جنسی لحاظ سے اچھی طرح کرنی چاہیے۔ اس لئے حضرت اُم مریم (مریم کی والدہ) نے کہا کہ "لڑکی ،لڑکے کی طرح نہیں" جو ایک فطری حقیقت ہے لیکن اللہ نے حضرت مریم کا انتخاب فرما کر عورت کی اہمیت اور عظمت واضح کر دی ہے۔اُم مریم نے اللہ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان سے شر سے محفوظ فرما۔ جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی جس کا آگے ذکر ہے۔

رہبانیت اور اسلام:۔

پرانی شریعتوں میں انسانی نذر کا رواج تھا اور حضرت مریم کو اسی کے تحت بیت المقدس کے راہبوں / اماموں / متولیوں کے سپرد کر دیا گیا اور آپ نے ساری عمر وہاں گزاری اور یہی واقعہ عیسائیت میں (ننز Nuns) کنواری عبادت گذار عورتوں کے رواج کی بنیاد ہے۔لیکن اسلام میں رہبانیت نہیں بلکہ اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ دنیا کے امور اور ان میں اسلامی طریقہ سے

پوری طرح حصہ لینا ضروری ہے۔حضور نے رہبانیت سے منع فرمایا اور نکاح کو سنت قرار دیا بلکہ فقہ حنفی میں (عند التوقان واجب) یعنی جنسی ضرورت کے لحاظ سے نکاح واجب بن جاتا ہے تاکہ آدمی گناہ سے بچا رہے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ [3:37]

پس اس کے رب نے اس (مریم) کو بڑی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کیا اور اچھی پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا اور زکریا علیہ السلام کو اس کا کفیل بنایا اور جب بھی زکریا علیہ السلام اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے (انہوں نے پوچھا) اے مریم! یہ چیزیں تیرے لئے کہاں سے آتی ہیں۔اس نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے۔بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ [3:38]

وہیں زکریا علیہ السلام نے دعا کی عرض کی اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔بے شک تو دعا کو سننے والا ہے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ [3:39]

پس جب وہ حجرے (محراب) میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی بے شک اللہ آپ کو یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری دیتا ہے۔جو اللہ کے حکم (كَلِمَةٍ اللّٰهِ) کی تصدیق کرے گا۔سردار ہوگا۔عورتوں کی رغبت سے محفوظ ہوگا اور صالحین میں سے / نبی ہوگا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِيْ عَاقِرٌ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ [3:40]

(زکریا نے) عرض کی اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا جب کہ مجھے بڑھاپے نے آلیا

ہے۔میری بیوی بانجھ ہے۔فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ کَثِیۡرًا وَّ سَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِبۡکَارِ [41:3]

عرض کیا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما۔فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے بات نہیں کرسکو گے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہو۔

ام مریم (حضرت حنہ زوجہ حضرت عمران) نے جس خلوص اور محبت کے ساتھ منت مانی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے خلوص کے پیش نظر اپنی قبولیت سے نوازا۔حضرت مریم کی اچھی طرح پرورش ہوئی اور ان کی والدہ روایات کے مطابق ان کو بیت المقدس لے آئیں اور وہاں امام اور کام کرنے والے مجاورین سے اپنی منت کے بارے دریافت کیا اور فرمایا کہ اسے اُن کے حوالے کرنے آئی ہیں۔ چونکہ حضرت مریم کے والد عمران بھی امام تھے اس لئے سب کی خواہش تھی کہ وہ اس کی کفالت و پرورش کریں۔ اس لئے آپس میں قرعہ اندازی کی اور اس طرح اس کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام جو حضرت مریم کے خالو تھے ان کو ملی انہوں نے انتہائی محبت اور ذمہ داری سے اعلیٰ درجہ اور اوصاف پر پرورش فرمائی جسے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا **"أَنۡبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا"**۔

تعلیم وتربیتِ اولاد:۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اولاد کی تربیت کس قدر اہم ہے اور اچھی تعلیم وتربیت کا خصوصی اہتمام کرنا ضروری ہے اور اچھی تعلیم وتربیت اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ جب آپ بالغ ہوئیں تو بیت المقدس میں جہاں دوسرے عبادت گذاروں اور خدام کے حجرے تھے ان میں سے ایک میں منتقل ہوگئیں۔آپ کی نگرانی وحفاظت حضرت زکریا علیہ السلام کے ذمہ تھی۔محراب سے مراد وہ اونچی جگہ ہے جو عبادت کے لئے مخصوص ہوتی ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے کوئی سیڑھی یا Step درکار ہوتا ہے۔حجرے چبوترے کی سطح پر بنے ہوئے تھے۔ چونکہ آپ اللہ کی پیاری تھیں اللہ کی عبادت میں ہر وقت مصروف رہتی۔حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی آپ کے پاس آتے تو مختلف قسم کے میوے بطور غذا پاتے جو آپ نہیں لاتے تھے اس لئے آپ سے سوال فرمایا کہ یہ کیسے اور کہاں سے آئے ہیں جس کا جواب آپ نے دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ یہ آپ کی ذات کی کرامت تھی۔اسی آیت سے اولیائے اللہ (اللہ کے دوست) کی کرامات کی دلیل ہے۔ یہ اللہ کی ذات کا کرم اور اپنے پیاروں پر مہربانی کا اظہار ہے۔

دعا کا مقام اور وقت:۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے آپ (مریم) کی عبادت، خلوص اور اللہ کے ہاں قبولیت دیکھی جس کی صورت مختلف موسموں کے پھلوں کا آپ کے پاس موجود ہونا تھا۔ ان کے دل میں بھی تڑپ اُٹھی کہ کاش میری اولاد ہوتی۔ اس طرح نیک اور اللہ کی عبادت گذار ہوتی اور اللہ کے احکام کی تبلیغ و بیت المقدس (اللہ کے گھر) کی خدمت کرتی۔ اگرچہ آپ بوڑھے ہو چکے تھے لیکن یہ خواہش بھی اللہ کی رضا اور اس کے احکام کی تبلیغ وتنفیذ وحفاظت کے لئے تھی۔ حضرت مریم کے مکان اور وجود کی برکت و کرامت کو دیکھتے ہوئے حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اللہ سے اولاد کی التجا کی کہ اے اللہ مجھے نیک اولاد عطا فرما بے شک تو دعاؤں کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے حضور ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ طلب و گذارش کرنی چاہیے اور جب مناسب موقع (وقت اور مقام / محل) ہو تو اپنی التجا خلوص و عاجزی کے ساتھ پیش کرنی چاہیے جسے اللہ اپنے فضل وکرم سے قبول فرماتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ فرشتہ نے آواز دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فرزند یحییٰ کی خوشخبری دیتے ہیں جو کہ **كَلِمَةٍ اللّٰهِ** (اللہ کے حکم) کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت یحییٰ علیہ السلام سے چھ ماہ چھوٹے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ان کی تصدیق فرمائی۔

حضرت یحییٰ کا مقام:۔

پھر فرمایا کہ حضرت یحییٰ اپنے نفس پر شدید کنٹرول کرنے والے ہوں گے۔ یعنی عورت اور خواہش نفسانی (**حصورا**) پر مکمل کنٹرول ہوگا۔ اور آپ بہت نیک، صالحین میں سے ہوں گے اور اللہ کے نبی اور ایک لیڈر (رہنما) ہوں گے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تبلیغ کی وجہ سے شادی نہیں کی۔ آپ کا نام اردو (انجیل) میں یوحنا اور انگریزی میں John (Baptist) ذکر ہے۔ آپ کے بارے انجیل کی کتب متی باب 14,11,3 اور مرقس باب 1 تا 6 اور لوقا باب 1 تا 3 میں ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب یہ خوشخبری فرشتے کی زبانی سنی تو اطمنان قلب کے لئے گذارش کی (اللہ کی قدرت پر آپ کا یقین تھا) کہ اے میرے آقا میں بوڑھا ہو چکا ہوں میری بیوی بانجھ ہے۔ ظاہری تیرے پیدا کردہ اسباب کے مطابق تو یہ ناممکن ہے تیری مجھ پر یہ خصوصی کرم نوازی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میری قدرت میں سب ممکن ہے۔ آپ نے پھر مزید اطمنان قلب کے لئے گذارش کی کہ مجھے اس کی ظاہری علامت سے تصدیق فرما تا کہ شکر کے لئے ہمہ تن مصروف ہو جاؤں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن تک آپ بات نہیں کر سکیں گے بلکہ اشاروں کنایوں سے پیغام دیں گے اور یہی ہوا۔ آپ تین دن تک کلام کرنے سے قاصر رہے

اور پھر کلام کرنا ممکن ہوا (جہاں کلام ممکن نہ ہو وہاں اشارے کنایے بھی کلام کا مرتبہ رکھتے ہیں) ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ رات دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو اس کی رحمت شامل حال رہے اور یہ دعا کی قبولیت کے لئے بہت اہم ہے۔

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ [42:3]

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور تمہیں پاکیزگی عطا کی اور تمہیں آج سارے جہان کی عورتوں پر برگزیدہ کر دیا۔

یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِیْ وَ ارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ [43:3]

اے مریم! تم اپنے رب کی بڑی عاجزی سے بندگی بجا لاتی رہو، سجدہ کرو اور اس کے سامنے جھکنے والوں کے ساتھ تو بھی جھک جا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ [44:3]

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں حالانکہ آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ (خدام) اپنے قلم (قرعہ اندازی میں) پھین ک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

حضرت مریم کا مقام:۔

حضرت مریم کے تقدس اور مرتبے کا بیان ہے کہ فرشتوں نے آپ سے کلام کیا کیونکہ اللہ کی یاد میں رہتی تھیں اور انہوں نے کہا کہ اے مریم اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمانہ کی عورتوں مین چن لیا ہے۔ آپ کو پاک صاف رکھا ہے۔ آپ ہمیشہ گناہوں سے بچتی رہیں گی۔ اللہ نے آپ کو چن لیا ہے اس لئے آپ تمام عورتوں سے بلند مرتبہ ہیں۔ اور اس عالی شان مرتبہ کا تقاضا ہے کہ آپ اللہ کی شکر گذار ہوں۔ اس کے آگے جھک جائیں اس کے آگے سجدے میں پڑ جائیں اور رکوع کرنے والے (نماز پڑھنے والوں) کے ساتھ رکوع کریں۔ آپ کا مرتبہ بہت عالی شان ہے ۔ اسلام نے آپ کی حقیقت انسانیت پر واضح کی ہے۔ اس کے برعکس یہودیت نے آپ پر بہتان لگایا اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش کو بدکاری کا نتیجہ قرار دیا۔ دوسری طرف عیسائیت نے آپ کو نبی کا درجہ دیا۔ پھر اتحاد ثلاثہ (ماں، بیٹا، روح القدس) (The Holy Trinity) میں ماں اور بیٹے کو خدائی حصہ دار بنایا۔ پھر کتب میں حضرت مریم کو یوسف نجار کی بیوی بنایا اور ان کے ہاں سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ ان دو نقطہ سے مختلف اسلام میں ہے کہ

آپ کی ولادت آپ کی والدہ کی نذر کے نتیجہ میں ہوئی ۔آپ کی زندگی اللہ کی رضا اور پھر حضرت عیسیٰ کی ولادت کو ایک معجزہ کے طور پر آپ کے بطن سے بطور نبی پیدا فرمایا اور ساری عمر آپ کا تقدس برقرار رہا۔آپ اللہ کی پیاری، تابعدار انسان اور عورتوں کی سردار ہیں۔

موجودہ انجیل کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ایک صدی بعد ان کے حواریوں نے ترتیب دیں پھر ان میں مختلف حکومتوں کی وجہ سے بہت تغیر تبدل ہوا جس کی وجہ سے حقائق مسخ ہو گئے۔اور عیسائیت نے توحید کی بجائے عقیدہ تثلیث کو پاپائے روم نے فیصلہ کر کے اختیار کر لیا۔اب بھی ان کے کچھ فرقے عقیدہ تثلیث سے اختلاف رکھتے ہیں۔

فیصلہ کا انداز:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی شان میں یہ بھی فرمایا کہ وہ ایسی بچی تھی جس کے لئے سب کی خواہش تھی کہ وہ ان کی پرورش کرے اس لئے اس وقت فیصلہ کرنے کے لئے قرعہ اندازی کرنی پڑی ۔روایات میں ہے کہ جو متولی یا خدام بیت المقدس میں مامور تھے وہ اپنی اقلام کے ساتھ تورات یا اللہ کی صفات تحریر کر رہے تھے۔ان کو انہوں نے پانی میں پھینکا اور جس کا قلم نہ بہے بلکہ کھڑا رہے اس کے نام کا قرعہ نکلے گا۔اس واقعہ سے ایک طریقہ معلوم ہوا جہاں مقابلہ برابر ہو فیصلہ کرنا مشکل ہو وہاں قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔جس میں کسی کی ذاتی ترجیح شامل نہیں ہوتی۔اس لئے یہ فیصلہ سب کے لئے قابل قبول ہوتا ہے۔بہتر ہے کہ قرعہ نکالنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یاد کر کہ خلوص نیت کے ساتھ دعا کر کے قرعہ نکالا جائے۔

یہ واقعات جو حضور ﷺ کے کئی سو سال پہلے پیش آئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے علم غیب کی خبر اپنے نبی کو دی تا کہ وہ دوسروں یعنی یہود، نصاریٰ اور مشرکین مکہ کے لئے ایک ثبوت اور آپ ﷺ کے برحق نبی ہونے کی دلیل ہو۔

اگلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش و بچپن و نبوت کا ذکر ہے۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ ۖ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡہًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ [45:3]

جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے شک اللہ تمہیں اپنے پاس سے ایک کلمہ (فرمان) کی خوشخبری دیتا ہے۔
اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔وہ دنیا اور آخرت میں عزت والا اور اللہ کے مقرب بندوں میں ہوگا۔

وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ[46:3]

اور لوگوں سے گہوارے اور پختہ عمر میں گفتگو کرے گا اور اللہ کے صالح بندوں میں سے ہوگا۔

قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ وَّ لَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخۡلُقُ مَا

يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَايَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ [47:3]

(مریم نے) عرض کی اے میرے رب! میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا حالانکہ مجھے کسی شخص نے چھوا تک نہیں ۔فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اس سے صرف اتنا کہتا ہے "ہو جا" تو وہ "ہو جاتا ہے"۔

وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ [48:3]

اور اللہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔

حضرت مریم کی عبادت، ان کی والدہ کی دعا اور ان کا خلوص وسجدہ ریزی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کو والدہ عیسیٰ اور سردار نساءُ العالمین کے مرتبہ سے نوازا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام:۔

جب فرشتوں نے آپ کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلمۃ اللہ (اللہ کے فرمان) جن کا نام عیسیٰ ابن مریم ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں عزت اور اللہ کا مقرب بندہ ہوگا۔اس کو اللہ تعالیٰ یہ معجزہ عطا فرمائے گا کہ وہ پنگھوڑے میں بات کرے گا جب کہ بچے اس عمر میں صرف روتے ہیں اور پھر پختہ عمر میں بھی گفتگو کرے گا اور اللہ کے صالح نیک بندوں میں سے ہوگا۔ان اوصاف کو سننے کے بعد حضرت مریم نے حیرانگی سے گذارش کی کہ زمینی حقائق کے مطابق ان کا کسی مرد سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہیں رہا جو عمومی طور پر ولادت وحمل کا سبب ہوتا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہوگا۔جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں اور ہونے کا حکم دیتے ہیں تو وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔اسباب وجوہات کی ضرورت نہیں رہتی۔چونکہ آپ نبی ہوں گے اس لئے آپ کو اللہ حکمت، علم لدنی، اور آسمانی کتابوں کا علم عطا فرمائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دونوں نام عیسیٰ اور لقب مسیح مذکور ہیں۔مسیح لفظ مسح سے نکلا ہے یعنی ہاتھ پھیرنا۔جس پر آپ ہاتھ پھیرتے وہ صحت یاب ہو جاتا۔دوسرا مطلب ہے کہ مساحت گھومنا پھرنا یعنی آپ نے تبلیغ دین میں کہیں مستقل قیام نہیں فرمایا بلکہ مسلسل سفر پر رواں دواں رہے۔عیسیٰ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے سید، سردار اور آپ کی نسبت آپ کی والدہ محترمہ کی طرف کر دی۔جو جہان کی عورتوں کی سردار تھیں۔چونکہ آپ کی ولادت بغیر انسانی باپ کے تھی اس لئے آپ کی خصوصیات ومعجزات کا ذکر بھی بیان فرمایا۔جو آپ کی عظمت و بزرگی کی دلیل ہے کہ آپ اپنی والدہ کی پاکدامنی کے بارے میں پنگھوڑے میں بات کریں گے جو ان کی (والدہ) پاکدامنی کی ضامن بنے گی اور آپ کی ذات عالی صفات کا لوگوں کے لئے ایک معجزہ ہوگا اور لوگ مستقبل میں آپ کی نبی مان جائیں گے۔جب آپ پختہ عمر کے ہوں گے تو بھی باتیں کریں گے۔اس کے

بارے علماء نے لکھا ہے کہ یہ اشارہ ہے آپ کے آسمان پر اُٹھ جانے اور پھر دوبارہ زمین پر نزول ہونے کا۔ اور اس وقت بھی آپ کی عمر پختہ ہوگی اور آپ باتیں کریں گے۔ اور یہی آیت کی ترتیب ہے ورنہ پختہ عمر میں باتیں کرنا ایک عادی کام ہے۔

اس کے علاوہ آپ کے جن خصوصی امتیازات کا ذکر ہے ان میں اللہ تعالی کی طرف سے کتب سماوی اور حکمت خداوندی کا علم، تورات اور انجیل کا علم بھی ہے۔ اگلی آیات میں مزید آپ کے معجزات کا ذکر ہے۔

وَ رَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ وَ اُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ وَ اُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَ مَا تَدَّخِرُوۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ [3:49]

اور بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا (وہ کہے گا) کہ بے شک میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لئے گارے سے پرندے کی صورت (پُتلا) بناتا ہوں پھر میں اس کو پھونک مارتا ہوں پس وہ اللہ کے حکم سے اُڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے اور میں مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو شفا یاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کر دیتا ہوں۔ اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں اس کی خبر دیتا ہوں۔ بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَ لِاُحِلَّ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ وَ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ [3:50]

اور میں اپنے سے پہلے اُتری ہوئی (کتاب) تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں حلال کروں گا تمہارے لئے بعض ایسی چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے نشانی لایا ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ [3:51]

بے شک اللہ میرا ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔ پس اُس کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور تعلیم:۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہے کہ آپ مٹی کے گارے سے پرندے کی شکل (پُتلا) بناتے اور اسے منہ

سے پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے اُڑ پڑتا تھا۔اسی طرح وہ لوگ جو مادرزاد (یعنی پیدائشی) اندھے تھے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تو ان کی بینائی واپس آجاتی۔اسی طرح برص (جو اس وقت لا علاج مرض تھی) آپ ہاتھ پھیرتے تو مریض کی مرض ختم ہو جاتی۔اسی طرح جو لوگ کھا کر آتے اس کے بارے بتاتے یا گھر جانے والوں کو بتاتے کہ گھروں میں یہ پکا ہے۔تم یہ کھاؤ گے یا بتاتے کہ تم نے گھروں میں کیا کیا چھپا کر رکھا ہے۔یہ ساری محیر العقول معجزات اس بات کی نشانی تھے کہ آپ اللہ کے برحق نبی ہیں اور آپ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تمہارے لئے مبعوث ہوا ہوں اور شریعت میں تمہارے لئے آسانی (حرام چیزوں سے چند کو حلال کرنا) پیدا کروں گا۔یہ ساری اللہ کی نشانیاں ہیں۔تم میرے اور اپنے رب کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرو اور اُس کی اطاعت اور اُس راستے کو پکڑو جو سیدھا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صراط مستقیم وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کی تحریفات کو ظاہر کیا اور انہیں توحید کی تعلیم دی۔اتنے معجزات کے باوجود یہود ہٹ دھرم نکلے اور حضرت عیسیٰ کے خلاف ہو گئے۔اس کا وبال اگلی آیات میں ہے۔ادھر عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو پس پشت ڈال کر ان کی توحید کو ختم کر کے خدا، باپ اور روح القدس (اتحاد ثلاثہ) کا پرچار شروع کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے (Statue) اپنے گرجوں میں رکھ دیئے اور آپ علیہ السلام کو خدا کا حصہ بنا دیا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات بالکل مسخ کر دیں۔آپ کی اصل تعلیم آج بھی قرآن میں موجود ہے جو توحید پر مبنی ہے۔عیسائیوں کے پادریوں کی مختلف توجیہات اور پاپائے ازم نے مذہب کو اتنا پیچیدہ کر دیا کہ عام آدمی اس کے خلاف ہو گیا اور اس طرح لوگ لادینیت (Secularism) کی طرف راغب ہونا شروع ہو گئے جس طرح کہ آج کل یورپ میں عمومی رواج ہے۔معجزہ کا مطلب ہے کہ عاجز کر دینے والا اور یہ اس لئے ہے کہ وہ کام انسانی طاقت یا اس کے علم یا عمومی حالات کے تحت وقوع پذیر نہیں ہو سکتا لیکن اس کے سامنے موجود ہوتا ہے۔جہاں معجزہ ایک طرف انسانی بے بسی کا مظاہرہ کرتا ہے تو دوسری طرف انسانی تخیل کو ایک نئی پرواز دیتا ہے اور جدید سائنسی تحقیقات اسی پرواز تخیل کا نتیجہ ہے جو فکشن سے پھر ایک حقیقت بن جاتی ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ [52:3]

پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کا کفر محسوس کیا تو اس نے کہا اللہ کی طرف کون لوگ میرے مددگار ہیں۔تو اس کے حواریوں (مخلص ساتھیوں) نے کہا ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ [53:3]

اے ہمارے ربّ! ہم اس کتاب پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمائی اور ہم نے اس رسول کی اتباع کی۔
پس ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔

وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ [3:54]

پھر انہوں (عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں) نے خفیہ سازش کی اور اللہ نے (ان کو محفوظ رکھنے کے لئے) خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر مخفی تدبیر کرنے والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف یہود کا مکر:۔

یہود نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے دیکھے جو کہ حیران کن تھے۔ ان کی بدبختی یہ تھی کہ انہوں نے ان کو ماننے کی بجائے ان کی مخالفت شروع کر دی اور وہاں کی رومی حکومت کو ان کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ آپ کی مخالفت شروع کر دی اور آپ کو جھٹلانا اور جادوگر ثابت کرنا شروع کر دیا حکومت وقت کے لئے خطرہ بنا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کی مخالفت سے آگاہ تھے اور تبلیغ اسلام (حق) میں لگے رہے۔ اس وقت آپ نے اپنے شاگردوں یا ساتھیوں سے کہا کہ ان کے ساتھ تبلیغ حق میں کون ساتھ دے گا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ کو آنے والے واقعات سے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا تھا اور اس طرح آپ یہ ذمہ داری ان ساتھیوں کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ حواری کا مادہ حور سے ہے جس کے معنی سفید اور صاف کرنا ہیں۔ یعنی جب کوئی چیز دھوئی یا صاف کی جاتی ہے تو میل کچیل اُتر کر سفید ہو جاتی ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات گناہوں کے داغوں سے صاف تھے اور سفید تھے۔ ان کی تعداد 10 بتائی جاتی ہے جن کے نام درج ذیل ہیں۔ (۱) پطرس (۲) اندریاس (۳) یعقوب Jacob (۴) یوحنا John (۵) فلپس (۶) توما (۷) متی (۸) یعقوب ابن حلفا (۹) شمعون (۱۰) یہودائے اسکریوتی۔ آپ ان ساتھیوں کو جنہوں نے آپ کے ساتھ آپ کی دین کی اشاعت و تبلیغ کے لئے عہد کیا تھا لے کر شہر سے باہر پہاڑی علاقہ میں کسی گھر یا غار میں چھپ گئے۔ لیکن کسی ساتھی جس کے بارے کہا جاتا ہے کہ یہودائے اسکریوتی تھا، نے رومن سپاہیوں کو مخبری کر دی اور وہ آپ کو پکڑنے کے لئے پہنچ گئے۔ یہودیوں نے آپ کے خلاف سازش کی اور یہ مشہور کیا کہ یہ حکومت کے خلاف ہیں اور اس طرح رومن حکومت کا مقصد تھا کہ آپ کو پکڑ کر ختم کر دیا جائے تاکہ سلطنت کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو۔ انہوں نے سپاہی بھیجے وہ رات کو آپ کو پکڑنے کے بجائے یہودائے اسکریوتی کو پکڑ کر لے گئے۔ جس کی شکل آپ سے ملتی جلتی تھی اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف جاسوسی کی تھی۔ اس طرح دوسرے دن اس جاسوسی کرنے والے کو ہی پھانسی دے دی گئی اور مکر کرنے والے خود مکر کا شکار ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام محفوظ رہے۔ اس کی تفصیل اگلی آیت میں درج ہے۔ (اردو کے مکر اور عربی کے مکر میں فرق ہے۔ عربی میں مراد تدبیر ہے خواہ اچھی ہو یا بری۔ لیکن اردو میں مکر و فریب صرف

برے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔)

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ [55:3]

جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ بے شک میں تجھے اپنی تحویل میں لے لوں گا اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور تمہیں پاک کرنے والا ہوں کافروں سے اور تمہارے پیروکاروں کو کافروں پر قیامت تک برتری دینے والا ہوں۔ پھر تم کو میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ میں تمہارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم جھگڑتے ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے ذکر ہے جہاں یہود نے آپ کو قتل کرنے کے لئے سارے جتن کئے وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ کو زمین سے اُٹھا لیا۔ وفا عربی میں کسی چیز کو پورا کرنے کو کہتے ہیں یعنی پوری پوری وصول کرنا۔ چونکہ موت کے وقت زندگی کا وقت پورا ہو جاتا ہے اس لئے اس کو موت کے معنی میں مجازاً استعمال کیا جاتا ہے۔ اب آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اسکی تصدیق دوسری آیات اور متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین سے اُٹھا کر پورا کرنے کا ذکر فرمایا۔ اس سے مراد آپ کا زندگی کو پورا کرنا ہے۔ (۱) ایک تو اس سے مراد سولی کے ذریعہ موت نہیں۔ (۲) دوسرا مراد ہے کہ پورا کرنے سے کہ آپ دوبارہ طبعی موت کے ذریعہ اپنی زندگی کو پورا کریں گے۔ اسلئے فرمایا میں تمہیں اوپر اُٹھانے یا بلند کرنے والا ہوں۔ قُرب قیامت کے قریب آپ کا دوبارہ نزول متعدد احادیث سے ثابت ہے اور دجال کو آپ ہی ختم کریں گے، مسیحیت کی اصلاح کریں گے اور نبوت کے ساتھ حضور ﷺ کے کلمہ گو ہوں گے اور حضرت امام مہدی کے ساتھ مل کر جہاد کر کے دجال کو ختم کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو پاک کرنے کا بھی فرمایا کیونکہ یہود نے آپ کے معجزات کے باوجود آپ کی ولادت پر آپ کی والدہ پر طعن اور بہتان طرازی کی اور آپ کو بے والد اولاد قرار دیا جو نہایت ظلم تھا۔ اور دوسری طرف عیسائیوں نے آپ کی غیر فطری ولادت اور پھر اوپر اُٹھائے جانے پر آپ کو اللہ کی ذات کا حصہ بنا دیا ان دونوں غلطیوں کی اصلاح آ کر قرآن مجید نے بزبان نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ نے کی کہ آپ کو اللہ کا بندہ بغیر باپ کے صحیح اولاد عیسیٰ ابن مریم فرمایا اور پھر آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور مصلوب (سولی کے ذریعے موت) کی بجائے آسمان پر اُٹھایا جانے والا قرار دیا۔ اس طرح آپ کو انکار کرنے والوں کے بہتانوں سے پاک وصاف کر دیا۔

حیاتِ عیسیٰ اور ان کے ماننے والے:۔

اسلامی عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو جسم و جان کے ساتھ زمین سے اُٹھا کر آسمان پر مقیم فرما دیا اور آپ دوبارہ قرب قیامت کے قریب تشریف لائیں گے اور اسلام کا بول بالا کریں گے۔ جنت کی زندگی اور جنت کا طریقہ زندگی ہماری دنیا سے مختلف ہے اسلئے ہمیں اس کے بارے معلومات کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماننے والوں کو غلبہ کی بھی نوید دی۔ آپ کے ماننے والے عیسائی اور مسلمان ہیں اور تاریخ نے ثابت کیا کہ مسلمان اور عیسائیوں نے یہود اور کفار پر غلبہ پایا۔ تاریخ میں یہود ہمیشہ مسلمانوں کے زیر حکومت بڑے آرام سے مشرق وسطیٰ، سپین اور مشرقی یورپ میں رہے۔ پھر جرمنی میں ان پر قتل و غارت ہوئی تو وہ دوسرے مسیحی ممالک میں منتقل ہو گئے۔ آج کل بھی اسرائیلی ریاست درحقیقت عیسائی حکومتوں بالخصوص امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی وغیرہ کے زیر سرپرستی زندگی گزار رہی ہے اور ایک حدیث کے مطابق یہود کو قرب قیامت کے قریب عہد دجال میں غلبہ نصیب ہوگا۔ جس کو حضرت امام مہدی ختم کریں گے اور اللہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آخری وعدہ قیامت کے روز ان اختلافات مذاہب میں فیصلہ فرمانا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل جس کا اسلام نے بارہا اظہار کیا ہے جو انشاء اللہ پورا ہوگا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ [56:3]

پھر جو لوگ انکار کرنے والے (کافر) ہوئے انہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ [57:3]

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو اللہ انہیں ان کا بھرپور اجر دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ [58:3]

یہ جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں (یہ) نشانیاں ہیں اور حکمت والا تذکرہ ہے۔

ان واضح دلائل اور ہدایات کے بعد جو لوگ اللہ کے احکام سے انکار کرتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرت میں عذاب ہے اور جب وہ عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں تو ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اس کے مقابل جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے ساتھ نیک اعمال کی شرط بھی لگا دی کیونکہ صرف ایمان لانے سے سارے کام نہیں ہوتے اس کی اپنی برکت و رحمت ہے لیکن

معاشرے میں جب تک نیک اعمال ساتھ نہیں کئے جائیں گے اس وقت تک رحمت خداوندی معاشرے کو نصیب نہیں ہوگی۔اور جب ایمان کے ساتھ نیک اعمال ہونگے تو پھر اللہ تعالیٰ ان اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔یعنی اس دنیا میں بھی کامیابی ہوگی (وانتم اعلون ان کنتم مومنین) تم سربلند ہوگے اگر مومن ہوگے (یعنی عمل بھی ساتھ ہوگا) اور آخرت میں بھی کامیابی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انکار کرنے والوں، ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ باتیں جو اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر بذریعہ وحی نازل فرمارہا ہے یہ اس کی نشانیاں ہیں یعنی غیب کی خبریں ہیں اور حکمت و نصیحت کا ذکر ہے۔ جو سب کے لئے باعث برکت وفائدہ مند ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ [59:3]

بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی سی ہے جسے اس نے مٹی سے بنایا پھر (اسے) فرمایا ہو جا۔ پس وہ ہو گیا۔

اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ [60:3]

یہ تمہارے ربّ کی طرف سے حق ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

حضرت آدم وحضرت عیسیٰ علیہم السلام:۔

آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کے بارے فرمایا گیا ہے یہودیوں نے انہیں بن باپ کہہ کر گنہگار کہا اور عیسائیوں نے بن باپ کی وجہ سے خدا کا بیٹا اور اسکا حصہ بنا دیا۔اس لئے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش اگرچہ بغیر باپ کے ہے لیکن اتنا عجوبہ نہیں کیونکہ حضرت آدم کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا فرمایا اس لئے اگر وہ نبی ہیں اور خدا کے بیٹے نہیں اور نہ ہی خدا کا حصہ ہیں۔اسے تو یہود بھی مانتے ہیں۔تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ تو ان سے کم عجیب نہیں کیونکہ ان کی ماں تھی جہاں بچہ دانی تھی اور بچہ کا پیدا ہونا کم عجوبہ ہے۔لہٰذا عیسائیوں کے لئے کہ یہ الوہیت کی دلیل نہیں نہ بیٹا ہونے کی دلیل ہے۔عمومی اسباب تولید ہیں، نر اور مادہ کے تولیدی جرثومے (Sperms) بچہ دانی (Overy) میں ملتے ہیں اور ان میں پھر وہاں کروموسوم اور ان کی کئی گنا افزائش سے عمل تولید شروع ہو جاتا ہے۔ یہ سارے عمل اللہ تعالیٰ کے حکم "کُن" اور "فیکون" کی صورت میں عمل مکمل ہوتا ہے۔لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا عمل صرف کن اور پھر فیکون کی صورت میں حمل (بچہ دانی) میں ظہور پذیر ہوا اور یہ بھی ایک معجزہ ہے، آپ نے خارق عادت اپنی والدہ کی پاکدامنی کی گواہی بھی دی وہ بھی ایک معجزہ تھا۔اس لئے تاکید فرمائی کہ ہم امت مسلمہ اس میں کوئی شک نہ کریں اور یہود ونصاریٰ دونوں کے خیالات کی تردید کریں یہ ساری معلومات حق پر مبنی اور سچی ہیں اور اللہ کی طرف سے ہیں۔

فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ [61:3]

پس آپ کے پاس علم آ جانے کے بعد جو شخص اس میں (حضرت عیسیٰ کے معاملہ) جھگڑا کرے تو آپ فرما دیں کہ آ جاؤ ہم (مل کر) اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو (ایک جگہ) بلاتے ہیں پھر ہم مباہلہ (گڑگڑا کر دعا) کرتے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ [62:3]

بے شک یہی سچا بیان ہے اور کوئی بھی اللہ کے سوا لائق عبادت نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ [63:3]

پھر اگر وہ لوگ روگردانی کریں تو یقیناً اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

آیت مبارکہ کے نزول کا وقت اور واقعہ بڑا اہم ہے۔قرآن مجید کی آیات تمام رہتی دنیا تک ہیں لیکن بعض آیات بعض خصوصی واقعات کے حل کے طور پر نازل ہو کر زندگی کے لئے ایک عملی رہنما بن گئی اور پھر یہ رہنمائی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

واقعہ مباہلہ:۔

نجران کے علاقہ کے عیسائیوں کو حضور ﷺ نے دعوت تبلیغ و اسلام دی اور خط تحریر فرمایا۔نجران کے عیسائیوں نے ایک وفد کی صورت جو تین افراد شرجبیل، جبار بن فیض، عبداللہ بن شرجبیل پر مشتمل تھا، مدینہ بھیجا اور حضور ﷺ کے پاس مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔آپ نے انہیں دعوت اسلام دی اور ان کو حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام جن کی وہ پیروی کرتے تھے کے بارے بات چیت کی۔ بحث و مباحثہ نے مناظرہ کی صورت اختیار کر لی۔آیت نمبر 59 اور 60 میں ان کے عقیدہ الوہیت و ابن اللہ کی واضح دلائل کے ساتھ تردید کر دی گئی جب ان دلائل کے باوجود وہ ضد پر اڑے رہے تو آیت نمبر 61 کے ذریعے آپ کو مباہلہ کا حکم ہوا۔مباہلہ ایک اعلان حق کا طریقہ ہے کہ دو فریق جو اپنی رائے پر اڑ جاتے ہیں تو حق کی تصدیق و توثیق اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دی جاتی ہے۔ دونوں فریق اللہ کے حضور دعا مانگتے ہیں کہ اللہ جھوٹے (جو دعویٰ میں ہے) اس پر لعنت کرے یعنی لعنت کا مطلب ہے اللہ کے قہر کا مستحق ہونا ہے۔جھوٹا اس کا خمیازہ بھگتے گا۔اس طرح حق کی صداقت سب پر واضح ہو جائے گی۔اس دعا

کو مباہلہ کہتے ہیں ۔اصل میں تو صرف دعا کرنے والوں کا حاضر ہونا ضروری ہے لیکن مزید تصدیق اور اہتمام کے لئے دوسروں (اعزہ واقارب) کو بھی ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ 10ھ ہجری کا ہے جب آپ ﷺ نے مباہلہ کے لئے کہا تو دوسرے دن ان کے بڑے راہب نے جب حضور کو دیکھا کہ آپ تیار ہیں آپ اپنے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ لے کر دعا کرنے کے لئے چل پڑے اور انہیں مباہلہ کے لئے تیار دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ آپ واقعی نبی صادق ہیں اور ساتھیوں سے کہا کہ نبی کی دعا سے ہم سب ہلاک ہو جائیں گے ۔لہٰذا کسی بہانہ سے صلح کی اور کہا آپ اپنے مذہب پر رہیں اور ہم اپنے مذہب پر رہیں گے اور بطور ذمی جذیہ دیں گے۔

مباہلے کے بارے کچھ شبہات:۔

بعض حضرات اس واقعہ کے وقت صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جانے کے بارے غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ دوسری صاحبزادیاں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ،حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیوں تشریف نہیں لے گئیں تو یہ لاعلمی کا نتیجہ ہے کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی مکہ میں غیر ہاشمی سے ہوئی جو غزوہ بدر میں اسیر ہوئے پھر فتح مکہ پر ایمان لائے۔آپ کی ایک صاحبزادی یمامہ تھیں جو حضور کے کندھے پر دوران نماز بیٹھی رہتیں۔حضرت یمامہ کی پرورش مکہ میں ہوئی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد شادی حضرت یمامہ سے کریں تاکہ وہ میری بھانجی میری اولاد کا صحیح خیال کرے گی جس کو حضرت علی نے پورا کیا۔ 10ھ ہجری میں آپ کی صرف ایک صاحبزادی زندہ تھی باقی سب وفات پا چکی تھیں اور وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور صرف ان کے ہاں سے اولاد مدینہ میں تھی (بحوالہ معارف القرآن/ضیاء القرآن)۔دوسری وضاحت اَنۡفُسَنَا سے مراد صرف حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک ہے۔جس طرح قرآن مجید میں کئی مقامات پر اَنۡفُسَنَا (جمع کا صیغہ) صرف نبی کی ذات اور ان کی پیروکاروں کے لئے ہیں استعمال ہوا ہے۔

جس طرح ان آیات مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 84(وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ) اور آیت نمبر 85(تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ) سورۃ النور کی آیت نمبر 12(ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا) اور سورۃ الحجرات کی آیت 11 (وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ) میں ذکر کیا گیا ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر انبأنا میں ہے کیونکہ آپ کو حضور نے بچپن میں پالا تھا پھر آپ داماد تھے جو کہ بیٹوں کی طرح ہوتا ہے۔جمہور یعنی اکثریت مفسرین نے یہی تفسیر کی ہے کہ جو کہ صحیح ہے۔

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا

اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ [3:64]

آپ فرما دیں اے اہل کتاب! تم ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم اللہ کے تابع فرمان (مسلمان) ہیں۔

مباہلہ کے بعد ایک اور انداز تبلیغ بیان فرمایا گیا ہے کہ اہل کتاب کا یہود و نصاریٰ کے ساتھ کئی امور میں اشتراک ہے کیونکہ دونوں مذاہب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے پیدا ہونے والے پیغمبروں کے ہیں اور ان کی کتابوں میں ان کا ذکر بھی ہے۔ یہ ایک انداز تبلیغ ہے کہ جس مخالف کو آپ نے دعوت تبلیغ دینی ہو تو بجائے ضد کے مشترکہ اقدار کو بیان کر کے ایک خوبصورت اور مثبت انداز میں بحث و مباحثہ کیا جائے اور مقصد اچھائی اور حقیقت کی تلاش ہو نہ کہ ذاتی انا اور ضد۔ اس طرح تبلیغ زیادہ مفید اور دلپذیر ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی ضد پر اڑا رہتا ہے تو اپنا مؤقف و مذہب واضح کر کے ختم کر دینا چاہیے اور ضد کو ضد کے ساتھ نہیں بدلنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے جب ھرقل روم کو دعوت اسلام دی تو یہی انداز اپنے خط مبارک میں اپنایا۔

نکتہ اتحاد و بقائے باہمی:۔

آج کل تشدد کی وجہ سے "بین المذاہب ہم آہنگی" Inter-faith Dialogue کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اور اس کو ادارہ اقوام عالم UNO کے دائرہ کار کے ذریعہ حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ درحقیقت تمام مذاہب خواہ یہودیت ہو یا عیسائیت، ہندومت یا بدھ مت تمام بالآخر ذات خداوندی کے تصور میں برابر ہیں صرف اس کی اشکال و توجیہات غلط کی ہیں۔ اس لئے یہ پوائنٹ وحدانیت و توحید بہت اہم ہے اسلام اس کا بڑا داعی ہے۔ ساتھ ہی انسانی آزادی اور انسان کو بحیثیت مخلوق اپنے خالق کے مقابل کھڑا (یعنی حاکم اعلیٰ) ہونے سے انکار پر زور دیا ہے کہ انسان سب برابر ہیں کسی کو محض طاقت کی وجہ سے کسی کو جھکانا یا اس کے آگے جھک جانا غلط ہے۔ اسلام نے مساوات انسانی کا درس اپنے معاشرہ میں نافذ کیا ہے۔ اس کا مقابلہ جدید سیاسی نظام نہیں کر سکتے۔

دین میں تصرف شخصی:۔

حضرت عدی بن حاتم نے آپ ﷺ سے اس کی وضاحت کے لئے گزارش کی کہ ہم ان کی پوجا نہیں کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پرانے دین میں ان کے راہنما تحریف و تبدیلی کرتے تھے اور لوگ اس پر خاموش رہتے بلکہ ان کی باتوں کا مان لیتے یہ بھی ان کو حاکمیت عطا کرنا ہے مالک ماننا ہے جس کی وجہ سے سابقہ دین اپنے صحیح راستے سے دور جا پڑے۔ آج کل بھی

علماء سوء، دین کی توجیہات اپنے ذاتی آراء و مفادات پر کرتے ہیں۔ نہایت معمولی احکام کو فرائض کی اہمیت تک لے جاتے ہیں اور ضروری احکام جو ان کے مفاد کے خلاف ہوتے ہیں ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جاہل لوگ ان کی ظاہری زندگی کو دیکھ کر ان پر یقین کر لیتے ہیں اور حق سے بھٹک جاتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو محفوظ فرمائے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ[3:65]

اے اہل کتاب! تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد نازل کی گئی۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [3:66]

سن لو تم وہی لوگ ہو جو ان باتوں میں جھگڑتے جن کا تمہیں علم تھا مگر ان باتوں میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جن کا تمہیں کوئی علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [3:67]

ابرہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے نہ نصرانی وہ ہر طرح کی گمراہی سے پاک تھے۔ سچے مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اہل کتاب:۔

یہود مدینہ اور نصاریٰ نجران دونوں حضرت ابرہیم علیہ السلام کے بارے الجھ پڑے اور دونوں ان کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ جب کہ یہودی حضرت عیسیٰ کی نبوت سے انکاری تھے اور حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے کیونکہ انہوں نے نئے سرے سے تورات کو لکھا تھا دوسری طرف عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کی وجہ سے اللہ کا بیٹا کہتے تھے (معاذ اللہ) قرآن مجید نے ان کے دلائل کو رد کیا ہے کہ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تقریباً ایک ہزار سال بعد از حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد از حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ہزار سال تشریف لائے (بحوالہ تفسیر مظہری) اس طرح دونوں اس ذات کے بارے بحث کر رہے تھے جو ان دونوں کے مذاہب کی بنیاد سے بہت پہلے کی تھی۔ اور انہیں ان کی ذات کے بارے کوئی علم نہیں تھا۔ قرآن مجید نے بتایا کہ ان کے دعویٰ کے خلاف حضرت ابراہیم علیہ

السلام نہ تو یہودی تھے نہ ہی نصرانی تھے بلکہ صحیح مسلمان تھے جو شرک وکفر سے پاک اللہ کی توحید پر یقین کرنے والے تھے۔اور دونوں فریق ان سے بہت دور ہیں کیونکہ دونوں (عیسائی/یہودی) توحید پر یقین نہیں رکھتے اور انسانوں (انبیاء) کو اللہ کا فرزند تسلیم کرتے ہیں جو توحید کے سراسر خلاف ہے۔

اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰهِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَ هٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ [3:68]

بے شک تمام لوگوں میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور وہ (یہی) نبی (محمد ﷺ) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے۔

وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ یُضِلُّوۡنَكُمۡ وَ مَا یُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ [3:69]

(اے مسلمانو!) اہل کتاب میں سے ایک گروہ خواہش رکھتا ہے کہ تمہیں گمراہ کرسکیں اور وہ فقط اپنے آپ ہی کو گمراہ کئے ہوئے ہیں اور انہیں اس کا احساس نہیں۔

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ اَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ[3:70]

اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو (ان کی سچائی، حقیقت کے)۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدہ توحید کے بارے فرمایا کہ توحید کے پیروکار ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں اور جو صرف مسلمان ہیں۔جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے نہ ہی اس کا کوئی بیٹا یا حصہ دار مانتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے کہ اہل کتاب چاہتے ہیں کہ تمہیں حق (اسلام) سے گمراہ کریں اور انکی یہ خواہش ہی ان کی گمراہی ہے لیکن ان کو احساس نہیں کہ بجائے حق کی اتباع کریں حق کے ماننے والوں کو حق سے موڑنا چاہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ توریت اور انجیل (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام) توحید کے علمبردار تھے اور نبی آخرالزماں کے بارے پیشن گوئی کر کے گئے جس کو تم ان کتابوں میں پاتے ہو لیکن پھر بھی اس بات سے منکر ہو۔

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ تَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ [3:71]

اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور حق کو (کیوں) چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

وَ قَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اٰمِنُوۡا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَجۡهَ النَّهَارِ وَ

اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ [72:3]

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ تم اس کتاب (قرآن) جو مسلمانوں پر نازل کی گئی دن کے پہلے حصے میں ایمان لایا کرو اور پچھلے حصے میں انکار کر دیا کرو شاید اس طرح وہ (مسلمان) اسلام سے بر گشتہ ہو جائیں۔

وَ لَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ [73:3]

اور کسی کی بات نہ مانو سوائے اس شخص کے جو تمہارے ہی دین کا پیروکار ہو۔ آپ فرمائیے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور تم اس لئے انکار کرتے ہو) کہ دیا گیا ہے کسی اور کو (دین) جیسے تمہیں دیا گیا تھا یا یہ کہ وہ تمہارے اوپر حجت لائیں گے تمہارے رب کی طرف سے۔ آپ کہہ دیں (محمد) بے شک فضل (بزرگی) اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعت اور جاننے والا ہے۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [74:3]

وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرماتا ہے اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔

یہود کی ہٹ دھرمی:۔

نجران کے عیسائی وفد کے مباہلہ اور اسلام کو بھی ماننے سے انکار کرنے کے بعد بطور ذمی رہنا قبول کر لیا اس کے ساتھ یہود مدینہ جو اہل کتاب تھے لیکن مسلمانوں کے ساتھ بغض رکھتے یہود کے کچھ علماء (حضرت عبداللہ بن سلام) توریت کے اندر موجود پیشن گوئی پر اسلام قبول کر چکے تھے مگر دوسرے اکابرین یہود اسلام سے بہت بغض اور کینہ رکھتے (کعب بن اشرف) اور ہر وقت مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے ایک چال یہ چلی کہ مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں اور لوگوں میں گھل مل جائیں پھر کچھ دنوں کے بعد اسلام سے منکر ہو جائیں گے کہ ہم نے قبول کیا لیکن یہ دین صحیح نہیں۔ اس طرح لوگ بدظن ہوں گے دوسری طرف یہودی احبار (علماء) اپنے یہودیوں کو بار بار تاکید کرتے کہ وہ اپنے علاوہ کسی دین کو صحیح نہ مانیں۔ کسی اور دین کی بات بھی نہ سنیں اور یقین رکھیں کہ ان کے خلاف کوئی حجت قیامت میں نہیں ہوگی۔ چونکہ مسلمانوں کے پاس بھی توریت کی طرح اللہ کی

کتاب (قرآن مجید) تھی۔جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر تھے اور توریت کے واقعات وقوانین تھے جو ان کے لئے ایک حجت بنتے تھے جس کی وجہ سے یہودی پریشان تھے اور اسلام کے خلاف تھے۔ پھر وہ اپنی نسلی بلندی جو کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی طرف سے تھی یہ سمجھتے تھے کہ انبیاء صرف بنی اسرائیل میں ہی آئیں گے ۔حضرت ابراہیم کی دوسری اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نہیں آئیں گے اور نہ مانتے تھے۔ آیت میں اس کا ردفرمایا گیا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے انتخاب فرماتا ہے اس کا اپنا فضل ہے اور وہ عظیم فضل وکرم والا ہے۔

ان تمام شواہد وحقائق کے جاننے کے باوجود چونکہ ان کے اندر ایک حسد وضد کی آگ بھڑک رہی تھی اس وجہ سے وہ ہر معاملہ میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے۔

موجودہ حالات:۔

یہ سلسلہ ہم آج کل بھی دیکھ رہے ہیں کیونکہ آج کل دنیا میں مسلمان پھر کمزور ہیں اور دوسرے مذاہب بالخصوص اہل کتاب وکفار نے اپنی سائنسی صنعتی ترقی کے غرور کی بناء پر مل کر مختلف سیاسی وسماجی نعروں کے ذریعے مثلاً کبھی عورتوں کی مساوات کبھی انسانی مساوات کبھی تشدد کے خلاف جنگ کبھی جمہوریت کی عالمی علمبرداری کا بہانہ لے کر اسلام کے خلاف چھپے طور پر پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلام سے دور رکھنے اور ورغلانے کا ہر قسم کا حربہ استعمال کررہے ہیں۔ اور یہ سارے حربے صحیح اور جھوٹ کو مکس کر کے ایک کنفیوژن اور دھوکا دینے کا طریقہ ہے۔ تاکہ اسلام کی سچائی کو پھیلنے سے روکا جائے۔ بدقسمتی سے کچھ تنگ نظر علماء بھی تشدد ونفرت اور فرقہ واریت کو پھیلا کر واضح طور پر اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور اسلامی ممالک کے حکمران بھی ذاتی مفادات کی بناء پر صحیح طور پر اسلامی قوانین نافذ کرنے سے گریزاں ہیں۔ جس کی وجہ سے ان غیر مسلم قوتوں کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اور کامیاب سازشیں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

وَ مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیۡکَ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِیۡنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیۡکَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَیۡهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیۡلٌ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ [75:3]

اور اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ اُن کے پاس مال کا ڈھیر امانت رکھ دیں تو وہ آپ کو لوٹا دیں گے اور انہی میں سے ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کے پاس ایک دینار امانت رکھیں تو آپ کو وہ بھی نہیں لوٹائیں گے سوائے اس کے کہ آپ اس کے سر پر کھڑے رہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان پڑھوں (دوسرے لوگ) کے معاملہ میں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور انہیں خود معلوم

ہے

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ [3:76]

ہاں جو اپنا وعدہ پورا کرے اور تقویٰ اختیار کرے۔ بے شک اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہود کا اخلاق:۔

یہود کی اخلاقی اور دینی حالت کا بیان پچھلی آیات کے ساتھ جاری ہے کہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ ایماندار ہیں یہ وہ علماء ہیں جو توریت کی صحیح تفسیر کرتے ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ اور اکثریت ایسی ہے جو دیانت داری کے لحاظ سے صفر ہیں اور کوئی بھروسے کے قابل نہیں ہیں۔ ان قرآن مجید کی آیات کو مدینہ میں یہودیوں کے ذاتی افعال نے ثابت کیا کہ وہ غیر یہودی سے معاملات لین دین میں کسی قسم کی اخلاقی دیانت داری نہیں برتتے تھے۔ یہ ان کے مذہت کا حصہ تھا کہ غیر یہودی کے مقابل یہودی کے ساتھ تمام معاملات لین دین سزا و جزا میں سخت تفریق کی جائے اور یہودی کے ساتھ ہر طرح سے ترجیحی سلوک کیا جائے۔ یہ اللہ کی طرف سے نہیں تھا بلکہ ان کی اپنی طرف سے گھڑا ہوا تھا۔ اس لئے اسے اللہ پر جھوٹ باندھنے کے برابر کہا گیا۔

اسلامی معاشرہ و اخلاق:۔

اسلام میں وعدہ کی پابندی اور دیانت داری بہت اہم ہے اس لئے فرمایا کہ ”جس نے وعدہ پورا کیا اور اللہ سے ڈرا اور کفر و خیانت سے بچا وہ اللہ کا پیارا ہے“۔ اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے جو کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں درج ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”جس میں چار عادتیں ہوں وہ پکا منافق ہے۔ اور اگر ان میں کوئی ایک بھی ہے تو اس میں نفاق کی عادت ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرتا ہے (۲) جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے (۳) جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے (۴) اور جب جھگڑا کرتا ہے تو بدتمیزی کرتا ہے“۔ اسی طرح آپ نے ایک اور حدیث مبارک جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مذکور بروایت حضرت ابو ہریرہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”منافق کی تین نشانیاں (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور (۳) جب قسم کھائے تو قسم کو توڑ دے“۔ اور صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں کہ ”اگر چہ روزے رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے“۔ اسلام میں عبادات کے علاوہ معاملات میں ایمانداری، سچائی، وعدہ کی پابندی اور بھلائی بہت اہم ہے لیکن بدقسمتی سے آج کے مسلمان معاشرے اس سے محروم ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ معاشی ترقی، معاشرتی سکون، عدل و خوشحالی میں ان ممالک سے جہاں یہ اسلامی شعار پائے جاتے ہیں بہت پیچھے ہیں۔ آج کے مسلمانوں کا کردار اس

زمانے کے گمراہ یہودیوں کے مطابق ہو چکا ہے اس لئے عبادات کی ظاہری کیفیت کبھی بھی فائدہ مند نہیں ہوسکتی جب تک ایمانداری، انصاف اور وعدہ کی پابندی ہر ایک کے ساتھ برابری پر نہ کی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ کفر والا معاشرہ رہ سکتا ہے لیکن ظلم والا معاشرہ بالآخر تباہ ہو جاتا ہے۔(لَّا یُؤَدِّہٖۤ اِلَیۡکَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَیۡہِ قَآئِمًا سے ایک فقہی نکتہ ہے کہ قرض خواہ کم ہو، قرض کی وصولی تک پیچھا کرنے کا حق ہے۔)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ وَ اَیۡمَانِہِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ وَ لَا یَنۡظُرُ اِلَیۡہِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ [3:77]

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کا تھوڑی سی قیمت کے عوض سودا کر دیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور قیامت کے دن نہ اللہ ان سے کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف نگاہ (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَ اِنَّ مِنۡہُمۡ لَفَرِیۡقًا یَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَہُمۡ بِالۡکِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ مَا ہُوَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَ مَا ہُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ [3:78]

اور بے شک ان (اہل کتاب) میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو مروڑ لیتے ہیں تا کہ تم اس الٹ پھیر کو بھی کتاب کا حصہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے وہ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّؤۡتِیَہُ اللّٰہُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحُکۡمَ وَ النُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوۡلَ لِلنَّاسِ کُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّیۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَ لٰکِنۡ کُوۡنُوۡا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡکِتٰبَ وَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ [3:79]

کسی بشر (انسان) کو یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ (وہ تو کہے گا) تم اللہ والے بن جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے بھی ہو۔

وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [3:80]

اور وہ (پیغمبر) تمہیں یہ حکم کبھی نہیں دیتا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو۔ (سوچو؟) کیا وہ تمہیں مسلمان ہو جانے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا۔

بدعہدی کی سزا:۔

آیت (77) بھی پچھلی آیات کی طرح یہود کی اخلاقی وسماجی کیفیت وحالت کے متعلق ہے۔ جو اس وقت تو یہود کے کردار کو ظاہر کرتی تھی مگر آج ہر وہ فرد جو اس عمل کا مرتکب ہے اس کا مصداق ہے۔ یہود کے اہم افراد جن کو مسلمانوں کی ریاست مدینہ سے خطرہ تھا ان میں کعب بن اشرف، مالک بن الضیف، حی بن اخطب، ابو یاسر اور سفنۃ بن عمر والشاعر وغیرہ نے یہود کے احبار سے کہہ کر توریت کے نسخہ، جو ان کے پاس تھا اس میں اور اس طرح جو ساتھ کے قبائل کے پاس تھا ان سے بدل کر اس میں بھی تحریف کروا دی جس کا مقصد حضور کی نبوت اور اسلام کی صداقت کو چھپانا تھا۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ کے عہد یا اپنے وعدے جو لوگ محض دنیاوی فوائد جاہ، عزت، مال و دولت، سرداری وسطوت کے لئے بدل دیتے ہیں یا منکر ہو جاتے ہیں وہ جس قدر بھی دنیا کی مال و دولت اس کے بدلے لے لیں لیکن وہ آخرت کے مقابلے اور اللہ کی مہربانی کی مقابل انتہائی حقیر ہے۔ اس لئے اس کو ثَمَناً قَلِيْلاً (تھوڑی قیمت) کہا ہے۔ یہ ان کی گمراہی ہے اور اس کے لئے وہ قیامت کے روز مختلف سزاؤں کے مستحق ہوں گے۔

عہد کا مطلب ہے کہ دو افراد یا گروپ کے درمیان کوئی زبانی یا تحریری قول جو باہمی اتفاق سے طے پاتا ہے اور اس کی پابندی دونوں پر ضروری ہوتی ہے اور اس کے مقابل وعدہ ایک قول ہے جو کہ ایک فرد کسی دوسرے فرد یا گروپ سے کرنے کا عہد کرتا ہے۔ دونوں قانونی، اخلاقی، سماجی لحاظ سے اہم ہیں اور ان کو پورا کرنا اسلامی اور تمام اچھے معاشروں میں بہت ضروری ہے اور قسم کھا کر عہد کرنے کا مطلب مزید تاکید ہے اور اللہ کی ذات کو بطور گواہ شامل کرنا ہے۔ جو افراد دین پر یقین رکھتے ہیں اور ان کو پورا نہیں کرتے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل سزائیں (وعید) فرمائی ہیں۔ (۱) انہیں آخرت کی نعمتوں (بالخصوص جنت) سے یکسر محروم کر دیا جائے گا۔ (۲) اللہ تعالیٰ روز جزا ان سے کلام نہیں کرے گا جس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ کے دربار سے دھتکارے جائیں گے۔ (۳) اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اور روز جزا وسزا ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جبکہ ہر کوئی اس کی نظر کرم کا محتاج ہوگا۔ (۴) ان کو گناہوں کی الائشوں سے پاک نہیں کیا جائے گا یعنی اگر حقوق اللہ میں جو کمی رہ گئی یا حقوق العباد کی جو کمی رہ گئی اس پر ان کو کوئی چھوٹ یا کفارہ قبول نہیں ہوگا۔ (۵) اور ہمیشہ وہ عذاب جہنم میں مبتلا رہیں گے اور نجاعت نہیں پا سکیں گے جو سب سے بڑی دائمی سزا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث نبوی میں اس کی سخت مذمت اور عذاب کے بارے فرمایا گیا ہے ایک روایت ہے کہ جس آدمی نے جھوٹی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق دبایا تو اس نے اپنے لئے آگ کو واجب قرار دیا۔ راوی نے عرض کی اگر وہ چیز معمولی سی ہو تب بھی اس کے لئے آگ واجب ہوگی؟ آپ نے جواب میں فرمایا اگرچہ وہ درخت کی سبز ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ بہت ساری احادیث ہیں۔ بالخصوص جو لوگ قسم کھا کر مال بیچتے ہیں یا کسی بھی انسان کا ناحق مال جھوٹی قسم کھا کر لے لیتے ہیں یا کوئی بھلائی کر کے احسان جتلاتے ہیں (بحوالہ تفسیر مظہری)۔

اس وقت مسلمان معاشروں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ کیا ہم اپنے تجارتی و مالی مفادات میں اسلام کے احکام سے رو گردانی تو نہیں کرتے اور ہمارے علماء و شیوخ، دین کے نام پر اپنے مفادات کا تحفظ تو نہیں کرتے اور وعدہ کی پابندی کا کس قدر اہتمام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور بندے سے کلام نہ کرنا اور ناراضگی ہمارے سمجھانے کے لئے ہیں۔ یہ ساری باتیں اس کی شان کے مطابق ہوں گی اور حقیقی طور پر آگاہی آخرت میں ہوگی جب کوئی چارہ نہیں ہوگا یعنی توبہ کا وقت بھی نہیں ہوگا۔ ہمیں اپنے اعمال کا ہر وقت محاسبہ کرنا چاہیے۔

اللہ پر جھوٹ باندھنا:۔

اگلی آیت (78) بھی اسی موضوع کے بارے ہے کہ مختلف یہودی (اہل علم) اپنی زبان کے ذریعے الفاظ کو توڑ موڑ لیتے اور اس سے معانی بھی بدل جاتے یا اس کے معنی مختلف ہو جاتے لیکن عمومی آدمی جو اتنا مذہبی علم نہیں رکھتا اس کو مذہبی زبان سمجھتا ہے اور ان کی غلطی کو پکڑ نہیں سکتا تھا۔ اس طرح ایک اللہ کی کتاب کا حصہ کا تاثر دے کر وہ لوگوں کو خدا کے احکام سے دھوکہ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اللہ پر جھوٹ باندھنے کا فرمایا ہے۔ یہ بات صرف یہود کی اس وقت تھی کیونکہ مدینہ کے معاشرہ میں وہی اصحاب علم جانے جاتے تھے۔ ہمیں اس کا احساس کرنا چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں لوگ اپنی ذاتی آرا کو مضبوط کرنے کے لئے کہیں غلط قرآن و حدیث کے حوالے تو نہیں دیتے۔ یہ عمل اسلام کی رو سے بڑا گناہ ہے۔ اس لئے فرمایا وہ کہتے یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اس لئے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ فرمائے۔

انبیاء کا احترام اور اِس کی حدود:۔

اگلی آیت بھی یہود و نصاریٰ کے ایک غلط مذہبی دعویٰ کا ذکر ہے۔ وفد نجران کے موقعہ پر یہودی اور نصاریٰ دونوں اکٹھے ہو گئے اور دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ان کے مذہب کہ یہودی تھے یا نصرانی تھے دعویٰ کرنے لگے۔ جب حضور نے انہیں اس بات سے عیسائیوں کو کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہیں منع کیا تو وہ جواب میں کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰ کا اپنا حکم تھا کہ ان کو ابن اللہ کہا جائے بلکہ حضور ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ اس لئے تو مخالفت نہیں کرتے کہ آپ کو بھی کہا

جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام تو توحید کا علمبردار ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضور تک سب انبیاء توحید خداوندی کے علمبردار تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تمام انسانیت کے لئے چن کر نبوت پھر اپنی کتاب اور پھر اسے حکمت (خلافت الٰہی) ملے وہ کیسے انسانوں کو جس مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے اس سے منحرف کرے اور اپنی عبادت کے لئے کہے حالانکہ تمام کتب سماوی میں توحید کا ذکر ہے۔ اہل کتاب کو اس کا علم ہوتا ہے۔ اسلام نے اس بات کو سختی سے منع کیا ہے کہ انبیاء اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کی نسبت دی جائے۔ قریش مکہ اور صابی قوم فرشتوں کو اللہ کی اولاد اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام اور نصاریٰ (عیسائی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ تمام انبیاء اور وہ نبی (حضرت محمد ﷺ) جو توحید کا پیغام لائے کیسے تمہیں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام لانے یعنی توحید کے اقرار کے بعد تم کفر کرو یعنی کسی مخلوق کو خدا کا ہمسر بنا لو۔ یہ ناممکن ہے۔ اسلام میں انبیاء کا احترام عقیدہ کا حصہ ہے لیکن احترام و مرتبہ کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو خدا کے ساتھ رشتہ اولاد کی نسبت کی جائے۔ ان کو عبادت میں شریک کیا جائے۔

بشر پرستی کا خطرہ:۔

اسلام انسان کو کسی انسان کے سامنے جھکنے یعنی سجدہ کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ کئی صحابہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے گذارش کی کہ وہ احتراماً سلام کی بجائے سجدہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا کہ انسان کی توہین ہے اور قرآن نے بھی سختی سے بشر پرستی سے منع کیا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ جب محبت زیادہ ہو اور ڈر بھی زیادہ ہو تو اس قوت کے سامنے جھکنا شروع کرتا ہے اور جھکنے کی انتہا سجدہ ریزی میں ہے۔ پرانے بادشاہ اپنے ادب و دبدبے کے لئے سجدے کرواتے تھے۔ لیکن انبیاء کرام نے ہمیشہ اس سے انکار کیا اور علمائے حق نے بھی اپنے اس مقصد کی خاطر سر قلم کروا دیئے۔ بدقسمتی سے انسان نفسیاتی کمزوری اور مشکل کی وجہ یا خوف کے سبب ان ہستیوں، جنہوں نے رضا و عبادت الٰہی میں زندگی فنا کر کے ایک تاریخ رقم کی ہے اور ان کی کرامات مشہور ہو چکی ہیں، کی قبروں پر سجدے کرتے دیکھے جاتے ہیں اور کچھ علماء و نام نہاد مذہبی رہنما اپنی انا پرستی کی تسکین کے لئے اپنے سامنے سجدہ نما تعظیم سے منع نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں لیکن کوئی صحیح مسلمان اور انسانیت پسند آدمی ایسا نہیں کر سکتا کہ انسان کو انسان کے سامنے جھکا دے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ محبت و عظمت کے بیان میں انبیاء و اولیاء کو اتنا نہ بڑھا دیں کہ وہ انسانی سرحدیں عبور کر کے ایک غیر انسانی مخلوق بن جائیں۔ اسلامی عقائد کے مطابق نبی صرف انسان ہو سکتا ہے کوئی فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فرشتوں کا مقام انسان سے کمتر ہے۔ اس لئے بشر اور نور کے جھگڑوں سے حضور سرور کائنات کی ذات مبارک کو اپنی توجیہات و توضیحات میں ملوث نہ کریں بلکہ قصہ مختصر یوں ہے کہ ؎

یا صاحب الجمال و سید البشر   من وجھک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اے جمال والے انسان اور انسانوں کے سرادار آپ کے چمکتے چہرہ انور سے چاند نے روشنی لی ہے۔ آپ کی تعریف و ثناء ممکن نہیں اور مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد آپ برزگ اور برتر ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ حدود بشری اور صفات الٰہی کا خیال رکھیں۔

وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّہٗ قَالَ ءَ اَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا قَالَ فَاشۡہَدُوۡا وَ اَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰہِدِیۡنَ [3:81]

اور (یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد کیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ایمان (اس رسول پر) لانا اور ضرور بالضرور مدد کرنا (اللہ نے) فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میری بھاری ذمہ کو اُٹھاتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا کہ تم گواہ رہنا میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

فَمَنۡ تَوَلّٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ [3:82]

پھر اس کے بعد جو کوئی روگردانی کرے پس وہی لوگ فاسق ہیں۔

اَفَغَیۡرَ دِیۡنِ اللّٰہِ یَبۡغُوۡنَ وَ لَہٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ کَرۡہًا وَّ اِلَیۡہِ یُرۡجَعُوۡنَ [3:83]

کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں اور جو کوئی بھی آسمان اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا مجبوراً اس (اللہ) کا فرمانبردار ہے اور سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

میثاق انبیاء:۔

آیت نمبر 81 بڑی اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لئے ایک ہی دین پسند فرمایا اور نازل فرمایا جو اس کی واحدانیت اور انبیاء کی رسالت، آخرت کے صحیح عقائد پر مشتمل ہے۔ یہ دین ہر معاشرہ کی سماجی و روحانی ترقی کے ساتھ مختلف انبیاء کی صورت میں انسانی ضروریات کو پورا کرتا رہا ہے۔ حالات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اصل احکام کو برقرار رکھا اور اضافی احکام کے ساتھ انبیاء کو مبعوث فرمایا اور اس طرح ہر نبی نے کچھ اضافہ کیا اور پچھلی شریعت منسوخ ہو کر نئی شریعت میں ڈھل گئی۔ اسی طرح پچھلی کتاب کی جگہ نئی کتاب واحکامات نے لے لی اور تمام انبیاء ایک ہی خدا کے رسول تھے۔ ایک ہی پیغام کے علمبردار تھے

جو اس وقت کے لحاظ سے اسلام تھا۔ اسلام نے ہر نبی کے ساتھ اور ہر کتاب کے ساتھ رشتہ برقرار رکھا اور آخری نبی الزماں حضرت محمد ﷺ اور آخری کتاب قرآن مجید ہے جس کے بعد کوئی نبی اور کوئی کتاب نہیں آئے گی۔ انہی نبی آخرالزماں کی نبوت پر باقی تمام انبیاء سے عہد لیا گیا کہ وہ ہر اس شریعت جو پہلی شریعت کی بنیاد پر ہے اور کتاب جو پہلی کتاب خداوندی کے ذکر کے ساتھ ہے اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی پوری پوری مدد کریں گے کیونکہ یہی آخری اسلام اور دین انسانیت ہے جو ساری انسانیت کے لئے قیامت تک رہے گا۔ یہ میثاق نبوت اتنا اہم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے نہ صرف اقرار وتسلیم کرایا بلکہ خود بھی گواہی کی تصدیق فرمائی۔ یہ میثاق انبیاء علیہ السلام لیا گیا تھا کہ اگر وہ حضور حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں تشریف لائے تو ان کے تابع اور ان کے مددگار ہوں گے۔ اس کی تصدیق ایک حدیث سے بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دور میں تشریف لاتے تو وہ اسلام کو قبول کرتے اور اس پر چلتے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ بحیثیت نبی نزول فرمائیں گے تو اسی مذہب اسلام کی اتباع کریں گے۔

یہ واقعہ عالم ارواح کا ہے۔ عالم ارواح کا وجود ہے لیکن اس کی کیفیت عالم موجود (مادی) سے مختلف ہے جو ہمارے قیاس وعلم سے بالاتر ہے۔ عالم ارواح میں حضور اکرم ﷺ نے معراج کے موقع پر تمام انبیاء کی امامت بھی بیت المقدس میں فرمائی تھی اور جو اس میثاق کی تصدیق کرتی ہے۔ اس آیت سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں (۱) انبیاء اس دنیا سے جانے کے بعد بھی عہدہ نبوت پر سرفراز رہتے ہیں (۲) تمام انبیاء کا ایک مشن تھا اور وہ اسلام تھا (۳) تمام انبیاء نے جو عہد کیا تھا وہ ان کے بعد ان کے پیروکاروں کے لئے بھی واجب ہے یعنی یہودی، نصاریٰ، صابی سب کے لئے لازم تھا جو کسی نبی کو مانتے ہیں کہ وہ موجودہ اسلام کے پیروکار ہوں۔ (۴) پرانی کتب سماوی میں اگر چہ تحریف ہو چکی ہے پھر بھی آخری آنے والے نبی کے بارے خوشخبریاں تحریر ہیں جو اس دین سماوی اور سلسلہ نبوت کی وحدت کی دلیل ہیں اور اس طرح اسلام کو دوسرے ادیان کے پیروکاروں کا قبول کرنا ان کے اپنے حق میں بہتر ہے ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ اس سے منکر ہیں تو وہ فاسق، انکار کرنے والے ہیں اور فاسق کی سزا جہنم ہے۔

کائنات کی اطاعت اور انسان:۔

آیت کے بعد تمام انسانیت کے لئے پیغام ہے کہ اس میثاق اور وحدانیت، پیغام خداوندی کے باوجود اگر لوگ کسی اور مذہب کو ماننا چاہتے ہیں تو ان کے لئے عذاب ہے کیونکہ وہ فاسق ہیں اور اپنے رب کے نافرمان ہیں جبکہ دوسری طرف کائنات کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے لئے سربسجود ہیں یعنی تمام آسمان، زمین، سیارے، ستارے، کہکشائیں سب اللہ کے احکام کو مانتے

ہیں۔ جو مخلوق عقل اور اختیار سے محروم ہو وہ تو کَــرْھـاً یعنی بحثیت ڈیزائن اللہ کے آگے سرنگوں ہے۔ جس طرح کہ ہم تمام نظام شمسی، نظام کائنات، بارش، دھوپ، چرند، پرند، حیوانات، نباتات سب ہیں عقل والی مخلوق میں فرشتے بھی شامل ہیں۔ دوسری عقل و اختیار والی مخلوق انسان اور جنات ہیں۔ جن کو اختیار دیا گیا ہے ان میں جو خوشی سے سر تسلیم خم ہیں (طَـوْعـاً) وہ مومن ہیں اور جو منکر ہیں وہ کافر ہیں اور جو ارادۃً منکر ہیں وہ بھی نظام کائنات کا حصہ ہیں۔ اس لئے ان کو مجبوراً نظام قدرت کے تحت اوامر خداوندی کو ماننا پڑتا ہے۔ جس طرح موت، بیماری، رزق، کامیابی و ناکامی سب ان حقائق کے سامنے مجبور ہو جاتے ہیں۔ جدید سائنس نے اب تو ہر عنصر Element کے تجزیہ کے بعد معلوم کیا ہے کہ ان کے ایٹم بھی اپنا ایک نظام رکھتے ہیں جس کے تحت ان کا وجود قائم ہے۔ یہ بھی کائنات کے نظام کا حصہ ہیں اور اللہ کے اوامر کے تابع ہیں۔ اسی طرح انسانی جسم کے بھی اعضاء ہیں جو اوامر الٰہی کے تابع ہیں بالخصوص مرکز دماغ و اعصاب وغیرہ۔ اس لئے انسان بحثیت انسان پاک پیدا ہوتا ہے باقی اس کی تربیت، اعمال اور ماحول اسے اچھا یا برا مسلمان، کافر بناتے ہیں جس طرح حدیث میں ذکر ہے کہ ''ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بناتے ہیں'' اور تجربات سے بھی ثابت ہے۔ آخر میں فرمایا کہ ہر چیز نے فنا ہونا ہے اور اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے جسے اب جدید سائنس بھی مان چکی ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم عقل و اختیار کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اپنی سلامتی کے لئے اللہ کے احکام کو مانیں۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ [3:84]

آپ کہیے! ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر اُتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اُتارا گیا ہے۔ اور جو کچھ موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) پر اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) کو اُن کے رب کی طرف سے دیا گیا ہے (پر ایمان لائے) اور ہم ان میں کسی میں (ایمان میں) فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے تابعدار ہیں۔

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ [3:85]

اور جو کوئی اسلام کے علاوہ دین کو چاہے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اُٹھانے والوں میں ہوگا۔

پچھلی آیت میں کائنات کی اطاعت اور انسان کے لئے بھی اللہ کے دین کی اطاعت کی ضرورت اور اس میں اس کی کامیابی کے بعد اسلام میں ایمان کے بارے وضاحت فرمائی ہے کہ مسلمان اللہ پر ایمان اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان اور پھر موسیٰ وعیسی علیہم السلام (جو کہ حضور سے پہلے امتوں کے پیغمبر گزرے) ان پر اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور سب انبیاء کی حقانیت اور اہمیت کو تہہ دل سے تسلیم کرتے ہیں اور کوئی فرق نہیں کرتے جس طرح کے یہود اور نصاریٰ آپس میں کرتے ہیں اور ہم اللہ کے تابعدار اور فرمانبردار ہیں۔ اسلام جس طرح امن اور محبت اور احترام کا درس دیتا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ تمام مذاہب سماوی کا احترام ان کے لیڈروں اور انبیاء کا احترام کا درس اتنا اہم ہے کہ انسانیت میں مذہبی منافرت کو ختم کرنے کی سبب اہم نبیاد بن سکتا ہے۔ جس پر تمام ادیان کے علماء کو غور کرنا چاہیے۔

گمراہی پر اصرار کا انجام:۔

اس کے بعد اگر کوئی انسان اسلام سے دوری اختیار کرتا ہے، اس کا انکار کرتا ہے تو یہ اس کی ضد، ہٹ دھرمی اور اللہ کے احکام کا انکار ہے اس کی کوئی دلیل اور بہانہ قبول نہیں ہوگا اور اس کی آخرت خسارے میں ہے۔ اور دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا۔ دوسرا ان مسلمانوں کے لئے بھی لمحہ فکریہ ہے جو اسلام کا زبانی اقرار کرتے ہیں اور دل سے منکر ہیں کیونکہ اعمال میں اس کے منکر ہیں تو وہ بھی اس کی اتباع نہیں کرتے لہٰذا وہ بھی آخرت یعنی قیامت کے دن خسارے میں ہوں گے۔ اسلام کا اقرار اختیاری عمل ہے جس کے ساتھ اعمال کا ثبوت بہت ضروری ہے۔

كَيۡفَ يَهۡدِى اللّٰهُ قَوۡمًا كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ وَ شَهِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ‌ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ [3:86]

اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور گواہی دی تھی کہ یہ (محمد ﷺ) سچے رسول ہیں اور ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اُولٰٓـئِكَ جَزَآؤُهُمۡ اَنَّ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةَ اللّٰهِ وَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ [3:87]

ایسے لوگوں کی جزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ [3:88]

وہ اس لعنت کے طوق میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ ان سے عذاب کم کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَ اَصۡلَحُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ [3:89]

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس (گناہ) کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

اصلاح اور توبہ:۔

ہدایت کے بعد گمراہی کے ضمن میں آیت مبارکہ نمبر 86 میں واضح کیا گیا ہے کہ اتنے دلائل اور شواہد اور پھر ان کو قبول کرنے کے بعد آدمی اسلام پر عمل نہیں کرتا اور منکر ہو جاتا ہے تو وہ ظالم ہے اللہ کے حقوق میں، عقل کے لحاظ اور ہدایت کے لحاظ سے۔ اس کے اس ظلم اور جانتے ہوئے غلطی کرنے کی یہی سزا کہ اسے گمراہی میں بھٹکنے دیا جائے اور وہ اپنے جرم کی پوری سزا پائے۔ یہ آیت مبارکہ جہاں اس وقت مشرکین مکہ، یہود مدینہ اور منافقین کے لئے تھی اسی طرح آج بھی ان مسلمانوں کے لئے ہے جو اسلام کو جانتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے اور صرف زبانی اقرار کرتے ہیں وہ بھی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں اور منافقت کا شکار ہیں اور اسی گمراہی میں چلے جائیں گے اگر توبہ نہیں کریں گے۔ ایسے افراد پر اللہ اسکے فرشتوں اور اس کے نیک بندوں کی لعنت برستی ہے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کا پتہ آخرت میں چلے گا جب ان کے حق میں جہنم کی آگ آئے گی۔ ظاہری دنیا میں وہ اپنی دنیا داری کی محنت یا خدا کی آزمائش کی وجہ سے بظاہر کامیاب نظر آتے ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے لئے ایک آزمائش ہوتی ہے لیکن یہ ان کے لئے سزا کی تکمیل کا سبب بھی ہے۔ ہاں وہ لوگ جو اپنی غلطی، گمراہی یا بداعمالی پر سخت شرمندہ ہوں اور دل سے گناہ سے نفرت کر کے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات معاف کرنے والی رحم کرنے والی ہے۔ وہ توبہ کو قبول فرماتا ہے اور بخشنے کو پسند فرماتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ وہ اپنی اصلاح کریں یعنی توبہ کے بعد برے اعمال سے مکمل طور پر لاتعلق ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُہُمۡ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الضَّآلُّوۡنَ [3:90]

بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ وہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِہِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَہَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰی بِہٖ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ وَّ مَا لَہُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ [3:91]

بے شک جنہوں نے کفر کیا (اسی پر) مر گئے۔ اگر ان میں کوئی شخص زمین بھر سونا بھی فدیہ میں دے دے تو ہرگز قبول نہیں ہوگا ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

بد بخت اور گمراہ:۔

پچھلی آیت کے ساتھ اس بات کی دوبارہ تصدیق فرمائی ہے کہ وہ جو گمراہ ہو گئے پھر حق اور سچائی کو قبول کرنے کی کوشش نہیں کی اور اپنے انکار پر اڑے رہے بلکہ شدت اختیار کرتے رہے ان کے الفاظ پر مبنی چھوٹی توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا اور یہی لوگ عادی گمراہ اور بہت بد بخت ہیں ۔اور وہ ایسی حالت میں مر جائیں تو قیامت کے روز اگر وہ زمین کے برابر سونا بھی فدیہ یا کفارہ بخشش کے لئے دیں تو قبول نہیں ہو گا یعنی ان کی کوئی بخشش کا سبب نہیں ہو گا اور ان کی نجاعت نہیں ہو گی اور نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا وہ جہنم میں رہیں گے ۔اسلام قبول کرنے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف جانا بہت بڑا جرم اور بدبختی ہے اس لئے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت ارتداد کے زمرہ میں آتی ہے۔

اگلی آیت میں اللہ کے پیاروں کے حالات کا ذکر ہے۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ[92:3]

درجہ کمال نیکی تک تم نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ (اللہ کی راہ میں) نہ کرو۔ اورتم جو بھی چیز خرچ کرتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

بہت اہم آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب اور نیکی میں درجہ کمال تک پہنچنے کے بارے ارشاد فرمایا ہے ۔"بِــرَّ" کا لفظ عام طور پر کسی چیز کو کمال خوبی کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے۔ نیکی کے اعمال کی حدود بڑی وسیع ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ راستہ سے ایک پتھر یا کانٹے کو ہٹانا بھی نیکی اور مسکرا کر کسی آدمی کو ملنا بھی نیکی ہے۔ لیکن کمال نیکی یعنی اعلیٰ درجہ کے لئے بڑی قربانی کی ضرورت ہے اور وہ ہے اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں دے دینا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام میں حضرت طلحہ نے جو انتہائی قیمتی باغ مسجد نبوی کے قریب تھا وہ پیش کیا جسے حضور نے ان کے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت زید بن حارث کے ہاں ایک قیمتی اور خوبصورت گھوڑا تھا وہ پیش کیا جو حضور نے کسی کو دے دیا۔ اسی طرح حضرت عمر کے ہاں ایک بہت سمجھدار کنیز تھی جسے آپ پسند فرماتے تھے آپ نے اسے آزاد کر دیا۔۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے ہاں ایک عقل مند کنیز تھی جسے آپ پسند کرتے تھے اسے آپ نے آزاد کر دیا۔ یہ صحابہ کی اللہ کی محبت و رضا کی دلیل تھی۔ یہ حکم ان کے لئے ہے کہ جو اعلیٰ درجہ رضا اور محبت الٰہی چاہتے ہیں ورنہ تمام صدقات خواہ تھوڑے ہوں یا بہت، قیمتی ہوں یا کم قیمتی سب اپنا اپنا درجہ ثواب رکھتے ہیں۔ قیمتی چیز کی نسبت ہر فرد کے حساب سے مختلف ہے۔ اس کا مطلب صرف قیمت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس شخص کی نسبت سے قیمتی چیز ہے۔ فرضی صدقات میں بھی زکوۃ، صدقہ، فطر، کفارہ وغیرہ کے لئے معیار نارمل (متوسط) ہونا چاہیے۔ نہ بہت قیمتی اور نہ ناقص، ناکارہ چیز اللہ کی راہ میں دی جائے۔ لیکن کمال درجہ محبت کے لئے معیار زیادہ اونچا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ اپنے فرائض کا خیال رکھا جائے۔ اتنا بھی نہ خرچ کر دیں کہ پھر محتاج ہو جائیں۔ اس طرح کی فیاضی سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

درجہ کمال نیکی میں:۔

وہ افراد جو مالی لحاظ سے کمزور ہیں یا جن کے پاس اشیاء کی کمی ہے وہ عبادات اور بدنی لحاظ سے دوسرے امور سرانجام دے کر ابرار کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں مثلاً بیماروں کی خدمت، بوڑھوں کا خیال، معاشرے یا محلّہ میں صفائی وستھرائی کے امور وغیرہ یعنی جو مخلوقات کی بھلائی کے لئے اپنا اثر و رسوخ، مال، متاع، دماغ، زبان، ہاتھ یا دوسری قوتیں استعمال کر سکتا ہے، سب نیکی کا حصہ ہیں جس کو بار بار کرنے سے آدمی درجہ کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو کسی نہ کسی نعمت و خصوصیت سے نوازا ہے۔ لہٰذا ایک استاد علم کے ذریعے، کوئی آدمی اپنے ہنر کے

ذریعے، جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے اس کے ذریعہ لوگوں کی فی سبیل اللہ خدمت کر کے یہ درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہے۔ جس طرح کی نیکی کی جائے وہ جانتا ہے لہٰذا اس کا اجر عطا فرمائے گا لیکن اس کی رضا اور خلوص بہت ضروری ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ صرف فرائض و نوافل آپ کو اس درجہ پر نہیں پہنچا سکتے، ضروری ہے کہ مال و متاع کو بھی خرچ کیا جائے اور یہی خرچ کرنے کی عادت معاشرے میں معاشیات کی رو سے معاشی ترقی کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ صدقہ دینے سے رزق میں برکت و زیادتی عطا فرماتا ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ‌ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَآ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ[3:93]

تورات کے اترنے سے پہلے بنی اسرائیل کے لئے ہر کھانے کی چیز حلال تھی سوائے ان (چیزوں) کے جو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ فرما دیں تورات لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔

فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ[3:94]

پس اس کے بعد جو لوگ اپنی گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں پس وہی درحقیقت ظالم لوگ ہیں۔

قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ‌ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ [3:95]

کہہ دیں! اللہ نے سچ فرمایا۔ پس تم ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھے اور وہ (ابراہیم علیہ السلام) مشرکوں میں نہیں تھا۔

حلال و حرام کھانے میں یہود کا طریقہ:۔

آیت مبارکہ میں یہود کے مختلف اعتراضات اور ان کے زندگی کے مذہبی معمولات کے رویہ کا ذکر ہے۔ یہود مدینہ نے اسلام پر جو مختلف اعتراضات کئے ایک یہ تھا کہ اسلام دین ابراہیمی کا علمبردار ہے۔ لیکن اس میں وہ کھانے حلال ہیں جو یہودیت میں حرام ہیں مثلاً اونٹ کا گوشت اور دودھ، یا خرگوش وغیرہ۔ یہود کا دعویٰ تھا کہ یہ کھانے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام ہیں جس کا جواب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ فرمایا کہ یہودیوں نے ان چیزوں کو خود اپنی خواہش کے ساتھ حرام کیا ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام (جن کا نام اسرائیل بھی ہے) نے اپنی منت یا بیماری کے علاج کے لئے خود اپنے پر اونٹ کا گوشت ممنوع کر دیا تھا جسے یہودیوں نے بعد میں من گھڑت طور پر مذہبی طور پر حرام قرار دے دیا۔ لہٰذا یہ ان کا

ذاتی فعل ہے اور خواہ مخواہ مذہب کی آڑ میں اللہ کی طرف اسے منسوب کر دیا ہے۔ اسی طرح اس کی حرمت کا توریت میں کوئی ذکر نہیں بلکہ ان کا اپنا فیصلہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ پر افتراء (جھوٹ باندھنے) کے برابر ہے۔ اس میں تمام قوموں کے لئے سبق ہے کہ اللہ کی طرف صرف وہی چیز منسوب کی جائے جو درحقیقت قرآن مجید میں ذکر ہے یا پھر نبی اکرم ﷺ نے کھلے طور پر اسے منع کیا ہے۔ کئی دفعہ آپ نے چیز پسند نہیں فرمائی لیکن حکم دیا کہ سب کے لئے حلال ہے میرا کھانا صرف میری ذاتی پسند کا سبب ہے۔ اس لئے ہمیں بالخصوص مذہبی علماء کو بہت احتیاط کرنا ضروری ہے۔ فقہ میں ہر چیز حلال ہے اگر اس کے بارے شارع علیہ السلام نے منع نہیں فرمایا۔ لہٰذا غیر ضروری طور پر تقدس کا لبادہ بنانا اور عامۃ الناس کو اس پر مجبور کرنا صحیح نہیں، فقہ کے اصول کے خلاف ہے (بحوالہ البدائع والصنائع ترتیب الشرائع)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مکمل طور پر توحید کے قائل اور اللہ کے احکام پر خالص عمل کرتے رہے تھے۔ لہٰذا ان کی اتباع اسی صورت میں ہوگی جب صرف اور صرف ان کے طریقے پر عمل کیا جائے گا اور بعد کے یہود یا عیسائیوں کے اضافوں کو ختم کر دیا جائے گا جس کی حقیقی تشریح اسلام کے احکام ہیں۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ [3:96]

بے شک پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا ہے وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا ہے اور تمام جہان والوں کے لئے ہدایت ہے۔

فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ مَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا وَ مَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ [3:97]

اس میں کھلی نشانیاں ہیں (انہی میں ایک) مقام ابراہیم ہے جو اس میں داخل ہو گیا امان پا گیا اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اور جو (اس کا) منکر ہوا تو بے شک اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے۔

پچھلی آیت کے ساتھ ربط ہے ۔ یہود جہاں کھانے / حلال وحرام میں اعتراض کرتے تھے اسی طرح مسلمانوں پر کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کا بھی اعتراض کرتے اور کہتے کہ یہ قبلہ بیت المقدس ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور مسلمانوں کا اس کو چھوڑ کر مکے کی طرف نماز میں منہ کرنے کی مخالفت کرتے اور اسے دین ابراہیم کے خلاف سمجھتے اور کہتے کہ اصل قبلہ بیت المقدس ہے۔ ان کے اسی غلط دعویٰ کا رد فرمایا کہ قبلہ انسانیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت بھی خانہ کعبہ تھا۔ چونکہ بیت المقدس کی تعمیر حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام نے چار سو سال بعد از حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور اس کا ذکر انجیل میں

سلاطین باب 6 آیت 1 اور باب 8 آیت 30-29 میں ملتا ہے۔ لہٰذا یہ قبلہ اصل نہیں بلکہ خانہ کعبہ ہے جس کے بارے روایات ہیں کہ اسے حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آنے کے بعد حکم خداوندی سے تعمیر فرمایا پھر طوفان نوح کے بعد اس کی عمارت منہدم ہوئی جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ تعمیر فرمایا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے گذرے ہیں۔ پھر یہ مختلف ادوار میں عمارت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی اسے بعد میں قبیلہ جرہم کی جماعت اس کے بعد قبیلہ عمالقہ اور پھر قریش نے تعمیر کیا جو حضور کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے۔ جس میں آپ نے حجر اسود رکھا۔ اس تعمیر میں حطیم کے حصہ کو عمارت کعبہ سے باہر کر دیا گیا اور دروازہ کو اونچا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے تعمیر فرمائی جس میں حطیم کو شامل کر دیا گیا۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف نے اسے پھر منہدم کر کے پرانی عمارت پر تعمیر کر دیا جو اب تک موجود ہے۔ یہ انسانیت کی عبادت کے لئے پہلا گھر ہے اس کے بعد بیت المقدس کی تعمیر ہوئی۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ گھر کی نماز کا ایک (1) درجہ، محلّہ کی مسجد میں نماز کے پچیس (25) درجے، جامع مسجد کی نماز کے پانچ سو (500) درجے، مسجد اقصیٰ کی نماز کے ایک ہزار (1000) درجے، میری مسجد (مسجد نبوی مدینہ شریف) میں نماز کے پچاس ہزار (50000) درجے اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ شریف) میں نماز کے ایک لاکھ (100000) درجے نماز کا ثواب ملتا ہے (بروایت ابن ماجہ وطحاوی)۔

خانہ کعبہ کی عظمت:۔

مکہ شریف کے ذکر کے ساتھ برکت کا ذکر فرمایا کہ اس شہر میں اس عبادت گاہ (قبلہ) کی وجہ سے انتہائی برکت اور رحمت پائی جاتی ہے۔ (بِبَكَّةَ سے مراد مکہ ہے) یہ مرکز ہدایت ہے کیونکہ قبلہ العالمین ہے۔ تمام مسلمان اس کی طرف منہ کر کے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ امن کا شہر ہے جس میں سکون و آشتی ہے۔ ہر نسل، قبیلہ، رنگ اور علاقہ کے لوگ آتے ہیں۔ اللہ کی عبادت اور اس کا طواف کرتے ہیں۔ جس طرح بیت المعمور میں فرشتے کرتے ہیں۔ یہاں پر انسان حیوان امن پاتا ہے سلامتی لیتا ہے۔ اس کی جان کو امان ملتی ہے۔ حتیٰ کہ مجرم کو بھی خانہ کعبہ کے اندر سزا نہیں دی جاسکتی بلکہ باہر دی جاتی ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مجرموں کی پناہ گاہ ہے۔ اس کے امن و برکت کی وجہ سے تین مہینے ایام جاہلیت (قبل از اسلام) کے دوران بھی امن کے مہینے تصور کئے جاتے تھے اور برائیاں روک دی جاتی تھیں۔ یہ ایک خشک پہاڑ پر واقع ہے جہاں کوئی زراعت ممکن نہیں لیکن پھر بھی دنیا کے پھل، غذا کی اشیاء اور سامان ہر وقت میسر ہیں۔ سارا سال لوگوں کا یہاں جم غفیر، حج و عمرہ و زیارات کے لئے موجود رہتا ہے اور مخلوق ہدایت پاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس میں اللہ تعالیٰ نے نشانیاں رکھی ہیں جن کا ذکر فرمایا ہے تا کہ یہود کا اعتراض برائے اعتراض ختم ہو جائے اس میں مقام ابراہیم ہے جہاں ایک پتھر موجود ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان ہے۔ جس پر آپ

کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کو تعمیر فرماتے رہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کے فرزند آپ کی معاونت کرتے تھے۔اس کے علاوہ آب زمزم کا چشمہ ہے جو ساڑھے چار ہزار سال سے جاری ہے۔ جہاں سے کروڑوں لوگ پانی لیتے اور ساتھ لے جاتے ہیں اور وہاں استعمال بھی کرتے ہیں لیکن اس میں کوئی کمی نہیں آئی اور اس کے ساتھ حجر اسود (سیاہ پتھر) دیوار میں گڑھا ہوا ہے جو کہ روایات کے مطابق جنت کی نشانی ہے جسے سارے مسلمان چومتے ہیں اور جنت کی تمنا کرتے ہیں۔ ان سب واضح اور موجود نشانیوں نے کعبۃ اللہ کو تمام عبادت گاہوں سے امتیاز بخشا ہے۔ یہاں کئی پیغمبر بھی آرام فرما ہیں جن کے بارے ہمیں علم نہیں۔نماز کی افضلیت پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

فرضیت حج:۔

اس آیت میں حج کی فرضیت کے بارے حکم ہے کہ اس گھر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر شان اور اہمیت عطا فرمائی ہے کہ تمام مسلمانوں کے لئے اس کا طواف و حج فرض فرما دیا گیا۔ اس شرط پر کے اس کے پاس سفری وسائل موجود ہوں اور اس کی استطاعت رکھتا ہو۔یعنی صحت ،سفر کی سہولت امن اور اخراجات سفر اور ذرائع اہل وعیال کے لئے نفقہ وغیرہ کے موجود ہوں۔اور جو مسلمان اس ادائیگی فرض سے انکار کرے گا وہ سخت گناہگار ہوگا اور سخت سزا پائے گا (حج کی تفصیل فقہ کی کتب میں موجود ہے)۔اللہ کی ذات انسان کو تمام عبادات سے غنی اور بے نیاز ہے۔

حج کے اقتصادی فوائد کا اندازہ لگایئے، یہ 1917 کے اعداد و شمار میں (۱)4 کھرب روپے کا مویشیوں کی قربانی کی وجہ سے کاروبار ہوا۔(۲) 3 ارب روپے کا چارہ (فاڈر) پیدا کیا گیا اور استعمال ہوا۔ (۳)ٹرانسپورٹ میں اربوں کا کام ہوا۔ (۴)سو (100) ارب کی کھالیں خرید و فروخت ہوئیں۔ (۵)لاکھوں غریب لوگوں کو مفت گوشت فراہم کیا گیا۔ (۶)ہزاروں مزدوروں کو سامان اور مویشی لانے اور لے جانے اور چارے وغیرہ کے کام کی مزدوری ملی۔اس کا معاشیات اور تجارتی ترقی پر اربوں روپے کا فائدہ ہوا (Circulation of Wealth دولت کی گردش کی وجہ سے)۔اس قدر کام کروڑوں روپے کے ٹیکس لگانے سے بھی نہیں ہوسکتا تھا۔سماجی اور روحانی فوائد اس کے علاوہ ہیں جن کا مالی لحاظ سے اندازہ لگانا ممکن نہیں۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ [3:98]

آپ کہہ دیں اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو اور اللہ تمہارے کاموں کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ[3:99]

آپ کہہ دیں اے اہل کتاب! جو شخص ایمان لے آیا ہے تم اسے اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو۔تم ان کے لئے بھی ٹیڑھا راستہ چاہتے ہو۔حالانکہ تم (اسکے حق ہونے پر) خود گواہ ہو۔اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

پچھلی آیت کے ساتھ مربوط ہے۔فرمایا کہ اے اہل کتاب! تم اللہ کی تمام نشانیاں جو اسلام کی صداقت میں تمہاری کتب میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ بھی بیت اللہ (قبلہ) اور آنے والے نبی کی بشارت کی صورت میں تم جانتے ہو لیکن پھر بھی محض ضد وحسد کی وجہ سے تم ان حقائق اور آیات سے انکار کر رہے ہو۔اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال و نیّات کو جانتا ہے۔اور نہ صرف تم ان واضح دلائل اور نشانیوں کے باوجود انکار کر رہے ہو بلکہ مخالفت بھی کر رہے ہو اور جو لوگ حق کو قبول کرتے ہیں تم ان کو ورغلاتے ہو اور جھوٹے طریقے سے ان کو سیدھے راستے سے ہٹا کر گمراہ اور ٹیڑھے راستے پر لگاتے ہو۔اس طرح تمہارے گناہ کا درجہ بہت سخت ہے اس لئے (۱) جانتے ہو گمراہی پر چلنا (۲) حق کو جان بوجھ کر چھپا دینا (۳) دوسروں کو دھوکہ دینا اور حق سے موڑنا (۴) حق کی شدت سے مخالفت کرنا۔ان تمام جرائم کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ان سے بے پرواہ نہیں۔لہٰذا تمہیں اپنے اعمال کی سزا ضرور ملے گی۔یہ مہلت تمہیں اس لئے ہے کہ تم توبہ کر لو،غلطی کا احساس کر کے حق کی طرف آجاؤ۔تاریخ گواہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے کچھ لوگوں نے حق کی صداقت کا اقرار اور اسے قبول کیا لیکن آج بھی یہ اسلام کے مخالف ہیں اور ان کے پروپیگنڈے کو مسلمان کو سمجھنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ[3:100]

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب میں کسی گروہ کا بھی کہنا مانو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پھر کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [3:101]

اور تم کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں۔اور جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ[3:102]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت ہرگز نہ آئے گی مگر اس حالت میں تم مسلمان ہو۔

آیات مبارکہ پچھلی آیتوں کے ساتھ ہے۔اس میں بھی یہود و نصاریٰ کے انداز فکر اور اسلام سے ان کی مخالفت کا ذکر ہے۔یعنی ان کی پوری پوری کوشش ہے کہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا جائے۔اور لوگوں کو اس سے دور کیا جائے۔ان کی اس نفسیات کا آیت میں ذکر کیا ہے۔ایک اور واقعہ پیش کیا کہ مدینے کے دو بڑے مسلمان قبیلوں (اوس اور خزرج) کے درمیان اسلام سے قبل بڑی سخت دشمنی تھی۔مسلمان ہونے کے بعد یہ دونوں قبیلے پرانی دشمنی کو اسلام کی برکت کی وجہ سے بالکل بھول چکے تھے اور بھائی بھائی ہو گئے تھے۔ایک یہودی (سماسل بن قیس) نے ایک سازش کے ذریعے جہاں ان دونوں قبائل کے افراد گپ شپ لگا رہے تھے، دو آدمیوں کو جو ان کے قبائل سے نہیں تھے بھیجا کہ وہ ان دونوں کے جنگ کے بارے فخریہ پرانے اشعار جو اپنے قبیلے کی تعریف اور دوسرے قبیلے کے خلاف تھے پڑھیں اور ان دو افراد نے یہودی کی ہدایت پر یہ فخریہ مباہلہ شاعری شروع کر دی۔جس کی وجہ سے دونوں قبائل کے درمیان پھر لڑائی کا منظر پیدا ہو گیا اور تلواریں نکل آئیں۔

حضور اکرم ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ فوراً وہاں پہنچ گئے اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ اسلام کے بعد کوئی جاہلیت کی بات نہیں ہوگی اور اللہ کے رسول کے ہوتے ہوئے وہ کیا کر رہے ہیں اور خود فیصلہ کر کے جاہلیت کی طرف جا رہے ہیں۔ دونوں قبائل کے افراد نے توبہ کی اور پھر گلے مل گئے۔اس طرح یہود کی شاطرانہ اور مکارانہ ذہنیت کا مکار ناکام ہوا۔آیت نمبر 101 میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

اسلام دشمنی:۔

اگر تاریخ کو دیکھا جائے تو مدینہ شریف سے لے کر سولہویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کی حکومتوں کی تاریخ میں غیر مسلموں کو پوری پوری آزادی دی گئی لیکن پچھلے چار سو سال سے جب سے مغربی تہذیب نے ترقی کی ہے، مسلمانوں کو ہر طرح سے زک اور نقصان دینے کی کوشش کی گئی۔سلطنت عثمانیہ کو پہلے بلقان کی جنگوں نے پھر عرب اور ترک جنگ کے ذریعے بالکل ختم کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ پھر مسلمانوں کے اندر بے اتفاقی اور عصبت پھیلائی گئی اور آج بھی جنگ عراق، افغانستان، شام، لیبیا، مصر، الجیریا، یورپ کی ایشیاء کی کوچک کی ریاستوں کے درمیان لڑائی جاری کرائی جاتی ہے۔ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں مثلاً جو سابقہ یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور برما (میںمار)، تھائی لینڈ، سنٹرل افریقہ میں مسلمانوں کو عیسائیوں اور غیر مسلم حکومتوں کے تشدد کا نشانہ بننا پڑا ہے۔عیسائی تنظیموں کو مغربی حکومتوں کی پوری امداد حاصل ہے اور وہ تبلیغ میں مصروف ہیں دوسری طرف مغربی (عیسائی) حکومتیں اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کی مہم بڑی تیزی سے جاری کئے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کو ایک متشدد قوم کے طور پر

پیش کیا جا رہا ہے۔ اور روشن خیالی کے نام اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ یہ کتنی بڑی صداقت ہے کہ قرآن کے یہ حقائق جو چودہ سو 1400 سال قبل بیان کئے گئے تھے آج بھی ایک حقیقت ہیں اور ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

صراط مستقیم ،سیدھا رستہ:۔

جب تک مسلمان صراط مستقیم پر رہیں گے کامیاب رہیں گے۔جس طرح تاریخ نے ثابت کیا کہ جب تک مسلمانوں نے اسلام کو اپنی زندگی میں نافذ رکھا وہ بحر اوقیانوس سے لے کر بحر ہند تک حکمرانی کرتے رہے اور جب چھوڑ دیا تو مغلوب ہو گئے اور اگر آج بھی عمل کریں تو کامیاب ہو جائیں گے ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو
کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

تقویٰ:۔

ایک اور اہم حکم یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو۔تقویٰ اختیار کرو۔جس طرح کہ اس کا حق ہے یعنی اس کا معیار بلند ہونا چاہیے اور جب اس دنیا سے جاؤ تو مسلمان کی حالت میں جاؤ۔یعنی مرتے دم تک اسلام کے احکام پر عمل کرو۔ہم مسلمان کی حالت میں اس وقت مریں گے جب روز مرہ کی زندگی میں اسلام پر عمل کریں گے۔حضورﷺ کی حدیث کتنی بڑی حقیقت کی راہنمائی کرتی ہے۔آپ نے فرمایا جس حالت میں تم زندگی گزارو گے اسی پر موت آئے گی اور جس حالت پر موت آئے گی اسی حالت میں حشر میں کھڑے کئے جاؤ گے۔ یقیناً جو شخص اسلام پر زندگی گزارے گا وہی مسلمان کی حالت میں مرے گا اور پھر حشر میں بحیثیت مسلمان اُٹھے گا۔تقویٰ کا مفہوم کیا ہے۔عربی زبان میں (تقی ،متقی) بچنے اور اجتناب کرنے کو کہتے ہیں۔اس کا عمومی معنی ’ڈرنا‘ اسی مناسبت سے کیا جاتا ہے۔عذاب والی چیزوں یا اللہ اور اس کے رسول کی ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا ضروری ہے۔اسی طرح اللہ کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے اور جس سے منع کیا ہے اس سے دور رہا جائے۔ ہر وقت شکر کیا جائے اور اسے یاد رکھا جائے۔ اس کے کئی درجات ہیں۔اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل کو اللہ کی یاد سے بھر دیا جائے اور غیر اللہ کی محبت کو دل سے نکال دیا جائے۔ان درجات کی کوشش کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ڈرنے کا حق ہے اسی طرح ڈرا جائے۔

ع یزداں بکمند اور اے ہمت مردانہ
’’اے ہمت والو! اللہ کی
ذات تک پہنچو‘‘

جس قدر درجہ ہوگا اسی حساب سے مقبولیت اور قرب خداوندی حاصل ہوگا۔اے اللہ ہمیں اپنا قرب نصیب فرما۔آمین

وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا وَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا وَ كُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ [3:103]

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ مٹا ڈالو اور یاد کرو اس نعمت کو جو اللہ نے تم پر فرمائی کہ تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے دھانے پر تھے پھر اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے نشانیاں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

اتحادِ اُمت ضرورت اور طریقہ:۔

پچھلی آیات میں مشرکین واہل کتاب کے طریقہ کار اور اسلام سے عناد وبغض اور فتنہ انگیزی کے بارے اطلاع کرنے اور ان سے متنبہ رہنے کے بعد خود امت مسلمہ کو متحد رہنے کی ضرورت کے بارے احکام فرمائے ہیں۔اتحاد کی اہمیت کے بارے اس کے فائدے اور اس کے نہ ہونے میں نقصانات سے کسی کو اختلاف نہیں۔ ہر گروہ،نسل،قوم، مذہب اس کو پسند کرتا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے باوجود اختلاف کا وجود ہے اور اس کے سبب قتل وغارت ہوتی ہے۔کیونکہ ایک انسان دوسرے انسان کے بنائے ہوئے اصولوں اور قوانین کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی اس کے اپنے احکام ہیں۔قرآن مجید نے جہاں امت اسلامیہ کو وحدت کی تعلیم دی ہے اور آپس میں تفرقہ (فرقہ بازی) سے منع کیا ہے وہاں اس کا طریقہ بھی بتا دیا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔اور دوسرا اہم نکتہ کہ آپس میں تفرقہ بازی نہ کرو۔حبل سے مراد رسی بھی ہے عہد بھی ہے اور وہ شئے جو کسی مقصد کے حصول کا وسیلہ کا کام دے۔حضور ﷺ نے اس سے کتاب اللہ مراد فرمائی ہے کہ حبل ہے جو زمین سے لے کر آسمان تک لٹکی ہوئی ہے (بحوالہ تفسیر کشاف)۔یعنی تمام کائنات کے لئے اس میں ہدایت ہے اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں کے لئے اتحاد کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔

بین الاقوامی نقطہ اتحاد:۔

قرآن مجید اتحاد کا سب سے بڑا وسیلہ ہے کیونکہ یہ انسانی تخلیق نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہدایت ہے۔لہٰذا انسانوں کے آپس کے حسد وکینہ سے بہت بلند ہے۔کسی قوم، رنگ،نسل، زمین یا علاقہ کی پابندی سے عظیم تر ہے۔تمام مذاہب عالم خدا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل ہیں لہٰذا یہ اللہ کا کلام ہے ان کے لئے بھی ایک نکتہ اتحاد بن سکتا ہے۔

اختلاف کی نوعیت و اہمیت:۔

اب اختلاف اس کی تفسیر و تشریح میں ہوسکتا ہے۔ اِس اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مذموم ہے جس کا مقصد اختلاف برائے اختلاف اور اس کی بنیاد حسد و کینہ و بغض اور انسان دشمنی اور مذموم مقاصد ہیں۔ لہٰذا یہ اختلاف تشریح قرآن میں غلط اور حرام ہے کیونکہ یہ دشمنی اور جنگ و جدال کی بنیاد بن جاتا ہے۔ دوسرا اختلاف ایک علمی ہے جو انسانی دماغی صلاحیتوں کی بناء پیدا ہوتا ہے۔ یہ فطرتی اختلاف ہے اور رحمت ہے۔ یہ وہ اختلاف ہے جو آئمہ کرام، علماء اور صحابہ میں ہوا۔ لیکن چونکہ اس کا مقصد اچھائی کی تلاش ہے اور فروعی امور ہیں اس لئے اس سے کوئی دشمنی یا نفرت پیدا نہیں ہوتی بلکہ سہولت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے اس اختلاف کو امت کے لئے رحمت فرمایا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ افراد اپنی ذاتی توجیہات اور عناد کی بناء پر تشدد کا طریقہ اختیار کر کے ساری امت کو بدنام اور فتنہ پیدا کر رہے ہیں اور غیر مسلموں کی ریشہ دوانیوں کا آلہ کار بن رہے ہیں۔ یہ طریقہ پچھلے ڈیڑھ سو سال سے امت مسلمہ میں ایک ناسور کی طرح سرایت کر چکا ہے۔ اس وجہ سے امت اتحاد اور رحمت خداوندی سے محروم ہے۔ علامہ اقبال (مرحوم) نے اس کی تصویر یوں کھینچی ہے ۔

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار ‌ ‌ ‌ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ‌ ‌ ‌ ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں ‌ ‌ ‌ کچھ بھی پیغامِ محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں

قرآن مجید نے اتحاد امت کی بنیاد کے یہ طریقے فرمائے ہیں (۱) اللہ کے قوانین کی پابندی (قرآن و حدیث) قانون کی بنیاد ساری امت مسلمہ قرآن و حدیث کو مضبوطی سے پکڑ لے، عمل کرے۔ (۲) افتراق اور انتشار کے راستے پر بالکل نہ جائے (فروعی اختلاف کو جدل و نزاع نہ بنائے)۔ ایک حدیث اس سلسلہ میں انتہائی مشعل راہ ہے (روایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحوالہ صحیح المسلم شریف) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرماتا اور تین چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ پسندیدہ چیزیں یہ ہیں (۱) اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ (۲) اللہ کی کتاب (رسی) کو مضبوطی سے پکڑو اور (۳) اپنے حکام (اولی الامر) کے حق میں خیر خواہی کا جذبہ رکھو۔ (آپ ملاحظہ فرمائیں کہ کس قدر حقیقت ہے کسی قوم کی کامیابی (بالخصوص مسلمانوں) کے لئے اور جمہوریت کی اس سے بہتر کیا روح ہوسکتی ہے کہ حکمران کو حقیقی طور پر لوگ چنیں اور جب صحیح لوگوں کو چنیں گے تو ان کے حق میں خیر خواہی اور بھلائی کا جذبہ رکھیں گے ان کی تعلیمات پر بھروسہ اور عمل کریں گے اور ملک امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے گا۔) تین چیزیں جس کو اللہ نے ناپسند فرمایا (۱) بلاضرورت بحث و مباحثہ۔ (۲) بغیر ضرورت کے سوال کرنا، مانگنا اور (۳) اموال کو ضائع کرنا (اسراف)۔ ان تینوں چیزوں پر غور کریں کہ غیر ضروری بحث برائے بحث صرف الجھاؤ اور منفی اختلاف رائے کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح بلاضرورت مانگنا ایک معاشی و معاشرتی برائی بن جاتی ہے۔ اور بے جا

خرچ کرنا ایک قومی دولت کا ضیاع اور محروم لوگوں کی محرومیوں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

یہ احادیث کسی بھی معاشی یا معاشرتی پالیسی سازی کے لئے بہترین مشعل راہ ہیں۔ کاش ہم قرآن و حدیث سے صحیح راہنمائی لے کر اپنے معاشروں کو دنیا کے لئے مثالی بنا دیں۔

حق پر کون:۔

اسلام کے آنے سے پہلے عربوں کا معاشرہ جاہلیت وقتال کا بدترین نمونہ تھا۔ معمولی باتوں پر قتل ہوتے اور سلسلہ قتل در قتل کئی سالوں (نسلوں) تک چلتا۔ خطہ عرب میں حرب فجار اور بسوس اس کی بدترین مثالیں ہیں۔ لیکن اسلام کی آمد نے جاہلیت کے انداز فکر کو تبدیل کر کے دشمنوں کو شیر و شکر کر دیا۔ اسی عرب جو پست ترین قوم تھے (بالمقابل رومی اور ایرانی سلطنتوں کے) سارے نصف ایشیاء، نصف افریقہ پر نصف صدی کے اندر چھا گئے اور ان دونوں عالمی طاقتوں کو ختم کر دیا۔ یہ محبت کی فضا بھی اللہ کی نعمت و فضل اور مہربانی سے ہے۔ اس کا سبب واحد اللہ کے احکام کی اطاعت ہے اور اتحاد امت کا اہتمام تھا۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ کی حدیث بہت اہم ہے (بحوالہ ترمذی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی اکثریت گمراہی پر کبھی اکٹھی نہیں ہوگی اور اللہ کی رحمت اکثریت (جماعت) پر ہے اور جو جماعت (اکثریت) سے علیحدہ ہوا وہ آگ میں گیا۔ ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں (بحوالہ ابن ماجہ) کہ امت میں سب سے بڑے گروہ (سواداعظم) کے پیچھے چلو جو اس سے علیحدہ ہوا وہ آگ میں چلا گیا یعنی گمراہی کی طرف چلا گیا۔ جب بہت سارے مختلف مذہبی گروہ ہوں تو جس گروہ کی امت محمدی ﷺ میں اکثریت ہوگی وہ سچا اور سیدھی راہ پر ہوگا اس کے ساتھ چلنا چاہیے اور اختلاف سے بچنا چاہیے۔ یہ کامیابی اور ضمانت کا راستہ ہے اور اتحاد کا طریقہ ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [3:104]

تم میں ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے۔ اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ یہی لوگ کامیاب ہیں۔

فلاح معاشرہ:۔

پچھلی آیات میں اتحاد امت کے بارے احکام فرمائے گئے۔ اس آیت مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ امت میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف دعوت دے اور برائی سے روکے جب تک اسلامی معاشروں میں یہ کام احسن طریقے سے ہوتا رہا وہ معاشرے کامیاب و کامران رہے اور جو لوگ یہ کام سرانجام دیتے ہیں وہی اللہ کے ہاں کامیاب لوگ ہیں۔

نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) ایک فرض ہے ۔ افرادی لحاظ سے اور حکومتی لحاظ سے چونکہ ہر آدمی علمی حیثیت ، شخصی اثر و رسوخ یا سمجھ بوجھ کے لحاظ سے برابر نہیں ہوتا اس لئے علماء نے اسے فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ اگر جماعت (معاشرہ) میں کچھ افراد یہ کام کریں گے جو اس کے اہل ہیں تو یہ فرض پورا ہو جائے گا۔حکومت کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ معاشرے میں فساد اور جھگڑے کم ہوں ۔ اگر حکومت کسی بناء پر یہ کام نہیں کرتی تو مسجد یا محلّہ کی سطح پر صاحب علم و سمجھ اور اثر و رسوخ والے افراد محلاتی کمیٹی بنا کر یہ فرض پورا کر سکتے ہیں۔اس سلسلہ میں خطیب حضرات یا امام مسجد بہت اچھا کردار ادا کر سکتے ہیں اگر اس فرض کی اہمیت کو سمجھیں تو اتحاد ، محبت اور تعاون کا جمعہ کو درس دے سکتے ہیں ۔ اس کام کے لئے اہلیت ، سمجھ ، کردار کی پختگی یعنی اچھا اخلاق و برداشت ، محبت اور صبر ضروری ہے تاکہ مطلوبہ فائدہ حاصل کیا جائے ورنہ جھگڑا اور ضد کی صورت میں زیادہ تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ کام کو اجتماعی طریقہ سے کرنا زیادہ مفید ہے ۔ بدقسمتی سے ہمارے خطیب، اور امام اس اہم معاشرتی فرض کے بجائے تنگ نظری اور متعصب مذہبی رویہ کو فروغ دیتے ہیں ۔ بجائے ثواب کے مزید فساد کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور اپنا مقام و قدر کھو دیتے ہیں۔

اہمیت و ضرورت اصلاح :۔

احادیث مبارکہ میں کئی مقام پر حضور ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت ،ضرورت اور اس کو کرنے کا حکم فرمایا ہے۔حضرت ابو سعید حذری (صحیح مسلم شریف) سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی بری بات دیکھے تو اسے ہاتھ کے ذریعہ روکے اور اگر ممکن ہو تو زبان کے ذریعے روکے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو دل سے برا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان کا درجہ ہے۔ زبان سے نہ روک سکنے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی زبان کام نہیں کرتی بلکہ اگر کہتا ہے تو اس کی جان کو خطرہ لاحق ہوتا ہے ۔ اس وقت خاموشی اختیار کر سکتا ہے اور الوالعزمی یہ ہے کہ خطرہ لے کر حق کی بات کرے ۔ اسی طرح ایک اور حدیث (بحوالہ ترمذی شریف باب الفتن)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنا) کرتے رہو۔نہیں تو اللہ تعالیٰ قریب ہے تم پر اپنا عذاب بھیج دے پھر تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو گے لیکن وہ قبول نہیں ہوگی (کیونکہ تم نے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنا چھوڑ دیا تھا)۔

طریقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر :۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم اس وقت لاگو ہوتا ہے جب کوئی آدمی کسی کو برائی کرتے دیکھے تو اسے اس سے منع کرے اور نیکی کے لئے دعوت یا ترغیب دے۔ اگر کوئی جرم اس کے سامنے یا برائی نہیں ہو رہی تو یہ فریضہ اس کے ذمہ نہیں بلکہ اسلامی حکومت کا ہے کہ اس کے لئے حالات پیدا کرے۔ مجرم کی تفتیش کرے اور اس کو سزا دے ۔ اس لئے حدیث میں یہ لفظ

آئے ہیں کہ 'جوتم میں برائی کو دیکھے (من رائی منکم) اور **یدعون الی الخیر** کا لفظ آیا ہے۔ کیونکہ 'خیر/ بھلائی' ایک انتہائی وسیع مفہوم ہے اور بھلائی کی دعوت دیتے رہنا ایک عمومی حکم ہے تا کہ معاشرہ میں اچھائی یا بھلائی فروغ پائے۔ امر معروف و نہی المنکر کے لئے اہلیت یعنی علم وعمل کا ہونا بڑا ضروری ہے تا کہ صحیح بات کی طرف نشاندہی و راہنمائی ہو اور بری بات کو معقول اور مناسب طریقے سے روکا جائے۔ اسی لئے کہا کہ تم میں سے ایک گروہ یہ کام کرے یعنی وہ لوگ اس کام کو کرنے کے اہل ہوں اور کما حقہٗ اس کو ادا کریں۔ دعوت دینے والوں کا عملی کردار بھی بہت ضروری شرط ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کئی مقام پر ہے۔ ایک حدیث شریف (بحوالہ البیہقی باب شعب الایمان) میں ہے کہ حضور ﷺ نے شب معراج دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں تو انہوں نے کہا کہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود اپنے لئے بھول گئے (اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے)۔ دعوت الی الخیر (بھلائی کی طرف بلانا) تمام انسانیت کے لئے حکم ہے مسلمان کو چاہیے کہ غیر مسلموں کو بھی اچھے طریقے سے تمام بھلائی کے کام جو سابقہ انبیاء نے کئے ہیں اور اسلام کا بھی حکم ہے، کی طرف دعوت دے۔ قرآن مجید کے الفاظ معروف اور منکر کا یہی مقصد ہے ورنہ واجبات اور معاصی کے الفاظ استعمال ہو سکتے تھے۔ اس طرح کے متفق علیہ امور (یا جن بھلائیوں پر ساری انسانیت متفق ہے) کا حکم دینا پہلے ہے۔ اسی طریقے سے امور کے درجات ہیں۔ اہم مسائل کے لئے زیادہ اہمیت ہے جیسے فرائض، واجبات وغیرہ اور دوسرے امور جو کہ زائد یعنی مستحبات کا درجہ انتہائی کم ہے، کے لئے تشدد و سختی ممنوع ہے۔ لیکن آج کل بدقسمتی سے ہمارے اصلاح کرنے والے فروعی مسائل میں زیادہ تشدد کرتے ہیں جو مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی اور ٹکراؤ کا باعث بن جاتا ہے۔ جو اصحاب اہلیت (گروپ) اس کام یعنی دعوت اسلام کو خصوصی طریقہ و انداز سے سرانجام دیتے ہیں وہ لوگ کامیاب اور فلاح پانے والے ہیں اور یہی ان کی اس اہم کام کی اعلیٰ جزا و انعام ہے۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [3:105]

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور جب کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آ چکی اس کے بعد بھی اختلاف کرنے لگے اور انہی لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے۔

فرقہ بازی اور اختلافِ مسائل:۔

پچھلی آیت مبارکہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے احکام فرمائے اس کے ساتھ تفرقہ بازی سے منع فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ اور پچھلی قوموں کی طرح جنہوں نے اختلاف کیا نہ کرو۔ اتنے واضح دلائل کے باوجود بھی اختلاف کیا اور ان

کی سزا عذابِ عظیم ہے۔ یہ آیت مبارکہ تمام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ یہود و نصاریٰ میں بالخصوص مختلف فرقوں میں اہم جنگیں ہوئیں جس میں ہزاروں لوگ مارے گئے۔ یہ سارا کرتا دھرتا، فرقہ باز پادریوں اوران کے ساتھی بادشاہوں کی خواہشات کا تھا۔ اب اسلام میں حضورﷺ نے قرآن مجید مکمل حالت میں چھوڑا، اپنی زندگی مبارک اس کی تفسیر کی پھر احادیث مبارک کا بہت ذخیرہ چھوڑا پھر آپﷺ کے اصحاب (خلفاء) نے کئی سالوں تک راہنمائی کی اس طرح تمام امور بڑے واضح ہیں۔ البتہ کچھ امور جن کی ضرورت و وضاحت کی طرف توجہ بعد میں ہوئی اس میں علماء نے اجتہاد کیا۔ اجتہاد کا مطلب ہے کہ ایک عالم جو کہ عربی زبان، بالخصوص ادب جاہلی کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ قرآن، حدیث، اصولِ حدیث، تاریخ (اسماء الرجال) فقہ اور اصولِ فقہ کو اچھی طرح جانتا ہے اور مہارت رکھتا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ کسی معاملہ میں اجتہاد کرے یعنی اپنی رائے دے اور اس کی رائے ضروری ہے کہ قرآن، حدیث یعنی سنت نبوی اور اجماع (پچھلے اجتماعی متفقہ فیصلوں) کی روشنی میں ہو نہ کہ ذاتی خواہشات کی وجہ سے ہو۔ وہ ان معاملات میں جو فیصلہ دے گا وہ اس کا اجتہاد ہے اس میں دوسرے علماء اختلاف کا حق رکھتے ہیں یہ اختلاف عموی فروعی مسائل میں ہیں جو کہ اجتہادی نوعیت کے ہیں جس میں مختلف مجتہد علماء کی مختلف رائے ہیں۔ اس میں صواب و خطاء کے دونوں طرف کے امکانات ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنے علم وفکر سے اپنے لئے ترجیحی مؤقف رکھتا ہے۔ چونکہ ان مختلف آراء کے امور میں صرف ایک ہی صحیح ہوسکتا ہے یعنی اقرب الی القرآن والسنة ہے۔ اس لئے اس کا کلی علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی روز محشر اس کی جزا وسزا دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ قیامت کے دن صحیح اجتہاد کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب دیں گے اور جس نے اجتہاد میں خطا کی، اس کو ایک ثواب ملے (کیونکہ اس اجتہاد میں اس کا اخلاص عمل شامل تھا یعنی ضد برائے ضد نہیں تھی)۔ اس لئے ان اختلاف پر تشدد اور سب وشتم، تفرقہ بازی، لڑائی بالکل ممنوع وحرام ہے۔ بدقسمتی سے کچھ لوگ کم علمی و عملی، ذاتی وجاہت وغلبہ، عزت واکرام کی خاطر دوسروں کو موردالزام اور لعن طعن کرتے ہیں جو اسلامی روح اور احکام کے بالکل خلاف ہے اور یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے دائرہ سے بالکل خارج ہے۔

يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ فَاَمَّا الَّـذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ [3:106]

جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے تو جن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ جو تم کفر کرتے تھے سو اس کا عذاب چکھ لو۔

وَ اَمَّا الَّذِيۡنَ ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِىۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ [3:107]

اور جن لوگوں کے چہرے روشن (سفید) ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں

گے۔

تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ وَ مَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ [108:3]

یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پرحق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اللہ جہان والوں پرظلم نہیں چاہتا۔

حق اور باطل کی وضاحت، حق کی رسی کومضبوطی سے پکڑنے کی ہدایت، لوگوں کو نیکی و بھلائی کی طرف بلانے اور برائی سے بچنے کی کوشش اور اس میں اختلاف سے بچنے کی ہدایات کے بعد اب انسانوں کے اعمال کی روزمحشر اور جزاوسزا کی کیفیت کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے تاکہ ہم اس کا ادراک کرسکیں۔

مجرم کی پہچان:۔

فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کے چہرے چمکتے یعنی سفید ہوں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سفیدی پھر روشنی میں بدل جاتی ہے جس طرح صبح کاذب، پھر صبح صادق پھر سورج کی روشنی اسی طرح شام کو اندھیرا اور پھر سیاہ رات چھا جاتی ہے اور روشنی ختم ہو جاتی ہے۔ جس سے دیکھنے کی قوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت قیامت کو ان لوگوں کی ہوگی جو نیک اعمال کرتے ہیں ان کے چہرے روشن ہوں گے، مسکراتے، تسلی اور اطمنان میں ہوں گے جس سے ان کی کامیابی واضح ہوگی۔ جو اس کی ادنیٰ مثال دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ مطمئن آدمی کا چہرہ کھلا کھلا اور پرسکون ہوتا ہے دوسری طرف پریشان حال آدمی کا چہرہ خوفزدہ ہوتا ہے اور اس کی پریشانی (Tension) کو ظاہر کرتا ہے۔ چہرہ انسان کی اندرونی کیفیت کا اظہار کرتا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ انکار کرتے رہے اور سچائی اور حق کا جاننے کے باوجود گمراہی پراڑے رہے ان کی کیفیت پریشانی اور خوف کی ہوگی جو ان کے اعمال کے سبب ہوگا۔ اس لئے فرمایا کہ یہ ایمان لانے کے بعد کفر یعنی اطاعت سے انکار کا نتیجہ ہے۔ ان کی کیفیت و حالت ان کا حال بتا رہی ہوگی اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے جب کہ اطاعت گزار ہمیشہ اللہ کی رحمت یعنی جنت الفردوس میں قیام کریں گے۔ یہ انسانی کیفیت قبل از حساب و کتاب یا بعد از حساب و کتاب ہوگی۔

انسان کا ظلم اس کے اپنے نفس پر:۔

ایک اہم نکتہ فرمایا ہے کہ یہ چہرے انسانی اعمال کا انڈیکس ہیں جو اعمال اس دنیا میں کئے گئے کیونکہ حق اور سچائی تو اللہ نے انسان کے لئے واضح فرما دی اور اس نے جب سچائی سے منہ موڑا اور باطل کو پسند کیا اور عمل کیا تو اس سزا کا مستحق ہوا یعنی دنیا میں سزا و جزا بھی انسانی اعمال کے سبب ہے۔ درحقیقت اگر دیکھیں تو ہماری معاشی، معاشرتی و سماجی زندگی قومی درجہ پر ہو یا انفرادی سطح پر، سکون یا بدسکونی ان اعمال کا نتیجہ ہے۔ وہ معاشرہ جہاں برائی پھیل جاتی ہے اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے وہ انسان کے ظلم اور اعمال کے سبب ہے۔ انسان نے انسان کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ اسی طرح ایک قوم دوسری قوم پرظلم کرتی ہے۔

فضائی آلودگی، قدرتی ذرائع کا بے دریغ استعمال بھی ایک نسل کو یا ایک قوم کو فائدہ دیتا ہے تو دوسری نسل یا قوم کے لئے تباہی کا سبب بنتا ہے۔اس کا ذمہ دار بھی انسان ہی ہے۔ قدرتی آفات، زلزلہ، سونامی بھی انسانی اعمال کا نتیجہ ہیں جو قدرت کی طرف سے ملتا ہے۔اس لئے فرمایا کہ اللہ انسانوں یعنی انسانیت کے لئے ظلم پسند نہیں کرتا۔ وہ تو رحمت اور مہربانی کرنا چاہتا ہے۔اس لئے اس نے حق کی وضاحت و تعلیم کے لئے کتب سماوی اور انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں اور یہ قرآن مجید کی حقانیت ہمارے نبی ﷺ پر حضرت جبرئیل کے ذریعے بیان فرمائی ہے جو سراپا حق ہے۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ ہدایت لے یا گمراہی لیکن انسانوں نے اپنے برے اعمال کے سبب اپنے آپ کو سزا کا مستحق بنایا ہے جو ان کو اس دنیا میں یا آخرت میں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو معلوم کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی ناراضگی و عذاب سے محفوظ فرمائے۔ آمین

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ[3:109]

اور اللہ کے لئے ہے (کنٹرول میں) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اتنے بڑے نظام حق، پھر جزا و سزا کے ذکر کے بعد انسانی یقین کو پختہ کرنے کے لئے فرمایا کہ جو کچھ زمین و آسمانوں میں ہے وہ اسی کے حکم کے تابع ہے۔اس کی تخلیق ہے اور اس کی مرضی اور احکام کے مطابق نظام کا حصہ ہے۔ بحیثیت انسان ہم بھی اسی نظام کا حصہ ہیں اور اگر غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔علم سائنس و ٹیکنالوجی اسی بات کو سمجھ رہی ہے۔ اس کا آخری حصہ بہت قابل غور ہے کہ تمام کائنات کے امور ایک مخصوص نظام و حکم کے تحت اپنے اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں اور بالآخر سب نے انتہاء کو پہنچ کر ختم ہو جانا ہے اور یہ سارا آخری مرحلہ اللہ کے حکم (امر) کا حصہ ہے اور اس کے سامنے پیش ہوگا۔ انسانی زندگی بھی اسی کے امر کا حصہ ہے جو صلاحیتیں اور قوت اختیاری اسے دی گئی ہے، اسی کو استعمال کر کے وہ بھی ایک دن ختم ہو کر پیش ہوگی اور اپنے اعمال کا صلہ پائے گی۔ یوں جزا و سزا کی صورت میں ہم جو کاشت کریں گے وہی کاٹیں گے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ[3:110]

تم بہترین امت ہو جو انسانوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ضرور ان کے لئے بہتر ہوتا۔ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّاۤ اَذًی وَ اِنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ یُوَلُّوۡکُمُ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ [3:111]

یہ لوگ تمہیں ستانے کے سوا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اور اگر یہ تم سے لڑیں گے تو تمہارے سامنے پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔ پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

خیر الامم (بہترین امت):۔

پچھلی آیات کے بعد امت محمدیہ کی اہمیت اور عظمت کے بارے احساس دلایا ہے کہ یہ امت بہترین (خیر) امت ہے یعنی سابقہ اور موجودہ امتوں سے امتیاز رکھتی ہے اور اس کا امتیاز اس کا نصب العین ہے کہ انسانیت کی بھلائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے چنا ہے کہ نیکی کو پھیلائے اور برائی سے لوگوں کو آگاہ کرے کہ وہ بچ سکیں۔ تمام انسانوں کی بھلائی ان کے جہنم کے عذاب سے بچنے میں ہے اور وہ اس طرح ممکن ہے کہ اسلام کو قبول کریں اور عمل کریں۔ اس لئے اس امت میں ایک گروہ ہر حالت میں ہونا چاہیے کہ وہ انسانیت کو نیکی کی طرف دعوت دے۔ اپنے معاشرے میں بھی نیکی پھیلائے اس کام کو حکومت کے درجہ پر امر بالمعروف کا محکمہ ہونا چاہیے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو افراد کا فرض ہے کہ تنظیمیں بنا کر اس کا اہتمام کریں۔ اگر وہ بھلائی کو اپنے معاشرہ میں نافذ نہیں کریں گے اور دوسری امتوں یا لوگوں کو اس کی دعوت نہیں دیں گے تو خیر الامم کے لقب سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ اس کے ساتھ ان کا ایمان باللہ بھی قوی تر ہونا چاہیے۔ آج ہم اپنے اس فریضہ کو بھول گئے ہیں اس لئے رحمت خداوندی سے بھی دور ہو گئے ہیں۔ اسلامی حکومت کے مدینہ میں قیام کے کچھ ماہ بعد قوم یہود نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں ان کے پاس دولت تھی (سارا مدینہ ان کے زیر اثر تھا تجارت و معیشت میں) ان کے پاس علم تھا ان کے پاس دفاعی طاقت تھی ان کے قلعے تھے لیکن اس کے باوجود وہ مسلمانوں کے خلاف اپنی وعدہ خلافیوں کی وجہ سے جلا وطن ہوئے اور مدینہ سے ان کو جانا پڑا اور مسلمانوں کے ساتھ ہر مقابلہ میں ناکام رہے اور قرآن مجید کی یہ پیشن گوئی پوری ہوئی۔ موجودہ حالات میں بھی یہ کیفیت ہے کہ یہودی ہمیشہ کسی کے زیرِ سایہ امن و سلامتی سے رہتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی حکومت ہو یا موجودہ مغربی حکومتیں اور موجودہ اسرائیلی حکومت بھی ایک پریشانی کی کیفیت میں ہے اور مغربی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی کی زیرِ کفالت ہے لیکن بدقسمتی سے مسلمان اپنا عہد اور فریضہ بھول گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ پچھلی تین صدیوں سے ناکامی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کامیابی کے لئے ہمیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اپنانا پڑے گا۔

ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ حَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الۡمَسۡکَنَۃُ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ [3:112]

وہ جہاں کہیں بھی پائے گئے ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے سوائے اس کے کہ انہیں کہیں اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے (پناہ دے دی جائے) اور اللہ کے غضب کے سزاوار ہوئے اور ان پر مسکینی مسلط کی گئی ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔ کیونکہ وہ مسلسل نافرمان ہو گئے تھے اور حد سے بڑھ گئے تھے۔

لَيۡسُوۡا سَوَآءً مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَ هُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ[3:113]

یہ سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ حق پر قائم ہیں اور رات کی ساعتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سربسجود رہتے ہیں۔

يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ [3:114]

وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر، اور حکم دیتے ہیں امر بالمعروف (اچھے کاموں) کا اور نہی عن المنکر (روکتے ہیں برے کاموں) سے اور جلدی کرتے ہیں بھلائی کے کاموں میں اور وہ صالحین میں سے ہیں۔

وَ مَا يَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلَنۡ يُّكۡفَرُوۡهُ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ [3:115]

اور یہ لوگ جو نیک کام کریں وہ ہرگز محروم نہیں کئے جائیں گے (اس کے اجر سے) اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

بھلائی نیکی کا بدلہ / جزا:۔

ان آیات میں پچھلی آیات کے مضمون کو جاری رکھا گیا ہے۔ یہود کی ذہنیت کے متعلق فرمایا کہ ان کے حق کی مخالفت اور انبیاء علیہ السلام جو دنیا کو اور ان کو صحیح راستہ بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمائے تھے بجائے وہ ان کی اتباع کرتے ان کو قتل کر دیتے اور مخالفت کرتے تھے۔ اس مسلسل نافرمانی اور پھر نبی آخرالزماں سے دشمنی کی وجہ سے ان پر ذلت اور مسکینی مسلط کر دی گئی کہ وہ کسی اور کے عہد ضماں یا حفاظت میں زندہ رہیں گے خواہ وہ مسلمان حکومت ہو مثلاً سپین، مشرقی یورپ، مشرق وسطیٰ کی سلطنت عثمانیہ ہوں یا غیر مسلم موجودہ یورپی حکومتیں اسی طرح تاریخ میں ہوا ہے اور آج بھی اسرائیلی حکومت دوسروں کی ضمانت پر قائم ہے (امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی) تمام یہودی یا اہل کتاب یعنی نصاریٰ سب ایک جیسے نہیں ہیں بلکہ جو حق کو جانتے تھے

اور پیشن گوئی جو کہ ان کی کتب میں کی گئی ہیں ان پر غور کرتے ہیں۔ وہ آخری نبی الزماں پر ایمان لائے اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے اس کی عبادت کرتے اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے اور پھیلاتے اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور یہ لوگ بھی صالحین سے ہیں۔ یہ ان یہودیوں کے بارے آیت نازل ہوئی جو حضرت عبداللہ بن سلام کے ساتھ کافی تعداد میں مسلمان ہو گئے تھے اور عبادات اور امر بالمعروف میں مشغول رہتے تھے اب بھی بہت سارے عیسائی اسلام قبول کر رہے ہیں اس کا ثبوت ہیں۔ موجودہ دور میں بہت سارے عیسائی جو اپنے مذہب کو چھوڑ چکے ہیں اور لادینی پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (جو کہ عمومی بھلائی کے کام ہیں جو تمام کتب سماویہ میں ہیں اور اخلاقِ انسانی کا حصہ ہے) کا فریضہ اپنی اپنی حکومتوں میں سرانجام دے رہے ہیں وہ اس دنیا کی بھلائی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس لئے آیت 115 میں فرمایا کہ یہ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں ان کو اس کا اجر ضرور ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے جہاں معاشی و معاشرتی انصاف موجود ہے، سچائی، وعدہ کی پابندی، انسانی مساوات مظلوم کو حق دلانا اور عدل کرنا وہ اس دنیا میں کامیاب ہیں خواہ وہ غیر مسلم ہوں۔ کاش مسلمان بھی اس حکم سے سبق سیکھیں اور اپنے معاشروں میں انصاف اور بھلائی کا نفاذ کریں۔ اور جو صاحب ایمان ہیں وہ دو خصوصیات کے حامل ہیں (۱) امر بالمعروف نہی عن المنکر اور (۲) ایمان باللہ، اس لئے وہی متقین ہیں اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا ‌ وَ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ [116:3]

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا نہ ان کے مال اور نہ ان کی اولاد انہیں ذرہ بھر بھی اللہ کے عذاب سے بچا سکیں گے اور وہی لوگ آگ کے ساتھی (جہنمی) ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ‌ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰـكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ [117:3]

جو کچھ وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں اس کی مثال اس سخت سرد ہوا کی سی ہے جو اس قوم کے کھیتوں (زراعت) پر چلی جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور اسے (کھیت کو) تباہ کر دے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

احوال کفر:۔

کفار کی حالت جو دین اسلام سے منکر ہیں کا ذکر ہے کہ ان کے مال و اسباب وہ اقتصادی یعنی تجارتی، مالی، صنعتی،

زرعی ترقی کی صورت میں یا ان کے اولاد یعنی افرادی قوت ایک خاندان کی سطح پر اگر خدا کے احکام سے منہ موڑ رہے ہیں تو ان کو یہ عذاب جہنم سے نہیں بچا سکے گی۔ مرنے کے بعد وہ دوزخ میں جائیں گے اور اگر کوئی ان کی انسانی اچھائی ہے تو صرف وہ اس دنیا تک ہی رہے گی اور اللہ کے انکار کے عوض وہ اس دنیا کی زندگی میں دولت کے حصول، نفس پرستی اور توسیع پسندی کے چکر اور اعصابی تناؤ و بحران کا شکار رہیں کہ ان کا حرص نہ ختم ہوگا اور زندگی عذاب کی طرح بن جائے گی اور آگ کے ساتھی ہوں گے۔

آیت نمبر 117 میں ایک خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے کہ جس طرح ٹھنڈی (سرد) ہوا جہاں گرمی کے لئے بڑی فائدہ مند تصور ہوتی ہے اگر یہ سخت ٹھنڈی ہو تو انسان اور حیوان، تمام زراعت، کھیت اور پودوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اسی طرح کفار کی زندگی میں شان وشوکت اور مال وحشم کی کوئی حقیقت نہیں اور اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ان کی اپنی زندگی بھی اس لالچ، نفس پرستی، حصول نفع وحصول دولت کی وجہ سے انسانی اخلاق عالیہ اور روحانی سکون سے محروم رہتی ہے۔

اصحابِ کفر کی مدد:۔

اس آیت سے ایک اہم نکتہ واضح ہوتا ہے کہ کفار کی مدد کو کبھی بھی مسلمانوں کو استعمال نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے ذرائع پر بھروسہ کر کے ترقی کرنی چاہئے ان کی امداد اس تباہ کن سرد ہوکی آندھی کی طرح ہے جو تمام کھیتوں کو اُجاڑ کر رکھ دیتی ہے اور یہ تباہی انسانی اعمال کا نتیجہ ہے اللہ کی طرف سے عذاب نہیں اس لئے ضروری ہے کہ اپنے وسائل سے محنت کر کے ملک کو ترقی دی جائے اور کفار پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ اس کے بارے اگلی آیت میں وضاحت فرمائی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ [3:118]

اے ایمان والو! تم غیروں کو راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی سے باز آنے والے نہیں وہ تمہیں سخت تکلیف پہنچانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہ بغض (عناد) ان کی باتوں سے ظاہر ہے اور جو سینوں میں چھپا رکھا وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہم نے تمہارے لئے نشانیں واضح کر دیں اگر تمہیں عقل ہو۔

هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڝ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ [3:119]

آگاہ ہو جاؤ تم وہ ہو جو ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تمہیں پسند نہیں کرتے اور تم سب کتابوں پر ایمان

رکھتے ہو۔ اور وہ (غیر مسلم) تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔ کہہ دیجئے! مر جاؤ اپنے غصے میں بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتا ہے۔

اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ وَ اِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ [3:120]

اگر تمہیں کوئی تھوڑی سی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور تمہیں کوئی دکھ پہنچے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر کرو، تقویٰ (خوف خدا) اختیار کرو تو ان کا فریب (منصوبہ بندی) کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ اس پر حاوی ہے۔

کفار سے تعلقات کی پالیسی:۔

کفار اور اہل کتاب کے ساتھ عمومی اور خصوصی تعلقات کے بارے ایک حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے کیونکہ مدینہ کی ریاست میں مختلف مذاہب کے لوگ تھے ایک طرف مسلمان قبائل (انصار، مہاجرین) دوسری طرف یہودی قبائل اس کے ساتھ کچھ عرب مشرکانہ عقائد کے قبائل اور چونکہ ان کے آپس کے تعلقات حضور اکرم ﷺ کے مدینہ آنے اور اسلام کے پھیلنے سے قبل تھے اس لئے اسلام کے بعد یہود اور کفار قبائل کے آپس کے تعلقات نے نئی صورت اختیار کی اور مفادات کا ٹکراؤ اس صورت میں ہوتا جب مسلمانوں کو کوئی مشکل یا مسئلہ پیدا ہوتا۔ اس صورت میں یہود (بالخصوص) اور کفار قبائل کی ہمیشہ ترجیح اور دوستی، کفار مکہ تھے۔ جن سے وہ چھپ چھپ کر تعلقات رکھتے تھے حالانکہ رسمی طور پر ان کے معاہدے (میثاق مدینہ) مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذہنیت کی حقیقت آیات میں واضح کی ہے کہ وہ دل سے مسلمانوں کے لئے محبت و بھلائی نہیں رکھتے بلکہ کینہ وحسد اور بغض کی آگ رکھتے ہیں۔ ذرا سی مسلمانوں کی کامیابی ان کو پریشان کر دیتی ہے اور مسلمانوں پر مصیبت کا پہاڑ بھی ٹوٹ پڑے تو وہ بجائے ہمدردی کرنے کے خوش ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی اس اندرونی کیفیت کی وجہ سے ان سے گہری اور رازدارانہ دوستی نہ کی جائے کیونکہ وہ ہمیشہ ضرورت کے وقت دھوکہ دے کر تباہی کا سبب بنیں گے۔ قرآن مجید نے بڑے خوبصورت الفاظ استعمال فرمائے ہیں (بِطَانَةً) یعنی کپڑے کا اندر والا حصہ، بطن پیٹ بھی اس سے ہے "یعنی رازدار دوست جو فیصلہ کن معاملات میں اثر رکھتا ہے" یہ درجہ کفار کو نہیں دینا چاہیے۔ ان کا ظاہری کردار ان کے باطنی (دلی ارادوں) سے مختلف ہے۔ اس کی تصدیق مختلف اوقات میں ہو بھی گئی ہے اور قرآن مجید نے واضح بھی فرما دیا اور اس کے بعد بھی اگر احتیاطی تدابیر نہ کی گئیں تو انجام برا ہوگا اور اس کی ذمہ داری مسلمانوں کی بے وقوفی ہوگی۔ ابتدائے اسلام سے آج تک تاریخ کا مطالعہ کریں تو

یہ تین آیات سچائی اور حقیقت کی تصویر ہیں۔ ہمیشہ مسلمانوں کو کفار اور اہل کتاب سے مسائل کا سامنا رہا۔ یہ اصول بطور قومی پالیسی ہے کہ بین الاقوامی معاملات اور قومی معاملات میں جہاں قومی سلامتی کا مسئلہ ہو یا طویل المدت پالیسی ہو وہاں غیر مسلم اعلیٰ افراد کا شامل ہونا صحیح نہیں بلکہ نقصان دہ ہے۔ اس لئے صرف مسلمانوں کی ہی جماعت یا کمیٹی کو فیصلے کرنے چاہئیں اور تمام دنیا کے ممالک میں یہی اصول کار بند ہے۔ لیکن انفرادی سطح یعنی داخل حکومت بحیثیت شہری غیر مسلمان کے حقوق مسلمانوں کے برابر ہیں ان کی مذہبی، معاشی، سماجی آزادی بالکل مساوی ہے۔ کئی احادیث میں واضح طور پر اس کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے میثاق مدینہ، معاہدہ نجران، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاہدے (حیرۃ) اس کی واضح دلیل ہیں۔ اسلام مساواتِ انسانی، عدلِ انسانی اور بنیادی حقوقِ انسانی کا نہ صرف علمبردار ہے بلکہ محافظ ہے۔ اس لئے دونوں پالیسیوں میں واضح فرق ہے اور وہ قومی سلامتی کے نقطہ نظر سے ہے۔ ان میں تضاد نہیں بلکہ مصلحت اور بقائے مملکت کار کا اصول کارفرما ہے۔

تجارتی و انتظامی معاملات:۔

جس طرح اوپر تحریر ہے کہ تجارتی اور انتظامی معاملات کا اہتمام اسلام کا اہم فرض ہے۔ معاہدہ کا اہتمام دشمن، دوست سب کے لئے برابر ہے۔ حضور ﷺ کے معاہدے (میثاق مدینہ، نجران) اور بعد میں اہل کتاب اور کفار سے خلفائے راشدین کے معاہدے اور ہدایات اس سلسلہ میں روشن دلیل ہیں۔ اس لئے کفار سے تجارتی، معاشی اور انتظامی معاہدے برائے حدود اور ان کا اہتمام بڑا ضروری ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ باہمی معاہدہ اور گہری دوستی کا فرق سمجھا جائے اور فوائد و نقصانات سے آگاہ رہا جائے۔

قومی دفاع اور حفاظت:۔

قرآن مجید نے جہاں کفار اور دشمنان اسلام کی ذہنی و قلبی کیفیت کا اظہار کیا ہے اور ان سے تعلقات کے سلسلے میں عمومی و خصوصی تعلیمات دی ہیں وہاں ان کی ریشہ دوانیوں اور دشمنوں سے نمٹنے یا بچنے کے طریقہ سے بھی آگاہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شروع اسلام سے آج تک کفار اور اہل کتاب نے جب مسلمان طاقتور اور اپنے قدموں پر قائم تھے ان سے ان کے تعلقات بظاہر مساویانہ تھے لیکن ہر دفعہ وہ ان کو نقصان دینے سے باز نہیں آتے تھے۔ لیکن صنعتی ترقی کے بعد جس طرح غیر مسلم قوموں نے محنت اور عمل سے ترقی کی اور طاقت حاصل کی ہے اس وقت انہوں نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ سازشوں کا جال بچھا کر مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا اور اسلامی وحدت کے مقابل قومیت کا نعرہ لگا کر گمراہ کیا۔ زوال ہسپانیہ اور ترکوں کی حکومتوں (لارنس آف عربیا) کا انجام، ہندوستان اور مشرق بعید (انڈونیشیا) میں مسلمانوں کی ذلت سب ان کی کارستانی اور مسلمانوں کی اسلام کے احکام سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ آج بھی کفار کا مسلمانوں کے خلاف اور مسلمانوں کے آقا حضرت محمد ﷺ

کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ ہر سطح پر جاری ہے اور تجارتی اور دفاعی محاذ پر ہر طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔اس لئے قرآن مجید نے آج سے کئی سو سال پہلے ہی مسلمانوں کو اس پریشانی اور آفت سے بچنے کے لئے فرما دیا تھا کہ "وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ لاَ يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً" کہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو یعنی اپنے اعمال میں اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام کے مطابق چلو تو وہ تمہیں اپنے دھوکے اور مکر سے ختم نہیں کر سکیں گے۔لیکن موجودہ مسلمانوں کے ساتھ ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار کوئی اسلام دشمنی کی بات کرتے ہیں تو وہ صبر نہیں کرتے تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔صبر کا مطلب ہے کہ فوری ردعمل نہ کریں اس پر غور کریں اس کے خلاف سوچ سمجھ کر ایسا طریقہ اختیار کریں کہ ان کو نقصان ہو نہ کہ اپنا نقصان کریں اور تمام معاشرتی امور میں اللہ سے ڈریں اور تقویٰ اختیار کریں۔لیکن مسلمان جذبات کا مظاہرہ کر کے اپنا نقصان توڑ پھوڑ کرتے ہیں۔تجارتی و معاشی ایسی منصوبہ بندی نہیں کرتے کہ اُن کا نقصان ہو۔تقویٰ اختیار کرنے کی بجائے کفار و اہل کتاب کو راہنما بنا کر ان کی نقل اور ان کے طریقے پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان سے راہنمائی لینے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے وسائل کا صحیح استعمال اور ان پر بھروسہ کرنے اور محنت کرنے کے بجائے ان کی امداد اور خیرات پر بھروسہ کرتے ہیں اپنی قومی پالیسی میں ان کے مشورے پر عمل کرتے ہیں۔تو یہی وجہ ہے کہ مسلمان موجودہ دور میں ان کے مکر اور فریب کا شکار ہو کر انتہائی کمزور اور محتاج بن گئے ہیں۔ہمیں ان پر بھروسہ کرنے کے بجائے آپس میں اتحاد، حضورﷺ کا کردار، صبر و تحمل کے ساتھ ایک منصوبہ بندی کے ساتھ اپنی قومی پالیسی کو اپنے مفاد میں بنانا چاہیے۔ہمارا کردار اچھا ہوگا تو اسلام دشمن عناصر کے ہاں جو اچھے لوگ ہیں اور کتابوں پر یقین کرتے ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ ہو جائیں گے اور ہمارے لئے ان کے اپنے معاشرے میں مسلمان دشمن قوتوں کے خلاف کام کریں گے۔کاش مسلمان اسلامی اصولوں کو اپنی انفرادی اور قومی زندگی میں اپنا لیں، اسی میں ان کی کامیابی ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ [3:121]

اور جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر والوں سے نکلے (تاکہ) مومنین کو مورچوں پر ٹھہرائیں، اور اللہ خوب جاننے والا اور سننے والا ہے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ[3:122]

جب تم میں سے دو جماعتوں نے بزدلی کا ارادہ کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مددگار تھا اور ایمان والوں کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔

غزوہ احد:۔

غزوہ احد کا نقشہ

آیات مبارکہ کفار اور اہل کتاب کی اسلام سے دشمنی اور بغض کے بعد جس میں کامیابی کے لئے صبر اور تقویٰ کا حکم فرمایا تا کہ ان کے مکر سے محفوظ رہا جائے۔ وہاں ایک عملی واقعہ (جنگ) کا ذکر فرمایا وہ واقعہ غزوہ احد ہے جب کفار مکہ ایک بڑا لشکر لے کر جو کہ تین ہزار افراد، سینکڑوں گھوڑ سواروں، اونٹ سواروں اور مسلح افراد کے علاوہ لڑائی پر اُبھارنے والی عورتوں جو گانے گا کر اُبھارتی تھیں پر مشتمل تھا۔ ماہ شوال ۳ھ میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ جب نبی ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مشورہ کیا۔ اس مشورہ میں عبداللہ بن ابی بھی شامل تھا۔ آپ کا خیال شہر میں رہ کر مقابلہ کرنا تھا۔ عبداللہ بن ابی نے بھی یہی خیال ظاہر کیا لیکن نوجوان صحابہ کا جوش تھا کہ باہر مقابلہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے حامی بھر لی اور گھر سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ صبح کا وقت تھا جس کا ذکر آیت میں ہے۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی لیکن راستے میں جاتے ہوئے عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس آ گیا کہ میرا مشورہ نہیں مانا گیا۔۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کے دلوں کو متاثر کیا ادھر یہود نے بھی ساتھ نہیں دیا۔ مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ ان کے دل پریشان ہو گئے کہ اگر مدینہ میں گھروں پر حملہ ہوا تو کیا کریں گے۔ یہ قبیلہ بنی

خزائم اور بنی حارثہ کے افراد تھے جو واپسی کے لئے سوچنے لگے۔ نبی ﷺ نے حوصلہ دلایا، اللہ پر توکل اور اس کی نصرت و مدد کا وعدہ یاد دلایا کہ جس طرح غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی تھی اور قلت عدد و سامان کے باوجود فتح عطا فرمائی تھی اب بھی امداد فرمائے گا۔ آپ ﷺ نے احد کے محل وقوع کے مطابق جہاں پیچھے کی طرف پہاڑ تھا صف بندی کی۔ سامنے دشمن کا کیمپ ولشکر تھا۔ پیچھے کی طرف سے کسی حملہ کا خدشہ نہ تھا البتہ ایک درہ تھا جس کی حفاظت کے لئے آپ ﷺ نے پچاس تیر انداز متعین فرمائے اور تاکید سے حکم دیا کہ کسی صورت میں وہاں سے نہ ہلیں۔ نبی ﷺ کی عسکری منصوبہ بندی ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی۔ وسائل کا استعمال، صف بندی، آگے پیچھے، دائیں بائیں حفاظت انتہائی موزوں اور کامیاب ہوتی تھی۔

آپ ﷺ نے صف بندی کروائی لشکر کے ہر حصے کی ذمہ داری متعین کی اور سالار مقرر کئے جس کی وجہ سے جنگ میں جلدی مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا اور کفار پیچھے بھاگنا شروع ہو گئے۔ اس منظر کو درے کی حفاظت پر متعین تیر اندازوں نے فتح سمجھا اور حضور کی ہدایات کو بھول گئے۔ ان کے کمانڈر نے انہیں بہت روکا لیکن انہوں نے سمجھا کہ جنگ کی فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہاں سے ہٹ کر نیچے میدان میں آ گئے۔ اس طرح خالد بن ولید کی قیادت میں کفار نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور چند باقی رہنے والے تیر اندازوں کو شہید کر دیا۔ چونکہ مسلمان ذہنی طور پر فتح کا یقین ہونے کی وجہ سے لڑائی کے اہتمام سے ہٹ چکے تھے اس لئے یہ اچانک پچھلی طرف کا حملہ شدید تھا۔ بہت سارے مسلمان شہید ہو گئے۔ نبی ﷺ کے نچلے دانت مبارک بھی شہید ہو گئے اور یہ خبر اُڑ گئی کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے اور زیادہ مسلمانوں کو پریشانی ہوئی۔ لیکن پھر نصرت الٰہی نے کام کیا، صبر اور توکل کام آیا، آواز بلند ہوئی کہ آپ ﷺ سلامت ہیں۔ ادھر اللہ کے فرشتوں کی مدد بھی آ گئی۔ کفار کا جوش ختم ہو گیا اور انہوں نے سمجھا کہ جنگ جیت لی ہے وہ واپس ہو گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا اور کفار بغیر قید ہوئے، مال غنیمت چھوڑے کامیاب واپس ہو گئے۔

اگلی آیات 123,124,125 میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے واقعات اور نصرت الٰہی کا ذکر فرمایا ہے۔

وَ لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّ اَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ [123:3]

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری (غزوہ) بدر میں مدد کی حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔ پس اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکر ادا کرو۔

اِذۡ تَـقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ [124:3]

(وہ وقت) جب آپ مومنین سے فرما رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار

فرشتوں سے جو اُتارے گئے ہیں مدد فرمائے۔

بَلٰٓی اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ یَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِہِمۡ ہٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیۡنَ [3:125]

ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ (کفار) تم پر تیزی سے حملہ کریں تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

وَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشۡرٰی لَکُمۡ وَ لِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُکُمۡ بِہٖ وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ[3:126]

اور اللہ نے اس (مدد) کو تمہارے لئے خوشخبری بنایا اور اس لئے کہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو بڑا غالب حکمت والا ہے۔

غزوہ بدر میں صبر اور تقویٰ:۔

غزوہ بدر اسلام کا پہلا حق و باطل کا معرکہ تھا۔ مقام بدر مدینہ شریف سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے جہاں پانی وغیرہ کا اہتمام تھا اور قافلوں کے پڑاؤ کے لئے مناسب مقام تھا۔ یہ ہجرت کے دوسرے سال سترہ رمضان المبارک (جمعہ) کو واقعہ پیش آیا جس میں مسلمانوں کی تعداد تین سو سے اوپر تھی اور کفار مکہ کا لشکر ہزار کی تعداد سے زیادہ تھا۔ مسلمانوں کا حال بڑی بے سروسامانی کا تھا۔ چند تلواریں اور گھوڑے تھے۔ لیکن جوش ایمانی تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ہر دفعہ جنگ میں انتہائی اعلیٰ پالیسی اور طریقہ کار اپنایا، اللہ پر توکل کے ساتھ آپ ﷺ نے موجود ذرائع کا بہترین استعمال فرمایا۔ بدر میں بھی مسلمانوں نے اوپر والی جگہ منتخب کی۔ رات کو بارش ہوئی تو سارا پانی نیچے کی طرف چلا گیا جہاں قریش کے پڑاؤ تھے۔ اسی طرح اور بھی جو جنگیں ہوئیں مثلاً خندق، تبوک۔ آپ ﷺ نے ہر دفعہ جدید جنگی انداز اپنایا اور اپنے سائنسی طریقہ کار سے دشمن کو پریشان و ناکام کیا۔ اعلیٰ جذبہ توکل، اخلاص کے باوجود آپ ﷺ نے ہر طرح کی مشاورت اور مہارت سے جدید انداز جنگ اختیار کیا جس نے دشمن کو ناکام کیا۔

اس دوران ایک افواہ نکل گئی کہ ایک کافر سردار ''کرز بن المحاربی'' کفار مکہ کی مدد کے لئے لشکر لا رہا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو یقین دلایا کہ اگر کفار کی مدد آ رہی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے ہماری مدد فرمائے گا۔ جن کی تعداد تین ہزار ہوگی۔ اگر ہم نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ کے لئے دیا ہے تو اس کی برکت سے نصرت و مدد میں تین ہزار سے بڑھ کر پانچ ہزار ہوگی۔ کفار کی مدد کے لئے کرز بن المحاربی کا لشکر نہیں آیا قریش نے انتہائی

بری شکست کھائی ۔ بڑے بڑے سردار (ابوجہل وغیرہ) مارے گئے ۔کل ستر (70) قتل ہوئے اور اتنے ہی قید ہوئے ۔ یہ اللہ کی نصرت، مسلمانوں کا جذبہ توکل، صبر اور محدود وسائل کا بہترین استعمال ، جنگی منصوبہ بندی تھی ۔توکل کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ وسائل کا بھرپور استعمال کیا جائے لیکن کامیابی کا فاعل حقیقی، ذاتِ خداوندی کو سمجھنا چاہیے ۔ وہی حکمت اور غلبے والا ہے اور اس کا کامیابی پر شکر ادا کرنا چاہیے ۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ

اپنا

پھر اس کی تیزی کو مقدر کے حوالے

کر

مدد ربانی کی شرائط وصورت :۔

آیت نمبر 125/124 میں اللہ کی نصرت و مدد کا ذکر ہے اور فرشتوں کے ذریعے نصرت پہنچانے کا ذکر و وعدہ فرمایا ہے ۔ یہ مدد غزوہ بدر اور احد میں ہوئی ۔فرشتوں کی امداد، دراصل غیبی امداد کی صورت ہے جو کہ نا قابل فہم ہیں ۔غیبی امداد کے واقعات ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں جب تمام ذرائع ختم ہو جاتے ہیں پھر اچانک کہیں سے غیر متوقع مدد یا راہنمائی مل جاتی ہے ۔جس کی وجہ سے سارا سین بدل جاتا ہے اور ناکامی سے کامیابی قدم چوم لیتی ہے ۔ بظاہر حالات کے مطابق یہ واقعہ ایک انہونا لگتا ہے ۔سارے واقعات اللہ تعالیٰ کی مدد کا اظہار ہیں جو وہ اپنے فرشتوں کے ذریعے اپنے بندوں کی کرتا ہے ۔فرشتہ کبھی انسان کی صورت میں آکر مدد کر دیتا ہے کبھی ایک اچھوتا اور کامیاب خیال دماغ میں ڈال کر راستہ کھول دیتا ہے ۔کبھی دل و دماغ پر اثر کر کے اعصابی اور اعتماد دیتا ہے کبھی خوف اور ملال سے نکال کر جرأت اور استقامت دیتا ہے کبھی خواب کی شکل میں مسئلہ کا حل مل جاتا ہے بعض اوقات دوسرے افراد کو آپ کی مدد کے لئے اُبھارتا ہے اور ان کے دلوں و دماغ پر اثر کر کے وہ آپ کی مدد کے لئے عین اس وقت آ جاتے ہیں جب شدید ضرورت ہوتی ہے اور عمومی طور پر ان سے توقع نہیں ہوتی ۔ یہ سب صورتیں غیبی مدد کی ہیں جو اللہ اپنے بندوں کو جو قرآنی احکام پر عمل کر کے صبر کرتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کو ملتی ہیں ۔

صبر کیا ہے؟ صبر کا مطلب ہے کہ کسی صدمہ، تکلیف پریشانی کو برداشت کرنا اور اپنی شخصیت کو کرش (توڑ پھوڑ) نہ دینا، حوصلہ نہ چھوڑنا، مایوس نہ ہونا، اللہ پر بھروسہ کرنا اور اپنے مقصد کو نہ بھولنا بلکہ اس کے لئے مزید اہتمام اور کوشش کرنا ۔صبر کا مطلب اسباب سے دور ہونا نہیں بلکہ اسباب کو استعمال کرنا اور حالات کا ہمت و جرأت کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے ۔ اسی طرح قرآن مجید میں صبر کے ساتھ کامیابی کے لئے تقویٰ کی بھی شرط رکھی گئی ہے ۔اس کا بھی مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات کا خوف ہی

سارے اعمال کا محرک ہو۔ انسانوں کا خوف، دشمن کا خوف، دوست کا لالچ سب اللہ کے احکام کے مقابل ختم ہو جائیں۔ غیر خدا کا خوف وغم دل سے نکال کر اس کے احکام کے سامنے سرخم کیا جائے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ تقویٰ کے عمل کو صرف چند لمحات کی عبادات پر منحصر نہ کیا جائے بلکہ یہ کردار کا معاملہ ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ ہے جس کی بنیاد معاشرے میں افراد کے اعمال ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لباس، زبان، کھانے کے انداز یا کھانوں میں فرق نہیں تھا بلکہ کردار میں فرق تھا اور وہ معاشرتی کردار میں فرق تھا۔ مکہ کی زندگی اور مدینہ کی زندگی سراپا صبر وتقویٰ کا نمونہ ہے۔

فرشتے:۔

آیت نمبر 125 میں فرشتوں کا ذکر آیا ہے اور کئی جگہ یہ بھی ذکر آیا ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے۔ یہ کیا ہیں؟ اس کا جواب مشکل ہے کیونکہ یہ اسی طرح ہے جس طرح نفس یا روح ہے۔ شیطان وجن کے بارے معلومات ہیں۔ یہ تو جدید سائنس بھی مانتی ہے کہ جسم سے کوئی نکل کر جسم کو موت سے ملا دیتی ہے اور یہ ظاہری زندگی ختم کر دیتی ہے۔ اسلامی عقائد میں اس کے بعد ایک اور زندگی ہے جو برزخ کی زندگی ہے۔

فرشتے کیا ہیں؟ قرآنی تعلیمات واسلامی عقائد کے مطابق انسان کو مٹی سے بنایا گیا ہے، جنوں کو آگ سے بنایا گیا ہے اور فرشتوں کو روشنی نور سے بنایا گیا ہے۔ یہ (جن اور فرشتے) غیر مرئی مخلوق ہیں۔ نور کی حقیقت ابھی تک انسان سائنسی علوم (طبعیات Physics) سے نہیں جانتا۔ البتہ اس کے قریب قریب برقی یا مقناطیسی لہریں ہوسکتی ہیں۔ روشنی (Light) گرمی (Heat) مختلف رنگوں کی روشنی، ریڈیائی لہریں، نیوکلیئر شعائیں، یہ ساری مقناطیسی لہروں (Electromagnetic Radiation) کی مثال ہیں۔ ان میں فرق فریکوئنسی (Frequency) کا ہے۔ غالب امکان یہ ہے کہ جس طرح انسان کے وجود کی بنیاد مٹی اور پانی سے ہے اور جنات کی بنیاد آگ سے ہے اور فرشتے نوری مخلوق ہیں جو اپنی فریکوئنسی بدل سکتے ہیں اور اپنے توانائی وجود میں نظر نہیں آتے نہ ہی محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن آدمی کے ذہن وجسم پر اثر انداز ہو کر غیر محسوس طریقوں سے اپنے اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ خیر کی تمام قوتیں اللہ کے فرشتے ہیں اور ان کے مقابل شر کی قوتیں شیطان ہیں (بحوالہ کتاب زندگی جلد اول از سلطان بشیر محمود)۔

بعض اوقات مثالی صورت میں نظر بھی آتے ہیں، یہ صورت اس طرح ہے جیسے ہم ٹی وی سکرین پر تصویر دیکھتے ہیں۔ جب ہم اللہ سے مدد مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سبب کے طور پر ان (فرشتوں) کو ہماری امداد کے لئے متعین کر دیتا ہے۔ لیکن در حقیقت اصل مدد کے لئے ذات خداوندی ہی ہے باقی سب اسباب ہیں جو اس کے پیدا کردہ ہیں۔ وہی حقیقت میں مسبب الاسباب ہے۔ خود اعتمادی دے، صحیح فیصلہ کی توفیق دے، صحت وہمت دے، باقی وسائل اسی کا کرم ہیں۔ جس طرح آیت نمبر

126 میں ہے کہ یہ اطمنان قلب ہے اور وہی سب سے بڑی حکمت اور قوت والا ہے۔

لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِيۡنَ[3:127]

تا کہ جن لوگوں نے کفر کیا ان میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا ذلیل کر دے تا کہ وہ ناکام واپس لوٹ جائیں۔

لَيۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ[3:128]

آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں کہ اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں ۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الۡاَرۡضِ‌ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ[3:129]

اور اللہ کے لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جسے چاہے بخش دے جسے چاہے عذاب دے اور اللہ نہایت بخشنے والا بہت رحم والا ہے۔

یہ آیات پھر غزوہ احد کے متعلق ہیں۔غزوہ احد میں کفار نے مسلمانوں کو بہت نقصان دیا اور مسلمانوں کو یہ تکلیف محض صبر نہ کرنے کی وجہ سے پہنچی ۔قرآن کا حکم ہے کہ مقابلہ میں صبر کرو۔صبر کرنے کی بجائے مجاہدین نے مال غنیمت کی طرف توجہ کی اور اپنے متعین کردہ مقام سے چلے گئے اور بجائے لڑائی کی طرف توجہ کرتے اور دشمن کا مزید پیچھا کرتے وہ دوسری اشیاء کے حصول کی طرف متوجہ ہو گئے۔اگر چہ کافی صحابہ لڑائی میں مصروف تھے مگر اس جنگ میں نقصان درہ پر متعین تیرانداز دستوں کی وہاں سے ہٹ جانے کی وجہ سے ہوا اور کفار نے پیچھے سے حملہ کر کے دوسرے صحابہ کو بالخصوص جو لڑنے کے بجائے اکٹھے کرنے کے انداز میں تھے سخت نقصان پہنچایا۔لیکن پھر بھی صحابہ کرام نے جہاد میں ثابت قدمی سے قربانی کی تاریخ رقم کی۔حضور ﷺ کے اردگرد دائرہ کی طرح کھڑے رہے اور جانیں شہید کرتے رہے۔اس ثابت قدمی کی یہ نتیجہ نکلا کہ جنگ رک گئی اور کفار واپس چلے گئے۔عبداللہ بن ابی منافق بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا تھا۔لیکن کفار کی واپسی کے بعد اور مسلمانوں کے مدینے سلامت واپس آنے پر یہود اور منافقین کو شرمندگی ہوئی کیونکہ کفار اتنے بڑے لشکر کے باوجود مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کے مقابلہ میں ذلیل اور ناکام کیا۔

اتنے بڑے نقصان پر لوگوں کا ارادہ تھا کہ کفار کے لئے ان کی تباہی کی بدعا کی جائے۔جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے کی تھی لیکن حضور ﷺ نے ایسی دعا نہیں فرمائی بلکہ یہی فرمایا کہ جو اللہ کے نبی کو زخمی کرے یا ختم کرنے کی کوشش کرے

جبکہ وہ ان کو اللہ کی طرف بلاتا ہے تو وہ قوم کیسے فلاح پائے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے فرمایا کہ ''لوگوں کو تباہ کرنے یا باقی رکھنے، سزا دینے یا معاف کرنے کا کلی اختیار اس کا (اللہ کا) ہے۔ آپ ﷺ کا اس معاملہ میں اختیار نہیں'' (یہ اشارہ تھا کہ ان کے ظلم کے خلاف بدعا نہ کریں) کیونکہ انہی لوگوں کو اللہ توبہ کی توفیق دے سکتا ہے اور معاف کر سکتا ہے اور ظالموں کو عذاب دے گا۔ آپ ﷺ کا کام پیغام پہنچانا تھا جس کے لئے آپ ہمہ تن مصروف تھے۔ اور پھر تاریخ نے ثابت کیا کہ غزوہ احد میں مسلمانوں پر ظلم کرنے والوں میں بہت سے مسلمان ہوئے اور انہوں نے اسلام کی بہت خدمت کی جن میں ایک صحابی حضرت خالد بن ولید تھے جن کو حضور ﷺ نے سیف اللہ کا خطاب دیا، جنہوں نے سارے عراق و ایران کو فتح کیا تھا۔ اس کے علاوہ اختیار کلی اللہ کا لیکن وہ اپنے نیک بندوں کی گذارش کو قبول فرماتا ہے۔ آخری آیت میں تمام امور کی تصدیق وتوثیق کے لئے فرمایا کہ چونکہ وہ تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے لہٰذا جسے چاہے اس کے ظلم اور کفر کی وجہ سے عذاب دے اور جسے چاہے اس کی نیکی کی بناء پر یا اپنے کرم کی بناء پر بخش دے۔ لہٰذا اس کی توبہ اور بخشش کا دروازہ کھلا ہے سب کے لئے دعوت ہے کہ توبہ کریں، کفر کو چھوڑ دیں اور مایوس نہ ہوں اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور بہت مہربان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ [130:3]

اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود (رباء) مت کھایا کرو اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ [131:3]

اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں (انکار کرنے والوں) کے لئے تیار کی گئی ہے۔

سود کی ممانعت:۔

کفار سے جنگ کے بعد معاشی اصول کو بیان فرمایا ہے۔ اسلام ہر فرد کی شخصی آزادی کے ساتھ معاشی آزادی بھی چاہتا ہے۔ جنگ کی کامیابی اور معاشرہ میں استحکام کے لئے عادلانہ معاشی نظام بہت ضروری ہے۔ اسلام معاشی نظام استحصال سے پاک ہے جہاں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے۔ دولت مند کے مال میں غریبوں کے لئے ایک حصہ ضروری ہے۔ اور اس میں سود حرام ہے۔ معاشی استحصال کی بنیاد سود ہے جہاں ایک آدمی کوشش، محنت اور عقل کے استعمال کے بجائے صرف دولت یا نقدی ہونے کی وجہ سے پیسے کماتا ہے۔ اسلامی نظام میں جس کمائی میں انسان کی ذہنی، بدنی، محنت شامل نہ ہو تو وہ آمدن اس انسان کے لئے پاک وصاف نہیں۔ اس لئے شرط، لاٹری، جوا بھی سود کی طرح حرام ہے۔ سودخوری سے جہاں ایک

طرف امیر پہلے سے زیادہ امیر بن جاتا ہے اس کے اندر (۱) حرص (۲) دولت کی لالچ (۳) تن آسانی (۴) بخل کے جذبات پرورش پاتے ہیں اور دوسری طرف محروم طبقہ میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور ان کے اندر (۱) حسد (۲) عناد (۳) نفرت اور (۴) بغاوت کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ اسلام ایسا معاشرہ نہیں قائم کرنا چاہتا کہ جس کے اندر ہی تفرقہ اور فساد پل رہا ہو۔ اس طرح انسانی مساوات، محبت اور اخوت کا نظام قائم نہیں ہوسکتا۔ قرآن نے سود کو بالکل ختم کر دیا کہ سود معمولی شرح سے ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اس آیت میں دوگنا چوگنا سود کا ذکر ہے کیونکہ عربوں میں جب کوئی غریب قرض ادھار لیتا تو ساتھ سود دیتا پھر جب اس کی مدت میں مزید مہلت مانگتا تو سود کے ساتھ مزید اضافی رقم دینی پڑتی اور اس طرح وقت کے ساتھ اس کے قرض میں اضافہ در اضافہ ہوتا جاتا اور رقم کئی گنا تک پہنچ جاتی۔ اسلام نے قرض حسنہ کی ترغیب دی ہے۔ اسی طرح مقروض کو ادائیگی میں مہلت اور معاف کرنے (تخفیف) کی بھی ترغیب دی ہے دوسری طرف کسی انسان کا ان سہولتوں کا غلط استعمال کرنا یعنی استطاعت کے باوجود قرض وقت یا وقت سے پہلے نہ لوٹانا اور ادائیگی کو لیٹ کرنا کو حدیث میں ظلم قرار دیا ہے (**مطل الغنی ظلم**)۔

خوشحالی کا تصور اور سود کی سزا:۔

اکثر انسان تصور کرتے ہیں کہ اس کی ساری ترقی مادی یا مالی و معاشی ترقی میں ہے۔ جس طرح کہ موجودہ سرمایہ کاری کے نظام (Capital System) ''نفع کو زیادہ سے زیادہ (Maximum Profit) حد تک'' لے جاتا ہے۔ یہ تصور انسانیت کے اعلیٰ اقدار کے خلاف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرو اور تقویٰ اختیار کرنے میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ سود کی ممانعت کے ساتھ جہنم کی آگ جو انکار کرنے والے (کافروں) کے لئے تیار کی گئی ہے کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ کافر چونکہ اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں اس لئے وہ اس بھڑکتی آگ میں جائیں گے اور سود خور بھی احکام الٰہی کا انکار کر رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں وہ بھی جہنم رسید ہوں گے۔

وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ [3:132]

تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم و کرم کیا جائے۔

وَ سَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ [3:133]

تم جلدی کرو اللہ سے مغفرت اور جنت کے لئے جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور متقین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اطاعت رسول ﷺ:۔

آگ سے بچنے کے حکم کے ساتھ اور سود کی ممانعت حق و باطل کے معرکوں میں صبر اور تقویٰ کے بعد جس اہم کام کی طرف حکم فرمایا اور جس کا انعام رحمت خداوندی کی بارش ہے وہ ہے ''اتباع رسول ﷺ''۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی اتباع کے ساتھ رسول کی اتباع کو بڑا ضروری قرار دیا ہے اور یہ قرآن پاک میں کئی مقامات پر ذکر ہے۔ دراصل اسلام کا امتیاز ہی حضور ﷺ کی نبوت اور آخری پیغام ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تمام ادیان میں کسی نہ کسی صورت میں مانا جاتا ہے۔آپ ﷺ کی اتباع ہی نجاعت اور رحمت کا راستہ ہے اور اتباع کا مطلب آپ ﷺ کے احکام اور آپ ﷺ کے طور طریقوں کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنا ہے۔عمل کے بغیر اطاعت نامکمل ہے بلکہ دھوکہ ہے۔

نیکیوں میں مسابقت:۔

اگلا حکم ہے کہ نیکی،مغفرت خداوندی کی طرف جلدی کرو، پوری کوشش کرو اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ اطاعت خدا کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول ﷺ کی جائے۔ اسلام کے تمام احکام ، ارکان یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے اور اس میں پوری کوشش کی جائے ،خلوص اور محنت کے ساتھ تو اللہ کی مغفرت اور اس کے انعام میں جنت ملے گی جس کی وسعت زمین اور آسمانوں کے برابر ہے اور نیکو کاروں کے لئے خصوصی طور پر تیار کی گئی ہے۔

جنت:۔

جنت کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔حضور ﷺ نے بھی حکم فرمایا کہ جنت کی طلب کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار فرمایا ہے اور جنت میں سب سے اعلیٰ مقام جس کا احادیث میں ذکر ہے وہ جنت الفردوس ہے جس کی آرزو کرنی اور دعا کرنی چاہیے۔ احادیث کی روشنی میں جنت کی وسعت اور زمین کے مقام کا آپس میں کوئی نسبت و تناسب نہیں ۔ چونکہ ہمیں معلومات ہمارے ماحول سے ملتی ہیں جن سے ہم آگاہ ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ کی احادیث اور قرآن میں تشبیہات اور استعارے کے لئے مختلف الفاظ و کیفیات ذکر فرمائی ہیں۔ جنت کا وجود ایک حقیقت ہے اور بعض روایات کے مطابق چوتھے آسمان کے بعد، یہ ستارے اور سورج (پہلے آسمان) ،آسمانِ دنیا کی حدود میں ہیں جو سب سے نیچے ہیں۔ یہ باتیں عالم الشہود سے تعلق رکھتی ہیں ان کا ذریعہ روایات ہیں۔ سائنس چونکہ روایات سے ہٹ کر صرف موجودات اور محسوسات کو ذریعہ علم بناتی ہے اس لئے یہ بات اس کے لئے ایک سوالیہ نشان ہے۔ جدید تحقیقات نے یہ مسئلہ اب آسان کر دیا ہے چونکہ جدید الیکٹرانک دوربینوں کے ذریعے کائنات کی وسعت اس قدر عظیم ہے کہ انسانی معلومات و خیالات کے احاطہ سے باہر ہے کہ اندازاً کائنات کے وسعت جو ہماری زمین کے قریب ہے اگر روشنی اپنی 3 لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی رہے تو ایک سرے سے

دوسرے سرے تک کئی کھربوں سالوں میں نہ پہنچ سکے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ سائنس کی پیمائش وقیاس سے کائنات ماوراً ہے۔ آیت مبارک میں جنت کی وسعت کو آسمانوں اور زمین کے برابر فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں کہ سارے آسمانوں اور زمین یا زمینوں کی وسعت ایک جنت کے برابر ہے۔ یہ صحیح نہیں بلکہ اس کی وسعت کی عظمت کی ایک تشبیہ ہے اور پھر کئی آسمان ہیں۔ لہٰذا جنت کا مقام سائنس کی موجود ریڈیائی دوربینوں کی حدود سے باہر ہے یا ان سے اس کا ادراک ممکن نہیں۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاصلے کیسے سمٹیں گے۔ جب تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی پھر دوبارہ وجود میں آنے کے بعد فاصلوں کی کیفیت مختلف ہوگی ان امور کو اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے اور پھر حساب وکتاب کے بعد انسانی زندگی دائمی ہوگی اور اس کی کیفیت آج کے مادی جسم سے مختلف ہوگی مادی کثافتوں سے پاک ہوگی۔ یہی کیفیت جنت کے اندر بھی ہوگی۔ اس لئے غذا، ہضم، مواصلات، عادات وخصائل کا اندازہ بالکل مختلف ہوگا۔ اسی طرح دوزخ کی کیفیت بھی مختلف ہوگی۔ کائنات کی وسعت کے بارے سائنسی آراء (۱) مختلف الجہات کی بناء پر توضیحات یا (۲) متوازی دنیائیں Parallel Universes کا خیال وہ آراء ہیں جو انسانی معلومات کے ساتھ بدلتی رہیں گی کیونکہ کائنات کا احاطہ انسانی بس سے باہر ہے۔ یہ عالم الشہود سے تعلق رکھتی ہیں جن کا علم صرف روحانی طریقوں سے اولیاء یا اعلیٰ علم انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔

الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ وَ الۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ‌ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ [134:3]

وہ جو (لوگ) خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگدستی میں اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

وَ الَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِهِمۡ وَ مَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا فَعَلُوۡا وَ هُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ[135:3]

اور وہ (لوگ) جب کوئی برائی کرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں (فوراً) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور کون بخشتا ہے گناہوں کو سوائے اللہ کے اور پھر وہ گناہ جو انہوں نے کیا تھا وہ اسے جان بوجھ کر نہیں کرتے۔

اُولٰٓـئِكَ جَزَآؤُهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ وَ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ[136:3]

یہ وہ لوگ ہیں جن کی جزاء ان کے رب کی طرف سے بخشش (مغفرت) ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے

نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور کیا ہی اچھا اجر ہے (نیک) اعمال کرنے والوں کا۔

متقی اور محسنین کا مقام:۔

پچھلی آیات مبارکہ میں جنت کے لئے کوشش کرنے کی ترغیب دی اور اس کی وسعت کے بارے بیان تھا۔ ان آیات میں متقی افراد کے خصائل کا ذکر ہے جن کے لئے جنت تیار کی گئی ہے اور جو اللہ کے پیارے افراد ہیں ان کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ تنگی اور خوشحالی دونوں حالات میں اللہ کی راہ میں غریبوں، یتیموں، مسکینوں، طلباء اور بھلائی کے لئے خرچ کرتے ہیں، غصہ کو پی جاتے ہیں اور اگر ان پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو درگذر کر دیتے ہیں بدلہ نہیں لیتے اور معاف کر دیتے ہیں اور یہ احسان کرنے والے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ احادیث میں ان اوصاف کے بارے بہت کچھ ذکر ہے۔ حضور نے فرمایا جس نے غصہ کو پی لیا اور غصہ کرنے پر قادر تھا، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اطمنان اور ایمان سے بھر دیتا ہے۔ (روایت حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحوالہ مسند عبدالرزاق) اسی طرح ایک اور حدیث مبارک جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو آدمی خواہش کرتا ہے کہ اس کو محل اور بلند مرتبے سے نوازا جائے تو وہ درگذر کرے جو اس کے ساتھ ظلم کرتا ہے اور عطا کرے جو اسے محروم کرتا ہے اور صلہ رحمی (تعلقات بڑھائے) جو اس سے قطع تعلق کرتا ہے (بحوالہ طبرانی و تفسیر مظہری)۔ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (امام اعظم امام ابوحنیفہ) کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے بھرے بازار میں آپؒ کو گالیاں دیں اور گستاخی کی تو آپؒ نے غصہ کو ضبط فرمایا اور اس کو کچھ نہیں کہا اور گھر واپس آنے کے بعد ایک تھال (Tray، خوان) میں کافی درھم و دینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف لے گئے، دروازے پر دستک دی۔ وہ شخص باہر آیا تو اشرفیوں کی یہ ٹرے اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے رکھ دی کہ آج تم نے مجھ پر احسان کیا، اپنی نیکیاں مجھے دے دیں میں اس احسان کے بدلے یہ تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ امام اعظمؒ کے اس اعلیٰ اخلاق کا اس کے دل پر اثر ہونا تھا کہ آئندہ اس نے اس بری عادت سے ہمیشہ کے لئے توبہ کی اور آپؒ کی صحبت میں علم حاصل کرنے لگا اور عالم کی حیثیت اختیار کر لی (بحوالہ معارف القرآن جلد اول و دوم)

انہی خوش نصیب افراد کے کردار کا ذکر اگلی آیت 135 میں ہے کہ اگر وہ گناہ یا کوئی ظلم و زیادتی کر دیں تو فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے ہیں، توبہ کرتے ہیں، بار بار اللہ کو یاد کرتے ہیں اور بخشش طلب کرتے ہیں۔ پھر اس غلطی کو کبھی نہیں دہراتے۔ ان کردار والے افراد حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ ان کا وجود معاشرے کے لئے رحمت و برکت ہے۔ ان کے کردار کا اہم حصہ انسانی حقوق (حقوق العباد) سے متعلق ہے اور ان کو ان کے اعمال کے بدلے بخشش ملے گی اور پھر انعام میں جنت عطا ہو گی جس کی شان بیان کرنا مشکل ہے۔ صرف ایک وضاحت سے سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ جس کے نیچے

نہریں بہتی ہوں گی اور اس میں اس دنیا کی چندروزہ زندگی کی طرح نہیں، بلکہ ہمیشہ رہیں گے۔

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ [3:137]

تحقیق تم سے پہلے (قوموں کے عروج وزوال کے) واقعات گذر چکے ہیں سوتم زمین پر سیاحت کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ [3:138]

یہ کلام (قرآن پاک) لوگوں کے لئے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے اور نصیحت ہے۔

سیاحت اور تاریخ امم:۔

مومنین اور اللہ کے پیاروں کے اوصاف کے بعد قوموں کے عروج وزوال کو جاننے کے لئے حکم دیا ہے کہ تم سے پہلے جو قومیں گذری ہیں ان کے حالات کو دیکھیں ان کے کیا طریقے تھے، ان کے اعمال ان کو بلندی پر لے گئے اور ان کے اعمال ان کے عذاب وزوال کا سبب بنے۔ اس دنیا میں جو اللہ کے احکام سے منہ موڑتے ہیں وہ ناکام ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا سیاحت انسانی شخصیت کے لئے ضروری ہے۔ سفر، وسیلہ سفر اور ہجرت انبیاء کی سنت رہی ہے۔ سفر کا مقصد جہاں معاشی یا سماجی ہو وہاں زمین، ماحول، انسانوں کے حالات کو غور سے دیکھنا چاہیے اور اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہیے۔ پہلے مسلمان اور آج بھی وہ لوگ جو تحقیق و ترقی پر ہیں وہ اپنے ملکوں سے باہر نکل کر دوسرے خطوں میں کامیاب کاروبار کر رہے ہیں۔ اس لئے کہتے ہیں کہ جمود میں نقصان اور حرکت میں برکت ہے۔ ترقی یافتہ قومیں تجارت میں دنیا پر چھائی ہوئی ہیں۔ جب مسلمان ترقی پر تھے تو اس زمانے میں جب ساری کشتیاں بادبانوں پر چلتی تھیں وہ عرب سے انڈونیشیا اور مراکش تک پہنچ چکے تھے۔ سفر کے دوران پرانے مقامات کو دیکھنے سے بھی علم میں اضافہ ہوتا ہے اور درس عبرت ملتا ہے۔ زندہ قومیں، قوموں کے عروج وزوال کو معلوم کر کے ان سے سبق سیکھتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ اور تاریخ کا تجزیہ ضروری ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے۔ بدقسمتی سے تمام مسلمان امت جمود اور تساہل کا شکار ہے بجائے سبق حاصل کرنے کے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ کے کلام کا ذکر ہے کہ یہ کلام تمام انسانوں کے لئے ہے جو اس کے احکام پر عمل کرے گا۔ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا۔ لیکن اس سے ہدایت صرف نیک لوگ ہی پا سکتے ہیں جو اس پر یقین رکھتے ہیں۔ زندگی کے اصول اس میں ذکر کئے گئے ہیں۔ کامیابی ان پر عمل کرنے میں ہے۔ اس لئے کہ قرآن پڑھنا، کارِثواب ہے، اس پر عمل کرنا نجاعت ہے، جب تک عمل نہیں کیا جائے گا کامیابی نہیں ہوگی اور آج کل مسلمانوں کی ناکامی کی یہی وجہ ہے کہ حفاظ کرام تو بہت ہیں، پڑھنے کی

سہولت بھی ہر طرف میسر ہے لیکن قرآنی تعلیمات پر عمل کا فقدان ہے۔اس لئے کامیابی اور رحمت خداوندی سے محروم ہیں۔

وَ لَا تَهِنُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ [3:139]

اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی سر بلند ہو گے اگر تم ایمان والے ہو۔

اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ‌ وَ تِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ وَ لِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ يَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ‌ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ [3:140]

اگر تمہیں کوئی زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی طرح زخم لگ چکا ہے۔ یہ (ہار جیت کے) دن ہم لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں اور اس لئے کہ اللہ اہل ایمان کو آزمائے اور تم میں بعض کو شہید بنا دے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ يَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ[3:141]

اور یہ اس لئے کہ اللہ ایمان والوں کو (مزید) نکھار دے اور کافروں کو مٹا دے۔

غزوہ احد مسلمانوں کے لئے بہت جانکاہ معرکہ تھا۔ان آیات میں اس کا ذکر ہے۔اس میں 70 مسلمان شہید ہوئے اور 70 سے زائد زخمی۔حضورﷺ بھی شدید زخمی ہوئے۔مسلمانوں کی فتح کچھ اصحاب کی وجہ سے شکست میں بدل گئی۔ جہاں ایک طرف صحابہ نے غلطی کی اور ناکامی کا سبب بنے وہاں دوسری طرف الوالعزم پندرہ15 افراد (آٹھ8 مہاجرین اور سات 7 انصار) نے بہادری کی وہ تاریخ رقم کی جس کی مثال نہیں ملتی اور ساری جنگ کا نقشہ بدل دیا۔اس دوران چونکہ حضورﷺ کے شہید ہونے کی خبر (افواہ) بھی پھیل گئی تھی ،جس کی وجہ سے کئی صحابی پریشانی کا شکار ہو گئے اور کم ہمتی کی وجہ سے بیٹھ گئے تھے۔لیکن الوالعزم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہاری ہوئی جنگ کو کامیابی پر ختم کیا۔اللہ تعالیٰ نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں (اِنَّ وَ هُنَّ) جس کے معنی ہیں عمل اور رائے میں کمزوری۔اسی طرح پیاری چیز کی محرومی پر الم (دکھ) پیدا ہوتا ہے اسے حزن کہا جاتا ہے۔

کامیابی کی شرائط:۔

صحابہ کرام کے دکھ اور کیفیت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم صحیح مومن ہو تو تم ہی بلند اور عظمت والے ہو گے۔کفار اور اللہ کا انکار کرنے والے پیچھے ہوں گے۔ان الفاظ میں زندگی کی کامیابی کا فلسفہ ہے کہ عارضی مشکلات اور ناکامی سے بددل ہو کر (۱) محنت نہیں چھوڑنی چاہیے بلکہ جدوجہد کو جاری رکھنا چاہیے (۲) نہ ہی کسی ایسی وجہ سے مایوسی کا شکار ہونا چاہیے بلکہ ناکامی سے سبق سیکھ کر نئے جذبے اور قوت کے ساتھ مقصد کو حاصل کرنا چاہیے۔اس کا مظاہرہ احد کی جنگ میں اس طرح ہوا کہ زخموں سے چُور صحابہ کرام جب مدینہ واپس پہنچے تو افواہ اُڑی کہ کفار دوبارہ مدینے پر حملہ کے لئے آ رہے ہیں۔حضورﷺ نے فوری طور پر

دوبارہ تیاری کی اور انہی افراد کو ساتھ لے کر واپس مدینہ سے باہر مقابلہ کے لئے آ گئے لیکن کفار نہیں آئے۔ ان انسانی کوششوں کے ساتھ تیسری اہم چیز ایمان کی حرارت ہے اور اس کے ساتھ عمل ہے کہ مسلمان مکے اور مدینے میں شہید ہوتے رہے اور اللہ کی راہ میں ہر تکلیف سہتے رہے۔ اللہ کے احکام کو اپنی ذات سے پہلے رکھا اور اس کا صلہ " وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ "میں ملا کہ اسلام صرف پچاس (50) سالوں کے اندر دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گیا جس نے وسطی ایشیا (ایرانی) اور یورپی (یونانی، فلسطینی) طاقتوں کو شکست دے دی اور پہلی صدی کے آخر تک مشرقی ایشیا سے لے کر مغرب افریقہ تک سپین، وسطی ایشیاء، چین ہر طرف اس کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ آج بھی اگر ان اصولوں پر مسلمان قائم ہوں تو وہی عزت و کرامت واپس آ سکتی ہے۔

ہار جیت ایک امتحان:۔

اللہ تعالیٰ نے آگے مزید فرمایا کہ جس طرح مسلمانوں نے زخم اُٹھائے ہیں اس سے پہلے کفار نے بھی زخم اُٹھائے تھے اور ہار جیت کا سلسلہ زندگی اور جدوجہد کا حصہ ہے اور اہل ایمان بھی شکست کھا سکتے ہیں۔ لیکن ان کو آخری کامیابی ہوگی اگر وہ شرائط پوری کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور مومن ظالم نہیں ہو سکتا۔ اس جنگ میں نقصان کے اسباب درج ہیں۔ (۱) صحابہ کا اختلاف کہ درہ پر ٹھہریں یا مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لئے جائیں اور اکثر صحابہ کا وہاں سے چلے جانا۔ (۲) حضور کی شہادت کی خبر نے بڑی کمزوری پیدا کر دی اور بددلی کا شکار ہو گئے، کم ہمتی پیدا ہو گئی، "وھن" کا شکار ہو گئے اور (۳) حضور ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا (خصوصاً درّے والوں کا حضور ﷺ کا حکم نہ ماننا) جس کی وجہ سے اتنا شدید نقصان ہوا پھر اس بار میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے سبق رکھ دیا کہ یہ سلسلہ زندگی ہے جہاں کامیابی ہے وہاں ناکامی بھی آ سکتی ہے لیکن اس سے سبق سیکھنا ضروری ہے اور مومن ہمیشہ برتر رہے گا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ آنے والی جنگوں میں مسلمان ہمیشہ کامیاب و کامران رہے اور یہ ہار ان کی آئندہ کامیابی کا زینہ بنی۔ ؎

جہاں میں اہل ایمان صورتِ
خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے
اِدھر نکلے

آزمائش:۔

ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ ہار جیت ایک آزمائش ہے جو فریقین کے درمیان چلتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے ایمان اور عمل سے آزماتا ہے کہ وہ مقصد میں کس قدر مضبوط ہیں اور ان کی عظمت اور مضبوطی کو دوسری مخلوق پر ثابت کر کے ان کو

بلندی عطا کرتا ہے اور یہ آزمائش ان کی جان اور شہادت کی صورت ہے، ان کے مرتبے کو بڑھا دیتا ہے۔ اللہ کا علم کلی ہے وہ ماضی، حال اور مستقبل سب کو جانتا ہے۔ اس کا یہ عمل مومنین کو آزمانا علم کے لئے نہیں بلکہ دنیا میں ان کے ایمان کی پختگی اور دوسروں کو آزمائش کی مثال دینا ہے۔ ساتھ ہی شہادت کے عظیم مرتبہ اور اعزاز سے نوازنا ہے۔ اس عمل کے ذریعہ صرف مخلوق پر حقیقت واضح کرنا ہے، ان کی قربانی اور کامیابی کو مثال بنانا اور دنیا سے ظلم کا خاتمہ کرنا ہے کیونکہ ظلم اللہ کو پسند نہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ [142:3]

کیا تم گمان کرتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو پرکھا ہی نہیں اور نہ ہی صبر کرنے والوں کو آزمایا ہے۔

وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ[143:3]

اور تم تو اس کا سامنا کرنے سے پہلے (شہادت) موت کی تمنا کرتے تھے، پس اب تم نے اسے (موت کو) اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا ہے۔

جنت کی طلب:۔

آیات 142/143 بھی غزوہ احد کے بارے ہیں جہاں قربانی کا ذکر ہے کہ جنگ اور حالات ایک جیسے نہیں رہتے، ہارنے والے کے لئے ایک سبق اور جیتنے والے کے لئے ایک انعام ہوتا ہے۔ وہاں یہ پھر فرمایا کہ جب اللہ کی محبت اس کے احکام پر عمل کا عہد اور جنت اور اس کی رضا کی تمنا ہے تو یہ سب صرف آرزو اور خیال کا ہی نہیں بلکہ عمل کا میدان ہے اور اپنی زندگی کی قربانی اور صبر کا امتحان ضروری ہے۔ یہ امتحان جنگ اور جدوجہد کی صورت میں دکھانا پڑتا ہے پھر جنت کا انعام حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا غزوہ احد اور اس میں نقصان و شکست اس جدوجہد اور امتحان کا حصہ ہے جس کی تمنا مجاہدین کرتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ تم موت سے ملنے کے دعوے کرتے ہو کہ ہمیں شہادت مطلوب ہے اور سر دینے سے نہیں گھبرائیں گے۔ لہٰذا تم نے اسے احد کے میدان میں دیکھ لیا کہ کس قدر سخت امتحان ہوتا ہے۔

محبت اور نفاق:۔

آیت 143 میں ان افراد کی قلعی کھول دی جو منافق تھے اور راستے سے واپس ہو گئے تھے۔ یا جو گھبرا کر میدان سے حضورﷺ کی موت کی خبر سن کر واپس ہو گئے تھے۔ یہی امتحان آج بھی امت مسلمہ کو درپیش ہے کہ گفتار کے غازی تو بہت ہیں

لیکن کردار کے غازی نہیں ہیں۔ اسلام کی خدمت اور دعویٰ تو زبان سے کیا جاتا ہے لیکن عملی طور پر اس کے احکام سے جی چرایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان دنیا کی کمزور ترین قوم کے درجہ پر پہنچ گئے ہیں۔ کیونکہ ان کا ظاہر و باطن مختلف ہے جبکہ مومن کا ظاہر اور باطن ایک ہوتا ہے۔

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ [144:3]

اور محمد (ﷺ) رسول ہی ہیں اور ان سے پہلے کئی پیغمبر گزر چکے ہیں پھر اگر وہ مر جائیں یا قتل (شہید) کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی اپنے الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ سَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ [145:3]

اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا (اس کا) وقت لکھا ہوا ہے اور جو دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دے دیتے ہیں اور جو آخرت کا انعام چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دے دیتے ہیں اور ہم عنقریب شکر گزاروں کو خوب صلہ دیں گے۔

مسلمان کا مشن:۔

غزوہ احد کے واقعات کے ضمن میں جب کفار نے یہ خبر اُڑا دی کہ حضرت محمد ﷺ قتل (شہید) ہو گئے ہیں تو کافی صحابہ بہت مایوس اور بد دل ہو گئے اور غم کی وجہ سے بیٹھ گئے۔ کچھ نے تو واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن حضرت انس بن نصر نے یہ نعرہ لگایا کہ جس مقصد کے لئے آپ ﷺ اس دنیا سے گئے ہیں تو ہم بھی اسی مقصد کے لئے اس دنیا سے چلے جائیں گے یعنی اسلام کے لئے جان دے دیں گے۔ صحابہ کی اس مایوسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ نبی پاک ﷺ کی ذات انسانی ہے اور وہ اس دنیا سے چلے جائیں گے جس طرح کہ ان سے پہلے تمام انبیاء کرام اپنا فرض نبھا کر چلے گئے تو کیا تم پھر اپنے ایمان سے واپس پھر جاؤ گے اور کفر اپنا لو گے۔ نبی کے پیغام یا اس کے مشن کو جو اس نے ساری زندگی جاری رکھا بھول جاؤ گے یہ اس بات کی ہدایت ہے کہ کسی بھی تحریک کا مقصد اعلیٰ (مشن) سب سے اہم ہے اس لئے مومن کو اپنی زندگی اس کے مقصد اعلیٰ اسلام کی سر بلندی، اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کے مطابق انسانیت کی بھلائی کے لئے صَرف کرنی چاہیے اور یہی مقصد عظیم ہونا چاہیے۔

دنیا اور آخرت کس کی ترجیح:۔

اگلی آیت مبارک میں انسانی زندگی کی جدو جہد اور اس کا انجام ذکر فرمایا یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم غور نہیں کرتے اور شروع سے لے کر آج تک چل رہی ہے کہ انسان کو موت آنی ہے اور اس کا ایک وقت معین ہے آج تک کوئی انسان اس سے نہیں بچ سکا۔ لہٰذا پریشانی کی ضرورت نہیں، یہ سارے امور جنگ کی، موت یا امن کی، حادثہ کی، بیماری میں سفر کے دوران یا گھر میں سب اللہ کے حکم کے تحت ہے۔ لہٰذا اس کی اطاعت سب سے پہلے ہونی چاہیے اگر چہ اس کے لئے جان بھی چلی جائے ۔اب انسان کو اپنی ترجیحات کو سمجھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی کوششوں کو قبول کرتا ہے اور اس کا صلہ اسے دے دیتا ہے اگر وہ ساری اپنی توانائی اور محنت صرف اسی دنیاوی زندگی کے آرام اور مزے کے لئے کرتا ہے تو اس کی محنت عدل کے تقاضے کے تحت رائیگاں نہیں کی جائے گی بلکہ دنیا کی زندگی میں اس کو اس کا فائدہ یا اجر دے دیا جائے گا لیکن آخرت کی زندگی میں وہ نعمت سے محروم رہے گا۔ حضور کی حدیث ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ کام وہی ہے جس کی اس نے نیت کی جس نے ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے کی اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہے اور جس نے دنیا کے لئے کی اسے وہی ملے گی یا کسی عورت سے شادی کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اس مقصد کے لئے جس کے لئے کی (بحوالہ صحیح البخاری، کتاب الایمان)۔ اور اگر کوئی اپنی زندگی کے اعمال کا محور آخرت کی کامیابی کو بناتا ہے تو اللہ اس کو اس کا حصہ اس کی محنت اور اعمال کے مطابق آخرت میں دیں گے۔ اس کے حق یا جزا میں کوئی ذرہ بھر کمی نہیں ہوگی اور اللہ کے شکر گزار بندوں کو اللہ تعالیٰ ان کے شکر وصبر کے عوض بہت زیادہ جزا عطا فرمائے گا جو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہوسکتا ہے۔ اس کی عملی تطبیق (Application) ہم دیکھ رہے ہیں کہ غیر مسلم افراد جو دنیا کے لئے محنت اور اپنا معاشرہ اچھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس کا نتیجہ اسی دنیا میں فائدہ کی صورت میں اُٹھا رہے ہیں۔ وہ سائنس کی ترقی، صنعتی کامیابی، جدید ریسرچ، معاشرہ میں انصاف اور عدل، انسانی حقوق کا احترام اور سماجی انصاف ہو جس چیز کی ترجیح ہوگی اس کو حاصل کر لیا جاتا ہے۔ لیکن مومن کی ترجیح عبادتِ خداوندی، اعلیٰ انسانی اوصاف اور انسانی خدمت کے ساتھ آخرت کی کامیابی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نصیب فرماتا ہے۔

وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ [3:146]

اور کتنے ہی انبیاء ایسے ہوئے جنہوں نے جہاد کیا ان کے ساتھ بہت سے اللہ والے بھی ساتھ ہوئے، جو انہیں اللہ کی راہ میں مصیبتیں پڑیں ان کے باعث ہمت نہیں ہاری اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ جھکے اور اللہ انہی صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ[3:147]

ان کا کوئی قول نہیں تھا مگر اس التجا کے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہم سے ہونے والی زیادتیوں سے درگذر فرما اور ہمیں (اپنے مقصد میں) ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔

فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ [3:148]

پس اللہ نے انہیں دنیا میں بھی انعام دے دیا اور آخرت میں بھی عمدہ اجر سے نوازا اور اللہ ان کو پسند فرماتا ہے جو احسان کرنے والے ہوتے ہیں۔

کامیابی کیسے؟:۔

آیات میں احد کے واقعات کے متعلق مسلمانوں سے خطاب ہے کہ یہ تکلیف جو اسلام کی سربلندی کے لئے وہ اُٹھا رہے ہیں، تمام انبیاء اور ان کے نیک پیروکاروں کا شیوہ رہا ہے اور ان تکالیف کے باوجود وہ ثابت قدم رہے۔ خوفزدہ نہ ہوئے اور ان کے مضبوط ارادوں میں کوئی کمی نہیں آئی اور نہ وہ کفر کی طاقتوں کے آگے جھکے، تکالیف پر صبر کرتے رہے اور ان مشکلات کے باوجود بھی اللہ سے وہ بہت خوبصورت التجا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے فرائض کے انجام دینے، حق کے پھیلانے میں اگر کوئی زیادتی و کمی وکوتاہی ہوگئی ہے تو اسے معاف فرما اور پھر ہمیں اس جدوجہد پر ثابت قدم رکھ اور ہمارے مخالف (انکار کرنے والے، کفر کرنے والوں) کے خلاف ہماری مدد فرما تا کہ ہم کامران و کامیاب ہوں۔ یہ آیات مبارکہ ہمیں بڑے واضح الفاظ میں ہدایت کر رہی ہیں کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہمیں (۱) تکلیفوں کے مقابلے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ (۲) جدوجہد مسلسل کرنی چاہیے۔ (۳) اس میں کمی یا سستی یا شکست تسلیم نہیں کرنی چاہیے (**استکانو**)۔ (۴) ثابت قدمی کے لئے پورے پورے اقدامات کرنے چاہییں۔ (۵) اپنا محاسبہ کرنا چاہیے تا کہ خامی کا پتہ چل سکے۔ (۶) اللہ سے نصرت طلب کرنی چاہیے اور اپنی کسی امکانی یا فعلی کوتاہی پر استغفار کرنا چاہیے۔

تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے صبر، ثابت قدمی اور پھر احسان (بھلائی) کا ذکر فرمایا۔ یہ وہ اوصاف ہیں جن کے لئے مومن کا متصف ہونا ہی کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں اجر اور کامیابی عطا فرماتا ہے۔ حضورﷺ کی زندگی میں بالخصوص واقعہ احد صبر، استقامت، ہمت وعظمت کی بڑی روشن مثال ہے۔ سات سو افراد میں سے ستر شہید ہوئے، سو سے زیادہ زخمی ہوئے۔ جلیل القدر صحابہ بڑی بے دردی سے شہید کئے گئے۔ جب آپﷺ مدینہ شریف واپس

ہوئے تو پتہ چلا کہ کفار مکہ پھر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فوراً صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور صرف انہی صحابہ کو ساتھ لیا جو احد میں ساتھ تھے۔ وہ اپنے زخموں کے ساتھ جنگ کی تھکن کے باوجود مدینہ سے نکل کر باہر مقابلہ کے لئے آ گئے۔ جب اس کی اطلاع کفار کو ملی تو انہوں نے ارادہ بدل دیا اور واپس چلے گئے۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کے استقلال صبر، عظمت اور اخلاص کو کفار، منافقین اور یہود پر ثابت کر دیا کہ وہ اپنے مشن سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ اس سے اندازِ دعا کے بارے بھی تعلیمات ہیں کہ عبادت محنت کے ساتھ اخلاص اور عاجزی بڑی ضروری ہے۔ اپنی کوتاہی کا اعتراف اور ثابت قدمی کی تمنا کا اظہار اور شکر و امتنان کا اقرار ہر وقت کرتے رہنا چاہیے، یہی محبوبانِ خدا کا طریقہ رہا ہے۔ اے اللہ! ہمیں اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ [3:149]

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کا کہنا مانو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں (کفر کی طرف) پھیر دیں گے پھر تم نقصان اُٹھاتے ہوئے پلٹو گے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ [3:150]

بلکہ اللہ تمہاری مولیٰ ہے وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ[3:151]

ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جس کے لئے جس کی اس (اللہ) نے کوئی سند نہیں اُتاری۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ برا ٹھکانا ہے ظالموں کے لئے۔

آیت مبارک میں احد کے واقعات کے ضمن میں فرمایا کہ کفار/ مشرکین ہمیشہ تمہیں اسلام اور نبی ﷺ کی اتباع سے دور کرنا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش یہی ہے کہ تم کفر کی طرف واپس آؤ اور پھر عذاب الٰہی کے مستحق ہو۔ اس طرح پھر تم حق کی طرف لوٹو گے۔ لہٰذا کفار یا منافقین، یہود کی باتوں میں نہ آؤ، اللہ پر بھروسہ کرو اور اس کی مدد طلب کرو۔ احد کی جنگ کے لئے جاتے ہوئے تین سو منافقین عبداللہ بن ابی کی قیادت میں محض یہ بہانہ بنا کر علیحدہ ہو گئے کہ ان کی رائے پر عمل نہیں کیا گیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ پر بھروسہ اور اس کی مدد کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دے گا۔ یہی ہوا کہ ایک کافر (ابن قمیۃ) کے اعلان پر کہ حضور اکرم ﷺ کو شہید کر دیا ہے، اس افواہ پر جہاں مسلمانوں میں بددلی اور مایوسی پیدا ہوئی وہاں کفار

نے سمجھا کہ وہ فتح یاب ہو گئے ہیں اور واپس چل دیئے، جب راستے میں خیال آیا کہ مسلمان تو تقریباً ختم تھے ہم نے مکمل ان کو ختم کیوں نہیں کیا اور اس طرح دوبارہ واپس حملہ کا ارادہ کیا کہ مدینہ جا کر مسلمانوں کو ختم کرتے ہیں اور انہوں نے ایک آدمی کو رقم دے کر افواہ اُڑوائی کہ وہ مدینہ پر حملے کے لئے آ رہے ہیں۔حضورﷺ نے دوبارہ تیاری کی مدینہ سے باہر حمراء الاسد تک صحابہ کے ساتھ تشریف لائے۔ادھر کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا ایسا رعب پڑا کہ انہوں نے ارادہ ترک کر دیا اور واپس چلے گئے۔

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ [152:3]

بے شک اللہ نے وعدہ سچ کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے انہیں قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم نے بزدلی کی اور حکم کے بارے جھگڑنے لگے اور تم نے نافرمانی کی جب کہ (اللہ نے) تمہیں دکھا دی (فتح) جو تم چاہتے تھے۔تم میں سے کوئی دنیا کا چاہنے والا اور تم میں کوئی آخرت کا چاہنے والا تھا، پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے۔بے شک اس نے معاف کر دیا تمہیں اور اللہ مومنین کے لئے بڑا فضل والا ہے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَاۤ اَصَابَكُمْ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ [153:3]

جب تم (افراتفری میں) بھاگے جا رہے تھے اور مڑ کر دیکھتے بھی نہیں تھے اور رسول (ﷺ) پیچھے جماعت میں تمہیں پکار رہے تھے، پھر اس نے تمہیں غم پر غم دیا تاکہ تم اس پر جو تمہارے ہاتھ سے چلا گیا اور اس مصیبت پر جو پڑی، رنج نہ کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

کامیابی سے ناکامی کی طرف:۔

یہ آیات بھی احد کے واقعہ کے بارے ہے جس طرح مسلمانوں کو ابتداء میں کامیابی ہوئی ان کے رعب نے کفار کو توڑ دیا اور کچھ ہی دیر بعد کفار بھاگنے لگے، لیکن یہ کامیابی پھر ناکامی میں بدل گئی کیونکہ وہ تیر اندازوں کا دستہ جو خصوصی جگہ پر حفاظت کے لئے متعین تھا کہ پیچھے سے کوئی حملہ نہ کر دے، نے احکام کو نظر انداز کر دیا اور یہ سمجھ کر کہ اب جنگ کا فیصلہ ہو گیا ہے لہٰذا یہاں

رہنے کی ضرورت نہیں اس پر ان میں اختلاف آ گیا اور نزاع پیدا ہو گیا، امیر دستہ (حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حکم دیا کہ یہاں سے نہ ہلا جائے لیکن بہت سارے تیرانداز جگہ چھوڑ کر چلے گئے باقی صرف دس بچے جو وہاں رُکے، وہ سب کفار کے دوبارہ پیچھے سے حملہ کے دوران شہید ہو گئے، اس طرح پچھلی طرف سے کفار کا حملہ خالد بن ولید کی قیادت میں ہوا۔ پھر حضور نے جب دیکھا کہ لوگ بھاگ رہے ہیں اور کفار پکار پکار کر حضور ﷺ کی شہادت کا اعلان کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے صحابہ کو بلایا لیکن شاید آپ کی آواز شور میں گم ہو گئی یا صحابہ کنفیوژن میں میدان سے بھاگنے لگے اور بالآخر کچھ صحابہ کے ہمراہ آپ ﷺ نے ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کیا۔ صحابہ بجائے مسلح ہو کر بھاگتے، دشمن پر حملہ کرتے اور مزید اسے ختم کرتے، مال غنیمت کی طرف لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مزید آزمائش میں ڈال دیا، فتح شکست میں بدل گئی اور حضور ﷺ شدید زخمی ہوئے، بہت سارے صحابہ شہید و زخمی ہوئے۔ آپ ﷺ کو اس واقعہ سے بہت دکھ ہوا لیکن پھر الوالعزم صحابہ کرام نے بہادری سے جنگ کو پھر روک دیا اور کفار وہاں سے چلے گئے۔ مدینہ پہنچ کر سب صحابہ کو اس کا بڑا دکھ ہوا کہ انہوں نے یہ غلطیاں کیسے اور کیوں سرزد کیں۔ جب نبی ﷺ کی موجودگی میں یہ ہو سکتا ہے تو مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے کہ وہ صرف مسلمان ہونے پر اللہ کی مدد کو یقینی نہ سمجھ لیں، انہیں رسول ﷺ کی اطاعت ضروری ہے، پھر اللہ کی محبت کو دنیاوی امور سے بلند کرنا ضروری ہے، آپس میں نزاع اور جھگڑا نہیں کرنا بلکہ امیر کی اطاعت ضروری ہے (جب تک وہ شریعت کے خلاف حکم نہ دے) صحابہ کرام کی اس پشیمانی بالخصوص جو جگہ سے ہٹ گئے یا پھر میدان سے واپس آ گئے تھے، کو معاف کر دیا۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ [3:154]

پھر اس نے غم کے بعد تم پر غنودگی کی صورت میں امان اتاری جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا گئی اور ایک گروہ کو صرف اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ وہ اللہ کے ساتھ ناحق گمان کرتے تھے جو جاہلیت کے گمان تھے۔ کیا اس کام میں ہمارے لئے بھی کچھ دخل ہے، آپ فرمائیں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر اس کام میں ہمارا

اختیار (دخل) ہوتا تو ہم اس جگہ قتل نہ کئے جاتے۔ آپ فرمادیں، اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن کا قتل ہونا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہ کی طرف نکل آتے۔ یہ اس لئے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اس کو آزمائے اور جو تمہارے دلوں میں ہے اسے خوب صاف کر دے۔ اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا وَ لَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ[155:3]

بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن پھر گئے تھے جب دونوں لشکر آپس میں مقابلہ کر رہے تھے تو شیطان نے انہیں ان کے کسی عمل کے باعث جو انہوں نے کیا تھا، پھسلا دیا۔ بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے۔

صحابہ پر عتاب نہیں بلکہ آزمائش:۔

ان آیات کا بھی موضوع غزوہ احد کے حالات ہیں۔ مسلمانوں کے اختلاف، پھر مال غنیمت کی طرف توجہ سے اور جنگ کی حالت سے فراموشی، حضورﷺ کا بلانا صحابہ کا نہ سننا اور محض موت کی افواہ کی بناء پر پریشان ہو کر میدان جنگ سے نکل جانا، ان سب امور کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پھسلاوٹ فرمایا ہے کہ وسواس شیطان نے دلوں میں ڈال کر تفریق، افراتفری اور مایوسی پیدا کر دی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے قدرت خداوندی سے کچھ دیر بعد بدل دیا اور پھر حضرت ابی ابن کعب نے آواز دی کہ حضورﷺ سلامت ہیں، جس پر سب واپس اکٹھے ہو گئے۔ یہ شکست اور نقصان، زخموں سے چور چور ہونا، اللہ کا عذاب نہیں تھا بلکہ اس کی طرف سے آزمائش تھی کہ اس کے اور نبیﷺ کے احکام پر پوری توجہ دینی چاہیے۔ بعض صحابہ جو ابھی اس سفر عشق میں نو دار تھے شاید فتح کو اپنا حق سمجھتے تھے اور اللہ کی آزمائش یا نبیﷺ کے احکام سے بے پرواہی کے انجام سے صحیح طور پر آگاہ نہیں تھے اور اس شکست نے ان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ یہ سزا نہیں بلکہ ایک آزمائش تھی۔

موت کا ایک دن معیّن:۔

منافقین نے اس موقعہ پر اپنی اندرونی خیانت کا اظہار کیا کہ ہماری رائے پر عمل کرتے اور جنگ کے لئے نہ نکلتے تو نہ شہید و زخمی ہوتے اور محفوظ رہتے۔ دراصل ان کا یہ اظہار ان کی منافقت کا نتیجہ تھا۔ عبداللہ بن ابی کی سربراہی میں جو لوگ واپس آئے تھے وہ دراصل اسلام کی شکست کی تمنا کرتے تھے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے علیحدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مشیت ایزدی کا اظہار فرمایا کہ جن کو موت آنی ہوتی ہے ان کو بستروں پر بھی موت آ جاتی جب کہ وہ گھروں میں ہوتے ہیں یا ان کو موت

گھروں سے باہر نکال کر بھی مار دیتی ہے۔اس کے مقابل جو لوگ اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں وہ بھی موت کو گلے لگا لیتے ہیں اور شہید ہو جاتے ہیں۔

سکینت خداوندی:۔

اللہ تعالیٰ نے اس امتحان، آزمائش اور شکست کے بعد مسلمانوں کی جو بقیہ زخموں سے نڈھال، تھکن سے چور چور ماندہ فوج تھی ان کو اپنی رحمت سے نوازا، اس امتحان کے بعد ان کو طمانیت، سکون عطا فرمانے کے بہانے نیند عطا کی۔ نیند اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ تھکان کے بعد نیند کا معمولی وقفہ جسم کو تروتازہ کر دیتا ہے۔ چند اونگھیں اور تھوڑی سی نیند ایک نئی توانائی عطا کر دیتی ہے۔صحابہ کرام سے روایات ہیں کہ ہر صحابی اونگھ رہا تھا اور تلواریں بار بار ہاتھوں سے گر جاتی تھیں، اس نیند کے بعد سب صحابہ تروتازہ دم ہو گئے۔ تھکان کے بعد راحت آ گئی، لاشوں کو سمیٹا، جنازے پڑھائے، دفن فرمایا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے بعد مدینہ واپسی کی تیاری کی۔ حضورﷺ کی بہادری اور عزمِ صحابہ کا ایمان کہ اس حالت میں بھی حضور نے حضرت علی اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو کفار کے پیچھے معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجا کہ کیا وہ سواریوں پر سوار ہیں یا سامان اتار کر بیٹھے ہیں۔آپ ہمیشہ اپنے دشمن کی عسکری کیفیات کی پوری پوری معلومات حاصل کرتے اور فیصلے فرماتے۔ اس وقت بھی آپ نے تیاری کی ہوئی تھی اور حالات کے مطابق فیصلہ فرمایا اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد لشکر اسلامی واپس مدینے چل دیا۔

مقامِ صحابہ:۔

واقعہ احد پر صحابہ کرام انتہائی پریشان تھے جو صحابہ افواہ کی بناء پر بد دل ہو کر میدان سے واپس مدینے آ گئے اور باقی جو وہاں رہ گئے تھے، تعداد کی کمی اور کفار کے ناگہانی حملے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئے اور بہت زیادہ شہید بھی ہو گئے۔ ان نتائج نے صحابہ کو انتہائی پشیمان کر دیا اور وہ اللہ کے حضور اس کی معافی کے خواستگار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے حلم و کرم سے معاف فرما دیا ”عَفَا اللّٰهُ عَنْهُم“ لہٰذا ان امور پر صحابہ کرام کی ذات پر کسی قسم کا اعتراض رضائے واعنائے الٰہی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ”رضی الله تعالیٰ عنهم و رضو عنه“ کے اعزاز سے نوازا ہے تو اس کا احترام واجب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَ اللّٰهُ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ[156:3]

اے ایمان والو! ان کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے بھائیوں کے بارے میں جو سفر پر گئے ہوں یا جنگ کے لئے گئے ہوں، یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے یا قتل کئے جاتے (ایسا نہ کہو) تا

کہ اللہ اس (گمان) کو ان کے دلوں میں حسرت بنائے رکھے اور اللہ ہی زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔

وَ لَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَحۡمَۃٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ

[157:3]

اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جاؤ یا موت آ جائے تو اللہ کی مغفرت اور رحمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جو تم جمع کرتے ہو۔

وَ لَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِالَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ[158:3]

اور اگر تم مر جاؤ یا قتل ہو جاؤ تو اللہ کے حضور جمع کئے جاؤ گے۔

منافقین کے دل کے کیفیت اور خیالات کے بارے پچھلی آیت کے ضمن میں ہے کہ منافقین یہ کہتے ہیں کہ مسلمان، سفر (کاروبار) یا جہاد کی وجہ سے گھر سے نکل پڑتے ہیں اور اس لئے شہید ہو جاتے ہیں اگر اپنے ہی گھروں میں رہیں تو محفوظ رہتے، زخمی یا مرتے نہیں۔ یہ وہ بہانہ بناتے ہیں اور مسلمانوں کو بد دل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زندگی دینے والا اور موت دینے والا اللہ ہے، لہٰذا اس پر ایمان مکمل ہونا چاہیے اور یہ منافقوں کی حسرت ہی رہی کہ وہ مسلمانوں کو بد دل کریں لیکن ایسا کبھی نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سارے اعمال کو دیکھ رہا ہے جانتا ہے۔ اگر موت اللہ کی راہ میں آ جائے تو یہ اس موت سے بہت بہتر ہے جو بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر آ جائے۔ اللہ کی بخشش، جو اس کی راہ میں موت حاصل کرنے والے کو ملتی ہے، اس کا شمار دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے اور سب انسانوں نے جو بشر کی موت مریں، سفر کی حالت میں یا جہاد اور اللہ کی راہ میں جان دے دیں سب نے اللہ کے حضور جمع ہونا ہے۔

فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ ۚ وَ لَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ ۪ فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ وَ شَاوِرۡہُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ[159:3]

پس اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم مزاج ہیں اور اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ ان سے درگذر فرمائیں اور ان کے لئے بخشش مانگیں اور کاموں میں ان سے مشورہ کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر توکل کریں بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ[3:160]

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ایسا ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا، پس اللہ پر مومنین کو توکل کرنا چاہیے۔

درگذر کی برکت:۔

غزوہ احد کے واقعات نے صحابہ کرام کو بھی پریشان کر دیا اور حضورﷺ بھی بہت شدید طور پر متاثر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی محبت وعشق کے پیش نظر ان کے عمل سے درگذر فرمائی اور معاف فرما دیا جو حضورﷺ کے لئے بھی ایک تسلی کا باعث بنا بلکہ فرمایا کہ آپ ان کے لئے بھی بخشش کی درخواست کریں یعنی نہ صرف ان سے درگذر کریں بلکہ ان کے لئے بخشش طلب کریں اور پھر ان سے مشورہ لینے کا حکم فرمایا، اس طرح ان کی محبت اور آپ کے اعتماد میں باہم مزید محبت پیدا ہوگی۔آپ کی اس نرم خوئی لطافت طبع کو انعامِ الٰہی قرار دیا اور محبت وعشق کے سلسلہ کا ضروری ربط بنا دیا۔

مشورہ کی ضرورت واہمیت:۔

اگرچہ نبیﷺ کو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میسر ہوتی تھی لیکن پھر بھی مشورہ کا حکم فرما کر امت مسلمہ کے لئے مشاورت کا اصول مقرر فرما دیا تا کہ آنے والے حکمران اور طریقہ حکمرانی میں اس کو اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہو۔حضورﷺ نے اپنی زندگی میں ہمیشہ اپنے صحابہ سے مشورہ لیا اور صحابہ کے مشورہ (اکثریت) پر یا اس مشورہ پر جو سب سے صائب تھا (قوی الدلائل) پر عمل فرمایا۔علامہ بغوی نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ حضورﷺ اپنے صحابہ کرام سے بہت زیادہ مشورہ کرنے والے تھے (بحوالہ تفسیر مظہری) اور ایک اور حدیث بحوالہ تفسیر کشاف (**ما نشاور قوم قط ، الا هو هدداً لارشد امرهم**) ایک اور حدیث بروایت حضرت عمرو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسے امام احمد نے نقل کیا ہے کہ اگر تم دو (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کسی معاملے میں ایک رائے رکھتے ہو تو میں تمہاری رائے کے خلاف معاملہ نہیں کروں گا (**لو اجتمعتما فی مشورة ما خالفتکما**)۔

اور اسی طرح جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے غنی ہیں (ضرورت نہیں) لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے میری امت کے لئے رحمت بنایا ہے (بحوالہ روح المعانی) اس لئے اسلامی مملکت میں صحیح جمہوری روح ہے جس میں نفری (افراد) کے ساتھ علم واہلیت بھی ہے اور اس کا نفاذ ہر درجہ پر ہے اور حکمرانوں کے لئے مشورہ لازمی اور اس پر عمل بھی لازمی ہے ہاں اگر کوئی فیصلہ کن امر واضح نہیں تو حکمران کی رائے فیصلہ کن ہوگی (Casting Vote) بعض اوقات "فَـــــإِذَا

عَـزَمْـتَ فَتَـوَكَّـلْ عَـلَى اللّٰـهِ" کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ عزم مشورہ سے علیحدہ ہے یعنی بغیر مشورہ کے عزم بھی ممکن ہے لیکن دراصل آیت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ترتیب میں شاور (مشورہ) کو پہلے بیان کیا لہٰذا اس کی اہمیت ہے جہاں واضح امور نہ ہو سکے (طرفین کے مساوی دلائل کی بناء پر) تو عزم ایک رائے پر فوراً کر لینی چاہیے تاکہ کنفیوژن کے منفی اثرات سے بچا جائے اور پھر عزم کے بعد وسائل کے ساتھ اللہ کی نصرت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ یہاں توکل وسائل کے استعمال یا ان کی بہترین مینیجمنٹ کا انکار نہیں بلکہ ضروری ہے اور پھر اللہ پر پورا بھروسہ ہونا چاہیے۔ اصل فیصلہ کن ذات، ذاتِ خداوندی ہے، اس کا یقین ہونا چاہیے۔ ایک روایت کے مطابق ایک اعرابی ایک اونٹ کو کھلا چھوڑ کر نماز پڑھنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے اس کو باندھو اور پھر توکل کرو (**اعقلها و توکل علی الله**)، یعنی اسباب کا استعمال کرو اور پھر اپنا مقصد پورا حاصل کرو۔

مشورہ کے موجودہ طریقے ذرائع مواصلات کی وجہ سے بہت بہتر ہیں مثلاً علم کی سہولت، رائے کے ابلاغ کی سہولت، پھر اہل افراد کا چناؤ اور طریقہ سے بہتر نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے کسی خاص طریقہ کار کا پابند نہیں کیا بلکہ مقصد کے حصول کا پابند کیا ہے اور صحیح مشورہ دنیا اسلام میں واجب ہے۔ لہٰذا جمہوری طریقہ نظام میں جس طرح بھی آسانی سے مقاصد حاصل ہو سکیں وہ اسلامی روح کے مطابق ہیں۔ بلکہ اس کے تابع ہیں۔

اسلامی لیڈر شپ:۔

غزوہ احد میں حضور ﷺ کی لیڈر شپ کے تمام محاسن کھل کر سامنے آئے۔ آپ ﷺ کی جنگی منصوبہ بندی کی اعلیٰ مہارت تمام غزوات میں واضح ہے پھر آپ ﷺ کا ثابت قدم رہنا، زخموں کے باوجود ڈٹے رہنا، صحابہ کو بھی تشجیع دینا (حوصلہ افزائی فرمانا) اور ان کو غیر صحیح ردعمل سے روکنا۔ آپ ﷺ کے کل سات سو صحابہ میں بہت مختصر یعنی تیرہ صحابہ رہ گئے تھے پھر بھی آپ ﷺ ڈٹے رہے اور صحابہ نے آپ کو ہر طرف سے گھیر کر محفوظ رکھا اور اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔ جنگ کے فوراً بعد بھی آپ ﷺ کو فوری مستقبل کا احساس تھا۔ لہٰذا دشمن کے بارے معلومات حاصل کیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور شہداء کی تدفین کے بعد مدینہ واپس تشریف لا کر تمام صحابہ سے ناراضگی کا اظہار یا کسی بدلہ لینے کی، کسی قسم کی بات یا سزا کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ الفت و محبت سے درگذر کر کے ساتھ ملایا، منافقین کی خلاف ورزی کو نظر انداز فرمایا۔ آپ ﷺ کے حسن اخلاق، ایک اعلیٰ لیڈر شپ کا رول ماڈل کے طور پر ثابت ہوا، جس کو تمام دنیا نے تسلیم کیا ہے اور آپ ﷺ کی ذات کو دنیا کے تمام لیڈروں میں سب سے بڑا لیڈر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کا اقرار غیر مسلموں نے بھی کیا ہے جس میں ایک بڑے لیڈر کا مصنف اور فرانسیسی تاریخ دان پروفیسر Leymrour (لیموئیر) امریکی مصنف مائیکل ہارٹ اور بہت سارے تاریخ دان شامل ہیں۔ آیت مبارکہ میں لیڈر شپ کے اوصاف بڑے واضح طور پر بیان فرمائے گئے ہیں (۱) تندخو نہ ہو۔ (۲) نرم دل اور ساتھیوں کے ساتھ محبت کرنے والا ہو۔

(۳) درگذر کرنے والا ہو۔ (۴) مشورہ کرنے والا اور اس پر عمل کرنے والا ہو۔ (۵) عزم صمیم کرنے والا ہو (یعنی کنفیوژن میں نہ رہنے والا ہو)۔ (۶) اللہ پر توکل کرنے والا ہو۔ یہی خاصیتیں جو آج کل جدید تحقیق میں لیڈرشپ کی کوالٹی کے لئے مینجمنٹ سائنس میں پڑھائی جاتی ہیں، یہ ٹیم سپرٹ اور ایک لیڈرشپ جو مقاصد کا حصول کرسکتی ہے، پیدا کرتی ہے۔

توکل:۔

آیت مبارکہ میں توکل کا حکم ہے۔ توکل کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں لیکن اسباب کا استعمال توکل کا حصہ ہے کیونکہ یہ اسباب بھی اللہ تعالیٰ (مسبب الاسباب) نے پیدا کئے ہیں اور انسانوں کی سہولت اور فائدہ کے لئے ہیں ان کے استعمال سے بے پرواہی یا جہالت، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نظرانداز کرنا ہے اور اس کا نتیجہ ہمیشہ نقصان میں ہے۔ اس لئے مومن کے لئے ضروری ہے کہ پوری استعداد کا خاص خیال رکھے، یہ عبادات میں ہو یا معاملات میں یا انفرادی درجہ کا معاملہ ہو یا قومی سطح کا معاملہ، بہت اہم ہے۔ اس کے بارے حدیث میں ذکر کیا جاچکا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاسکتا، یعنی وہ توکل کے ساتھ اسباب کا اہتمام کرتا ہے۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے ہمیشہ وسائل کا بھرپور استعمال فرمایا، ہاں نتیجہ کے لئے انسان کو صرف اپنے وسائل یا اپنی ذات پر بھروسہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی نصرت و مدد پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اس سے نصرت کی مدد طلب کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ اس کی ذات کی قدرت، سطوت اور عظمت کا حقیقی اعتراف ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے متوکل مومنین کو پسند فرماتا ہے۔

کامیابی کا راز:۔

آیت مبارکہ میں کامیابی کے بارے ذکر فرمایا کہ اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تمہیں کامیابی ہوگی اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے ناکام کرنا ہو تو کوئی کامیابی نہیں دلاسکتا۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے بنائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنے سے اللہ کی رحمت ونصرت کا انسان مستحق بنتا ہے۔ محض مذہب کے نام یا رسمی طور پر علامتی تعلق سے اللہ کی نصرت نہیں مل سکتی اور اس کی مثال غزوہ احد ہے، جہاں نبی ﷺ کی ذات اعلیٰ صفات بھی موجود تھی لیکن مسلمانوں کو ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ناکامی اور پریشانی ہوئی، اس لئے ضروری ہے کہ تمام اسلامی ممالک کے مسلمان افراد اور معاشرے اسلام کے اصولوں کو اپنے معاشروں میں لاگو کریں، اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی کا اس کو طریقہ و دستور بنائیں۔ قرآن کی ہدایات، رسول ﷺ کی اتباع پر مکمل عمل واضح مقصد، اتحاد پُرعزم، مخلص قیادت اور میسر ذرائع کا صحیح استعمال، توکل الٰہی کے بعد نصرت الٰہی کے مستحق ہوں گے اور کامیاب ہوں گے۔ کاش آج کے مسلمان افراد اور حکمران محنت، عدل، اخلاص اور علم وتحقیق کر کے ایک باوقار اور کامیاب قوم بن کر دنیا کی راہنمائی کریں، جس طرح ماضی میں کیا تھا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ہیں کہ ؎

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تو نے؟ — وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے وہ صحرانشیں کیا تھے — جہاں گیر و جہاں‌دار و جہاں‌بان و جہاں‌آرا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ — کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیّارہ

وَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ[3:161]

نبی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ بروز قیامت چھپائی ہوئی چیز کے ساتھ حاضر ہوگا، پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ[3:162]

تو کیا وہ شخص جو اللہ کی رضا کے تابع ہو گیا اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو اللہ کے غصے کا سزاوار ہوا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ[3:163]

ان لوگوں کے اللہ کے ہاں مختلف درجات ہوں گے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

خیانت اور اسلامی معاشرہ:۔

احد کے واقعات سے متعلق موضوع چل رہا ہے۔ درہ پر متعین تیر اندازوں نے اپنی جگہ اس لئے چھوڑ دی تھی کہ جنگ وقتی طور پر کفار کے بھاگنے کی وجہ سے رک گئی تھی اور کچھ مجاہدین بچا کُچا سامان یعنی مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے تھے۔ ان تیر اندازوں کا خیال تھا کہ شاید مال غنیمت جو لے گا اس کا ہوگا تو اس طرح وہ اگر یہاں رہے تو کچھ نہ حاصل کر سکیں گے کیونکہ غزوہ بدر میں حضورﷺ نے سب کو یہی اجازت دی تھی کیونکہ اس میں سب اکٹھے شامل تھے، کوئی دستہ متعین ڈیوٹی پر نہیں تھا۔ حضورﷺ نے یہی بات ان افراد سے فرمائی کہ تمہارے دل میں یہ شک تھا کہ شاید ہمارے ساتھ انصاف نہیں ہوگا اور مال غنیمت ہم سے علیحدہ تقسیم ہو جائے گا۔ اس قسم کا خیال نبی کی شان میں ایک گستاخی تھی کہ وہ ان تیر اندازوں کو حصہ نہ دیں جو ایک خاص متعین ڈیوٹی پر مقرر کھڑے رہے اور مال غنیمت اکٹھا کرنے میں شامل نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے اصولی وضاحت فرما دی کہ یہ کام ایک عام انسان کے لئے بھی بڑا باعث گناہ ہے کیونکہ جو وہ خیانت کرے گا وہ اس کے گلے قیامت کے روز

پڑے گی اور نبی ایک لیڈر، اللہ کی طرف سے ایک ہدایت کا سرچشمہ اور رول ماڈل ہوتا ہے، اس لئے اس سے اس طرح کی چیز سرزد ہو جانا ناممکن ہے۔ "غَلَّ" کا مطلب ہے معمولی سی چیز، اس مال کے اکٹھا ہونے سے پہلے کچھ تھوڑا سا چھپا لینا۔

خیانت کیا ہے؟ یہ امانت کے برعکس ہے۔ امانت کا مطلب ہے حقدار کو اس کا حق احسن طریقہ سے لوٹا دینا (کما حقہٗ) جس طرح آپ نے کسی سے طے کیا عین اس کے مطابق عمل کرنا۔ اگر کوئی مشورہ مانگتا ہے تو مشورہ بھی امانت ہے اور خیانت یہ ہے کہ امانت کے حق میں ذرا سی کمی بھی کر دینا۔ یہ آپ کے ذاتی لین دین میں ہو، کسی اجتماعی ذمہ داری میں یا کسی کے ہاں روزگار کے سلسلہ میں، آپ کا وعدہ کہ آپ اس طرح اپنی ذمہ داری ادا کریں گے اس میں ذرا سی کوتاہی خیانت ہے۔ کم تولنا خیانت ہے، کسی ناحق کو (جس کا وہ حقدار نہیں ہے) حق دینا یہ سب خیانت کے زمرے میں آتے ہیں۔

خیانت کی سزا:۔

چند احادیث اس ضمن میں تحریر ہیں جو کہ تفسیر کشاف (زمخشری) سے اسی آیت کے ضمن میں نقل کی گئی ہیں۔ (۱) **من بعثنا علی عمل فغل شیئاً جاء یوم القیامۃ یحملہٗ عنقہٗ** (کہ کسی کو کسی کام کے لئے بھیجا اور اس نے اس میں خیانت کی تو وہ چیز قیامت کے دن اس کے گلے میں پڑی ہوئی ہوگی)۔ (۲) **قولہ علیہ السلام ھدایا الولاۃ غلول** (جو تحفے حکمرانوں کو ملتے ہیں وہ خیانت ہے یعنی وہ ریاست کا حق ہیں)۔ اس کے علاوہ ایک طویل حدیث ہے (۳) جس میں ایک حکمران نے کہا کہ یہ تحفے مجھے لوگوں نے دیئے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا وہ لوگ جو گھروں میں رہتے ہیں ان کو تحفے کیوں نہیں ملتے، یہ صرف عہدہ کے سبب ہیں، لہٰذا یہ ریاست کا حق ہیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث کے مطابق (۴) ایک صحابی نے غزوہ خیبر میں کچھ معمولی (چند منکے) کسی یہودی کی لاش سے نکال لئے جب وہ مرا (اسی دوران) تو حضور ﷺ نے رحمۃ اللعالمین ہونے کے باوجود اس کا جنازہ نہیں پڑھایا کیونکہ اس نے معمولی خیانت کی تھی، ایک اور حدیث کے مطابق (۵) بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ روز قیامت تم میں سے ایک شخص میرے پاس آئے گا اس کے گلے میں اونٹ ہوگا (مال غنیمت سے چوری کیا ہوا) اور کہے گا **رسول اللہ** (ﷺ) **اغثنی** (یارسول اللہ ﷺ میری مدد کیجئے) تو میں کہوں گا کہ میں تمہارے لئے اللہ کے سامنے شفاعت نہیں کہوں گا کیونکہ میں نے تم کو پہنچا دیا تھا۔ یہ اسلامی معاشرہ میں خیانت کی سزا ہے۔ چونکہ یہ مال سب کا مشترک ہوتا ہے اس لئے اس کی سزا معاف نہیں ہوگی کہ کسی ایک فرد کا معاملہ نہیں اور سب سے معافی مانگنی ممکن نہیں۔ پبلک آفس یعنی حکومت کے اموال مختلف خیراتی اداروں کے اموال (مسجد وقف) ان میں کوتاہی اور غلط استعمال بھی موجب سزا اور مؤاخذا ہے۔

خیانت کے اثرات:۔

بدقسمتی سے اسلامی ممالک کے مسلمان خیانت میں بہت آگے اور دیانت داری میں بہت پیچھے ہیں اور یہ مرض ہر طرف وباء کی طرح پھیل گیا ہے۔ ہم آج یہ دیکھتے ہیں کہ مسلم معاشرہ، امن، خوشحالی، انصاف میں بہت پیچھے ہیں۔ خیانت صرف نقد اموال میں نہیں بلکہ جہاں بھی کوئی عہدہ اور ذمہ داری لی گئی اور اس کو پورا نہیں کیا گیا، وہ خیانت کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کے حکمران بھی خیانت کا شکار ہیں اور وہ حکومتی اموال میں ذاتی مفادات کے لئے خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ زبوں حالی کا شکار ہے اور جب تک اس مرض کا انسداد شخصی سطح پر نہیں کیا جاتا، تبدیلی نہیں آسکتی۔ اعلیٰ لیڈرشپ کے لئے ایمانداری بنیادی شرط ہے پھر لیڈرشپ کے کردار کا اثر عوام پر منتقل ہوتا ہے۔ خیانت کی دوسری بڑی سزا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے کہ خائن اللہ کے غصے کا سزاوار ہے اور اس کی سزا جہنم ہے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ جس طرح ہم کسی حکمران یا کسی سربراہ کی خوشی کے لئے بڑی کوشش کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر ضرورت یہ ہے کہ ہم اللہ کی رضا کی خوشی کی کوشش کریں اور آخرت میں جہنم کے ٹھکانے سے بچیں۔

اللہ کے ہاں درجات:۔

اللہ تعالیٰ عدل کو پسند فرماتا ہے جو افراد اس کے احکام بجالانے میں پوری محنت اور اخلاص کے ساتھ کام کرتے ہیں ان کے درجات ان انسانوں کے مقابل جو کہ پوری طرح احکام بجا نہیں لاتے اور نہ محنت کرتے ہیں اسی طرح وہ لوگ جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور احکام پورے نہیں کرتے، سب ایک طرح کی مخلوق ہیں لیکن اعمال کے اعتبار سے بہت مختلف ہیں۔ عدلِ الٰہی کے مطابق ہر فرد اپنے اعمال کے حساب سے انعام وسزا کا مستحق ہوگا اور انعام میں بھی درجات مقرر فرمائے ہیں کہ ہر ایک کے اعمالِ حسنہ کے مطابق اس کو درجات عطا کئے جائیں جو کہ عدل کا تقاضا ہے۔ اسی طرح گناہ اور نافرمانی کے اعتبار سے بھی مختلف درجات مقرر فرمائے ہیں تا کہ اس کے اعمال کے مطابق اس کو اس درجہ پر سزا دی جائے۔ لیکن زندگی کے ایام ایک بہت بڑی مہلت ہے جس میں اپنے اعمال کا کفارہ اور درجہ بڑھایا جا سکتا ہے کیونکہ نیک اعمال برے اعمال کے اثرات وسزا کو ختم کر دیتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اپنی مخلوق کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ[3:164]

بے شک اللہ نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے

کھلی گمراہی میں تھے۔

شانِ نبوت اور احسان خداوندی:۔

نبی ﷺ کے احکامات کی اہمیت اور ان کو نظر انداز کرنے کے نقصانات کے بارے پچھلی کافی آیات میں ذکر آیا ہے۔ اب نبی کے وجود اور اس کی اہمیت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان تمام دنیا پر اسلام کا ہے جس کا ذریعہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ اللہ کے احسانات بے پناہ ہیں، سب سے بڑا انسان کے اپنے وجود کا ہے جس کا خالق اللہ تعالیٰ، پھر زندگی کا ہر سانس اللہ کا مرہونِ منت ہے یعنی سانس لینا اور سانس نکالنا دونوں عمل اللہ کے نظام اور اس کے فضل کا حصہ ہیں، پھر نیکی اور بدی کو سمجھانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا۔ اس سلسلہ کے آخری بشیر و نذیر حضور حضرت محمد ﷺ ہیں۔ آپ نے خدائی ہدایت کی تکمیل کی اور قرآن مجید (آخری کتاب الٰہی) انسانوں تک پہنچائی۔ آپ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجودِ مسعود کو مومنین کے لئے احسان فرمایا۔ آپ ساری انسانیت کے لئے آفتابِ ہدایت ہیں، آپ کی خصوصیات جو آیات مبارکہ میں درج ہیں وہ یہ ہیں (۱) آپ انسانوں میں سے اور انسان ہیں اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی صرف انسانوں میں سے ہوسکتا ہے، جنات یا فرشتوں میں سے نہیں۔ (۲) دوسرا خاصہ آیات کی تلاوت ہے کہ آپ پر قرآن پاک اللہ کا کلام نازل ہوا اور آپ نے لوگوں تک پہنچا دیا۔ (۳) پاک کرتے ہیں یعنی انسان کی زندگی میں ایسے اصولوں کی رہنمائی فرمائی کہ انسان کی مادی اور روحانی زندگی دونوں کو پاک کر دیا اور آپ کا راستہ اور تعلیمات انسان کی زندگی کو پاکیزہ بنا دیتی ہے اور انسان روحانی کمالات کو حاصل کرتا ہے۔ آپ کی تعلیمات سے گناہوں کی گندگی سے نجاعت حاصل ہوتی ہے اور پھر قیامت کو آپ کی شفاعت ہوگی، آپ کے وسیلہ جلیلہ سے دعا کی قبولیت ہوتی ہے۔ (۴) آپ قرآن کی تعلیمات کے معلمِ اعلیٰ اور معلمِ دائمی ہیں، جس طرح کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی زندگی عملی قرآن ہے۔ آپ نے صحابہ کرام کو قرآن مجید کی تشریحات اور تفاسیر بیان کیں اور سب سے صحیح تفسیر وہ ہے جس کو حضور نے بیان فرمایا ہے اور کتب حدیث میں درج ہے۔ اس کے ساتھ اور اہم ذمہ داری (۵) حکمت کا سکھانا، اس سے مراد وہ علوم ہیں جو قرآن مجید کے اسرار اور روحانیت سے تعلق رکھتے اور اس کے علاوہ زندگی میں آپ کی تعلیمات پر عمل کر کے معاشرہ میں خیر و برکت، مساوات، خوشحالی کو حاصل کیا جا سکتا ہے اور آپ کی یہ راہنمائی تا قیامت مسلمانوں اور بالخصوص مومنین کے لئے جاری رہے گی۔ آپ کی ذات کی آمد سے پہلے کئی سو سالوں سے انسانیت گمراہی کا شکار تھی، تمام مذاہب سماوی کی حالت بگڑ چکی تھی اور دنیا مکمل طور پر گمراہ ہو چکی تھی، جس کی راہنمائی کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا۔ اب انسانیت کی بھلائی، کامیابی اور جہالت سے دوری اسی میں ہے کہ آپ کی تعلیمات سے فائدہ اُٹھایا جائے اور اِن پر عمل کیا جائے۔

بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دین

همه اوست
اگر به او نه رسیدی تمام بولہبی است

جناب نبی ﷺ کے ساتھ دوستی لگاؤ اور ان کی ذات تک پہنچو کہ وہی دین ہے اگر وہاں نہ پہنچ پائے تو باقی سب کفر ہے۔

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ[3:165]

کیا جب تمہیں ایک مصیبت آ پہنچی حالانکہ تم اس سے دوگنی (دشمن کو) پہنچا چکے تھے تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ پڑی ہے۔ آپ (ﷺ) کہہ دیں! یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ مَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ[3:166]

اور اس دن جو تکلیف تمہیں پہنچی جب دونوں لشکر باہم مقابل ہو گئے تھے سو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور یہ اس لئے کہ اللہ ایمان والوں کو پہچان کرا دے۔

وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ[3:167]

اور ایسے لوگوں کی پہچان کرا دے جو نفاق کرتے ہیں اور جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا دفاع کرو (پیغمبر کا) تو (منافق) بولے اگر ہم جانتے کہ جنگ ہو گی تو ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپا رہے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [3:168]

یہ وہ لوگ ہیں جو گھر بیٹھے ہوئے تھے لیکن اپنے بھائیوں کے بارے کہا کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے۔ آپ (ﷺ) فرما دیں! تم اپنے آپ کو موت سے بچا کر کے دکھاؤ اگر تم سچے ہو۔

مصیبت کا سبب:۔

آیت مبارکہ شان نبوت کے بعد مسلمانوں کے جنگ احد کے واقعہ کے بعد ذہنی اور اعصابی کیفیت کا ذکر فرمایا،بہت سارے عرب جو اسلام میں نووارد تھے اور بدر کی فتح کے بعد ہر معرکہ میں فتح کو اپنا مقدر سمجھتے تھے وہ اس واقعہ سے کافی متاثر ہوئے اور سوال کرتے تھے کہ نبی کی موجودگی اورحق کی خاطر لڑنے کے باوجود انہیں کیوں شکست ہوئی، وہ غلط فہمی میں تھے اور حقیقی اسباب کونظر انداز کر رہے تھے۔آیات مبارکہ 165 تا 167 کے ذریعہ ان کے شبہات کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ ساری تکالیف اور ناکامی کا سبب تمہارے اعمال ہیں یعنی ”عِـنْدِ اَنْفُسِكُمْ “،جس طرح تمہیں تکلیف پہنچی اسی طرح دوگنی تمہارے دشمن کو معرکہ بدر میں مل چکی ہے جس میں اُن کے ستر 70 مارے گئے اور ستر 70 قید ہوئے تھے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ واقعہ اللہ کے حکم سے ہوا تا کہ تمہیں اپنی غلطی (یعنی اللہ کے نبی کے احکام سے بے پرواہی، مالِ غنیمت کی خواہش اور آپس میں جھگڑا اور امیر کی اطاعت سے انکار) کے سبب ہوئی۔اس طرح جو ایمان میں مکمل تھے اور جو ابھی ابتداء میں تھے اور جو ایمان میں جھوٹے تھے،سب ظاہر ہو گئے۔

نجاعت کا ذریعہ:۔

اس میں ایک اور حکمت بھی ہے کہ آئندہ کے لئے اس سے سبق سیکھا جائے ،تمام مصیبتیں انسان کے اپنے نفس کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ یہ ایک امتحان بن جاتی ہیں،خوش نصیب ان ناکامیوں اور پریشانیوں سے سبق سیکھتے ہیں، اپنے اعمال کی اصلاح کرتے ہیں، اللہ سے توبہ کرتے اور مغفرت طلب کرتے ہیں، ان کے اعمال کے نتیجہ میں ان کے ایمان میں زیادتی،عمل میں پختگی وکثرت پیدا ہو جاتی ہے اور نتیجہ کامیابی وکامرانی کی صورت میں ملتا ہے۔ دوسری طرف بدنصیب اس ناکامی سے سبق کے بجائے مزید مایوسی کی طرف چلے جاتے ہیں،اپنے آپ کو اللہ کے احکام کے معیار کے مطابق جانچنے کے بجائے، بہانہ سازی توبہ کے بجائے مزید ضد میں پڑ جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ غم اور ذلت میں پھنس جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور ابدی ہے اور یعلم سے مراد اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کے اعمال (اچھے اور برے) کا نتیجہ دکھاتا ہے۔

موت اور زندگی:۔

منافقین کے حالات بیان فرمائے کہ وہ بجائے جنگ میں شامل ہونے کے علیحدہ ہو گئے۔ بظاہر وہ کلمہ گو اور اسلام کا دم بھرتے تھے لیکن اعمال کے اعتبار سے وہ کفر کے قریب تھے۔ چونکہ مسلمان احد میں زخم کھا چکے تھے تو اس موقعہ پر وہ اپنے اندر کا نفاق پروپیگنڈہ کی صورت میں خوب کرتے تھے اور ان کا یہ کہنا کہ مسلمان اگر گھر بیٹھے رہتے، جنگ کے لئے نہ نکلتے تو بچ جاتے، بالکل جھوٹ ہے کیونکہ موت کا مزہ تو میدان ہو یا گھر،سفر ہو یا حضر، ہر آدمی کو لینا ہے۔ان سے کہا گیا ہے کہ تم موت سے بچ کر تو

دکھاؤ، اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا گھر بیٹھنے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ موت اور زندگی خالقِ انسان کے کنٹرول میں ہے اور وقت معین پر آ جائے گی۔ موت سے بھاگنے والے افراد کے مقابل اگلی آیات موت کو گلے لگانے والوں کا ذکر ہے۔

وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ[3:169]

اور ہرگز مردہ خیال نہ کرنا جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے بلکہ وہ اپنے ربّ کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ مِّنۡ خَلۡفِہِمۡ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۘ☆ [3:170]

وہ ان (نعمتوں) پر فرحان ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں اور خوش ہو رہے ہیں اپنے سے پچھلوں کے لئے جو ابھی تک ان سے نہیں مل سکے ان کے لئے بھی کوئی خوف اور رنج نہیں۔

یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ[3:171]

وہ اللہ کی نعمت اور فضل سے مسرور ہو رہے ہیں اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

حیاتِ شہداء:۔

غزوہ احد میں مسلمان شہداء کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان میں انصار کے شہداء نسبتاً زیادہ تھے۔ انسانی الفت، محبت کے تقاضا کی وجہ سے لوگوں کے دل بعض اوقات غمگین ہو جاتے ہیں۔ ایک صحابی کے چہرے پر عیاں علامات دیکھ کر آپ ﷺ نے پوچھا تو اس نے شہداء کی جدائی اور ان کے اہل و عیال کے مسائل کا حوالہ دیا جس کے جواب میں حضور ﷺ نے شہداء کی کیفیت بیان فرمائی جس کی تصدیق اس آیت سے ہوگئی کہ وہ اگرچہ دنیا کی موت مر چکے ہیں لیکن ان کی زندگی موجود ہے جس کی کیفیت مختلف ہے۔ چونکہ طبعی جسم نہیں اس لئے زندگی کا وجود بھی مختلف ہے اور ان کی غذا بھی مختلف ہے جس طرح جسم کے مطابق غذا ہوتی ہے، اسی لئے ان کی غذا بھی قطعی مختلف ہے جسے ہم نہیں جانتے۔ اس کے ساتھ ان کے حواس بھی ہیں اور وہ نہ صرف خوش ہیں بلکہ آنے والے شہداء اور مجاہدین کے لئے بھی خوشخبری رکھتے ہیں کہ وہ مالک حقیقی کی خاطر جان دے کر اپنی ذات زندہ و جاوید بنا دیں گے۔ کسی قسم کے رنج اور خوف کا شکار نہ ہوں گے۔ ایک حدیث شریف ہے کہ شہید اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ اسے دوبارہ زندگی ملے اور اپنی زندگی قربان کر کے دوبارہ شہادت لے، اس قدر اس کو شہادت کا سرور ملتا ہے۔

ایسے واقعات بھی تاریخ میں درج ہیں کہ شہداء اور انبیاء کی قبریں اگر کسی مجبوری کے باعث دوبارہ کھودی گئیں تو ان کے اجسام

سالم تھے جبکہ دوسرے اجسام فوری طور پر توڑ پھوڑ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ۚ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَ اتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ[3:172]

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہا حالانکہ وہ شدید زخمی ہو چکے تھے۔ ان میں جنہوں نے نیکی اور تقویٰ کیا ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ [3:173]

یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ مخالف لوگ تمہارے مقابلے کے لئے لشکر جمع کر چکے ہیں پس ان سے ڈرو تو اس (دھمکی) نے ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور (وہ) بہت اچھا کارساز ہے۔

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ[3:174]

پھر وہ (مسلمان) واپس لوٹے اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا وہ اللہ کی رضا کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیۡطٰنُ یُخَوِّفُ اَوۡلِیَآءَہٗ ۪ فَلَا تَخَافُوۡہُمۡ وَ خَافُوۡنِ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ[3:175]

بے شک یہ شیطان ہی ہے جو (تمہیں) اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے پس ان سے مت ڈرا کرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

غزوہ احد کے واقعات کا تسلسل جاری ہے۔ کفار مکہ کا لشکر واپس جب احد سے مکہ جاتے ہوئے مقام روحاء پر رکا تو ان کو خیال آیا کہ مسلمانوں کو تو ہم نے شکست دے دی اور یہ وقت بڑا مناسب تھا کہ ان کو مدینہ جا کر مکمل ختم کر دیتے، لہٰذا کچھ نے اس پر زور دیا۔ اس وقت ایک آدمی مکہ سے مدینہ آیا تھا اس کو ابوسفیان نے کہا کہ تم مدینہ والوں کو بتاؤ کہ کفار مکہ پھر مدینہ پر چڑھائی کے لئے آ رہے ہیں۔ اُدھر جب مدینہ خبر ملی تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ بجائے اس کے کہ کفار مدینہ پر حملہ کریں ہم ان کا پھر مقابلہ احد میں (مدینہ سے باہر) کریں گے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ لوگ جو احد میں شامل تھے صرف وہی

اس مقابلہ میں شامل ہوں۔ صحابہ کرام اپنے زخموں کے باوجود اس کے لئے تیار ہو گئے۔ حضورﷺ صحابہ کے ساتھ مقام حمراء الاسد (مدینہ سے آٹھ میل دور) تک آئے۔ اُدھر بنی خزائم کا آدمی معبد بن فرائی مدینہ سے مکہ جا رہا تھا، وہ مسلمان نہ تھا مگر مسلمانوں سے ہمدردی کرتا تھا۔ راستے میں جب ابوسفیان نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ تم دھوکہ میں نہ رہو مسلمان ایک بڑے لشکر کے ساتھ حمراء الاسد کے مقام پر تمہارا پیچھا کرنے آ رہے ہیں۔ اس خبر سے اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور وہ مکہ واپس چلے گئے۔ ان صحابہ کرام کی عظمت کا آیت نمبر 172 میں ذکر فرمایا گیا ہے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی، ان کے لئے اجرِ عظیم ہے۔

جذبہ ہمت اور کامیابی:۔

ابوسفیان نے احد سے جاتے وقت مسلمانوں کو دھمکی دی تھی کہ اگلے سال پھر وہ اسی موقعہ پر بدر آ کر مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔ جب وقت آیا تو اس نے دو ہزار کا لشکر تیار کیا، اس دوران ابوسفیان نے چند افراد کو انعام کا لالچ دے کر مدینہ پروپیگنڈہ کرنے کے لئے بھیجا کہ وہ مسلمانوں میں خوف پیدا کریں کہ کفار بڑا لشکر لے کر حملہ کرنے آ رہے ہیں تاکہ مسلمان جنگ کے لئے باہر نہ نکلیں۔ صحابہ کرام کے دل میں غزوہ احد کا بھی غم تھا، انہوں نے بجائے خوفزدہ ہونے کے جذبہ ایمانی کے تحت فرمایا کہ ہمیں کوئی خوف نہیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ مسلمانوں نے لشکر تیار کیا اور حضورﷺ لشکر لے کر مدینہ سے باہر حمراء الاسد تک آئے۔ وہ لوگ جو پروپیگنڈہ کرنے آئے تھے انہوں نے یہ حالت دیکھی تو فوراً واپس مکہ جا کر کفار مکہ کو مسلمانوں کے جوش و جذبہ کے بارے بتایا۔ کفار مکہ جو مکہ سے نکل رہے تھے، انہوں نے جب یہ خبر سنی تو مشورہ کر کے اپنا ارادہ بدل دیا۔ حضورﷺ کو اس بات کا علم ہو گیا کہ کفار نہیں آ رہے لیکن پھر بھی آٹھ روز تک وہیں قیام فرمایا۔ اس دوران صحابہ کرام نے حمراء الاسد کے بازار میں تجارت وغیرہ بھی کی جس کی وجہ سے مجاہدین کو کافی منافع ہوا اور پھر مسلمان آٹھ روز قیام کے بعد واپس آ گئے۔ آیت مبارکہ میں اس واقعہ کی طرف ذکر ہے کہ وہ اللہ کی نعمت کے ساتھ واپس آئے یعنی اس غزوہ میں ایک تو جنگ سے محفوظ رہے دوسرا مسلمانوں کا رعب و دبدبہ کفار پر قائم ہوا اور تیسرا مسلمانوں کو تجارت سے فائدہ ہوا۔ ان تمام فوائد کا سبب ان کی وہ جدوجہد ہے جو اللہ کی رضا (رضوان اللہ) کے لئے انہوں نے کی، پھر فرمایا کہ دھمکیاں اور مرغوب کرنے کا پروپیگنڈہ شیطان کا مکر ہے جو وہ کفار کو سکھاتا ہے تاکہ مسلمانوں کو ڈرائیں، اُن سے مت ڈرو بلکہ اپنے اللہ سے ڈرو، اُس کے احکام پر عمل کرو تب تم مومن ہو گے۔ یہ بات آج بھی حقیقت ہے کہ مخالفینِ اسلام ہر وقت مسلمانوں کو خوف و دہشت میں رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں اور ہر وقت اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں میں ایمان برائے نام ہے ان کے قول و فعل میں بہت نفاق ہے اس لئے وہ ان سے خوفزدہ اور پروپیگنڈہ سے متاثر ہوتے ہیں۔

آیات مبارکہ میں جو تعلیمات سامنے آئی ہیں اور مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) ان کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بجالانا ضروری ہے (**استجاب الله و الرسوله**)۔ رسول کے احکام کی اہمیت احکام خداوندی کی طرح ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔ احکام کا تعین، فرائض، واجبات، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ کی صورت میں واضح طور پر موجودہ ہے۔

(۲) یہ تابعداری ہر حالت میں مقدم ہے اگرچہ آدمی انتہائی کمزور اور زخمی بھی ہو۔ جس کا نمونہ زخمی صحابہ کا دوبارہ جنگ کے لئے نکلنا ہے۔

(۳) مومن کے کردار میں تقویٰ اور احسان نیکی بہت ضروری ہے، جس کی بناء پر اجر عظیم کا مستحق ہوتا ہے۔

(۴) دشمن کے جھوٹے پروپیگنڈہ سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا توڑ کرنا چاہیے۔

(۵) اللہ پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہیے۔

(۶) تمام امور کا مقصد رضائے الٰہی ہونا چاہیے نہ کہ ذاتی مفادات ہوں۔

ان احکامات میں چند امور کی مثلاً تقویٰ، احسان، توکل کی وضاحت ضروری ہے۔

تقویٰ:۔

تقویٰ کیا ہے؟ یہ ایک جامع لفظ ہے جس کا عمومی مفہوم پرہیزگاری ہے۔ اس کی بہترین تشریح ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی کہ ایسا راستہ جس کے اطراف میں کانٹے دار جھاڑیاں ہوں وہاں سے گزرتے وقت آدمی کو اپنے کپڑے اور جسم بچانے کے لئے کپڑوں کو سمیٹ کر اور احتیاط سے چلنا پڑتا ہے۔ اسی طریقہ کا نام تقویٰ ہے کہ اس دنیا میں مختلف کانٹے دار جھاڑیاں ہیں جو خواہشات نفسانی کی صورت میں ہر وقت پکڑنے کے لئے تیار ہیں لیکن انتہائی احتیاط سے ان سے بچ کر زندگی گزارنی ہے اور راستے سے گزر جانا ہے۔ اس تقویٰ کے محرکات اللہ کا خوف اور اس کے انعام کی امید ہے۔ اس سے مراد تمام حرام اور نقصان دہ خواہشات انسانی ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔

احسان:۔

احسان یعنی بھلائی کہ انسان دوسروں کے ساتھ نیکی کرے، اُن کی ضروریات کا خیال رکھے اور جہاں تک ممکن ہو ان کو فائدہ پہنچائے۔ عبادات میں احسان کا مفہوم بھی ایک حدیث حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بڑا واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی کیفیت میں کی جائے کہ بندہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت حاصل نہیں ہوسکتی تو اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ اِسے دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا بندے کا اخلاص اور اغراض سب اللہ کے سامنے ہیں۔ عبادات میں بدنی عبادات کے ساتھ معاشرتی عبادات بھی

شامل ہیں جس کی تلقین حضور ﷺ نے متعدد احادیث کے ذریعہ فرمائی ہے۔

توکل:۔

اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ سب سے بہترین مددگار ہے، یہ وہ الفاظ تھے جو صحابہ نے فرمائے لیکن اس کی تشریح ملاحظہ کیجئے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو تیار کیا، لشکر اکٹھا کیا، اسلحہ لیا اور مدینہ سے باہر کفار کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ورنہ آپ توکل کر کے صحابہ سے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر عبادت اور دعا کے لئے حکم دے سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے عملی طور پر پوری کوشش کی، اسباب کا استعمال فرمایا اور مدینہ سے باہر آ گئے۔توکل کا مطلب ہے کہ کامیابی کا آخری بھروسہ اللہ کے فضل پر کرنا چاہیے اور ہر دم اپنی طرف سے پوری پوری تیاری اور محنت کرنی چاہیے۔ یہی قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے۔ ظاہری اسباب اللہ کا انعام ہیں اور ترکِ اسباب ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور دوسری طرف سنت رسول کی نافرمانی ہے۔حضور ﷺ کی ساری زندگی جدوجہد کی عظیم ترین مثال ہے۔

خوف:۔

خوف ایک ذہنی کیفیت ہے جو انسانی اعضاء اور قویٰ کو محض ذہنی کیفیت کی بناء پر کمزور کر دیتی ہے۔قوت فیصلہ اور قوت عمل کم کر دیتی ہے اور انسانی کردار کے لئے دنیاوی اعمال میں ایک منفی قوت ہے جب کہ اللہ کا خوف ایک مثبت قوت ہے جو انسان کو اچھے اعمال کی ترغیب دیتی ہے۔اس لئے آیت مبارکہ میں فرمایا کہ ایمان والو! دشمن کے پروپیگنڈہ سے خوفزدہ نہ ہو اور ان تمام امور کا مقابلہ کرو، ان کے خلاف جذبہ ایمانی سے قوت حاصل کرو، دوسری طرف فرمایا مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو اور اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے کہ اس کے ممنوع کردہ اشیاء سے دور رہا جائے اور جن امور کو کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کیا جائے۔

موجودہ حالات میں مسلم امت جس پریشانی اور بدحالی کا شکار ہے اس کے رہنما بالخصوص اور عوام بالعموم خوف کا شکار ہیں اور دشمنانِ اسلام کے آگے مرعوب ہیں۔اس پریشان کن کیفیت سے صرف اللہ اور اللہ کے رسول کی تعلیمات کے تحت اعمال میں تقویٰ اور اخلاص، بے خوف اور نڈر ہو کر جدوجہد، اسباب کا بہترین استعمال اور اللہ پر بھروسہ کر کے ہی نجاعت حاصل کی جا سکتی ہے۔

وَ لَا یَحۡزُنۡکَ الَّذِیۡنَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡکُفۡرِ اِنَّهُمۡ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیۡـًٔا یُرِیۡدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجۡعَلَ لَهُمۡ حَظًّا فِی الۡاٰخِرَةِ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ[176:3]

جو لوگ کفر (انکار) میں تیزی کرتے ہیں وہ آپ کو غم زدہ نہ کریں۔ وہ اللہ (کے دین) کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لئے زبردست عذاب

ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ[3:177]

بے شک جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔

وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ[3:178]

اور انکار کرنے والے (کافر) یہ ہرگز گمان نہ کریں کہ ہم جو مہلت انہیں دے رہے ہیں ،اُن کی ذات (نفسوں) کے لئے بہتر ہے۔ ہم تو مہلت صرف انہیں اس لئے دے رہے ہیں کہ وہ گناہ میں اور بڑھ جائیں اور ان کے لئے خوفناک عذاب ہے۔

غزوہ احد جہاں مسلمانوں کے لئے تکلیف اور غم کا سبب بنا وہاں منافقین اور یہود نے خوب خوشی کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ بعض کمزور ایمان مسلمان بھی کفار سے گھبرا گئے کہ کہیں وہ مدینہ آ کر ان کے خاندانوں کو ختم نہ کر دیں، خوف انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ اِدھر منافقین نے کفار کی برتری، جنگ کی حکمت عملی کے خلاف کھلم کھلا پروپیگنڈہ شروع کر دیا جس کی وجہ سے مسلمان اور بھی مایوس ہو گئے، اُدھر یہود نے حضور کے وجود کے باوجود شکست کو اسلام کے خلاف بہانہ بنا لیا۔ ان تمام امور کا حضورﷺ کو کافی صدمہ پہنچا۔ ان تمام امور کی وضاحت پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کر دی ہے اور منافقین، یہود کے اعتراضات کی حقیقت بیان فرما دی۔ ان آیات میں حضورﷺ کی تسلی کے لئے اس عارضی تکلیف اور منافقین کے رویہ کے بارے ذکر ہے کہ یہ لوگ اسلام کی ترقی کے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ اگر یہ دل سے اسلام کے ساتھ نہیں تو آپ پریشان نہ ہوں یہ اپنی بدقسمتی کی وجہ سے کفر کی طرف اور بالآخر جہنم ہی میں جائیں گے۔ ان کے عمل کی مثال اس طرح ہے جس طرح کے مال و دولت یہود کی ثروت کے بارے فرمایا کہ یہ ساری مہلت ان کی ذات کے لئے نقصان دہ ہے۔ کیونکہ وہ اسلام دشمنی میں بڑھ رہے ہیں اور بالآخر آخرت میں رسوا ہوں گے اور اسلام بالآخر دنیا میں بلند و سرخرو ہوگا اور مسلمان کامران ہوں گے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ[3:179]

اللہ (کی یہ شان) نہیں کہ مسلمانوں کو اس حال میں چھوڑ دے جس پر تم ہو، یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک

سے جدا نہ کردے اور اللہ (کی یہ شان نہیں) کہ تمہیں غیب پر مطلع فرمائے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے لئے) چن لیتا ہے۔ پس تم اللہ اور رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے۔

آزمائش کیوں؟

آیت مبارکہ میں غزوہ احد کے واقعات، یہود کا رویہ، منافقین (عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں) کا رویہ، کچھ نو وارد مسلمانوں کی گھبراہٹ کے امور کا تجزیہ فرمایا کہ چونکہ مدینہ کی ریاست میں میثاق مدینہ کے بعد تمام فریقین اکٹھے رہتے تھے اور معاہدہ کی رو سے اکٹھا رہنا اور دفاع کرنا تھا لیکن یہود اور منافقین (مسلمانوں) کے دل اندر سے کھوٹے تھے۔ یہ کیفیت سچے مسلمانوں کے لئے بڑی نقصان دہ تھی کیونکہ وہ ہر وقت دھوکہ کے شکار رہتے تھے۔ ویسے عام مسلمان کو کسی طرح معلوم نہیں ہوتا تھا کہ منافق کون ہے اور سچا مسلمان کون ہے۔ اللہ کے نبی کو اللہ تعالیٰ نے ان کا علم دیا تھا لیکن ان کا اس طرح اعلان کر دینا بھی اخلاق عالیہ کے خلاف تھا کیونکہ بظاہر وہ کلمہ گو تھے اور ایسا کوئی عملی امتحان نہیں آیا کہ جس کی بناء ان کے اعمال کا فیصلہ کیا جاتا اور ان کے منافق ہونے کا اعلان کیا جاتا اور اعتماد کرنے میں احتیاط برتی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو غزوہ احد کے واقعہ سے ظاہر کر دیا۔ عبداللہ بن ابی اپنے منافق ساتھیوں (تین سو) کے ساتھ علیحدہ ہو گیا اور پھر جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ان کی زبان تیز ہو گئی اور وہ کھل کر منافقت کرنے لگے۔ اس عمل نے بھی پاک اور ناپاک کو بالکل واضح کر دیا۔ مومنین کے لئے اب بڑا آسان تھا یہ پتا کرنا کہ منافق کون ہے اور مخلص مومن کون ہے۔ پھر وہ مسلمان جو حملہ کی زد کی وجہ سے گھبرا گئے تھے لیکن مخلص تھے ان کی پشیمانی اور توبہ کو قبول فرمایا۔ اس طرح اصلی مسلمانوں کی پہچان واضح ہو گئی اور آزمائش کا مقصد پاک (مخلص) کو واضح کرنا اور اس کو اس کی کامیابی یا پاکی پر انعام سے نوازنا ہے، یہی آزمائش کا مقصد ہوتا ہے۔

علم غیب اور انبیاء:۔

آزمائش اور امتحانات، تقدیر کے معاملات اللہ کے راز ہیں لہٰذا ان کے بارے ہر ایک کو آگاہی ممکن نہیں کیونکہ اس سے اس کا مقصد ختم ہو جاتا ہے لیکن آیت مبارکہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے علم سے جو اس کا ذاتی ہے، غیر متناہی ہے، انسانی حدود وتخیل سے بہت بلند ہے، وہ اپنے ان بندوں کو جن کو چن لیتا ہے (یعنی رسولوں کو) اپنے علم سے کچھ علم الہامی طور پر عطا فرماتا ہے، جس کی اللہ کے علم ذاتی کے سامنے کوئی نسبت بھی نہیں کی جا سکتی اور تمام انسانوں بشمول انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ علم ذاتی قطعاً نہیں بلکہ عطائی ہے (اللہ کی طرف سے دیا ہوا ہے) اور اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا ہے انہیں اس سے مطلع کر دیتا (تعلیم دیتا ہے) اسی طرح تمام علوم لدنی (وھبی) اللہ تعالیٰ کی عطا یا بخشش ہیں۔ عام مخلوق کے علم سے اولیاء کرام کا علم زیادہ ہے اور ان سے

آگے انبیاء کا علم بہت زیادہ ہے، جس کا ہم ادراک یا علم نہیں رکھتے۔ اسی طرح انبیاء میں بھی ان کے درجات ہیں جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں علم عطا فرمایا اور حضورﷺ تمام انبیاء کے سردار ہیں اور یہ علم میں بھی سردار ہیں۔ لہٰذا آپ کا علم الغیب انسانوں کے مقابلے میں بحرِ بے کراں ہے اور ہماری عقلوں سے بہت زیادہ ہے۔ بدقسمتی سے علم الغیب کے مسئلے نے پاک و ہند میں گذشتہ ایک سو سال سے ایک غیر ضروری بحث کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ بازی پیدا کر دی ہے اور اختلاف کا سبب بن گیا ہے۔

تمام علوم اللہ کے ذاتی ہیں باقی سب مخلوق کے لئے ۔ یہ علوم کسبی، وھبی اور عطائی ہیں۔ انبیاء کے علوم کا درجہ انتہائی بلند ہے اور حضورﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر چاہا علوم عطا فرمائے لیکن اللہ تعالیٰ کے علوم کے مقابل ان کی حیثیت یا نسبت کچھ بھی نہیں لیکن مخلوق کے مقابل بے حدو بے حساب ہے اور اس کی حدود و قیود پر بحث کرنا ایک لا یعنی اور غیر ضروری عمل ہے جس کا نتیجہ سوائے فساد اور اختلاف کے کچھ نہیں بلکہ مختصراً "**بعد از خدا بزرگ تو ھی قصه مختصر**" (کہ اللہ کے بعد آپﷺ عظیم ترین ذات ہیں) اور خالق و مخلوق کا فرق بڑا واضح ہے۔

اسلام نے غیب دانی کو پسند نہیں کیا اور ایسی کوششوں پر بھروسہ کو حرام قرار دیا ہے مثلاً فال نکالنا یا پانسہ، پامسٹری، علم نجوم، جادو، جنات کے ذریعے معلومات وغیرہ۔ لیکن اسلام نے دوسری طرف جستجوئے تحقیق اللہ کی پہچان کے لئے اس کی کائنات پر غور کرنا، تحقیق کرنے کو پسند فرمایا۔ اصحاب علم کو اصحاب جہل پر ہمیشہ فوقیت دی اور علم کی ترغیب دی۔ اس علم یا تحقیق کے پیچھے بہت ساری مخفی اسرارِ کائنات انسان پر ظاہر ہوئے ہیں جن کی وجہ سے انسانی زندگی میں آسانی پیدا ہوئی۔ طب، طبعیات، کیمیاء، انجینئرنگ وغیرہ کے علوم نے بہت کچھ ماضی کے مخفی اسرار کو ظاہر کر دیا ہے۔

درجاتِ علم:۔

وجدانی علم:۔ یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ اعلیٰ ذہن کی صورت میں انسان کو عطا کرتا ہے اور ایک آدمی اپنی اس سمجھ و وجدان کی بناء پر حالات کو دیکھنے والی کیفیت کا احساس و علم کر لیتا ہے۔ یہ پیدائشی فطری صلاحیت ہے جس کو کوشش، تجزیہ و تجربہ سے بڑھایا جا سکتا ہے۔ اس کی بنیاد Extra Sensory Perception (غیر معمولی وجدانی کیفیت) ہے۔ یہ ایک وھبی (عطائی) قوت ہے جسے کسی (محنت) کے ذریعے بڑھایا جا سکتا ہے۔

حِسی علم کسبی:۔ سائنسی علم اور تحقیق کے ذریعے غیب کے امور کا علم حاصل کرنا جس طرح کہ بہت سارے تحقیقاتی ادارے اور افراد لگے ہوئے ہیں اور فضا، زمین، زراعت، موسم وغیرہ کی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں یہ علوم کسبی ہیں جو انسان کے طریقہ تدریس اور معلومات کے ذریعے ترقی کرتے ہیں۔

وھبی علم یا لدنی علم:۔ یہ سراسر عطائی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علم ہے جو انسان پر اللہ تعالیٰ القاء کرتا ہے اسے آگاہی میسر ہوتی ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے ۔ اللہ تعالیٰ یہ اپنے اولیاء کرام، انبیاء کرام کو ان کی ضرورتوں، درجات کے مطابق عطا فرماتا ہے چونکہ انبیاء کا فرض اعلیٰ لیڈر شپ کی مثال قائم کرنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی فطرت و ذہنی کیفیت کو انتہائی لطیف اور اعلیٰ صورت میں پیدا فرماتا ہے اور انہی وجدانی علوم میں اعلیٰ درجہ عطا فرماتا پھر وحی کے ذریعے ان کوعلوم غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ یہ علوم عام انسانوں کے لئے علم غیب کا درجہ رکھتے ہیں لیکن ان کے لئے غائب نہیں رہتا۔ یہ علم ان کے رسالت وفرائض کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔اس کی تفصیل کے بارے ہمیں کوئی علم نہیں اس لئے اس پر ہماری بحث کرنا یا اس کو مقید کرنا یا اس کو متعین کرنا ایک فضول بحث ہے۔ انبیاء کا درجہ تمام انسانوں کے درجہ سے بلند ہے بشمول شہدائے کرام کے جو مرنے کے بعد بھی حیات رکھتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کی حیات بعد از موت شہداء کی حیات سے بھی لطیف و ارفع ہے۔ لہٰذا ان کا علم قائم رہتا ہے اور یہی حال اللہ کے برگزیدہ بندوں یعنی اولیاء کرام اور صالحین عظام کا ہے۔ لیکن ان سب علوم کی نسبت اللہ کے علم سے کچھ بھی نہیں اور کوئی نسبتِ دنیا بھی گناہ ہے۔

مطلق علم الغیب:۔ یہ وہ علم ہے جو حدود وقیود سے ماورا ہے۔ ہمارے تخیل وگمان سے بھی بلند ہے، یہ تمام علوم کا مخزن ہے، یہ اللہ کی مخلوق کا اور غیر مخلوق کا ناممکن اور ممکن کا کلی علم ہے، یہ اللہ کی صفت العلیم. الخبیر. السمیع. البصیر کا حصہ ہے اور صرف اور صرف اللہ کی ذات کا خاصہ ہے، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

(اے اللہ ہمیں حق کی راہ دکھا اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین)

وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ [180:3]

اور جو لوگ اس مال کو جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے دینے میں بخل کرتے ہیں وہ ہرگز اس بخل کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے۔ عنقریب روز قیامت اس مال کا طوق پہنایا جائے گا جس میں وہ بخل کرتے رہے اور اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا مالک (وارث) ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب آگاہ ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ **سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ** [181:3]

بے شک اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جو کہتے ہیں کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔ان کی ساری باتیں جوانہوں نے انبیاء کو ناحق قتل کیا،لکھ رکھیں گے اور ہم کہیں گے تم جلا ڈالنے والے عذاب کا مزہ چکھو۔

ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ[3:182]

یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔بے شک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

بخل اور اس کے نقصانات:۔

غزوہ احد کے واقعات کے بعد انسانی کردار بخل کا ذکر فرمایا گیا ہے۔اسلام یہ چاہتا ہے کہ جو مال اللہ نے عطا کیا ہے اس میں معاشرہ کے محروم افراد کو شریک کیا جائے۔بخل ایک لعنت ہے اور بخیل معاشرے کے لئے ایک منحوس کردار ہے۔بخل کی وجہ سے آدمی اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔غریبوں اور محروموں کو حصہ دار نہیں بناتا۔اگر غور کیا جائے تو یہ ساری رحمتیں،مال،صحت،علم،عزت،عہدہ،وقت،طاقت،سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں،ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچانا ضروری ہے۔
بخل ایک مذموم (بری) عادت ہے جس کا برا اثر انفرادی اور اجتماعی طور پر ہے۔اس لئے اللہ کے ہاں یہ ناپسندیدہ ہے۔بخل کا محرک لالچ اور خودغرضی ہے،بخل کا ایک محرک کنجوسی بھی ہے اور دوسرا بخل کا درجہ شُح ہے جس کا محرک کنجوسی کے بجائے طمع اور لالچ ہے کہ دولت میں مزید اضافہ ہو اور اس کی وجہ سے اپنے واجب خرچ کو بھی نہ ادا کرے۔اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ شُح اور ایمان کسی مسلمان کے دل میں جمع نہیں ہوسکتے (بروایت حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحوالہ النسائی)۔بخل کا ایک درجہ حرام ہے یعنی جو حق تعالیٰ کی طرف سے اللہ کے لئے خرچ واجب ہے وہ بھی نہ کرے مثلاً زکوٰۃ،فطرانہ،کفارہ وغیرہ۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص کو اللہ نے مال عطا فرمایا پھر اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن یہ مال ایک سخت زہریلا سانپ بن کر اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں،تیرا سرمایہ ہوں۔پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ (آیت 182) پڑھی (بروایت حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحوالہ تفسیر قرطبی)۔بخیل کا مال اس کے اپنے کام بھی نہیں آتا،مال کے خرچ کا خوف اس کے اعصاب پر رہتا ہے،زکوٰۃ سے بچتا ہے،حکومت کے واجبات،ٹیکس چوری کرتا ہے۔ملک کے اندر اس کی وجہ سے سرمایے کی گردش (Circulation of Currency) کمزور پڑ جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مال سب یہیں رہ جائے گا۔اس لئے فرمایا کہ یہ اللہ کا مال ہے اس دولت کے مالک بلڈنگز اور باغوں کے مالک اس کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے وارثوں یا اور افراد کو ان کا مالک بنا دیتا ہے اور بخیل محض خوف کی وجہ سے خود بھی محروم رہتا ہے اور دوسروں کو بھی محروم رکھتا ہے۔

یہود کے اعمال کا نتیجہ:۔

اسلام میں جب آیات صدقہ و زکوٰۃ نازل ہوئیں تو یہود نے محض دشمنی کی بناء پر تمسخر کے طور پر کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کا اللہ (نعوذ باللہ نقل کفر، کفر نہ باشد) محتاج وفقیر ہے، اس کے پیروکار بھی فقیر ہیں اس لئے وہ دوسروں سے زکوٰۃ اور صدقات کی صورت میں مدد مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بدزبانی کا ذکر فرمایا اور اسی طرح جو یہود کے پرانے قبائل تھے انہوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو شہید کیا تھا ان کا ذکر بھی فرمایا کہ سارے ان کے اعمال اللہ کے ریکارڈ پر ہیں اور وہ ان اعمال کے کرنے والے اباؤ اجداد پر فخر کرتے تھے، لہٰذا (بلا واسطہ) وہ بھی اس کا اقرار کرتے تھے اور شامل تھے۔ اور وہ نبی جس کا توریت میں ذکر کیا گیا تھا جب تشریف لائے تو محض ضد کی خاطر انکار کر بیٹھے یہ ان کا جرم اور دشمنی نافرمانی خدا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اعمال کی بناء پر ان کو آگ کا عذاب دے گا۔ وہ ذات رحیم اپنے بندوں کو عذاب دینا نہیں چاہتا نہ ظلم کرنا چاہتا ہے مگر ان کے برے اعمال ان کی سزا کا سبب ہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [183:3]

وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں حکم بھیجا کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ایسی قربانی ہمارے پاس لائے جسے آگ کھا جائے، آپ فرما دیں بے شک مجھ سے پہلے بہت سے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے تھے اور اس (نشانی) کے ساتھ جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ [184:3]

پھر بھی اگر آپ کو جھٹلاتے ہیں (یہ کوئی نئی بات نہیں ہے) بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا جو واضح نشانیاں (معجزات) اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

آیت مبارکہ میں یہود مدینہ کی ذہنیت اور دشمنی کا ذکر ہے۔ پرانی کتابوں (بائبل میں) اس بات کا ذکر ہے کہ قربانی کی قبولیت کی علامت یہ تھی کہ غیب سے ایک آگ نمودار ہو کر اسے جلا دیتی (بحوالہ قضاۃ 6 : سطر 20/21 باب 13 سطر 19/20 ، اگر کوئی نبی قربانی (سوختنی) کرتا تو ایک غیبی آگ اسے کھا لیتی (احبار 9 سطر 24-12) تواریخ۔ 7 (1-12) بحوالہ تفہیم القرآن جلد اول) لیکن کسی جگہ یہ نہیں لکھا گیا کہ قربانی ضروری علامت ہے اس کے بغیر وہ ہرگز نبی نہیں ہوسکتا۔

مدینہ کے یہودیوں نے اس کے بجائے اس (قربانی) کو جھوٹ بول کر ایک حکم بنا کر پیش کیا تا کہ کسی بہانے حضورﷺ پر کوئی نہ کوئی اعتراض لگائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی فرمایا اور ان کے ان مظالم کا ذکر بھی کیا کہ انہوں نے اس معجزہ کے باوجود بھی انبیاء کو قتل کیا جو ان کے ظلم کی دلیل ہے۔ مثال کے طور پر حضرت الیاس علیہ السلام (ایلیاہ تشبی) کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بعل کے پجاریوں کو چیلنج کیا کہ مجمع عام میں ایک بیل کی تم قربانی کرو، ایک بیل کی قربانی میں کرتا ہوں، جس کی قربانی کو غیب کی آگ کھا لے وہی حق پر ہے۔ چنانچہ یہ عام خلق کے سامنے مقابلہ ہوا اور حضرت الیاس کے بیل کی قربانی کو غیب کی آگ نے کھا لیا۔ لیکن اس کے باوجود اس دور کے یہودی بادشاہ کی ملکہ حضرت الیاسؑ کی دشمن ہوگئی اور اس نے آپؑ کو قتل کرنے کا پیغام بھی بھیجا۔ آخر حضرت الیاس علیہ السلام کو ملک چھوڑنا پڑا اور انہوں نے سیناہ کے پہاڑوں میں پناہ لی (اول سلاطین باب 18/19) بحوالہ تفہیم القرآن جلد اول۔ آیت مبارکہ میں یہود کے اس ظالمانہ واقعہ کا بھی ذکر فرما دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ سارے دعوے محض جھوٹ، بہانہ، حجت بازی اور اسلام دشمنی کے لئے ہیں اور توریت کی تمام ہدایات و پیشن گوئیوں کا یہود انکار کرتے تھے اور اس کی سزا ان کے لئے عذاب جہنم ہے۔ حضورﷺ کو یہود، کافرین یعنی مشرکین کے رویہ کی وجہ سے جو پریشانی ہوتی تھی اس کا ازالہ فرمایا ہے کہ یہ واقعات راہ حق میں ایک حصہ ہیں اور آپ سے پہلے تمام انبیاء جن کو معجزات، کتابیں دی گئی تھیں وہ بھی جھٹلائے گئے۔ لہٰذا آپ اس پر پریشان نہ ہوں اپنی تبلیغ کو جاری رکھیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ[3:185]

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور تمہارے اجر قیامت کے دن پورے کے پورے دیئے جائیں گے۔ پس جو کوئی دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ واقعتاً کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی دھوکے کا (سامان) مال کے سوا کچھ بھی نہیں۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ[3:186]

تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اموال اور تمہاری جانوں میں آزمایا جائے گا اور تم یقیناً ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی اذیت ناک باتیں سنی ہوں گی اور اگر تم صبر کرتے رہو اور تقویٰ اختیار کئے رکھو یہ بڑے حوصلے کے کام ہیں۔

موت اور بعد از موت:۔

یہود کی عادات بخل، کینہ، انبیاء کے قتل اور مسلمانوں سے عداوت پھر کفار مکہ کے حملہ اور احد کے واقعات کے بعد انسانی تسلی کے لئے زندگی کی حقیقت کو بیان فرمایا کہ موت ایک ہر نفس (جاندار) کے لئے حقیقت ہے اور یہ زندگی اس لحاظ سے عارضی ہے کیونکہ موت کے بعد دوسرا سفر شروع ہوگا جو دائمی ہوگا۔ لالچی انسان یا سرکش انسان اس دنیا کی لذت سے صرف کچھ مخصوص مدت کے لئے فائدہ یا تکلیف اُٹھاتا ہے اس لئے اگر آسائش ہے تو بھی عارضی اور اگر تکلیفوں نے گھیر لیا ہے تو بھی عارضی ہے۔ اس لئے مسلمان کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ حوصلہ رکھنا چاہیے۔ زندگی اور موت کی یہی حقیقت ہے۔ زندگی خدا کا انعام ہے اس کے بعد موت اس کا پہلا انجام ہے۔ اس کے بعد تیسرا اہم عمل زندگی کے اعمال کا حساب و کتاب کا ہے جس کی ابتداء زندگی کے انجام اور موت سے ملاقات کے بعد شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے آیت مبارکہ میں فرمایا کامیاب وہی ہیں جو موت کے بعد والی زندگی میں آگ (جہنم) سے بچ گیا اور جنت میں چلا گیا ہے۔ حساب و کتاب کا عمل ہماری دنیاوی زندگی کے اعمال سے تعلق رکھتا ہے یہ اس وقت تک ہے جب تک اس دنیا میں زندگی ہے۔ قرب موت کے وقت اس کی رخصت ختم ہے۔ موت سے پہلے کے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا اور ان کی بناء پر جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ اس لئے دنیا کو صرف عارضی ٹھکانا سمجھنا چاہیے۔ اس کے خیالات اور اسباب جو بظاہر دھوکہ دیتے ہیں اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ سدا رہیں گے اور انسان کو اس کے خالق سے دور کر دیتے ہیں، ان کا محرک شیطان اور انسان کے اندر کا نفس امارہ ہے جو شیطان کا ساتھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پھر عمر کے گزرنے کے ساتھ یہ رونق بھی ساتھ چھوڑ دیتی اور انسان کے اعمال اس کے ساتھ اس کی قبر میں جاتے ہیں۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انسان کی قبر یا تو جہنم کا گڑھا ہے یا جنت کی کیاری ہے (**روضة من رياض الجنة و حُفرة من حفر النار**) (بحوالہ تفسیر الکشاف)۔ لہٰذا بہت ضروری ہے کہ اعمال صالح کی پوری کوشش کی جائے اور عارضی مشکلات و مصائب سے نہ گھبرایا جائے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ ''اگر کوئی چاہتا ہے کہ آگ (جہنم) سے دور ہو اور جنت میں داخل ہو تو اس کی آرزو اس طرح پوری ہوگی کہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان کامل رکھتا ہو اور لوگوں کو وہ دے جس کو وہ اپنے لئے خواہش کرتا ہو'' (بحوالہ ترمذی شریف و تفسیر الکشاف)۔ یہ حدیث شریف حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شامل کرتی ہے۔

زندگی آزمائش ہے:۔

دوسری آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو اس ذہنی پریشانی اور تکلیف سے نجاعت دی ہے جو کہ یہود، منافقین اور مشرکین کی مخالفت سے مدینہ شریف میں پیش آتی تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی دشمنی والا ہوتا تھا۔ فرمایا گیا کہ ان سے گھبرانا نہیں چاہیے، زندگی کا سارا سفر آزمائش ہے اور یہ امتحان اعمال کا امتحان ہے۔ اس میں انسان کے اموال، جان، اولاد اور دوسری

پیاری اشیاء کو اعلیٰ مقصد حیات کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے اور یہی کامیابی ہے۔ اس کا اجر جہنم سے چھٹکارا اور جنت میں ٹھکانا ہے۔

مخالفین کا عمل اور ردعمل:۔

اسی آیت کے دوسرے حصہ میں مسلمانوں کو تسلی دینے کی خاطر اور ایک دائمی حقیقت کا اظہار فرمایا کہ تمہیں اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) اور کفار سے کوئی اچھی چیز نہیں ملے گی بلکہ ان کی مخالفت، طعنے، جھوٹے پروپیگنڈے ہی ہمیشہ ملیں گے اور ان کے ردعمل میں تمہیں جذباتی نہیں ہونا بلکہ صبر کرنا ہے اور یہ صبر اور نظم و ضبط بہت مشکل کام ہے اور بہت بلند مقام رکھتا ہے (عزم الامور ہے) یہ معاملہ اسلام کے ظہور سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے، کفار اور یہود و نصاریٰ نے اہل کتاب ہونے کے باوجود اسلام کی پوری مخالفت کی اور ہر طرح کا پروپیگنڈہ آج بھی کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو پریشان کرنے کا کوئی لمحہ نہیں چھوڑتے لیکن اس کا ردعمل یہ نہیں کہ ہم اپنا نقصان، توڑ پھوڑ اور اپنے معاشرہ میں فساد برپا کر کے کریں بلکہ اس میں صبر اور باقائدہ پروگرام کے ساتھ جدوجہد کی ضرورت ہے تاکہ اسلام دشمن عناصر پر اپنی فوقیت یا اہمیت دکھا سکیں۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ[3:187]

اور اللہ نے جب ان لوگوں سے جن کو کتاب عطا کی گئی تھی، پختہ وعدہ لیا کہ تم اسے ضرور لوگوں سے صاف صاف بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کر لی سو یہ ان کی بہت بری خریداری ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ[3:188]

آپ ایسے لوگوں کا کچھ خیال نہ کریں جو اپنی کارستانیوں پر خوش ہوتے ہیں اور نا کردہ اعمال (جو کام نہیں کئے) پر بھی اپنی تعریف پسند کرتے ہیں، آپ انہیں ہرگز عذاب سے محفوظ نہ سمجھیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

خود پسندی کا عمل:۔

اہل کتاب کے کردار کا پچھلی آیات کے ساتھ ذکر ہے کہ تمام کتب میں حضورﷺ کی آمد کے بارے خوشخبری درج تھی اور اہل کتاب کا فرض تھا کہ وہ جو کچھ کتاب میں درج ہے اس کو تمام مخلوق کے سامنے بیان کریں۔ اس طرح حضرت محمدﷺ کی

آمد کے بارے بھی بتائیں لیکن جب آپ تشریف لائے اور اعلان نبوت کیا تو انہوں نے چھپا دیا، دوسری طرف ان کے پادری اور مذہبی رہنما حکمرانوں کے لئے آیات کے احکام کو چھپاتے یا بدل دیتے اس طرح اپنی شان اور حسد کی وجہ سے حضورﷺ کی بشارت کے بارے بھی انکار کرتے۔ ان کے یہ اعمال ان کے لئے ایک ایسا عمل ہے جس سے وہ جہنم خرید رہے ہیں۔ جس طرح کوئی خریدار قیمت دے کر اپنی خرید کردہ چیز کی وصولی کا یقین رکھتا ہے۔ اس طرح ان کے اعمال سے بھی ان کی جہنم کی سزا یقینی ہے دوسری طرف منافقین جب بھی کوئی مشکل وقت آتا تو گھر کا، کاروبار کا بہانہ بنا کر لڑائی پر جانے سے کتراتے اور انکار کرتے اور دل میں خیال کرتے کہ ہم نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا کیونکہ جب مسلمان کامیاب ہو جاتے تو ان کے ساتھ جھوٹی خوشی کا اظہار کر کے شریک ہو جاتے اور حصہ دار بننے کی کوشش کرتے۔ یہ عمل بھی بہت بڑی اخلاقی بددیانتی ہے کہ آدمی بغیر کسی کام کئے یا کوئی کوشش کئے تعریف کا حقدار بنتا رہے۔ یہ ایک ذہنی کرپشن ہے جو خود پسندی کا نتیجہ ہے اور بدقسمتی سے ہمارے علماء اور پیرزادگان، سیاسی زعماء ہر وقت اس میں مبتلا رہتے ہیں چونکہ آدمی اس طرح ایک جھوٹا کلیم (False Claim) کرتا ہے اس لئے سزا کا مستحق ہوتا ہے اور فرمایا کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[3:189]

اور آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہر چیز پر پورا قادر ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ[3:190]

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

کائنات میں غور وفکر:۔

انسان کی ناعاقبت اندیشی اور کمزوریوں کا ذکر کرنے کے بعد کہ وہ اپنے خالق حقیقی کو بھولا ہوا ہے، ذات خداوندی کے لئے دلائل پیش فرمائے ہیں۔ ایک رات حضورﷺ نے بہت عبادت فرمائی، بار بار شکرانہ اور استغفار فرماتے رہے اور روتے رہے، حتیٰ کہ صبح کی نماز کے لئے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور جب آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر دیکھی اور روتے دیکھا تو عرض کی یارسول اللہﷺ اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں، آپ نے جواب دیا اے بلال کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں اور پھر فرمایا کہ میں کیوں نہ روؤں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس رات مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے (آیت 190) پھر فرمایا کہ افسوس ہے اس پر جس نے یہ آیت پڑھی اور اس پر غور وفکر نہیں کیا "لم یتفکر فیھا"

(بحوالہ تفسیر الکشاف بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا "لا عبادۃ کالتفکر" (بحوالہ تفسیر الکشاف وتفسیر روح المعانی) کہ اللہ کی مخلوق میں غوروفکر کرو تا کہ خالق کا پتہ چل سکے اور اس کی عظمت معلوم ہو، یہ بڑی عبادت ہے۔قرآن مجید نے بار بار کائنات، زمین، آسمان، زندگی، موت، بارش، سورج، چاند، ستارے ان سب کو اللہ کی نشانیاں قرار دیا ہے۔لفظ"آیت" کا مطلب (۱) معجزہ (۲) قرآن کی آیت (۳) نشانی ودلیل ہیں۔ یہاں مراد نشانی و دلیل ہے اور ان پر غور کرنے کے لئے کہا ہے تا کہ مخلوق (مصنوع) کو دیکھ کر خالق (بنانے والے) کی عظمت کا احساس ہو، اقرار ہو پھر اس کے سامنے عاجزی کی توفیق ہو، تمام چیزیں غیر ضروری یا بے مقصد نہیں (مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً) بلکہ سب کا اپنا اپنا مقصد ہے اور وہ کائنات میں کام کر رہی ہیں اور انسان سب سے زیادہ فائدہ اُٹھانے والا ہے۔ان نشانیوں پر غور وحوض کرنے کے لئے کسی اعلیٰ تعلیم یا ریسرچ کی ضرورت نہیں بلکہ محض سطحی علم اور غوروفکر سے ان کے خالق کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔ایک اور آیت میں بھی یہی احکام ہیں کہ "وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کہ زمین وآسمان کی تخلیق میں غوروفکر کرتے ہیں اور غوروفکر کرنے والوں کو "اولی الالباب" عقل والے فرمایا۔لب دراصل مغز کو کہتے ہیں کہ یہ لوگ دماغ والے ہیں یعنی عقل والے ہیں کیونکہ دماغ ہی انسانی عقل وسمجھ کا مرکز ہے۔عقل ہی انسان کا وہ جوہر (خاصہ) ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔اور غوروفکر کی صلاحیت بخشتا ہے۔

غور وفکر کیا ہے؟ تفکر کیا ہے؟ لفظی معنی "غور" کرنے کے ہیں یعنی کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ذکر کی طرح فکر (غوروحوض برائے حقیقت خداوندی بذریعہ مخلوق خداوندی) بھی عبادت ہے جس کا ذکر پہلے حدیث میں کیا گیا ہے۔ ذکر اللہ کی ذات وصفات کا مطلوب ہے اور فکر اس کی مخلوقات میں غور وحوض ہے۔ چونکہ ذات الٰہیہ کی صفات وذات کا ادراک انسانی عقل سے ماورا ہے۔آج تک انسانی عقل وعلم اس کا ادراک نہیں کر سکے اور اس میں غوروفکر بغیر حیرانی اور پریشانی کے کچھ نہیں۔اس لئے کہ حدیث شریف ہے "تَفَكَّرُوا فِيْ آلاءِ الله، وَلَا تَفَكَّرُوا فِي اللهِ عَزَّوَجَل" کہ اللہ کی ذات وصفات میں غور وحوض نہ کرو بلکہ اس کی نشانیوں (مخلوق) میں غوروفکر کرو (بحوالہ تفسیر روح المعانی)۔مختلف فلاسفر، حکماء اور جدید دور کے سائنس دان کائنات اور اس کے اجزاء اور مختلف عناصر میں برابر ہزاروں سال سے غوروفکر (تحقیق) کر رہے ہیں اور ہر دفعہ ایک منزل مکمل نہیں ہوتی کہ دس اور نامعلوم اشیاء ظاہر ہو کر حیران کر دیتی ہیں اور اپنے خالق حقیقی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

تخلیق کائنات اور اسلامی نظریہ:۔

اس صدی کے مشہور سائنسدان جس کے نظریات نے سائنس کی دنیا میں انقلاب پیدا کیا اور سب سے زیادہ سائنسی

تحقیقات کو متاثر کیا، نئی راہیں متعین کیں وہ البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein) ہے۔ یہ اس کی دریافت ہے کہ قدرت کے قوانین (سائنسی قوانین) زمین کی حدود و قیود سے بالاتر ہیں۔ کائنات کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ماضی و حال و مستقبل ایک ہی ہیں، کبھی نہیں بدلتے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سب جگہ سب اوقات میں اس کا خالق و مالک ایک ہی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو قوانینِ سائنس میں آپس کا ٹکراؤ اور اختلاف ہوتا اگر کائنات کی تخلیق کے متعلق سائنسی تحقیقات پر غور کریں تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا بنانے والا ایک ہی ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے کائنات کا تمام مادہ، حتیٰ کہ زمان و مکان بھی کہیں نہیں تھے۔ مکمل لاوجود (انہونا) تھا پھر اچانک ایک امرِ واحد ہوا جس کو سائنس کا نظریہ بگ بینگ (Big Bang) کا نام دیتا ہے اور پھر ایک سیکنڈ کے کھربوں حصہ سے بھی کم عرصہ میں جو اس وقت تمام توانائی اور مادہ ہے لاوجود (لاشیٔ) سے وجود (شیٔ) میں آ گئے، ایک حکم (کُنْ) نے سب کر دیا۔ یعنی کُنْ اور پھر فَیَکُوْنُ ہوا جس خالق کا وہ امر تھا وہی اللہ ہے۔

کائنات کے بارے سائنس کی ایک یہ بھی دریافت ہے کہ یہ روشنی کی رفتار سے مسلسل پھیل رہی ہے اور اتنی وسیع ہے کہ اس کی ایک حد سے دوسری حد تک روشنی کا سگنل کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا لیکن اس کا ہر زمان و مکان ایک قانون کا پابند ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات سگنلز سے کنٹرول نہیں ہو رہی بلکہ کوئی ہمہ گیر ذات ہے جو بیک وقت ہر جگہ موجود ہے۔ بڑی سے بڑی چیز اور چھوٹی سے چھوٹی چیز، ہر ایک کے اندر اللہ ہی کی نشانیاں نظر آتی ہیں مثلاً ایٹم کی بناوٹ لے لیں، کس طرح مرکز میں پروٹونز اور نیوٹرونز کا مجموعہ اکٹھا ہے اور کس طرح اس کے گرد الیکٹرونز نہایت تیزی سے اپنے اپنے مدار میں گھومتے رہتے ہیں، یوں ایٹموں کا ڈیزائن کسی بے انتہا ماہر حساب دان کے حساب اور اس کے بے مثل ڈیزائن کی گواہی ہے۔ پھر انسانی خلیہ کو ہی لیں، یہ خوردبین سے نظر آنے والا نہایت چھوٹا تخلیق حیات کی نمو (ابتداء) ہے لیکن اس کے اندر بھی ایسے نظام ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اس کا اپنا دماغ، بجلی گھر (انرجی کا ذریعہ)، اپنا جسم، نشوونما (Growth) اور حفاظت کا محیرالعقل انتظام ہے۔ کون ہے، ان سب کو بنانے والا؟ قائم رکھنے والا، ماسوائے اس ذات کے جس نے ایک الیکٹرون سے لے کر لامحدود کائنات اور سب زمان و مکان کو محیط کیا ہوا۔ وہ ہر آن ایک نئی شان سے ظاہر ہوتا ہے، وہ ہے اللہ۔ سبحان اللہ (ماخوذ از کتاب تلاشِ حقیقت، تحریر سلطان بشیر محمود) یہ ساری کہانی سائنس کی حیرت بتاتی ہے لیکن اسلام کا مختصر جواب ہے وہ ذات اللہ باری تعالیٰ عزوجل ہے۔ **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ۔**

آیت مبارکہ میں غور و فکر عقل مند انسان کا اعلیٰ وصف بیان کیا گیا ہے۔ حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کثرت سے غور و فکر کرے گا تو حقیقت سمجھ لے گا اور جو سمجھ لے گا اس کو علمِ صحیح حاصل ہو جائے گا اور جس کو علمِ صحیح حاصل ہو گیا وہ ضرور عمل بھی کرے گا (از تفسیر ابن کثیر)

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں تفکر کرتے تو اس کی معصیت و نافرمانی نہ کر

سکتے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غور وفکر کو افضل عبادت فرمایا ہے (تفسیر ابن کثیر بحوالہ معارف القرآن مولانا محمد شفیع)۔اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر کر کے حق تعالیٰ کی معرفت اور دنیا کی ناپیداری کا علم و یقین حاصل کر لینا افضل عبادت نورِ ایمان ہے لیکن اگر ان آیات کو دیکھ کر ان کی ظاہری صورت میں الجھ گیا اور خالق حقیقی کی طرف دھیان نہ دیا تو یہ غور وفکر کا مقصدِ اعلیٰ فوت ہو گیا اور بجائے ایمان میں اضافہ کے دوسرے دنیاوی امور کی طرف چلا گیا۔بدقسمتی سے جدید تحقیق میں شامل افراد کی مذہبی تربیت اور رجحان نہ ہونے کی وجہ سے تحقیق سے خالق کا رابطہ کم ہو رہا ہے بلکہ اس کی ظاہری کیفیت میں الجھ چکے ہیں اور اس کا سبب مسلمان سائنسدانوں اور تحقیق کرنے والوں کا عدم وجود ہے کیونکہ ساری تحقیق غیر مسلم سائنسدان کر رہے ہیں اور وہ خالق کے وجود سے آگاہ نہیں ہیں۔اس لئے ظاہری کیفیت میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔کاش مسلمان آگے بڑھیں جس طرح قرون اولیٰ میں انہوں نے تحقیق اور علم کے ذریعے دنیا کی رہنمائی کی تھی آپ بھی کریں۔

اولی الالباب: جو ذات خداوندی کو کائنات میں غور وفکر کر کے پا لیتے ہیں ان کی صفات کا ذکر اگلی آیات میں بیان فرمایا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ [3:191]

وہ لوگ جو کھڑے، بیٹھے، اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بے حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا تو پاک ہے ہمیں آگ (جہنم) کے عذاب سے بچا لے۔

رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَہٗ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ[3:192]

اے ہمارے رب! بے شک تو جسے آگ (جہنم) میں ڈال دے تو بے شک تو نے اُسے رسوا کر دیا اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ[3:193]

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے منادی جو پکار رہا تھا کہ (لوگو) اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لے آئے۔اے ہمارے رب! اب ہمارے گناہ بخش دے ہماری برائیاں دور فرما دے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں موت دے۔

رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَ لَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ

الْمِیْعَادَ[3:194]

اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کو تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

اہل بصیرت کی خصوصیات:۔

پچھلی آیات میں اہل عقل وحکمت کا ذکر تھا جو اللہ کی نشانیوں پر غور وفکر کرتے ہیں اور پھر ان کا یقین پختہ ہوتا ہے۔ ان اہل ایمان وحکمت کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کائنات اور مخلوق خدا میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں خالقِ کائنات کو پہچانتے ہیں اور ایمان کو مستحکم کرتے ہیں پھر اللہ کو ہر وقت اور ہر حال میں یاد کرتے ہیں۔ دنیا کے اشغال اور مسائل، صحت و بیماری، خوشحالی وتنگدستی، انہیں اس یاد سے غافل نہیں کرتی اور بار بار اللہ سے اس کی مغفرت اور بخشش طلب کرتے ہیں۔ کائنات کے اجزاء پر غور وفکر ان کو اشیاء کی حقیقت، ان کی ماہیت اور کام جو زندگی اور موت کی صورت میں چل رہا ہے اور ہر مخلوق اپنا اپنا فریضہ سرانجام دے رہی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے۔ یہ سارا نظام بے کار نہیں، بلا فائدہ نہیں بلکہ خاص مقصد پورا کر رہا ہے جسے انسان زندگی کے اندر مختلف صورتوں اور کیفیتوں میں دیکھتا ہے۔ کبھی کھیت میں، کبھی گھر میں، کبھی فضا میں، کبھی صحت یا بیماری کی صورت، کبھی آرزوؤں کے پورے ہوتے ہوئے اور کبھی آرزوؤں کے ٹوٹتے ہوئے۔ یہ ساری چیزیں اس کو اس قوت وذات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جس نے ان کو خاص مقصد کے لئے بنایا اور وہ چیز یا مخلوق ہوا ہو، روشنی ہو، دھوپ ہو، رات ودن ہوں، گرمی سردی یعنی موسم ہوں، سیارے یا ستارے، سورج و چاند سب اس میں شامل ہیں۔ لہٰذا انسان کا بھی ایک مقصد ہے اور ذمہ داری ہے جو اس کے خالق نے اس کے ذمہ لگائی ہے جس کو پورا کرنا ہے اور وہ اہل بصیرت وعقل اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں تا کہ خالق کے احکام پر عمل کر سکیں۔ اس ذمہ داری کو اس کے رسولوں (آواز دینے والوں) نے انسانوں تک پہنچایا اور بتلایا اور جو انسان اپنے خالق کے احکام کو نہیں مانتا وہ یقیناً ظالم ہے اور ظالم کی سزا جہنم کی آگ ہے۔ اہل بصیرت ہر وقت اللہ سے اپنے گناہوں یا خطاؤں کی بخشش طلب کرتے ہیں جہنم کی آگ سے چھٹکارا کی آرزو کرتے ہیں اور نیک لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے یا مرنے کی آرزو کرتے ہیں۔ ان کی مختصراً یہ آرزوئیں ہیں:۔(۱) جہنم کی آگ سے چھٹکارا۔ (۲) رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور دعا کہ ہمارے گناہ معاف فرما دے اور غلطیوں سے درگذر کر دے، نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔ (۳) میدانِ حشر میں رسوائی سے بچالے، بالخصوص ہمارے نبی ﷺ کے سامنے حساب و کتاب میں جو کمی وکوتاہی اعمال کی وجہ سے ہوگی اس سے محفوظ فرما دے کیونکہ انہوں نے اپنا فرض ادا کیا اور ہم اپنا فرض انسانی کوتاہیوں کے سبب پورا نہ کر سکے۔ (۴) اپنی بخشش اور مغفرت عطا کرنے کے بعد جو وعدہ تو نے اپنے رسولوں اور بالخصوص نبی

آخرالزماں کے ذریعہ جنت کا فرمایا ہے وہ عطا فرما دے۔ یہ دعا کی صورت میں ہے کہ اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم ان چیزوں کو حاصل کرسکیں اور آخر میں اللہ سے گذارش ہے کہ تو التجا کو سننے والا ہے اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔ اس دعا میں اہل ایمان واہل بصیرت کی انکساری، تابعداری کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ [3:195]

پھران کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی (اور فرمایا) بے شک میں کسی عمل کرنے والا کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت ہو،تم سب ایک دوسرے میں سے ہی ہو۔ پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے گھروں سے اور میری راہ میں ستائے گئے،لڑے اور مارے گئے،تو میں ضرور ان کی برائیاں مٹا دوں گا اور یقیناً انہیں جنت میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ان کو ثواب ہے اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ [3:196]

(اے دیکھنے والے) کافروں کا شہروں میں گھومنا پھرنا (عیش کے ساتھ) تجھے کسی دھوکہ میں نہ ڈال دے۔

مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ [3:197]

یہ تھوڑے وقت کی متاع (بہار) ہے۔ پھران کا ٹھکانا دوزخ (جہنم) ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ [3:198]

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے جنت ہے۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اللہ کے ہاں ان کی مہمانی ہے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں (ابرار) کے لئے بہت اچھا ہے۔

جنسی مساوات:۔

پچھلی آیات میں اہل بصیرت وحکمت، ان کی اللہ کے احکام کی پابندی، عاجزی وعبادت کے بعد دربارِ خداوندی میں دعا کے بارے ذکر تھا۔ اب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کرتا ہے اور قبول کرنے کی وجہ ان کے اعمال صالحہ ہیں جو انہوں نے اللہ کے احکام کے تحت کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی آدمی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا وہ آدمی عورت ہو یا مرد ہو، دونوں بحیثیت مخلوقِ خدا برابر ہیں اور ایک ہی ہیں۔ کیونکہ اسی ماں باپ سے لڑکا پیدا ہوتا اور انہی سے لڑکی پیدا ہوتی ہے، لہٰذا وہ ایک دوسرے سے ہیں۔ کسی کو کسی پر بحیثیت ذات کوئی برتری نہیں ہاں اگر کسی کی زیادہ ذمہ داری ہے تو اسے زیادہ اختیار ہے، چونکہ مرد کی اپنے گھر کے حساب سے، نان ونفقہ کے اعتبار سے پوری ذمہ داری ہے اس لئے اسے ان امور میں زیادہ اختیار دیا ہے لیکن بحیثیت انسان دونوں مرد وعورت برابر ہیں۔ اپنے نیک اعمال کی جزا اللہ تعالیٰ سے پائیں گے اور برے اعمال کی سزا پائیں گے، کسی کا کوئی بھی عمل ضائع نہیں ہوگا۔ عارضی طور پر مقصد کے حصول میں تاخیر یا تکلیف کے اور اسباب یا نتائج ہیں لیکن یہ زندگی ہو یا اُخروی اعمال کی جزاوسزا بالکل ملے گی۔

اعلیٰ اعمال:۔

نیک اعمال کا خصوصی ذکر فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے، جنہیں تکلیفیں دی گئیں، انہوں نے ان کو قبول کیا پھر دفاع اسلام کے لئے اپنی جانیں قربان کیں ان کو اللہ تعالیٰ ان اعمال کے بدلے آخرت میں جنت عطا فرمائے گا اور اس دنیا میں بھی کامیابی ہوگی جس طرح تاریخ نے دیکھا کہ (بعد از ہجرت) اسلام کے پہلے ہی پندرہ سال کے بعد مسلمانوں کو برتری اور قیادت مل گئی اور چالیس سال کے اندر وہ دنیا کی عظیم طاقت بن گئے ۔ یہ صرف اسلامی نظامِ زندگی کا ان کی زندگی میں نفاذ کی وجہ سے تھا۔

شان وشوکت:۔

اگر بعض اوقات حالات کی وجہ سے مسلمان اسلام پر عمل کرنے کے باوجود مشکل میں ہیں، کمزور ہیں اور اپنے مخالفین (اسلام دشمنوں) سے پریشانی میں ہیں اور اسلام دشمن قوتیں طاقت اور غلبے میں ہیں یا معاشرتی طور پر طاقتور ہیں تو یہ بات عارضی ہے کیوں کہ یہ (۱) زندگی عارضی ہے۔ (۲) جن معاشرتی اصولوں پر جو کہ ظلم، عدل کے خلاف، انسانی حقوق کے خلاف ہونے کی بنیاد پر کفار میں ترقی بھی ہے تو بھی یہ ایک دن خود بخود فساد بن کر ختم ہو جائے گی، لہٰذا مسلمانوں کو اس پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی اصولوں پر خود مسلمان کس قدر عمل پیرا ہیں اگر وہ خود اسلام سے دور ہیں تو ان کو بھی نعمت خداوندی سے محروم کر دیا جائے گا اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔ یہ دنیا کی زندگی محض بہت تھوڑی ہے اس کی ساری رعنائیں اور دلکشی بہت عارضی ہے کیونکہ انسان کے وجود کے ساتھ ختم ہو جائے گی اور ابدی دنیا آخرت کی دنیا ہے جس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

لہٰذا وہاں کے آرام اور جہنم کے عذاب سے بچنا چاہیے۔

کامیابی کا راستہ:۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور ان کے اعمال اللہ کے احکام کے مطابق ہیں وہ جہنم کی آگ سے بچ کر جائیں گے اور جنت میں رہیں گے۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور ان کی عزت و اکرام کا یہ مقام ہے کہ گویا وہ اللہ کے مہمان ہیں اور نیکوں کے لئے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے اور اس دنیا کی زندگی کی آسائش و آرام کا اس سے کوئی ذرہ بھر بھی مقابلہ نہیں ۔ درحقیقت کامیابی معاشی ہو یا معاشرتی اسلام کے طریقہ حیات یعنی نظام عدل، نظام معاشرت (خاندان)، نظام معاشیات (سماجی انصاف) حقوق انسان (جرم وسزا) مساوات انسانی، ایک ہی صف میں بادشاہ اور غلام، غریب و امیر اللہ کے حضور کھڑے ہیں۔ ان پر عمل کرنے میں ہے جو بھی معاشرہ ان اصولوں کو اپنائے گا وہ ان کا فائدہ ضرور حاصل کرے گا۔ اگر اللہ پر ایمان اور اس کے رسول نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتا ہے تو دنیا کے ساتھ اسے جنت میں بھی اللہ کی مہمانی میسر ہوگی ورنہ دنیا میں اس کو اجر دے دیا جائے گا اور آخرت میں محروم رہے گا۔ اگر بغور دیکھا جائے تو تمام دنیا کے ترقی یافتہ ممالک جہاں زندگی کا معیار آرام وسکون سے ہے وہ ان اصولوں (اسلامی اصولوں) کو اپنے معاشرہ میں لاگو کئے ہوئے ہیں اور وہ معاشرے جہاں یہ قانون جاری نہیں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، ترقی پذیر ممالک (افریقہ و ایشیا) وہاں لوگ پریشانی اور مشکل کا شکار ہیں۔ معیار، اسلام پر عمل ہے زبانی کلامی نہیں، یہی تقویٰ ہے اور اللہ ہمیں اسلام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ[3:199]

اور بے شک کچھ اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے ان کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کی آیات کے بدلے حقیر دام وصول نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[3:200]

اے ایمان والو! صبر کرو، ثابت قدم رہو اور خوب مستعد رہو (دفاع کے لئے) اللہ سے ڈرو تا کہ تم

کامیاب ہوسکو۔

آیات مبارکہ میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو کہ اسلام کو قبول کر کے اپنی دنیاوی اور اُخروی زندگی میں کامیابی حاصل کریں۔ وہ اہل کتاب جو اپنی کتاب پر یقین کرتے ہوئے قرآن کریم پر بھی ایمان لے آئے ہیں اور حضورﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور محض اپنی انا اور دوسروں کو خوش کرنے یا مالی انعام واکرام کے لئے حق کو نہیں چھپاتے وہ اللہ کے ہاں مقبول ہیں اور اللہ کے ہاں ان کا بہت بڑا اجر ہے۔ یہ ایک دعوت ہے کامیابی کی تمام اہل کتاب کے لئے جو اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں، وہ اس کو چھوڑ دیں کیونکہ اسلام (نبی آخرالزماں) کی بشارت ان کی کتب میں موجود ہے اور وہ اللہ کے لئے جھک جائیں ورنہ اللہ کا حساب بہت قریب ہے اور اس کی سزا جہنم کی آگ ہے۔

دنیاوی لالچ ایک بڑا انسانی اعمال کا محرک ہے اس لئے ذکر فرمایا کہ اللہ کی آیات کو نہ بیچیں یعنی حق کو معاشی و معاشرتی آرام کی خاطر نہ چھپائیں بلکہ اس کا اقرار کریں اور اعلان کریں دنیا کی سہولت بہت معمولی اور عارضی ہے اس لئے اس کو نظر انداز کرنا ہی عقلمندی ہے۔ یہی حکم مسلمانوں کے لئے بھی ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں کو عارضی مالی فوائد کی خاطر نظر انداز نہ کریں۔

صبر:۔

اگلی آیات میں مسلمانوں کے لئے بہت اہم تعلیمات سورۃ آل عمران کے آخر میں دی ہیں جو کامیابی کی ضمانت ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ اے ایمان والو صبر کرو۔ صبر کا لفظی معنیٰ روکنا یا باندھنا ہے اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں نفس کو خلافِ مرضی چیزوں پر روکنا ہے۔ یہ تین طرح کا ہے (ا) اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام پر عمل کرنا خواہ مشکل ہی کیوں نہ ہو۔ (ب) اللہ اور اللہ کے رسول نے جس سے منع کیا ہے اگرچہ بہت زیادہ مرغوب و پسند ہو اس کو چھوڑ دینا۔ (ج) اگر تکلیف اور پریشانی آگئی ہے تو اس پر پریشان نہ ہونا بلکہ اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھ کر اپنے نفس پر ضبط کرنا۔

صبر کا بہت بلند مقام ہے۔ اس کے دنیاوی زندگی کے فوائد سے ہر آدمی واقف ہے اور اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لئے بے حساب اجر رکھا ہے۔ آج مسلمان اگر اس پر عمل کریں تو ساری کیفیت و حالت بدل سکتی ہے۔

ثابت قدمی:۔

دوسرا حکم صـــابـــروا، (مصابرت) یہ بھی صبر سے مأخوذ ہے یعنی ثابت قدم رہنا یعنی اگر کوئی معاشی و معاشرتی یا دفاعی مشکل ہے تو ان کے لئے محنت کرنا، اس پر پریشان ہو کر ہتھیار ڈال دینے کے بجائے ثابت قدم رہ کر مقابلہ کرنا اور بالآخر کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ جدوجہد مسلسل بہت ضروری ہے۔

مستعدی:۔

تیسرا اصول وحکم مرابط کا ہے۔ مرابطہ کا مطلب گھوڑے تیار بندھے ہوئے ہوں یعنی دفاع وطن و اسلام کے لئے سرحدوں پر مستعد ہوں تا کہ دشمنان اسلام وانسانیت اچانک حملہ کر کے خلق خدا کوتہس نہس نہ کریں اور دشمنوں کے لئے یہ تیاری رکاوٹ (Deterent) ہو۔ اسلام میں چونکہ اس زمانہ میں سرکاری منظّم فوج نہیں تھی اس لئے احادیث میں اس کی بڑی اہمیت وثواب ذکر فرمایا گیا ہے اور مرابطہ کی صورت میں قیام بہت بڑی عبادت، حضورﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں ایک دن کا رباط دنیا اور اس کی اشیاء سے بہتر ہے۔ سرحدوں کی حفاظت، مملکت کے خارجی امن کے لئے بہت ضروری ہے تا کہ شہری (عورتیں، مرد، بچے) سکون سے رہ سکیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کی کمزور سرحد کی حفاظت اخلاص کے ساتھ بہت بڑی عبادت ہے۔

خوف خدا:۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ، خوف اور اس کے احکام پر عمل بھی ضروری ہے اور پھر کامیابی ہے۔ اگر ہم آج کل کے حالات اور امت مسلمہ کی حالتِ زار پر غور کریں تو بڑا واضح ہے کہ ہمارے معاشرے اسلامی احکامات اور تعلیمات کے خلاف جارہے ہیں۔ اللہ کے احکام کی تنفیذ نہیں۔ قرآنی احکام کونظر انداز کر کے زندگی کا رخ دوسری طرف ہو چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان دنیا میں کمزور ہو گئے ہیں اور غیروں (مخالفینِ اسلام) پر بھروسہ کر رہے ہیں۔

سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات (190 تا 200) بہت اہم ہیں۔ ان میں دعا اور اعمال کا بیان بہت بلند ہے۔ احادیث میں بروایت حضرت عثمان ہے کہ جس نے آل عمران کی آخری آیات کو رات کو پڑھا گویا اس نے رات کو قیام کیا (عبادت کی)۔ ایک اور حدیث شریف ہے کہ جس نے آخری آیات (**لله ملک السمٰوات** سے لیکر آخر تک) تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اسے پل صراط سے سلامتی سے گزار دے گا (بحوالہ تفسیر روح المعانی از علامہ محمود الوسی البغدادی م 1270)۔

اللہ تعالیٰ ان آیات کو پڑھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۃ النساء

تعارف:۔

اس سورۃ پاک کا نام النساء ہے کیونکہ خواتین کے بارے اہم احکام اس میں مذکور ہیں۔ یہ مکمل طور پر مدینہ شریف میں نازل ہوئی اور مضامین اور واقعات کی مناسبت سے اسکا زیادہ نزول بعد از غزوہ احد سے غزوہ بنی مطلق یعنی 55ھ ہجری تک کے اوقات پر مشتمل ہے اس میں ایات کی تعداد 176 الفاظ کی تعداد تین ہزار پینتیس اور حروف سولہ ہزار تیس ہیں اور رکوع کی تعداد چوبیس ہے۔

مدینہ شریف میں اسلامی ریاست کا قیام شروع ہو چکا تھا سماجی مسائل اور اجتماعیت کے متعلقہ امور کے احکام کی ضرورت تھی۔ مثلاً بعد از احد یتیموں ا، اور بیوگان کے معاملات تھے اسلامی معاشرے کی ترقی اور انسانی کامیابی کے لئے جن اساسی احکام کی ضرورت تھی ان کا ذکر اس سورۃ میں فرمایا گیا۔

عورت کے مقام کے بارے احکام بڑے واضح فرمائے انسانیت کی بنیاد فراہم کرنے میں اسکا مقام اس کے مردوں پر حقوق، ان کے ساتھ برتاؤ، تعداد ازواج اور طلاق اور وراثت کے بارے احکام آئے۔ اسلام کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ اسے عورتوں کو انسانیت میں مرد کے برابر انسانی حقوق عطا کئے، تعداد ازواج پر پابندی لگائی، وراثت اور انسانی برابری اور ان کے حقوق کا چارٹر بنا کر دیا جس کی پابندی افراد اور ریاست سے کروائی گئی، عورت کے بغیر انسانیت کی تکمیل نہیں بحیثیت عورت، بحیثیت ماں، بحیثیت بہن اسکا کردار بہت اہم ہے اور اسکے حقوق سے بے پروائی نصف انسانیت سے زیادتی ہے جسکو اسلام کبھی قبول نہیں کرتا۔ اسطرح عورت کے حقوق ومقام میں انقلاب لایا گیا۔

یتیم افراد بھی معاشرہ کا اہم حصہ ہیں ان کے حقوق کی حفاظت اخلاقیات کے ساتھ ساتھ قانونی ذمہ داری بھی بنائی گئی۔ والی یا نگہبان حضرات کے لئے اصول۔ ان کے اموال کی حفاظت، ان کی کمزوری سے کسی قسم کا ناجائز فائدہ اٹھانا ممنوع فرمایا اور کسی قسم کی زیادتی کو جہنم کا حقدار قرار فرمایا۔

خانگی معاملات کی اصلاح۔ عبادت کے احکام، شراب پر پابندی کے معاملات کے احکام بیان فرمائے۔ انسانی اموال میں وراثت کے احکام کا ذکر فرمایا عورت کو وراثت میں باقاعدہ حصہ دیا گیا۔ ماں، بیٹی، بیوی کے حیثیت سے اسکی وراثت کو متعین فرمایا۔ تاکہ مالی امور واضح ہوں اور معاشرہ میں نفرت کے بجائے حقوق کی پاسداری اور اچھے تعلقات استوار ہوں۔

اجتماعی ترقی کے لئے انتظامی جدوجہد اور دفاع کے احکام بالخصوص صلوٰۃ الخوف (جنگ کے دوران نماز) انسانیت کی

بقاء کے لئے قتال اور دفاع۔ کامیابی کیلئے محنت، مفافقین اور مخالفین بالخصوص یہود کے رویہ ان کے ساتھ معاملات کا ذکر کیا۔منافقین کے ساتھ ان کے رویہ کے مطابق معاملات۔یہود اور بالخصوص بنی نضیر کی عہد شکنی کے سبب ان کے مدینہ سے اخراج کا ذکر ہے۔مسلمانوں کے اپنے کردار میں امانت۔قربانی۔صفائی اور اعلیٰ اخلاق بہت ضروری ہیں تا کہ اسلامی معاشرہ دنیا میں کامیاب وکامران ہو۔اس میں احسان، باہمی رواداری اور مہربانی کا خصوصی حکم فرمایا تا کہ باطل کے مقابل حق کامران وکامیاب ہو۔

غسل،تیمّم کے احکام کا ذکر ہے یہ سورۃ معاشرتی لحاظ سے انتہائی اہم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

سورۃ النساء

یہ مدنی سورۃ ہےاس کے 34 رکوع اور 176 آیات ہیں۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا [1:4]

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا پھران دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو کثرت سے پھیلا دیا۔اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطہ سے آپس میں قربتوں کے سوال کرتے ہو اور ان (کے حقوق سے ڈرو) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

سورۃ آل عمران کے دوران بالخصوص غزوہ بدر کے واقعات اور غزوات کے بعد مال غنیمت کے بارے ذکر تھا اس سورت میں چونکہ مدنی سورت ہے اسلئے معاشرتی اہم احکام کا ذکر ہے۔جو ایک خاندان کیلئے ابتدائی حیثیت رکھتے ہیں یعنی عورتوں اور بچوں بالخصوص یتیم بچوں کی کفالت اور حقوق کا ذکر ہے۔

انسانی قرابت داری:۔

سورۃ کی ابتداء انتہائی اہم الفاظ سے فرمائی کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو یہ حکم تمام انسانیت کے لئے ہے کیونکہ جو احکام اس آیت سے صادر ہورہے ہیں وہ بھی تمام انسانیت کیلئے اہم حیثیت رکھتے ہیں۔چونکہ حقوق کے معاملے میں ریاست اہم

کردار ادا کرتی ہے اور ان کی تنفیذ کراتی ہے لیکن معاشرتی حقوق کا تعلق ایسا ہے جسکو تجارتی اشیاء کی طرح ناپا تولا نہیں جا سکتا ہے ان کے لئے دلی جذبات ، ہمدردی ،اقدار اور احترام کا معاملہ ہے جسکے لئے حکم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو سب کچھ جاننے والا اور نگرانی کرنے والا ہے۔ حکم میں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں۔ پھر جس سے ڈرنے کا حکم ہے وہ رب یعنی سب کا پالنے والا ہے۔ پالنے کی اہمیت معاشرے میں بہت اہم ہے ایک طرف رب اور دوسری طرف جو چیز اہم ہے وہ وجود انسانی ہے کہ انسانی وجود کو ایک جان سے پیدا فرمایا یعنی ایک ہی صورت، ایک ہی نسل ،ایک ہی اصل سے پیدا کیا اس میں مساوات کی بھی تعلیم ہے۔ اس طرح پالنے والا، پیدا کرنے والا اور ایک ہی نسل سے پیدائش کا ذکر جو خاص رشتہ انسانیت میں وحدت کی اہمیت ظاہر فرمائی ہے۔ لہذا انسانی جذبات و احساس کا بھی خیال ضروری ہے۔

اسلامی نظریہ تخلیق انسانی اور سائنس :۔

انسانی پیدائش کے بارے سائنس کے مختلف نظریات ہیں جو وقت کے ساتھ معلومات کے حساب سے بدلتے رہے ہیں پچھلی دوصدی سے ارتقائی نظریات (ڈارون) بہت مشہور ہوا لیکن اب معلومات نے تدریجی ارتقاء کے بجائے یک لخت تبدیلی جو کہ کن فیکون (حکم دیا اور ہو گیا) کی طرح کی ہے اسے سائنس میں(Quantum Jump) کے نام موسوم کیا جاتا ہے مشہور ہے۔ عالمی مشہور میگزین The Time کے شمارہ ۱۷ جنوری ۲۰۰۰ء میں انسان کے بارے سائنسی دریافتوں کا تجزیہ پیش کیا گیا تھا جسکے مطابق ('' آدمی بھی دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے جو مختلف ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے موجود حالت تک پہنچا ہے لیکن اپنی موجودہ حالت میں وہ تمام حیوانی انواع سے بہت مختلف ہے، زبان، تہذیب، صفت میں وہ یکتا ہے۔ بنیادی بیالوجی میں بھی وہ باقی حیوانات سے علیحدہ ہے اسلئے اسکا ارتقاء ایک خصوصی عمل اور یکتا عمل ہے'') یعنی انسان اپنی تخلیق میں نوع حیوانی سے علیحدہ خصوصی حیثیت کا مالک ہے۔ سائنس کی ارتقائی کہانی انسان نما دو پاؤں پر چلنے والے حیوانوں کے گرد گھومتی نظر آتی ہے جو تقریباً پچاس لاکھ سال تک محیط ہے۔ انسان کا یہ اندازہ پرانی ہڈیوں کے ڈھانچہ یا کسی ہڈی کے ٹکڑے کے تجزیہ پر ہے ابھی تک دس بارہ ہزار سال سے زیادہ پرانا مکمل انسانی ڈھانچہ نہیں ملا۔ چھوٹے چھوٹے ہڈیوں کے ٹکڑے اندازً تیس لاکھ سال پرانے ملے ہیں اس لئے انسان کے بارے سائنس کی دریافت ختمی نہیں بلکہ ظنی ہے ارتقاء سے انکار نہیں لیکن یہ آہستہ آہستہ تبدیلیوں کے لئے ضروری ہے اور قرآن میں اسکا ذکر نازل، انزل اور نزول کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ ماحولی اثرات کا نتیجہ ہے لیکن اس سے اچانک بڑی تبدیلی نہیں آتی۔ سائنس کے مطابق جانور دو قدموں پر چلنے والے بھی انسان نما حیوان تھے جو اکھٹے رہتے تھے لیکن مار دھاڑ کرنے والے تھے اور ختم ہو گئے

سائنس نظریات کے مطابق آج کا انسان آج سے تقریباً تیس چالیس ہزار سال پہلے دنیا میں نمودار ہوا (امریکی

بیالوجسٹ ٹاٹرسل Tattarsal بحوالہ کتاب Becoming Human ان کا دماغ تین سو سے چار سو گرام تھا قرآن مجید کی سورۃ النور کی آیت 45 میں اسکا ذکر یوں درج ہے ''اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر شی کے کرنے اور قدرت رکھنے والا ہے''۔(بحوالہ کتاب زندگی از سلطان بشیر محمود)۔

کچھ علماء نے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ انسان کی قسم حضرت آدم علیہ السلام جن سے موجودہ انسانیت پیدا ہوئی۔ ان سے چالیس ہزار سال پہلے دنیا میں انسان تھے جو ختم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا۔ اسکو تفسیر روح المعانی میں علامہ الوسی نے بحوالہ شیخ اکبر اور بحوالہ صاحب جامع الاخبار من الامامیہ اور بحوالہ شرح الاکبر کے ساتھ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں نقل کیا ہے۔ ان علماء کا ذریعہ ان کے مکاشفات تھے یا روایات اس کو حسن اتفاق کہے یا صداقت کے آج کی سائنس ان کے کس قدر قریب ہے اور تصدیق کر رہی ہے۔

اسلامی نظریات کے مطابق حضرت آدم بحیثیت موجودہ انسان جس میں اعلیٰ ذہنی صلاحیت موجود تھی پیدا فرمایا اور پھر حضرت آدم سے ہی دوسرا جوڑ (حضرت حوا) پیدا فرمایا (نفس واحدہ سے مراد اصل ایک فرد سے ہے اور دونوں علیحدہ ہوں تو نفس واحدہ نہیں بنتا بلکہ نسل دونوں سے بنتی ہے جسطرح کے ہم موجودہ زندگی میں تسلسل انسانی کو دیکھ رہے ہیں۔ اسکے بعد نسل انسانی میں مردوں اور عورتوں کی کثیر پیدائش کے بعد نسل بڑھتی چلی گئی۔ جدید نظریہ انسان زمین سے نہیں Human is not from Earth کے لئے ڈاکٹر ایلس سلور Elus Silver کی کتاب ملاحظہ فرمائیں اسکے مطابق انسان کسی اور سیارہ سے زمین پر پھینکا گیا۔ جو الہامی کتب کے مطابق ہے۔

چونکہ ایک ہی اصل ہے ایک ہی خاندان ہے یعنی مرد اور عورت کسی نہ کسی خاندان کا حصہ ہوتے ہیں اور پھر رہے معاملات جن میں اختلافات کی صورت میں ان کو حل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (خالق) کا واسطہ دیتے ہیں۔ اسلئے حکم دیا کہ ان قرابتوں اور رشتوں کا خاص خیال کرو اور ان کے حقوق ادا کرو۔ کیونکہ تم پر ایک تمہارا خدا، پیدا کرنے والا، رزق دینے والا، نگرانی کر رہا ہے۔

صلہ رحمی:۔

الارحام کا لفظ فرمایا، رحم کی جمع ہے رحم بچہ دانی کو بھی کہتے ہیں جس میں ولادت سے پہلے بچہ رہتا ہے۔ الارحام کا تعلق رحم مادر کے علاوہ اور رحمت سلامتی سے بھی ہے دراصل سب کا مادہ رحم ہے۔ مادر رحم بھی سلامتی و محبت کا مظہر ہے رشتہ ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے ان کے حقوق کی ادائیگی اور نگہداشت کی اسلام نے بڑی شدت سے تاکید کی ہے۔ چونکہ

ذریعہ قرابت مادر رحم ہے اسلئے تعلقات وابستہ رکھنے کو صلہ رحمی اور ان سے منہ موڑنے یا توڑنے کو قطع رحمی کہتے ہیں صرف اسی آیت میں دو دفعہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے (اتقو اللہ) کا حکم فرمایا ہے۔ چونکہ یہ معاملات مالی ناپ تول سے ماوراء ہیں لہذا انسانی کردار اور رویہ نہایت اہم ہے اور اس میں زیادتی سے بچنے کا محرک خوف خدا ہی بن سکتا ہے۔

احادیث مبارکہ میں صلہ رحمی کے بارے انتہائی اہم تعلیمات دی گئی ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو اور اسکی عمر دراز ہو تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔اس حدیث سے صلہ رحمی سے جو معاشرتی فوائد ہیں اسکے علاوہ دازی عمر، دارزی رزق بھی حاصل ہوتی ہے ایک اور حدیث میں فرمایا کہ "**الصدقه علی المسکین صدقة و علی الرحم اثنان صدقة و صلة**" یعنی کی محتاج کی مدد کرنا صرف صدقہ ہے اور قریبی عزیز کی مدد کرنا دو چیزوں پر مشتمل ہے ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی، یعنی دوگنا ثواب ہے اسی طرح قطع رحمی کے بارے سخت وعید (سزا) فرمائی ہے۔ حدیث شریف ہے۔"لا یدخل الجنۃ قاطع رحم" کہ جنت میں قطع رحمی کرنے والا نہیں جائے گا۔ایک اور حدیث میں فرمایا کہ "اللہ کی رحمت اس قوم پر نہیں نازل ہوتی جس میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہو"۔احادیث کی کتب میں کئی ابواب اس موضوع پر ہیں۔اس کی فرض کی نگرانی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔اسلئے فرمایا کہ وہ تمہارا نگران ہے کہ کسطرح یہ فرائض ادا کر رہے ہو۔

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا [2:4]

اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور بری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو اور نہ ان کے مال کو اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو۔ یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یتیموں کے حقوق:۔

پچھلی آیت میں رشتہ داروں کے حقوق کے بارے ذکر ہے۔یتیم بھی رشتہ داری کا حصہ ہیں۔یتیم کے رشتہ دار عام طور پر والی (نگہبان) ہوتے ہیں یا مقرر کیے جاتے ہیں اس لئے اسلام نے اسکے بارے علیحدہ حقوق وقوانین بنائے ہیں۔یتیم کا لفظی معنی اکیلا ہے۔اس لئے جو موتی سیپ میں تنہا ہوتا ہے در یتیم کہتے ہیں۔اصطلاحی لغت میں جس کا باپ مر جائے اسے یتیم کہتے ہیں۔اور جانوروں میں جسکی ماں مر جائے اسے یتیم کہتے ہیں۔اسلامی تعلیمات میں یتیم وہ ہے۔(۱) جس کا باپ مر گیا ہو (۲) وہ بچہ/بچی بلوغت کی عمر کو نہ پہنچا ہو۔ جب یتیم بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو وہ یتیم نہیں رہتا کیونکہ حدیث شریف ہے "لا یتم بعد الاحتلام" (مشکوٰۃ شریف) بلوغت کی عمر کے بعد وہ بچہ کمانے کے قابل ہو جاتا ہے اور نا سمجھ نہیں رہتا۔جہاں یتیم کی دیکھ بھال اسکے 'والی' کے ذمہ ہوتی ہے اسی طرح اگر کسی یتیم کی کوئی ملکیت ہے جو اسے کسی نے ھبہ کی ہے یا اسے وراثت میں ملی ہے۔تو اسکی

حفاظت بھی اسکے 'والی' (ذمہ دار) کے ذمہ ہے۔اس کو حفاظت میں رکھنے کے بعد، تا کہ ضائع نہ ہو، اسے جب یتیم بالغ ہو جائے تو اسے پہنچانا بھی ہے۔اس طرح آیت میں دوسری انسانی کمزوریوں کے علاج کیلئے بھی حکم دیا ہے۔کہ امانت کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے اور کسی طرح کبھی خیانت نہ کی جائے بالخصوص انسانی کمزوریوں کا واضح ذکر فرمایا ہے کہ ان کے مال کی مقدار کو برابر کر دی جائے لیکن اسکی مالیت و قدر میں کمی کر دی جائے۔ جیسے اچھے جانور کے بدلے کمزور جانور دے دیا جائے۔اعلیٰ چیز استعمال کر کے اسکے بدلے ادنی قسم کی چیز لے کر دی جائے یا حلال مال کے بدلے حرام مال ان کے مال میں شامل کیا یہ سب امور ممنوع ہیں اسی طرح ایک اور طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مال کے ساتھ مال خلط ملط کر کے خود بھی کھایا جائے اور یتیم کو بھی کھلایا جائے اسطرح سے ایک گمان رہتا ہے کہ مال یتیم استعمال کر رہا ہے۔اور کھانے کا مطلب ہے کہ کسی قسم کا تصرف (کنٹرول) جس سے مال کی قدر یا تعداد میں کمی ہو جائے۔اور آخر میں ان تمام امور یا ناجائز استعمال کی کیفیات کو بہت بڑا گناہ قرار دیا۔" حوب "ایک بڑے گناہ کو کہتے ہیں اور پھر کبیر کا لفظ دوبارہ تاکید کے لئے فرما دیا ہے۔*مختصراً* یتیم کے درج ذیل حقوق ہیں۔

(۱) یتیم وہ ہے جسکے والد فوت ہو جائے اور وہ بلوغت (احتلام) کی عمر سے کم ہو۔

(۲) اسکے امور کی نگہبانی یعنی کھانے رہنے کا ذمہ دار والی ہے یا عدم والی کی صورت میں اسلامی ریاست ہے۔

(۳) اسکی جائیداد اور اموال کی اچھی طریقہ سے نگہبانی تا کہ اس میں کوئی کمی نہ آئے بھی اسکے والی کا فرض ہے۔

(۴) یتیم کے مال کو بجائے رکھنے کے کاروبار میں لگانا جہاں امکانات نفع زیادہ ہو تا کہ نقصان نہ ہو اور اضافہ ہو۔

(۵) اسکے مال سے صرف بقدر حاجت ضروری فرد برائے واحد کے اسکا والی خدمات کے معاوضہ کے طور پر لے سکتا ہے۔

(۶) یتیم کی بلوغت کی عمر کے پہنچنے پر والی کا فرض ہے کہ اسکے مال کو اسکی سمجھ بوجھ کا امتحان لے کر چند افراد کی موجودگی میں تمام حساب و کتاب و شواہد کے ساتھ خود اسکے حوالے کر دے۔

اسلامی نظام معاشرت و معیشت میں مجبور افراد کیلئے مناسب اہتمام اور حفاظت کا قانون ہے کہ امن و سکون و محبت کی فضا قائم ہو۔اگلی آیات میں یتیم لڑکیوں کے بارے احکامات کا ذکر ہے۔

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا

[3:4]

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے نکاح کرو جو پسندیدہ ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار (بشرطیکہ برابری سلوک کرو) پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل (

برابری) نہیں کرسکو (بیویوں کے درمیان) تو صرف ایک (عورت سے نکاح) کرو یا وہ لونڈی جو (قانوناً) تمہاری ملکیت میں آئی ہو اس (عمل) میں قریب تر ہے کہ بے انصافی نہ ہو۔

پچھلی آیات میں یتیم کے مال کے ذکر کے بعد اس آیت میں یتیم لڑکیوں اور عمومی شادی کے بارے تفصیلات ہیں۔ حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق قبل از اسلام عربوں کے ہاں یتیم بچیوں کے ساتھ انتہائی برا سلوک کیا جاتا کیونکہ ان کے والدین اس دنیا میں انکی حفاظت کے لئے نہیں ہوتے تھے اسلئے قریبی رشتہ داران کے مال کو استعمال کرتے (جس طرح اس سے پہلی آیت میں اس سے منع کیا گیا ہے) اسی طرح خوبصورت بچیوں سے شادی کر لیتے اوران کے مہر اور دوسرے حقوق کا کوئی خیا ل نہیں کرتے اوران پر زیادتی کرتے اوران کا مال بھی استعمال کرتے بسا اوقات مال کی وجہ سے شادی کر لیتے اور اچھی صورت نہ ہونے کی وجہ سے معاملات میں زیادتی کرتے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تم انصاف نہ کرسکو تو بجائے یتیم لڑکیاں جو تمہاری سر پرستی میں ہیں ان کے بجائے دوسری عورتیں جو معاشرہ میں موجود ہیں ان میں جو تمہیں پسند آتے عادات، صورت، خاندان جو بھی ترجیحات ہیں ان کی بناء پر ان سے شادی کرو۔ اس سلسلہ میں شادی کی تعداد چار ازواج تک محدود کر دی۔ اسلام کے احکام سے قبل عربوں میں اور دوسرے معاشروں تعداد ازواج (زیادہ شادیوں) کا بہت رواج تھا۔ ہندوستان میں ہندوؤں کے ہاں کوئی تعداد محدود نہیں تھی اس طرح ایران، روم اور لاطینی حکومتوں میں عورتوں کے تعداد ازواج کی حد نہیں تھی عربوں میں بھی کئی سرداروں کی عورتیں بہت زیادہ تھیں جب وہ اسلام لائے تو اسلام کے احکام کے مطابق ان کو صرف چار تک رکھنے کی اجازت دی گئی۔ یہ اجازت اسلام میں مشروط ہے کہ تمام کے درمیان عدل اور برابری کا سلوک کیا جائے یہ سلوک معاشرتی اور معاشی دونوں طرح ظاہر ہونا چاہیے مثلاً وقت برابر دیا جائے رہن سہن لباس، غذا میں مساوات و مکان بھی برابر درجہ کے ہوں تا کہ ظاہراً کوئی تفریق و امتیاز نہ ظاہر ہو سکے اگر یہ صورت ممکن نہ ہو سکے تو صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کیا جائے۔ اور عدم مساوات کی صورت میں اسلامی حکومت اور نظام عدل عورت کو پوری پوری حفاظت و مساوات مہیا کرتا ہے۔ اگر کوئی آدمی آزاد عورت سے شادی کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا تو وہ لونڈیاں جو شرعی احکام کے ذریعے معاشرتی طور پر ذمہ کی گئی ہیں ان کے ساتھ شادی اور گزارہ کرنا چاہیے تا کہ جنسی بے راہ روی سے معاشرہ محفوظ رہے یہ اسلامی طریقہ معاشرت ہے جو سرا سر انسانی ضروریات اور ممکنہ وسائل کے صحیح استعمال پر اور برابری کی بناء پر قائم ہے۔

نابالغ کا نکاح:۔

یتیم لڑکی یا لڑکے کے مال و متاع کی حفاظت کے لئے والی کو جس طرح کنٹرول کا حق ہے اسی طرح اسے نابالغ یتیم لڑکے یا لڑکی کے نکاح کے کرنے یا کرانے کا حق حاصل ہے اس حق کا مقصد نابالغ یتیم کے مفادات اور مصالح کی حفاظت ہے

اگر اس عمل سے یتیم کی مصلحت یا فائدہ کے بجائے دوسرے آدمی کا فائدہ واضح نظر آرہا ہے تو اس کو حکومت منسوخ کرسکتی ہے بہر حال یتیم لڑکے یا لڑکی جسکا نکاح، والی کم سنی (یعنی عدم بلوغت) میں ہی کر رہا ہے اسے حق حاصل ہے کہ جب بالغ ہو جائے تو اسے منسوخ کردے یا برقرار رکھے۔اس میں اسے کسی حکومت یا فرد سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔لیکن ایک امر واضح ہے کہ اگر یتیم لڑکی شرم وحیا یا معاشرتی دباؤ کی وجہ سے انکار نہیں کیا تو اس عمل کا گناہ اور اس حق تلفی کا جرم اس والی کے سر ہوگا جس نے یہ عمل اس یتیم لڑکے یا لڑکی پر مسلط کیا اگرچہ عدالت نے اسکے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا ہو۔اسلام میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عوام کے حقوق کا خاص خیال رکھے۔لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے افراد کو بھی اپنے اعمال کیلئے قابل مواخذہ (محاسبہ) قرار دیا ہے۔اسلئے اسکو اپنے عمل کی سزا ملے گی اور نیک اعمال کی جزا ملے گی۔

تعدد ازواج:۔

تعدد ازواج(Polygamy) یعنی ایک مرد کا بیک وقت ایک سے زیادہ عورتوں کا شوہر ہونا ہے کسی وقت یہ ایک معاشرتی ضرورت تھی کیونکہ قبائلی جنگوں کی وجہ سے مردوں کی تعداد کم ہوجاتی تو عورتوں کی عددی اکثریت اور ان کے زندگی کے اخراجات کے لئے شادی کر دی جاتی۔لیکن مرد اس معاملے میں مطلق اختیار رکھتے تھے تمام مشرقی ومغربی اقوام میں یہ ایک مانا ہوا رواج تھا۔ہندوؤں کے ہاں اونچی ذات والے برہمن جس قدر چاہتے، بیویاں رکھتے تھے بنو اسرائیل میں حضرت موسیٰ سے قبل تعداد ازواج کا رواج تھا جو جاری رکھا گیا حضرت سلیمانؑ اور داؤد علیہ السلام کی متعدد ازواج تھیں۔ایرانیوں کے مذہب میں بیویوں کی کثرت ایک قابل انعام عمل تھا۔سوری اور فینقی قومیں جن کو بنو اسرائیل نے جلا وطن کیا تھا، تعدد ازواج بہت عام تھا۔اسطرح یورپ اور مغربی ایشیا کی تھریس (Thrace) لیڈیا(Lydians) اور پلاگیا(Pelasgian) کی قوموں میں تعدد ازواج بہت زیادہ تھا بلکہ دوسری تمام قوموں سے زیادہ تھا۔اس طرح یونان (اہل ایتھنز) میں بیوی محض ایک اثاثہ تھی جسے خرید وفروخت کیا جاتا بلکہ وصیتاً منتقل کیا جا سکتا تھا بلکہ وہ ایک بری چیز تھی اور صرف بچے جننے یا گھر چلانے کیلئے ضروری تھی۔ہندو مذہب میں ویدک تعلیم غیر محدود تعداد ازواج کو جائز رکھتی ہے اور اس سے دس دس تیرہ تیرہ ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک وقت جمع رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔کرشن جو ہندوں مں واجب التعظیم اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سیکڑوں بیویاں تھیں۔(حوالہ معارف القران جلد دوم) رامائن، مہا بھارت گیتا، ویداس مقدس کتب ہندومت میں کہیں منع نہیں کیا گیا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تعداد ازواج کی صراحتاً مخالفت نہیں فرمائی کچھ یاداشتوں نے اگر اس سے منع کیا تو وہ صرف وقتی عمل رہا اور اسکی وجہ سے داشتاؤں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔دوبارہ تعدد ازواج شروع ہوگیا اور معاشروں میں جاری رہا اور آج بھی جن معاشروں میں قانوناً صرف ایک شادی کی اجازت ہے لیکن عورتوں کی تعداد زیادہ ہے تو وہاں فطری جنسی خواہشیں کو دبایا نہیں جا سکتا جس کے نتیجہ میں معاشرتی

وسماجی مسائل پیدا ہوئے ہیں۔

اسلام سے قبل عربوں اور ایرانیوں میں بھی تعدد ازواج ایک عام رواج تھا اور اسکے ساتھ خواتین کے کسی بھی قسم کے کوئی حقوق نہ تھے تا ان کہ اسلام نے قوانین کو ایک رسمی شکل دی (تفصیل کے لیے دیکھئے روح اسلام از سید امر علی اور سنت کی محبت مولانا مودودی) اسلام پر اور بد قسمتی سے لاعلمی کی بناء پر اور حضورﷺ پر تعداد ازواج کی سرپرستی اور ترغیب کا الزام لگایا گیا جو کہ اسلامی تعلیمات سے لاعلمی کا نتیجہ ہے اسلام نے تعداد ازدواج کو نہ صرف چار تک محدود کر دیا بلکہ انصاف نہ کرنے کی صورت میں اسے صرف ایک تک محدود کر دیا۔ اور انصاف و عدل مہیا کرنے اور عورت کے حقوق کی ذمہ داری افراد کے علاوہ ریاست پر بھی ڈال دی۔ جسکی ایک واضح مثال یہ ہے ایک قبیلہ کا سردار غیلان بن اسلمی جب مسلمان ہوا تو اسکی دس بیویاں تھیں جن مین سے حضورﷺ کے صرف اسے چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی اور باقی کو طلاق دے کر آزاد کرنے کا حکم دیا جو اس نے کیا پھر حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت میں اس نے ان چار عورتوں کو بھی طلاق دے دی اور اپنی ساری وراثت (مال و جائیداد) اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا جب حضرت عمر فاروق کو اسکی اطلاع ملی تو آپ نے اسے طلب کیا اور فرمایا کہ تم نے عورتوں کو طلاق اسلئے دی ہے تا کہ ان کو میراث سے محروم کیا جائے جو سراسر ظلم ہے لہٰذا فوراً طلاق سے رجوع کرو اور اپنا مال اپنے بیٹوں سے واپس لے لو اور اگر تم نے انہیں محروم کیا تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ یہ تھا ایک عورت کے حقوق کا تحفظ ایک اسلامی ریاست میں جو عورت کے کسی احتجاج یا شکایت کی وجہ سے نہیں بلکہ خود قانون عدل قائم کرنے کیلئے حرکت میں آیا۔

تعدد ازواج جدید نظریات:۔

دور جدید میں تعدد ازواج کے خلاف یہودی مذہب میں رابائی گرشوم بن یہودا GERSHOM BEN YEHUDAH نے دس صدی عیسوی میں بیان دیا۔ پھر 1950ء میں اسرائیل کے چیف ربائی نے شادی کو صرف ایک خاتون تک محدود کر دیا۔ اسی طرح عیسائیت میں بھی صنعتی انقلاب کے بعد خواتین کی حقوق کی تنظیمیں اور سیاسی شعور نے اسکے خلاف آواز اٹھائی چونکہ عیسائیت میں طلاق نہیں تھی اسلئے جہاں طلاق کے قوانین ہے وہاں دوسری شادی سے بھی منع کر دیا گیا۔ ہندوستان میں ہندو مذہب میں دوسری کئی شادیوں کی اجازت ہے کوئی محدود یا متعین تعداد نہیں جس طرح اسلام میں زیادہ سے زیادہ چار تک کی جاسکتی ہیں۔ ہندوؤں کے ہندو شادی ایکٹ 1954 میں صرف ایک شادی کی اجازت ہے لیکن 1975 کے مردم شماری کے اعداد شمار کے مطابق ہندوؤں میں منع ہونے کے باوجود مسلمانوں کے مقابل زیادہ دوسری شادیاں کرنے کا رواج ہے معلومات (اعداد شمار) کے مطابق 1951-1961 کے دوران مسلمانوں مین دوسری شادی کی اوسط تعداد 4.31% ہے اور ہندوؤں میں بھی اوسط تعداد 5.06% ہے۔ (بحوالہ کتابچہ از ڈاکٹر ذاکر نائیک IDCI اسلامک دعوۃ سنٹر انٹرنیشنل)

تعداد ازواج کا تجزیہ:۔

موجودہ دور میں تعداد ازواج کے بارے ایک شدید ردعمل مغربی ممالک کی طرف سے شروع ہوا ہے جسکے لئے ہر طرف پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کیونکہ عیسائیت ۔ یہودیت ۔ ہندومت اور دیگر قدیم تہذیبوں میں عورت کے مقام اور حقوق بالکل نہیں تھے اسلئے ان کے خلاف نسوانی نفرت زیادہ شدت سے تحریک کی صورت میں ظاہر ہوئی جسکی وجہ سے طلاق کا حق اور دوسری شادی کے ممنوع ہونے کے قوانین بنے لیکن اسکے برعکس اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل عورت کو مرد کی طرح وراثتی ۔ سماجی ومعاشی حقوق عطا کئے گئے اور عورت طلاق یا علیحدگی کے لئے کئی مختلف وجوہات کو قوانین کی صورت دی گئی ۔ چونکہ اسلام نے دوسری شادی کو ممنوع قرار نہیں دیا بلکہ اسکی مشروط اجازت دی اسلئے اسکے بارے کیا دوسری شادی کرنا اخلاقی ۔ سماجی طور پر صحیح ہے یا نہیں ایک علمی تجزیہ پیش ہے۔

(۱) لڑکیوں کی شرح اموات دوران بچپن لڑکوں کے مقابل کم ہے اسلئے عورتوں کی تعداد شرح زیادہ ہونے کے امکانات زیادہ ہیں ۔ کیونکہ لڑکی (بچہ) اپنی فطری استعداد کی وجہ سے زیادہ بیماریوں کی مزاحمت کرسکتی ہے۔

(۲) جنگوں کی وجہ سے مردوں کی اموات عورتوں کے مقابل زیادہ ہوتی ہے بالخصوص یہ عظیم اول جنگ عظیم اول و دوم ،ویت نام ،عراق ،افغانستان وغیرہ سے ثابت ہے۔

(۳) عمومی طور پر مرد روزگار اور سفر کی وجہ سے بھی حادثات کا زیادہ شکار ہوتے ہیں ۔ اس طرح مردوں کی زیادہ تعداد کم ہو جاتی ہے۔

(۴) عورتوں کی شرح عمر زندگی مردوں کے مقابل زیادہ لمبی ہے جسکی وجہ سے عورتوں کی تعداد زیادہ رہتی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی تصدیق اعداد وشمار سے بھی ہوتی ہے دنیا کی کثیر آبادی جن ممالک میں ہے ان کا ذکر کرتے ہیں۔

امریکہ میں 7.8 ملین عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں صرف نیویارک شہر میں دس لاکھ عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں اور ریاستیائے متحدہ امریکہ میں صرف 25 ملین (دوکروڑ پانچ لاکھ) وہ مرد ہیں جو صرف مردوں کے ساتھ ہی جنسی تعلقات رکھنا چاہتے ہیں ۔ اسی طرح برطانیہ میں چالیس لاکھ عورتیں زیادہ ہیں ۔ اسی طرح جرمنی میں پچاس لاکھ عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں ۔ روس میں نوے لاکھ عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں ۔ اگر عورت اور مرد کی شادی صرف ایک تک محدود کر دی جائے تو ان حالات میں معاشرتی حالت کیسی ہوگی ۔ جسکے ایک طرف عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اور ان کی شادی کی خواہش یا جنسی عمل ایک فطری خواہش ہے دوسری طرف مردوں کی تعداد کم ہے اور اسکے ساتھ مرد کی جنسی خواہشات عورت کے بالمقابل بہت زیادہ ہے کیونکہ ایام ماہواری ۔ ایام حمل اور پھر ایام ولادت ۔ پھر رضاعت دودھ پلانے کی مدت میں جنسی خواہش کم رہتی ہے اس طرح جب

سلسلہ ماہواری ختم ہو جاتا ہے۔Monopouse اسکے بعد بھی رغبت کم ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان عورتوں کے لئے پردہ نہیں جو خواہش زواج نہ رکھتی ہوں اور اختتام سلسلہ ماہواری کی عمر کو پہنچ جائیں اسکے مقابل مرد کو کافی مدت ان مسائل کا سامنا نہیں ہوتا اسلئے مرد کیلئے ایک عورت کے علاوہ دوسری عورت سے تعلقات کسی نہ کسی صورت میں رہتے ہیں جبکہ عورت کو کسی دوسرے مرد کے ساتھ عمومی طور پر خواہش نہیں رہتی یہی وجہ ہے کہ جن معاشروں میں صرف ایک شادی کی اجازت ہے وہاں جو مسائل ہیں۔(۱) لوگ اپنی بیویوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے تعلقات رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ایسے بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہو رہی ہے جو اپنے والد کا نام تحریر نہیں کرنا چاہتے ہیں کیونکہ قانونی طور پر ان کا والد نہیں ہوتا۔اس طرح بچوں کی تعداد تقریباً مغربی ممالک میں ساٹھ فیصد تک پہنچ رہی ہے اور تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ ان بچوں کی نفسیاتی نشو ونما والد نہ ہونے کی وجہ سے شخصیت میں بہت کمی رہ جاتی ہے۔(۲) دوسرا ایک مسئلہ یہ ہے کہ عورت اپنی فطری خواہشات کی بناء پر جنسی عمل کی خاطر مخالف جنس سے تعلق بناتی ہے جس کی وجہ سے ایک طرف وہ اولاد پیدا ہوتی ہے جس کا کوئی ذمہ نہیں اٹھاتا اور ساری عمر اس کو اسکا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے اور دوسری طرف خود نفسیاتی طور پر ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے اور بالخصوص بڑھاپے کی دہلیز پر دستک دیتی ہے تو سارے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں چونکہ اسکا قانونی تحفظ نہیں ہوتا اس لئے تنہائی اس کا مقدر بن جاتا ہے اور سارے مسائل سے تنہا مقابلہ کرتی رہتی ہے۔اسکے برعکس اگر دوسری شادی کی مشروط اجازت دی جائے کہ جس طرح اسلام نے کہا ہے کہ صرف سماجی، معاشی برابری کی صورت میں اجازت دی جائے تو اس کا نقصان جو دوسری شادی نہ کرنے کی وجہ سے ہے وہ بہت کم ہے۔ اور اس طرح بیوہ عورتوں کو ایک سہارا بھی مل جاتا ہے اور حکومت پر بوجھ کم ہو جاتا ہے۔

اسلام کے خلاف شبہات کا ازالہ:۔

مغربی تہذیب اور اسکے میڈیا نے لوگوں کی عدم معلومات کی وجہ سے اسلام کے خلاف بڑا منفی پروپیگنڈہ جاری رکھا ہوا ہے اسکی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ اسلام نے دوسری شادی کو ضرورت نہیں قرار دیا بلکہ صرف ایک شادی کرنے کا مشورہ دیا ہے لیکن اگر کوئی دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو اسکی اجازت صرف مشروط ہے کہ دونوں کے درمیان عدل کرے اور عدل سے مراد معاشرتی عدل یعنی مساوی وقت اور معاشی عدل یعنی معیار زندگی کی مساوات اور سماجی عدل یعنی لباس و مکان برابری کے ہونے چاہیے اور اگر یہ مرد مہیا نہیں کرتا تو عورت مرد سے طلاق یا سہولیات وحقوق کی برابری کا مطالبہ کرسکتی ہے جو عدالت اسے مہیا کرے گی اور اگر عدل نہیں کرسکتا تو صرف اسی شادی (بیوی) کے ساتھ رہے پھر مرد کو اجازت نہیں ہے۔ دوسری طرف عورت درج ذیل امور کی بناء پر طلاق لینے کا حق حاصل ہے (امور فقہ حنفی کے مطابق ہیں) (۱) مرد کا اخراجات نہ دینا۔(۲) مساوات یا خیال نہ کرنا۔(۳) جنگ میں چلا جانا یا اس ملک میں جانا جہاں سے واپسی آنے کا یقین نہ ہو۔(۴) مرد کا تین سال کا عرصہ گمنام

ہو جانا اور کوئی پتہ نہیں چلنا کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔(۵) مرد کا جنسی لحاظ سے شادی کے قابل نہ ہونا۔(۶) عورت خود رہنا نہیں چاہتی اور خلع (طلاق) طلب کرتی ہے۔ یہ وہ حقوق ہیں جو آج کی مہذب دنیا میں بھی عورت کو میسر نہیں اسلئے اسلام میں دوسری شادی کی اجازت (جوصرف اجازت ہے) انصاف یا عورت کے حقوق کے خلاف نہیں۔ دراصل تعدد ازواج اسلام نے محدود کیا اسے ممنوع محض فطری اسباب وحقائق کی بناء نہیں کیا اور جو شرائط عائد کی ہیں وہ انتہائی عادلانہ ہیں۔مسلمان معاشروں میں تعدد ازواج وہاں کے قدیم رواج اور معاشرتی ضروریات کے سبب بھی ہے مثلاً بیوگان اور یتیموں کی پرورش وغیرہ۔اسلئے اسلام پر الزام غیر منصفانہ ہے۔

پولینڈری:۔

تعدد زوج(Polyandry) جس طرح ایک مرد ایک سے زیادہ عورت سے شادی کرسکتا ہے اسی طرح ایک عورت کیا ایک سے زیادہ مردوں کے ساتھ شادی کرسکتی ہے اسکو تعدد زوج کہا جاتا ہے جس کو اسلام نے منع کیا ہے کہ جس عورت کا نکاح ہو چکا ہو اس کے ساتھ کوئی دوسرا نکاح نہیں کرسکتا۔اسکے متعدد اسباب ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) عورت کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوگی اسکی ولدیت کے بارے ہمیشہ شک وشبہ رہے گا لیکن ایک خاوند کی صورت میں یقین رہتا ہے۔باپ کے بارے علم ہونا بچے اور انسان کی شخصیت کے لئے نفسیاتی طور پر ضروری ہے۔

(۲) مرد جنسی طور پر زیادہ رغبت رکھتا ہے اسلئے یہ معاملہ برعکس رہتا ہے۔

(۳) ایک مرد ایک سے زیادہ بیوی کی صورت میں حیاتیاتی طور پر مستعدی سے معاملات چلا سکتا ہے لیکن عورت کے لئے مختلف مردوں سے معاملات کرنا جبکہ فطری مسائل مثلاً ایام ماہواری حمل ولادت، رضاعت وغیرہ کی وجہ سے زندگی مشکل بن جاتی ہے۔

(۴) متعدد مردوں سے جنسی تعلقات کی وجہ سے عورت مختلف مردوں کے لئے جنسی یا اعضائے تناسل کی بیماری کا سبب بن جاتی ہے جو اسے دوسروں مردوں کے ذریعے ملتی ہے اگرچہ وہ مرد دوسری عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات نہ بھی رکھتے ہوں۔لیکن اس کے برعکس ایک مرد مختلف اپنی بیویوں سے تعلقات کی بناء پر بیماری کا سبب نہیں بن سکتا اگر وہ عورتیں کسی اور کے مرد کے ساتھ جنسی تعلقات نہیں رکھتیں(بحوالہ ڈاکٹر ذاکر نائیک-IDCI)

تعدد ازواج اور نبی علیہ السلام:۔

اسلام میں تعدد ازواج کے سلسلہ میں نبی پاک علیہ السلام کی ذات کو بھی بالخصوص پروپیگنڈہ کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ چونکہ آپ کی ازواج مطہرات چار سے زیادہ تھیں اسلئے آپ کی ذات کو مستشرکین (غیر مسلم جو اسلام پر تحقیق کرتے ہیں) آپ کی

ذات پر محض اسلام دشمنی کی وجہ سے متعدد ازواج کو جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دیتے ہیں لیکن اسکا حقیقی تجزیہ پیش نہیں کرتے حالانکہ اگر اسکا تجزیہ کیا جائے تو یہ سارا الزام جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔جنسی عمل کی خواہش کا سب سے بڑا مرحلہ انسانی زندگی میں پہلی جوانی کے وقت ہوتا ہے اور ادھیڑ عمر میں آ کر تقریباً ختم ہو جاتا ہے یہ انسانی جسم کا ایک فطری تقاضہ ہے۔اس حقیقت کے تحت آپ کی ازواجی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں۔آپ ﷺ کی زندگی نبوت کے اعلان سے قبل امانت، دیانت اور شرافت کا اعلیٰ نمونہ تھی آپ نے پچیس سال کی عمر میں اور حضرت خدیجہؓ سے شادی کی جنکی عمر اس وقت چالیس سال تھی اور وہ دو دفعہ پہلے شادی کر چکی تھیں اور ان کی اولاد تھی۔اس دوران آپ اکثر عبادت کی خاطر تنہائی میں رہتے اور غار حرا میں کئی کئی دن قیام کرتے تھے۔اہل مکہ نے آپ کے اعلان نبوت کے بعد جادوگر، شاعر، مجنوں کے الزامات لگائے۔لیکن آپ کی پاک دامنی یا جنسی ونفسانی بے راہ روی پر کوئی حرف نہیں اٹھایا ہے۔ یہ جوانی کی عمر آپ کی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزاری۔ان کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ سے آپ کا نکاح ہوا اور وہ آپ کے گھر آئیں وہ بھی بیوہ تھیں اس وقت آپ کی عمر مبارک اکیاون (۵۱) سال کے قریب تھی۔ جو ادھیڑ عمر کا بڑا حصہ ہے اس دوران آپ کا نکاح حضرت عائشہ سے ہوا جو کم عمر تھیں اور ان کی رخصتی نہیں ہوئی۔آپ نے ہجرت کی اور مدینہ شریف تشریف لائے ابتداء میں صرف آپ کی ایک ہی زوجہ محترمہ حضرت سودہ تھیں۔حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سکران رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں جو قبول اسلام کے بعد کفار کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے حبشہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی ان کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ مکہ آ گئی تھیں اور حضور ﷺ نے انہیں اپنے نکاح میں لے کر انہیں کفار کے ظلم وستم سے محفوظ کیا۔

پھر حضرت عائشہؓ کی رخصتی دو ہجری میں عمل میں آئی۔اس وقت آپ کی عمر (54) چون سال تھی جب آپ کے رشتہ ازواج میں دو بیویاں آئیں اور تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا۔غزوہ بدر کے بعد حضرت حفصہ بنت عمر سے تین ہجری میں نکاح ہوا اس وقت اسلام کے احکام کے مطابق چار عورتوں کی اجازت (سورہ نساء) میں آ چکی تھی مگر آپ کی ازواج مطہرات کی تعداد اس سے کم تھی۔حضرت حفصہؓ کا نکاح بھی محض معاشرتی سبب تھا حضرت حفصہؓ کے خاوند غزوہ بدر میں وفات پا چکے تھے وہ بیوہ تھیں اور حضرت عمرؓ نے ان کی شادی کی درخواست حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ سے کی جوان دونوں نے قبول نہیں کی جس کی وجہ سے وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور اس کا شکوہ حضرت عمر نے حضور اکرم ﷺ سے کیا آپ نے حضرت حفصہؓ سے شادی کر کے حضرت عمر کا بوجھ کم کیا یہ معاملہ اس وقت جماعت مہاجرین میں محبت واتفاق برقرار رکھنے کیلئے بڑا اہم تھا۔اسکے کچھ ماہ بعد آپ نے حضرت زینب بنت حزیمہ (ام المساکین) سے نکاح کیا جس کے شوہر جنگ میں شہید ہوئے تھے۔اور وہ مختصر عرصہ کے بعد وفات پا گئیں اسکے بعد ۴ ہجری میں آپ نے نکاح حضرت ام سلمہ سے کیا جن کے شوہر بھی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔آپ ان کے سہارا ہے حضرت ام سلمہ کے ساتھ آپ کے سابقہ شوہر کی اولاد بھی حضور کے گھر آئی۔ان بچوں کی پرورش آپ نے کی اور

مثالی سوتیلے والد کا کردار ادا کر کے دکھایا حضرت عمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کی گود میں پرورش پاتا تھا۔ اسکے بعد آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا اس وقت آپ کی عمر اٹھاون برس ہو چکی تھی اس نکاح کو متشرقین کفار نے جھوٹ کے ساتھ ملا کر پیش کیا اس کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت زینب بنت جحش قریش کے ایک عالی نسب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں حضور ﷺ نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنٰی (منہ بولا بیٹا) زید کے ساتھ کر دی۔ حضرت زینبؓ اس سے خوش نہیں تھیں کیونکہ حضرت زید ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ جبکہ وہ قریش کے ایک اعلیٰ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں انہوں نے شادی تو قبول کی لیکن حضرت زیدؓ کو دل سے قبول نہیں کیا جس کا علم حضرت زیدؓ کو بھی تھا۔ حضرت زینب اپنے نسب اور حسن پر ہمیشہ نازاں رہتی اور حضرت زیدؓ کے آزاد کردہ غلام ہونے کا ذکر کرتیں۔ حضرت زیدؓ نے کئی دفعہ حضور ﷺ سے طلاق کا ذکر کیا اور آپ نے ہر دفعہ مل کر رہنے کا حکم دیا بالآخر حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی آپ ﷺ کو اس بات کا رنج ہوا کیونکہ یہ رشتہ ازدواج آپ ﷺ نے قائم کیا تھا جو قائم نہ رہ سکا۔ حضرت زینب نے متعدد مرتبہ آپ ﷺ سے نکاح کی درخواست کی تاں انکہ آپ ﷺ نے نکاح کر لیا۔ نکاح کا مقصد ایک مذہبی اور جاہلیت کے رواج کو ختم کرنا بھی تھا۔ ایام جاہلیت میں لوگ اپنے باپ کی بیویوں سے تو نکاح کر لیتے لیکن اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح نہیں کرتے تھے دوسرے متبنٰی (منہ بولا بیٹا) کو اسکے اصلی والد کے بجائے رواجی والد کے نام سے پکارا جاتا جس کی وجہ سے حضرت زیدؓ کو زید بن محمد کے نام سے پکارا جاتا تھا اس طرح ان دو رواجوں کو ختم کر دیا گیا ایک تو متبنٰی کو ان کے حقیقی والد کے نام سے پکارنا اور دوسرا چونکہ متبنٰی (منہ بولا بیٹا) حقیقی اولاد نہیں ہوتی اسلئے اسکی بیوی سے نکاح کا جواز اور اسکا نام بھی اسکے حقیقی والد کے ساتھ موسوم کیا جانے لگا۔ جب یہ نکاح ہوا تو آپ کی عمر مبارک اٹھاون سال تھی۔ اتنی بڑی عمر میں آ کر چار بیویاں آپ کے نکاح میں جمع ہوئیں۔ اسکے بعد ۶ ہجری میں آپ نے حضرت جویریہ سے نکاح اسطرح ہوا کہ وہ بنی مطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ غزوہ بنی مصطلق کی لڑائی کے بعد جو خواتین قید ہوئیں اور مجاہدین میں تقسیم ہوئیں (تاکہ ان کی کفالت کی جاتے اور وہ بطور بیوی یا خادمہ زندگی گزار سکیں) آپ ایک صحابی کے حصہ میں آئی چونکہ سردار کی بیٹی تھیں اسلئے اس سے گزارش کی کہ وہ ان کو آزاد کر دے وہ اسکے بدلے اسکو رقم دیں گی چونکہ رقم کی ضرورت تھی اور قید میں تھیں اسلئے حضور نے ان کا فدیہ ادا کر دیا وہ آزاد ہو گئی۔ حضرت جویریہ نے اس احسان کا بدلہ حضور ﷺ سے شادی کی صورت میں کیا اس واقعہ کا ایک انتہائی اہم نتیجہ نکلا جو انسانی تاریخ میں یاد رکھا جائے گا اور جو مستشرکین اسلام پر غلامی کو برقرار رکھنے کا داغ لگاتے ہیں اسکی نفی کرتا ہے۔ جب حضرت جویریہ کا نکاح حضور ﷺ سے ہوا تو وہ چونکہ بنی مطلق قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں اس طرح بنو مصطلق قبیلہ کے لوگ حضور ﷺ کے قرابت دار بن گئے جسکی وجہ سے تمام صحابہ نے تمام مرد اور عورتیں جو غلام یا قیدی بن گئے تھے ان کو آزاد کر دیا اس طرح تقریباً ایک سو خاندان نے آزادی حاصل کی اور مسلمان ہو گئے۔ ۷ ہجری میں حضرت صفیہؓ سے نکاح ہوا آپ یہودی النسل تھی جنگ خیبر میں قید ہوئیں اور ایک مجاہد کے حصے میں آئیں (خواتین قیدی جنکے خاوند جنگ میں قتل ہو

جاتے تھے ان کو ریاست کے احکام کے تحت فوجیوں میں تقسیم کیا جاتا اس طرح وہ فوجی ان کے نان نفقہ اور معاش کے ذمہ دار بن جاتے اور وہ ان کی ملازمہ (خادمہ بن جاتیں ہیں ان سے وہ اگر کسی دوسرے مرد کے ساتھ شادی شدہ نہ ہوتیں تو ازدواجی تعلقات رکھ سکتے تھے اور ان سے ان کی اولاد قانونی اور دوسری شادیوں کے برابر وارث ہوتی اور وہ خادمائیں یا غلامہ اس کے بعد آزاد ہو جاتی اس طریقہ کا مقصد عورتوں کو ان کی معاش نہ ہونے کی وجہ سے بطور داشتہ کے پیشے سے محفوظ کرنا تھا کیونکہ اس وقت تجارت، صنعت، زراعت میں آزادانہ وہ کام نہیں کرسکتیں تھیں کیونکہ یہ سب کام بہت محدود تھے اور جس سرمائے یا ہنر کی ضرورت ہوتی تھی وہ بھی ان کو میسر نہیں ہوتا تھا۔اور دوسرا اولاد کے ذریعہ سے آزادی کا سبب بن جاتا۔ انہوں نے (صفیہ) اپنے مالک سے آزادی کے بدلہ فدیہ کا معاملہ طے کیا اور حضور ﷺ سے اسکی رقم کی درخواست کی آپ نے انہیں فدیہ دے کر آزادی دلائی اور آپ نے ان کی درخواست پر کیونکہ آپ ایک سردار کی بیٹی تھیں، ان کو ازواج میں شامل کرلیا۔

اسی سال آپ کے حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا جو مکہ شریف میں آپ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھیں اور اس وقت حضرت ممونہ کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی۔ اس نکاح سے آپ نے صرف اپنی غریب رشتہ دار کو سہارا میسر فرمایا بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت خالد بن ولیدؓ دائرہ اسلام میں آگئے۔

۷ ہجری میں آپ نے حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح فرمایا انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ مکہ میں اسلام قبول کیا اور اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ ہجرت کردی۔ ہجرت کے بعد ان کا شوہر نصرانی ہوگیا اور چند دن بعد مرگیا۔ اور وہ وہاں تنہا بیوہ ہوگئیں حضرت ام حبیبہؓ حضرت ابوسفیان جو اس وقت اسلام کے سب سے بڑے مخالف تھے ان کی بیٹی تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح نجاشی کے ذریعہ پیغام بھجوا کر کیا۔ جب ابوسفیان کو اس بات کا علم ہوا تو حضور ﷺ کی شخصیت کی عظمت کا اقرار اس طرح کیا (**ھو الفضل لایحذع انفہ**) یعنی آپ وہ معزز شخص ہیں جنکو ذلیل کرنا (ناک کاٹنی) آسان نہیں۔ اس نکاح سے حضور کی عظمت کردار کے علاوہ نفسیاتی اور سیاسی طور پر مکہ کے ماحول پر بہت گہرا اثر پڑا۔

ان تمام ازواج مطہرات میں سے صرف کنواری حضرت عائشہؓ تھیں ان واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے نکاح کا سبب کیا تھا کیا یہ محض جنسی اعراض تھیں یا معاشرتی اور سماجی انصاف اور تحفظ فراہم کرنا تھا۔ اسکے علاوہ ازواج مطہرات نے اسلام کی تبلیغ اور نسوانی مسائل کے سلسلہ جو کردار ادا کیا ہے وہ قابل ذکر ہے صرف حضرت عائشہؓ کا مرتبہ جو روایت، دیانت اور فقہ میں ہے وہ محتاج بیان نہیں آپ کے شاگردوں کی تعداد دوسو کے لگ بھگ اور آپ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اڑتالیس سال تک علم دین پھیلاتی رہی۔ آپ سے دو ہزار دوسودس احادیث مروی ہیں اسی طرح حضرت ام سلمہؓ سے تین سو اٹھتر احادیث ہیں اور آپ کے فتاویٰ (فقہی آراء) سے ایک رسالہ مرتب کیا جاسکتا ہے یہ تو ایک مختصر جائزہ ہے۔

یہ تفصیل یا اجمال اسلئے ہے کہ جو افراد تاریخ کا صحیح ادراک نہیں رکھتے یا صرف انگلش میں یا مستشرقین کی کتب کا مطالعہ

کرتے ہیں وہ ان کے بیانات سے دھوکہ کھا جاتے ہیں دوسری طرف حضورﷺ نے تمام ازواج میں تمام تر ظاہری امور میں برابری کا معاملہ کیا۔ سفر پر بھی کسی کو ساتھ لے جان کے لئے قرعہ اندازی فرماتے تمام کو برابر وقت دیتے اور آخری چند دن بیماری کے دوران دوسری ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں قیام فرمایا بیماری کے وجہ سے حرکت اسان نہیں تھی اسلئے بہت ضروری ہے کہ مسلمان اسلام کے بارے غیر مسلم مصنفین کے بجائے اصل ماخذ (عربی تاریخ) پر انحصار کریں اور غلط معلومات سے محفوظ رہیں۔

غلام خواتین سے نکاح:۔

غلام خواتین یا مرد یا غلامی اسلام سے کئی سو سال قبل وجود میں تھی بلکہ تمام معاشروں میں بکثرت رائج تھی۔ رومی سلطنتوں میں تو غلام کو قتل کرنے کا بھی حق تھا (تفصیل کے لئے روح اسلام از امیر علی باب اسلام اور غلامی)۔ اسلام نے اس کو ایک فوری قانون کے ذریعہ ختم نہیں کیا کیونکہ اس وقت ریاست کا نظام اور ذرائع اس قدر منظم نہیں تھے کہ اسکا حل کر سکتے لیکن اسکے بدلے اسلام نے مختلف سزاؤں کے طور پر غلام کو آزاد کرنے کا قانونی انتظام کیا اسی طرح اگر کوئی غلام غلامی سے نکلنے کی خواہش کرتا جسے قانونی اصطلاح میں مکاتب کہتے ہیں تو اسکے لئے ریاست کی مدد کی قانونی صورت بطور مصرف زکوٰۃ بھی نکالی اور اسے حق بھی دیا، درحقیقت یہ اتنا بڑا انقلاب تھا کہ غلامی اسلامی نظام میں نہ صرف ختم ہوگئی بلکہ غلام بادشاہ بنے جس طرح خاندان غلاماں ہندوستان میں اور ترک بادشاہ خاندان بنو عباسیہ کے آخری ایام میں۔

اس آیت میں غلام عورتوں (جنکو عمومی طور پر لونڈی کہا جاتا ہے) سے نکاح کا حکم ہے۔ کہ اگر آزاد عورت کے اخراجات آدمی برداشت نہیں کر سکتا تو غلام عورت سے اسکے مالک کی اجازت کے ذریعہ شادی کردے یہ اسلام میں مساوات انسانی کی بڑی دلیل ہے اور بعض دوسری ایات میں غلام عورتوں کو کافر عورتوں پر ترجیح دی گئی ہے۔

غلامی کی صورت یہ تھی کہ قبل از اسلام جب کوئی قوم دوسری قوم کو فتح کرتی تو ان کو غلام بنا لیا جاتا ان کی زمینوں اور جائیدادوں پر قبضہ کر لیا جاتا۔ لیکن اسلام میں اس طرح نہیں کیونکہ اسلامی اندازِ فکر میں تمام حضرت آدم کی اولاد ہیں لیکن جنگ کی صورت میں مرد جنگ میں قتل ہو جاتے ہیں اور جب عورتیں رہ جاتی ہیں تو ان کے لئے ایک صورت یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اس زمانہ میں جب کہ ریاست کا نظام بالخصوص ٹیکس۔ تجارت۔ مواصلات اور ملازمتوں کا نظام منظم ومئوثر نہیں تھا بلکہ وجود ہی نہیں تھا تو یہ عورتیں کس طرح اپنا معاش کماتیں ظاہر ہے کہ صرف ایک پیشہ انسانی جسم کی فروخت اور حیوانی جذبات کی تسکین کے مقابل قیمت وصول کرنا تھی پھر اس میں پیدا ہونے والے افراد اور اس عورت کی ذہنی کیفیت اور معاشرے کی خرابی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا اسکا حل اسی طرح کیا گیا کہ پرانے رواج کے مطابق وہ عورتیں جن کے خاوند جنگ میں مر جاتے تھے ان کو قید کر کے

جنگ میں مختلف طور پر شامل افراد میں تقسیم کر دیا جاتا تا کہ وہ انفرادی طور پر ایک فرد بن کر معاشرہ میں حصہ بن جائیں اور وہ عورت قانونی طور پر اس خاوند کے حصہ میں ہوگی۔ جس کے ساتھ وہ عورت (بیوی) کے تعلقات رکھ سکتا ہے اور وہ معاشی طور پر اسکی کفالت کا ذمہ دار ہوگا۔ دوسری طرف وہ عورت بجائے ایک گناہ کا ذریعہ بن کر در بدر کی ٹھوکریں کھائے ایک شخص کے ساتھ ایک قانونی تعلق کی بناء پر زندگی گزارے گی جو کہ اسکا ذمہ دار ہوگا۔ لیکن یہ سارا کام انسانی اصول اور اخلاقی قیود کے ساتھ اجازت دی گئی اور یہ قیود و نظام ہی اسلام کا آج سے چودہ سو سال پہلے ایک انقلابی قدم تھا اور ایک فلاحی ریاست کا حصہ تھا۔

(۱) وہ عورتیں جنکے مرد بھی قیدی ہوں گے وہ دونوں غلام ہوں گے اور وہ عورت اپنے خاوند کی بیوی ہوگی۔ مالک اسکے ساتھ جنسی تعلقات نہیں رکھ سکتا۔

(۲) اگر عورت قیدی ہے اور حاملہ ہے جب تک اسکا حمل ختم نہیں ہو جاتا اسکے ساتھ اسکا مالک جنسی تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ تا کہ اولاد کے بارے فیصلہ ہو جائے۔

(۳) عورت اگر قیدی ہے تو اسکو ایک ماہواری کے بعد اسکا مالک جنسی تعلقات رکھ سکتا ہے تا کہ یقین ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں۔

(۴) غلام عورت کو حمل کی صورت میں اسکی اولاد قانونی اولاد ہوگی اور ہر طرح کے مساوی حقوق وراثت کی حق دار ہوگی۔

(۵) عورت جس سے مالک کی اولاد پیدا ہو مالک کی وفات کے بعد خود بخود آزاد تصور ہوگی اور مالک اسکی ملکیت اپنی زندگی میں بھی منتقل نہیں کر سکتا۔

(۶) قیدی عورتوں کی تقسیم ایک نظام کے تحت جو کہ کمانڈر مقرر کریگا یا ریاست مقرر کرے گی کی بناء پر ہوتی ہے اس طرح نہیں کہ جو فوجی یا لڑائی میں حصہ لینے والا مجاہد جس طرح چاہے عورتوں کو پکڑ لے اور اپنی پسند پر قبضہ جما لے۔

(۷) اگر کوئی غلام دو افراد کے درمیان مشترک ہے اور ایک اسے آزاد کرتا ہے تو دوسرا اسے آزاد کرنے کا پابند ہوگا۔ یہ قانونی عمل ایک اہم اور انقلابی تبدیلی تھی جو انسانی آزادی کے حق کی بنیاد پر ایک غلام کو اسلام نے عطا کی۔ اگر ایک دفعہ غلام کو آزاد کرنے کا اعلان کرتا ہے تو واپس نہیں لے سکتا۔

(۸) اگر کوئی غلام اپنی آزادی چاہتا ہے تو اسے مالک قانوناً مدد کرے گا اور اس طرح ریاست اسلامی بھی اسے زکوٰۃ کی مد سے مالی معاونت فراہم کر کے اسے آزادی دلائی گے یہ بھی ایک انقلابی قدم تھا جس کو قانونی طور پر رائج کیا گیا۔ مکاتب کے حق کی وجہ سے حضرت جویریہ کے حضور کے نکاح کے بعد تقریباً ایک سو خاندان کے افراد نے غلامی سے نجاعت حاصل کی۔

(۹) بہت سارے جرائم کی سزا (کفارہ) کے طور پر غلام کو آزاد کرانا ضروری تھا مثلاً ظہار، روزہ توڑنا، حلف یعنی قسم وغیرہ۔ تفصیل کے لئے کتب فقہ سے رجوع کریں اور اس میں غیر مسلم بھی آزاد کیا جاتا ہے اگر مسلمان غلام نہ ہو۔ (بحوالہ تفسیر

عثمانی آیت 89، سورۃ المائدہ)

(۱۰) کسی غلام کو آزاد کرانا گویا خود کو جہنم کی آگ سے آزاد کرانا ہے اس طرح دولت مند مسلمان غلاموں کو غلامی سے نجاعت دلاتے تھے۔غلام عورتوں کے لئے پردہ کی پابندی نہیں تھی اور چونکہ وہ معاشی طور پر بازاروں میں گھومتی تھیں اسلئے سزاؤں میں بھی ان کی تخفیف (کمی) تھی کیونکہ ان کے معاشی اسباب کی وجہ سے ان کی مجبوری ہوتی تھی یہ بھی عدل کا تقاضا تھا جو اسلام نے غلاموں کے لئے رکھا۔حضور نے ایک حدیث کے ذریعے حکم دیا کہ غلاموں کو وہی کھانا دو جو تم کھاتے ہو ویسے ہی کپڑے بناؤ جیسے تم خود پہنتے ہو۔یہی وجہ ہے کہ روایتی غلامی اسلامی مملکتوں میں ختم ہوگئی۔لیکن اب بھی افریقی جنوبی امریکی اور ایشیائی ممالک جہاں معاشی مسائل میں وہاں انسان مجبور وقہور ہیں اور ایک قسم کی غلامی کی زندگی بسر کررہا ہے جبکہ موجودہ نظام حکومت آج سے چودہ سو سال پرانے سے کئی گنا زیادہ منظّم، طاقتور اور ریاستیں مضبوط ہیں یہ اسلامی اصول اور طریقہ موجودہ فلاحی ریاست کے نظریات کی نہ صرف بنیاد ہیں بلکہ مکمل طریقہ کار ہیں۔

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓـئًا مَّرِیۡٓـئًا

[4:4]

اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے (فریضہ جان کر) ادا کیا کرو پھر وہ اگر اس (مہر) میں سے کچھ تمہارے لئے خوشی سے چھوڑ دیں تو اسے سازگار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔

ادائیگی مہر جاہلیت میں:۔

اسلام سے پہلے عورتوں کے مہر کے بارے عجیب وغریب طریقہ رائج تھا جو عورتوں کے حق کے خلاف ان سے شادی کرنے والوں یا انکے والیوں کے لئے فائدہ مند تھا۔عورت کے والی اول تو خود مہر لے کر نکاح کروادیتے اور وہ عورت کو ادا نہ کرتے اگر موقع پر مہر نہ ادا ہوتا تو خاوند زبردستی عورت سے معاف کروا لیتے کیونکہ عورت کو معلوم تھا کہ مہر کی ادائیگی تو نہیں ہوگی اور مطالبہ کیا تو گھر کے حالات بھی خراب ہوں گے اور ظلم کا نشانہ ہوں گی اور دوسری طرف اگر خاوند مہر پیش کرتا اور عورت مہر لے لیتی تو مزید ظلم کا شکار بن جاتی اور اس طرح دکھلاوا کے طور پر کہہ کر مرد معاف کروا لیتے اس طرح عورت اپنے اس حق سے محروم رہتی۔

اسلام نے ان صورتوں کو غیر قانونی قرار دیا اور ان کو ممنوع قرار دے کر اسکا حکم دیا کہ مہر ادا کیا جائے۔اسلئے فقہ حنفی مین مہر کی تعین نکاح مین شرط ہے۔اسکے بعد جہاں تک معاف کرنے کا حق وہ عورت کو دیا ہے لیکن ساتھ شرط عائد کردی کہ جاہلیت کا طریقہ ختم ہوجائے اور الفاظ "فان طبن لکم" اپنی خوش دلی کے ساتھ یعنی کوئی خارجی وسماجی دباؤ نہ ہو تو معافی جائز ہے

طبن کا مطلب طیب نفس یعنی اپنی ذاتی خوشی کے ساتھ ہے اور اس صورت میں اسکا استعمال مرد کے لئے خوش گوار بھی ہے فائدہ مند بھی ہوگا۔ اس سے ایک اور نکتہ مقصود ہے کہ شاید استعمال سے بظاہر تم فائدہ سمجھو لیکن اگر عورت نے خوش دلی سے نہیں دیا تو یہ تمہارے لئے نہ سود مند ہوگا بلکہ ایک ظلم کا سبب بنے گا اس لئے اس سے بچو۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر اور قاضی شریح کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو پورا مہر یا اس کا کوئی حصہ معاف کر دیا اور بعد میں وہ اس کا پھر مطالبہ کرلے تو شوہر کو اس کے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ اسکا مطالبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے مہر یا اسکا کوئی حصہ چھوڑنا نہیں چاہتی۔(بحوالہ روح المعانی از علامہ الوسی)

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا [5:4]

اور تم نادانوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری معیشت کا سہارا بنایا ہے ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کرو۔

اسلامی تحفظ اموال:۔

پچھلی آیات میں عورتوں کے مہر اور ادائیگی کے بعد ان افراد کے اموال کی حفاظت کا ذکر ہے جو کہ ابھی زندگی کی اس سطح تک نہیں پہنچے کہ اپنے مال کی حفاظت و انتظام کرسکیں مثلاً یتیم بچے یا فیملی کے مخبوط الحواس افراد ریاست کے ساتھ ان کے والی یا متعلقہ خاندانی افراد کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کے مال کی حفاظت کی جائے۔

اس آیت کی روشنی میں مالی انتظام کی اہمیت واضح کی گئی ہے کہ معاشی یا مالیاتی ذرائع انسانی زندگی کے وجود و قیام میں بہت اہم ہیں اور ان کی حفاظت کی جائے۔ اور ذرائع آمدن کی حفاظت اور صحیح استعمال کیا جائے اور اس کام کی اہلیت رکھنے والوں پر بھروسہ کیا جائے تاکہ ان میں کمی یا نقصان نہ ہو۔ یہ تعلیمات کے صرف یتیموں یا ذہنی طور پر کمزور افراد کے لئے ہیں لیکن عمومی طور پر انتظامی امور کے طور پر لاگو کیا جاسکتا ہے کہ اس کام کے لئے صاحب اہلیت افراد منتخب کئے جائیں۔ یہ اسلامی مالیاتی مینجمنٹ کا انتہائی اہم اصول ہے اسلامی مضاربہ کا یہی اصول ہے کیونکہ جن افراد کے پاس کاروباری انتظامی صلاحیت ہے وہ کاروبار کو چلائیں گے اور جن کے افراد کے پاس نقدی ہے وہ ان کو نقدی دیں۔ اسطرح کاروبار چلے گا۔

عمومی طور پر یہ ایک تاثر ہے کہ اسلام دولت کے خلاف ہے لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ دولت ایک نعمت خداوندی ہے۔ اسکا استعمال اچھا یا برا ہوتا ہے اسلئے اپنے مال کی حفاظت فرض ہے اور ایک حدیث کے مطابق ''کہ جو مال کی حفاظت کرتے ہوئے مقتول ہو جائے وہ شہید ہے (ثواب کے اعتبار سے)''۔ مال کے استعمال کی وضاحت کے بارے میں حدیث ہے کہ

"نعما المال الصالح للرجل الصالح" اچھا اور پاکیزہ مال بہترین متاع حیات ہے" (مشکوٰۃ)

مال کے بارے جو صوفیاء کے نفرت کے الفاظ وارد ہیں اس کی وجہ یہ ہے جس قدر مال زیادہ ہوگا اسی قدر امکانات ہیں کہ اس کا استعمال اسراف، نمود ونمائش اور اعلیٰ اقدار پر خرچ کرنے کے بجائے کمزور اور معاشرتی نقصان دہ امور پر ہوتا ہے اگر معلومات اکھٹی کی جائیں تو واضح ہوگا کہ اکثر مالدار لوگ صرف اس مال کو اپنی ذات یا اولاد تک محدود رکھتے ہیں بلکہ اس مین اپنے مال میں اضافہ کیلئے غیر قانونی اور غیر اخلاقی اعمال بھی سرانجام دیتے ہیں۔ تو یہ نفرت ایسی حالت سے حفظ ما تقدم (بچاؤ) کے طور پر ہے۔ شرعی نقطہ نظر نہیں۔ حضورﷺ کی ایک حدیث ہے کہ "تنگدستی انسان کو بسا اوقات کفر پر مجبور کردیتی ہے۔ (مشکوٰۃ) اسکی تشریح میں حضرت سفیان ثوری نے فرمایا کہ ''زمانہ سابق میں مال کو پاس رکھنا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن یہ آج مومن کی ڈھال ہے نیز انہوں نے فرمایا" من کان فی یدہ من ھذہٖ شیئاً فلیصلحه. فان زمان ان احتاج کان اول من یبذل دنیه" یعنی جس کے پاس دراہم ودنانیز میں سے کچھ موجود ہو اسے چاہیے کہ اس مال کو مناسب طریقہ پر کام میں لائے "ورنہ دین دے بیٹھے گا''۔ یہ تمام تعلیمات اسلام میں مالیاتی امور کے اہتمام اور طریقہ کار کو واضح کرتیں ہیں۔

تجارتی بنیادوں پر سرمایہ کاری:۔

ایک دوسرا اہم اصول برائے تحفظ مالیات ہے کہ سرمایہ کو محفوظ اس طرح رکھا جائے کہ اسکی سرمایہ کاری سے معقول منافع حاصل ہو جس سے سرمایہ کاری کرنے والا فائدہ اٹھائے اور سرمایہ بھی محفوظ رہے اسکے لئے الفاظ "وارزقوھم فیھا واکسوھم'' یعنی اس سرمایہ سے رزق (کھانا) اور لباس (دوسرے اخراجات) حاصل ہوسکیں۔

شفافیت:۔

صاحب مال / سرمایہ کو معلومات میں شفافیت (Transprency) کا عمل بڑا ضروری ہے کہ صاحب مال کو اسکے مال اور منافع کے اور اس کے استعمال کے بارے پوری پوری صحیح معلومات صحیح انداز اور وقت پر پہنچائیں تاکہ کسی قسم کی شکوک شبہات پیدا نہ ہوں اور تنازعات نہ اٹھ سکیں۔

وَ ابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ ۚ وَ لَا تَاۡکُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّ بِدَارًا اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا ؕ وَ مَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَ مَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَیۡهِمۡ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیۡبًا [6:4]

اور یتیموں کی آزمائش (پختگی کی) کرتے رہو۔ یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) تک پہنچ جائیں پھر اگر ان

میں ہوشیاری (اہلیت) دیکھ لوتو ان کے مال ان کے حوالہ کردو اور ان کے مال فضول خرچی اور جلد بازی میں (اس خوف سے) نہ کھاؤ کہ وہ بڑے ہوکر (واپس) لے جائیں گے۔ اور جو مال دار ہو وہ (یتیم کے مال سے) بچا رہے استعمال نہ کرے اور جو غریب ہو اسے (صرف) ضروری حد تک کھانا چاہیے اور تم ان کے مال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ بنا لو اور اللہ حساب لینے کیلئے کافی ہے۔

ذہنی پختگی برائے مالی امور:۔

مالیاتی انتظام کے سلسلہ میں یتیموں کے اموال کی حفاظت و اہتمام کے بارے ذکر فرمایا گیا ہے پچھلی آیت عمومی حکم تھا عورتوں۔ بچوں۔ ذہنی طور پر کمزور لوگ اور یتیم بچے لیکن یہ ایات جہاں یتیموں کے اہتمام کے بارے تعلیمات دیتی ہیں وہیں مالیاتی امور میں اہتمام کے چند اصول بھی واضح کرتی ہے۔

والی یا ٹرسٹی کا معاوضہ:۔

تحفظ اموال کے ہی موضوع پر یہ حکم دیا کہ یتیموں کو مال حوالے کرنے سے پہلے اس بات کی تسلی کرلو کہ وہ اسے مال و متاع جو ان کی زندگی کی بقاؤ معاش کا اہم حصہ ہے کہیں ضائع نہ کردیں۔ اور جب ان میں تم بلوغت ذہنی یا فیصلہ کرنے میں سمجھداری دیکھ لوتو ان کو مال واپس کردو کہ وہ خود اس کا انتظام و کنٹرول کریں۔ عمومی طور پر بلوغت کی عمر یعنی سولہ یا اٹھارہ سال ہی کافی ہے لیکن پھر بھی احتیاط کے طور پر ان کی سمجھ کو پرکھنا ضروری ہے اسکے بارے بہتر یہ ہے کہ بارہ یا چودہ سال کے بعد ان کو ان کے معاملات میں آہستہ آہستہ شامل کیا جائے تاکہ وہ ساتھ ساتھ تجربہ بھی حاصل کریں اور ان کی پختگی آراء کا بھی پتہ چلتا رہے اور اس طرح ان کو سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں ان کی ملکیت یا اثاثے واپس کردے جائیں۔ اب یہ پختگی کا درجہ ایک داخلی یا ذاتی فیصلہ ہے اسلئے اس میں کسی قسم کی ذاتی اعراض کی خاطر غلط استعمال روکنے کیلئے علماء نے کہا ہے کہ پچیس سال (یعنی مزید ۹ سال کا احتیاطاً اضافہ کیا ہے) کے بعد حوالہ کردینا ضروری ہے۔ اسکے بارے حضرت عمر کا ایک قول راہنما ہے کہ ذہنی پختگی پچیس سال میں آتی ہے (روح المعانی)

دوسرا اہم اصول مالیاتی حقوق و کنٹرول اسکے مالک کو فوری طور پر ٹرانسفر کرنا ہے تاکہ خواہ مخواہ قانونی جھگڑے نہ پیدا ہوں اسلئے ادفعوا، امر (حکم) کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ اسی وجہ سے پچیس سال کے بعد ہر صورت میں منتقل کرنا ضروری ہے اور اگر کسی دائمی نقص عقل و فہم مین مبتلا ہے تو ریاست اسکے لئے بطور والی کام کریگی۔

اصول نگہداشت (Custodianship):۔

ایک اور اہم اصول سرمایہ کی صحیح نگہداشت ہے سرمایہ کو اس وجہ سے سارا استعمال نہ کیا جائے کہ اسکا مالک بلوغت پر ان

سے لے لے گا اور وہ اس فائدہ سے محروم ہوں گے جو اٹھا رہے ہیں لہذا حق خدمت کے نام پر سارا استعمال کر لیں اور تھوڑا چھوڑ دیں (اسکے بارے سورۃ ال عمران میں بھی ذکر آیا ہے) لہذا حق معاوضہ انتہائی قلیل مقدار میں ہونا چاہیے وہ بھی اس فرد کے لئے جسکے پاس اپنے گزارہ کے لئے اموال یا ذریعہ معاش نہ ہو۔ اگر اسکی معاشی حیثیت صحیح رہے تو اسمیں یتیموں کا مال میں سے معاوضہ نہ لے۔اور اگر نگہبان غریب ونادار ہو تو صرف ضروری حد تک لے۔حضرت عمرؓ کے بارے مشہور ہے آپ نے فرمایا کہ میں بیت المال سے صرف اپنا معاوضہ بہت تھوڑا لوں گا اور اگر مجھے کہیں سے آمدن ہوگئی تو جو استعمال کیا ہے واپس کر دوں گا۔

یہ اصول سرمایہ کاری کی کمپنیوں کیلئے بھی ہے کہ وہ حصہ داروں کو پورا پورا منافع تقسیم کریں اور خود بڑے بڑے بونس یا بھاری تنخواہوں اور مراعات میں سارا منافع نہ استعمال کر دیں۔

ایک اور اصول دستاویزی ثبوت ہیں(Documantation) یہ اسلامی تعلیم ہے کہ سرمایہ سپرد کرتے وقت گواہ بنائے جائیں اور اسکو تحریر کر لیا جائے تا کہ مستقبل میں ایک سند رہے اور آگے فرمایا کہ اگر تم نے اصول نظر انداز کر دگے یا ان میں کمی اور کوتاہی کر دے تو اللہ تعالیٰ حساب وکتاب لینے میں کافی ہے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ممکن ہے کہ مالک سرمایہ سے تم بچ بچا کر لو لیکن خدائے علیم وخبیر تم کو ضرور پکڑے گا۔

قوانین تحفظ واہتمام Prudential Regulation :۔

ان روایات سے درج ذیل اصول واضح ہوئے ہیں

(۱) مالی اثاثہ جات کا پوری طرح حفاظت واہتمام کیا جائے۔

(۲) ان کو تجارت وسرمایہ کاری میں استعمال کیا جائے تا کہ معاشی ترقی کا ذریعہ ہیں۔

(۳) ان کا اہتمام اور کنٹرول ان کے افراد کے سپرد کیا جائے تو اسکی اہلیت وتجربہ رکھتے ہیں۔

(۴) نفع کو فوری طور پر ان کے مالکان میں تقسیم کیا جائے اور انہیں ساری معلومات فراہم کی جائیں۔

(۵) اخراجات کو کنٹرول اور معاوضہ خدمت کو حقیقی بنیاد پر لیا جائے اور سارا نفع حق معاوضہ میں استعمال نہ کیا جائے۔

(۶) سرمایہ یا اثاثہ کو اسکے مالک کی طلب یا ختم مدت ہونے پر فوراً منتقل کیا جائے۔

(۷) تمام معلومات کو مستندات کی صورت میں رکھا جائے اور متعلقہ افراد کو فوری مہیا کی جائیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا [7:4]

مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ گئے اور عورتوں کے لئے بھی اس مال

میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ گئے۔ خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا[8:4]

اور جب تقسیم وراثت کے وقت موجود ہوں (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور مساکین تو اس میں انہیں بھی دو اور ان سے اچھی طرح بات کرو۔

عورتوں اور یتیموں کے بعد مرنے والوں کے اموال کی تقسیم کے احکامات کے ذکر کئے ہیں تاکہ معاشی اور معاشرتی انصاف اور استحکام رہے۔ اسلام سے قبل معاشروں میں عمومی طور پر بچوں اور عورتوں کو ترکہ (مرنے والے کا مال) سے محروم رکھا جاتا اور صرف مرد یا بالغ بچے لے لیتے اسلام نے اس بے انصافی کا ایک سماجی انصاف کی بناء پر ازالہ کیا اور حتمی قوانین بنائے۔ اس طرح مردوں کی طرح عورتوں کا بھی علیحدہ حصہ وحق ہے پھر رشتہ دار جو رشتہ ولادت کے ذریعے منسلک ہیں اور اسکے بعد یا ان کی عدم موجودگی میں دور کے رشتہ دار جن سے رشتہ ہے۔ وہ ہیں اسکے علاوہ بھی سماجی انصاف اور تفریق کو ختم کرنے کیلئے غیر وارث رشتہ داروں اور غریبوں یا محتاجوں کے بھی ایک معین حصہ مقرر نہیں کیا کیونکہ قریبی رشتہ داروں کے حصہ کو کم کر دیتا جو شاید زیادہ معاشی طور پر مستحق ہوتے لیکن پھر دور کے رشتہ دار اور محتاجوں کو اضافی طور پر شامل کر دیا اور اس تعین ورثاء پر چھوڑ دی۔

تقسیم ترکہ کا اصول (معیار) معاشی محتاجی نہیں کیونکہ یہ کیفیت بدلتی رہتی ہے آج کا امیر کچھ سال بعد فقیر ہو سکتا ہے اور آج کا فقیر کچھ سال بعد امیر بن سکتا ہے لیکن رشتہ کا تعلق ایک دائمی رہتا ہے باپ، بیٹا، بیٹی۔ اسلئے رشتہ داری کو وراثت کیلئے بنیاد بنایا ہے اور پھر قریبی کے بعد دور کا حق دیا ہے۔ رشتہ داری کی بنیاد کی وجہ سے انسانوں میں نفسیاتی طور پر خودغرضی اور ذات پسندی کے بجائے ہم آہنگی، باہمی محبت، لگاؤ اور صلہ رحمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو تکلیف اور راحت کے دوران کام آتا ہے۔ یہ محبت اور اخوت کا جذبہ صالح (پر امن معاشرے کے لئے ضروری ہے۔

اصول وراثت:۔

(۱) وراثت مردوں اور عورتوں کے لئے دونوں کا حق ہے۔ (۲) یہ تمام ترکہ پر لاگو ہوتا ہے تعداد یا معیار نہیں بلکہ کم ہو یا زیادہ جو بھی ہے۔ (۳) قریب کے رشتہ دار کا دور کے رشتہ دار سے پہلے حق ہے۔ (۴) یہ تمام ترکہ (منقولہ، غیر منقولہ، زرعی، صنعتی وغیرہ) کیلئے ہے۔ (۵) میراث موت کے بعد لاگو ہوگی یعنی مال چھوڑ کر جائے (وفات کے بعد)۔

معاشی تفریق کا ازالہ:۔

اخلاقی ، معاشرتی اور معاشی ضروریات کے لئے اور معاشرے میں مساوات کے پیش نظر غیر حصہ دار (وارث) اور معاشرے کے محروم افراد کے لئے خیال کا حکم دیا ہے۔ اس تقسیم کا مقصد دولت کے چند ارتکاز کا روکنا ہے اور ہر حصہ دار کو اس کا حق دینا ہے۔ بعض اوقات حصص کے سائز تقسیم در تقسیم سے بہت کم ہو جاتے ہیں اس صورت ریاست ایک بنیادی اکائی مقرر کرے جس کو مزید تقسیم نہ کیا جائے۔ حصہ داروں میں نزاع کی صورت میں جو حصہ دار زیادہ محتاج ہے، کو دے اور دوسرے حصہ داروں کو معاوضہ کی صورت پیدا کرے۔ میراث کی تفصیلات فقہی کتابوں میں درج ہیں۔

وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا [9:4]

اور لوگوں (والی افراد) کو اس (خیال سے) ڈرنا چاہیے کہ وہ اگر اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو ان بچوں کے متعلق کتنے پریشان ہوتے پس وہ ڈریں اللہ سے اور ایسی بات کہیں جو بالکل درست ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا [10:4]

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم (ناحق) کے ساتھ کھاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں پھینکے جائیں گے۔

یتیموں کی حفاظت:۔

قانون وراثت ی بنیاد کے بعد معاشرے کے کمزور ترین افراد کے حقوق کے تحفظ کا حکم ایک بڑے سادہ اور واقعاتی انداز میں دیا ہے۔ معاشرہ میں کمزور ترین افراد یتیم بچے ہیں جنکے حقیقی محافظ، پیار کرنے والے اس دنیا سے چلے جاتے ہس اور پھر وہ اپنے سرپرستوں (والیوں) کے رحم پر چھوڑ دیے جاتے ہیں اس طرح کے احکام سورۃ بقرہ، سورۃ ال عمران میں بھی آچکے ہیں۔

انصاف اور خوف خدا:۔

آیت میں ایک عملی انداز بتایا گیا ہے کہ آپ اپنے بچوں کے لئے جس طرح فکرمند ہوں گے کہ تمہاری موت کے بعد ان کا کیا ہوگا اسی طرح کا احساس کر کے ان کے متوفی ورثہ کو تقسیم وحفاظت کرو۔ اور بالکل حق اور انصاف کے ساتھ ان کا معاملہ کرو کیونکہ کل تمہارے بچوں کے ساتھ بھی ایسا معاملہ پیش آسکتا ہے اسلام نے تمام امور میں ایک معیار رکھا ہے جو انتہائی اہم اور

اسان ہے وہ ہے دوسروں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو۔ یہ معیار ہر معاشرہ میں انصاف کا ضامن ہے۔اللہ کے خوف کا اعلان کر کے حق و انصاف کی اہمیت واضح کی ہے کہ وراثت کی تقسیم ہو یا کوئی وصیت کا موقعہ ہمیشہ صحیح اور حق کی بات کرنی چاہیے تاکہ تقسیم کرنے والا یا وصیت کرنے والا اگر کوئی کسی وجہ سے غلطی کر رہا ہے تو اس سے رک جائے۔ بالخصوص جب ورثاء کو نقصان کا اندیشہ ہو۔

اگلی آیت میں واضح طور پر حکم دیا ہے کہ یتیم کا مال کھانا گویا پیٹ میں آگ بھرنا ہے اور اسکا انجام جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم کو خاص دوضعیفوں کے مال سے بچنے کی تنبیہ کرتا ہوں المراۃ والیتیم ۔یعنی عورت اور دوسرے یتیم بچے۔اسی طرح ایک اور روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک قوم قیامت کے روز یتیم کا مال ناحق کھانے والے اس حالت میں اٹھائیں جائیں گے کہ پیٹ کے اندر سے آگ کی لپیٹیں ان کے منہ ناک کانوں سے نکل رہی ہوں گی (بحوالہ روح المعانی)

یہ سارا اہتمام اسلام نے معاشرے کے کمزور طبقات کے لئے اور سماجی طور پر محروم اور کمزور افراد کے لئے کیا ہے۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا [4:11]

اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے (مرد) کا حصہ دو لڑکیوں (عورت) کے برابر ہے۔اگر صرف دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو ان کے لئے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا۔اگر اس (مرنے والا) کی اولاد ہو تو ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اگر اسکی (مرنے والے کی) کوئی اولاد نہ ہو تو اس کے وارث صرف ماں باپ ہوں۔ ماں کو تہائی (بقایا والد کا حصہ ہے ملے گا۔اگر (مرنے والے) کے بہن بھائی تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے یہ (تقسیم وراثت) اسکی وصیت (پورا کرنے) اور اسکے قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ہوگی)۔تم نہیں جانتے کہ تمہاری اولاد یا والدین میں سے کون بلحاظ نفع (فائدہ) قریب تر ہے۔ یہ (تقسیم وراثت) اللہ کی

طرف ہے فریضہ (مقرر) ہے۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

آیت نمبر ۷ میں وراثت کا تذکرہ تھا جسکی تفصیل ان ایات میں کر دی گئی ہے عمومی احکام کے بعد خصوصی اور تفصیلی احکام کا ذکر فرمایا۔

احکام وراثت اور عورتوں کی اہمیت:۔

جب وراثت کا ذکر کیا تو عورت کے حصہ کو بنیاد بنایا کہ مرد کو عورت کے مقابل دگنا ملے گا جسکا مطلب ہے کہ عورت کا حصہ ہوگا تو مرد کو اسکے مقابل دگنا ملے گا۔ یہ اس معاشرہ کے لحاظ سے ایک انقلاب تھا جہاں عورتوں کو تمام حقوق بالخصوص وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا چونکہ اسلامی نظام خاندان میں کفالت کا ذمہ مرد پر ہے اور عورت کو اپنے رہنے اور کھانے کی فکر نہیں ہوتی اسلئے اسکا حصہ مرد کے مقابل میں نصف رکھا گیا ہے اسلئے عورتوں کو حصہ نہ دینا قرآنی احکام کی شدید خلاف ورزی اور جرم ہے۔

حقوق واجب الاداء قبل از میراث:۔

چند ایسے حقوق ہیں جو کہ میراث کی تقسیم سے زیادہ فوقیت رکھتے ہیں یعنی اہم ہیں۔

(۱) کفن ودفن کے اخراجات (متوسط درجہ) پر ترکہ سے کئے جائیں گے۔

(۲) متوفی کے قرض کو ادا کیا جائے گا۔

(۳) متوفی کی وصیت پر عمل کیا جائے گا لیکن دوسرے افراد (ورثاء) کے حقوق کے پیش نظر کل ترکہ کے 1/3 سے زیادہ پر وصیت نافذ العمل نہیں ہوگی۔

(۴) اسکے بعد بقیہ ترکہ ورثاء میں احکام وراثت (علم وفرائض) کے مطابق تقسیم ہوگا۔

احکام وراثت کی تفاصیل علم الفرائض (وراثت) کی کتب میں موجود ہے یہاں صرف ایات کی تفصیل کے مطابق درج ہے۔

ترکہ کی تقسیم کا اصول رشتہ داری (قرابت داری) کی بناء پر ہے۔ اس میں والدین، اولاد اور بہن بھائی شامل ہیں۔ اسکی تفصیل یہ ہے مرد کا حصہ عورت کے مقابل دگنا ہے۔

(۱) اگر مرنے والے کا لڑکا یا لڑکے نہ ہوں تو وراثت میں اگر ایک لڑکی ہے تو اسکو نصف ملے گا اور باقی نصف دوسرے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

(۲) اگر مرنے والے کی دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہیں تو وہ 2/3 حصہ لیں گی اور باقی حصہ ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

(۳) اگر والدین زندہ ہیں تو والد کو 1/6 اور والدہ کو 1/6 ملے گا۔ اور باقی اولاد میں تقسیم ہوگا۔ مرد کو عورت سے دگنا۔

(۴) اگر صرف ماں باپ ہوں تو والدہ کو 1/3 اور بقایا والد کو یعنی 2/3 حصہ ملے گا۔ (شوہر یا بیوی نہ ہو)

(۵) اگر مرنے والے کے بہن بھائی ہیں تو والدہ کا حصہ 1/6 ہوگا باقی والد کو ملے گا۔

حصص کی تفصیل کیلئے کتب فقہ سے رجوع کریں یہ فقہ حنفی کے مطابق ہیں یہ اصول (تقسیم) ضروری ہیں۔ اسکی بنیاد کسی انفرادی مالی فائدہ پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرابت وضرورت کی بناء قائم فرمائی ہے، کوئی کس کے لئے کس قدر مفید ہوگا۔ یہ ایک مستقبل کے بارے ہمارا اندازہ حقیقت حال سے مختلف ہوتا ہے جس سے علیم وخبیر واقف ہے اس لئے ہمیں اس کے احکام پر یقین ہونا چاہیے۔

اسلام سے قبل جس قدر بھی تہذیبیں یا مذاہب گزرے ہیں جس میں ہندومت، بدھ مت، یہودیت اور مسیحیت شامل ہیں کسی نے بھی عورت کو حق ملکیت نہیں دیا بلکہ اسے صرف اور صرف مرد کے تابع بغیر حقوق ملکیت کے رکھا ہے اسی طرح پہلے کی تہذیبیں۔ مصری۔ بابل۔ رومی۔ سب میں یہی کیفیت وحالت رہی۔ یونانی عورت (ایتھنز کی) ہمیشہ ایک نابالغ کی طرح تصور کی جاتی اور اپنے گھر کے مرد فرد (باپ، بھائی یا دوسرے مرد رشتہ دار) کے ماتحت تصور کی جاتی (بحوالہ تہذیبوں کی تاریخ History of Civilizaition by Allen E.A. Vol-3) اسی طرح کی حالت رومن اور سکینڈے ینون ممالک کی عورتوں کی بھی تھی۔ اسی طرح انڈین عورتیں بھی ماتحت تصور کی جاتیں (تفصیل کے لئے انسائیکو پیڈیا بریٹیکا جلد 28) صرف یہ اسلام کا مذہب تھا جس نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک مکمل انقلاب لایا جو دور جدید کے حالات کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

وَ لَکُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَکَ اَزۡوَاجُکُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَہُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ وَ لَہُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّکُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ وَلَدٌ فَلَہُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ تُوۡصُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ وَ اِنۡ کَانَ رَجُلٌ یُّوۡرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امۡرَاَۃٌ وَّ لَہٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡ ذٰلِکَ فَہُمۡ شُرَکَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصٰی بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ۙ غَیۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِیَّۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَلِیۡمٌ [12:4]

اور تمہارے لئے اس (مال) میں جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں ادھا حصہ ہے اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اور پھر اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارا ایک چوتھائی حصہ ہے اس وصیت (کو پورا کرنے) کے بعد جو انہوں نے کی یا قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور تمہاری بیویوں کا تمہارے ترکہ (چھوڑا ہوا مال) میں چھوتھائی کی حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو اور اگر اولاد ہو تو ان (بیویوں) کا حصہ اٹھواں (1/8) ہے یہ تمہاری وصیت پوری کرنے یا (تمہارے) قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اگر کسی ایسے مرد یا کلالہ (جس کے نہ ماں

باپ ہوں نہ کوئی اولاد) کی وراثت تقسیم کی جارہی ہو اس کا ایک بھائی ایک بہن (ماں کی طرف) تو ان دونوں میں ہر ایک کو ایک چھٹا (1/6) حصہ ہے اور اگر وہ بہن بھائی زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی (1/3) حصہ میں شریک ہوں گے۔ یہ (تقسیم) اس وصیت کے بعد ہوگی جو (وارثوں کو) نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ خوب علم وحلم والا ہے۔

عورت اور مرد کی وراثت:۔

لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین اور بھائی بہن کے حصص کے بعد میاں بیوی کے آپس کے وراثت کے حصے کا ذکر کیا ہے۔(۱) کہ اگر بیوی مر جاتی ہے اور اسکی کوئی اولاد نہیں تو مرد کو اسکے ترکہ کا ادھا ملے گا اور باقی بیوی کے رشتہ داروں (بہن بھائیوں) میں تقسیم ہوگا۔ (۲) اگر بیوی کے بچے ہوں تو مرد کو اسکا 1/4 (چوتھائی) ملے گا باقی اسکا ترکہ اسکے دوسرے ورثاء بچوں اور بھائیوں میں تقسیم ہوگا۔ اولاد خواہ اس مرد سے ہو یا اس سے پہلے کسی خاوند سے ہو۔ (۳) اگر مرد مر جاتا ہے اور اسکی کوئی اولاد نہیں (نہ اس بیوی سے اور نہ کسی دوسری بیوی سے) تو بیوی کو اسکے ترکہ کا 1/4 (چوتھائی) ملے گا اور باقی دوسرے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ (۴) اگر مرد کی اولاد ہو خواہ اس عورت سے یا کسی اور عورت سے تو بیوی کو 1/8 حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہو تو بھی وہ 1/8 (اٹھواں) حصہ میں برابر کی شریک ہوں گی اور باقی کا حصہ اسکی اولاد اور ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا۔ (۵) ان سارے عمل تقسیم ورثہ میں مرنے والے کی وصیت یا قرض کو پہلے ادا کیا جائے گا اور اسکے بعد ترکہ تقسیم ہوگا اور اگر مرنے والے مرد نے مہر ادا نہیں کیا تو مہر کی ادائیگی قرض کے ساتھ ہوگی اور عورت کے لئے وراثت اس سے علیحدہ ہوگی۔

آیت کے اگلے حصہ میں اس مرد/عورت کے ترکہ کا ذکر ہے جسکی کوئی اولاد یا فوری وارث موجود نہ ہو اسے عربی میں کلالہ کہتے ہیں۔

قریبی وارث نہ ہونے والے کی وراثت:۔

آیت مبارکہ میں ان افراد کے ترکہ کی وراثت کے بارے ذکر ہے جن کے انتہائی قریبی رشتہ دار نہیں ہوتے مثلاً والد، والدہ، بیٹا، بیٹی، لہٰذا چونکہ انتہائی قریبی رشتہ دار نہیں ہوتے لہٰذا ایسے آدمی کا ورثاء کے بارے مختلف خیال ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اس طرح فرمایا ہے کہ (۱) اگر اسکا ایک بہن بھائی ماں کی طرف سے ہے (اخیافی بہن بھائی) تو اس کو 1/6 حصہ ملے گا اور اگر بہن ہے تو اسکو 1/6 ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہوں یعنی دو۔ تین۔ چار تو ان سب کو ایک تہائی 1/3 ملے گا باقی وصیت کے مطابق تقسیم ہوگا۔ (اس صورت میں مرد اور عورت برابر ہیں)

اس آیت سے صرف اخیافی (ماں کی طرف سے) بہن یا بھائی کا حصہ 1/6 کا ذکر ہے۔ جو والد کی طرف سے ہیں ان کا ذکر علیحدہ

آگے آئے گا۔

وصیت اور دین قرضہ کے اصول:۔

چونکہ ایسا شخص جسکا انتہائی قریبی رشتہ دنیا میں موجود نہ ہو تو اسے دوسرے رشتہ داروں کا تعلق کمزور نظر آتا ہے اور اسکی ترجیحات میں دوسرے امور آجاتے ہیں جن کو وہ وصیت یا قرض بنا کر مال استعمال کرنا چاہتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وصیت کرتے وقت دور کے رشتہ داروں کے حقوق کو نظر انداز نہ کیا جائے کہ اولاد اگر نہیں ہے یا ماں باپ نہیں ہیں تو بھائیوں کا بھی خیال رکھا جائے۔ اسلئے حضور علیہ السلام نے صرف وصیت کو ایک تہائی تک محدود فرما دیا اگر ایک تہائی سے وصیت زیادہ ہوگی تو صرف ایک تہائی تک نافذ ہوگی اور باقی قانون وراثت کے مطابق ہوگا۔ ان تمام حالات میں قرض کی ادائیگی سب سے پہلے ہے اور اگر یہ معلوم ہو جائے یہ قرض فرضی بنا کر ورثاء کو محروم کیا گیا ہے تو یہ قرض یا ایسی وصیت جو 1/3 سے زیادہ ہو اسلامی اصول انصاف کے مطابق "مضار" نقصان دہ ہوگی اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا لیکن اسکے لئے ورثاء کو شواہد پیش کرنے پڑیں گے۔

دوسری طرف چونکہ وارث کو ترکہ سے حصہ مل رہا ہے اسلئے وارث کے حق میں وصیت ممنوع ہے کہ اسے وصیت بھی ملے اور وراثت بھی ملے اس طرح دوسرے ورثاء کیلئے حصہ کم ہو جائیگا۔ یہ بھی وصیت "مضار" میں شامل ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا" کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو حق دیا ہے پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت معتبر نہیں (مشکواۃ بحوالہ ابوداؤد)۔

اگر آدمی ایسے شخص کو قتل کردے جسکی وراثت کا وہ وارث بن سکتا ہے تو اسکو اسکی وراثت میں سے حصہ نہیں دیا جائیگا۔ ہاں اگر واقعہ قتل خطاء ہو تو مستثنیٰ ہے۔ اس کا مقصد لالچ کے سبب انسان کا خون کرنے کے امکان کو ختم کرنا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تقسیم حصص جس نے دی ہے وہ علیم ہے جو سارے راز جانتا ہے اور حلیم ہے بعض اوقات وہ خود ہی سزا نہیں دیتا لیکن اسکا عدل سب سے اہم ہے لہذا کسی بدنیتی کی بناء پر کوئی عمل نہیں ہونا چاہیے کہ حق تلف ہو۔ مکمل تفصیلات کیلئے فقہ کی کتابوں سے رجوع کیا جائے۔

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ[4:13]

یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے گا اسے وہ جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ

مُّهِيۡنٌ[14:4]

اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے باہر نکل جائے وہ اسے دوزخ میں ڈال دے گا ہمیشہ وہاں رہے گا اور اس کے لئے ذلت امیز عذاب ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کی احکام خداوندی کی تعمیل میں اس دنیا اور آخرت میں کامیابی اور انعام کی خوشخبری سنائی اور دوسری طرف انکار کرنے والوں کیلئے عذاب کا اعلان فرمایا کہ ہمیشہ جو احکام پر عمل کرنے والے جنت میں رہیں گے اور عمل نہ کرنے والے جہنم میں رہیں گے۔

مسلمان معاشروں میں بدقسمتی سے میراث (وراثت) سے متعلق اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ بالخصوص پاکستان میں ہندو تہذیب کے شدید اثرات پائے جاتے ہیں اور عورتوں یا بیٹیوں کو محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کو عملاً حصہ نہیں دیا جاتا جو بہت بڑا گناہ ہے۔

وَ الّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا عَلَیۡهِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیۡلًا[15:4]

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان پر اپنے لوگوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ موت آجائے یا اللہ ان کے لئے کوئی (نیا حکم) راہ نکال دے۔

وَ الَّذٰنِ یَاۡتِیٰنِهَا مِنۡکُمۡ فَاٰذُوۡهُمَا فَاِنۡ تَابَا وَ اَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمَا اِنَّ اللّٰهَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا [16:4]

اور تم میں سے (مرد یا عورت) جو بھی اس فعل کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح (اپنی) کر لیں تو انہیں چھوڑ دو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

آیات مبارکہ میں وہ مرد اور عورت جو زنا کے مرتکب ہوں ان کی سزا کا ذکر ہے۔ وہ عورت جو زنا کے مرتکب ہوں پہلے ان کے لئے سزا تھی کہ گھر میں قید رکھا جائے۔ حتیٰ کہ ان کی زندگی ختم ہو جائے۔ اور جو مرد اس کا ارتکاب کرے اسے مارا پیٹا جائے۔ لعنت و ملامت کی جائے اور نفرت کی جائے۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے مزید احکام فرمائے اور ان کے احکام کی جگہ دوسرے احکام سورۃ نور میں نازل ہوئے جس کو نافذ کیا گیا۔

اعمال فاحشہ:۔

اسی طرح اگر مرد لواطت (مرد کا مرد کے ساتھ فعل فاحشہ) میں ملوث ہوں تو ان کے لئے بھی یہی سزا تھی کہ مارا پیٹا جائے لعنت وملامت کی جائے لیکن بعد میں ان کے بھی موت کی سزا پر عملدرآمد ہوا لیکن اگر ایسے افراد سزا کے بعد اپنا اخلاق اور طریقہ زندگی توبہ کی بناء پر بدل دیتے ہیں تو ان سے ان کے ماضی کی وجہ سے کسی قسم کی تفریق نہیں برتنی چاہیے بلکہ ان کو بھی دوسرے افراد کی طرح احترام دینا چاہیے۔

زنا کے جرم کو تمام معاشروں میں برا سمجھا گیا ہے چونکہ سزا سخت تھی اسلئے اسکے ممکنہ ناجائز استعمال کے بچاؤ کے لئے قانونی طور پر شہادت (گواہی) کا اعلیٰ معیار اپنایا گیا کہ چار مرد ایسے واقعہ کے عینی (موقعہ) کے گواہ ہوں جو بہت مشکل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت کم تاریخ میں زنا کی حد نافذ ہوئی ہے صرف اس وقت نافذ ہوئی جب مومن نے خود اقرار کیا۔ چار افراد اسلئے کہ چونکہ دو افراد جرم میں شامل ہیں تو ہر ایک کے لئے دو افراد اگر ہوں تو کل چار افراد کی ضرورت ہوگی۔ مزید چار افراد کا رکھنا دو افراد کے دیکھنے سے کئی گناہ زیادہ مشکل ہے۔ اس طرح سزا کا امکان کم ہو جاتا ہے اور ساتھ ساتھ جھوٹی گواہی کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مرد کے ساتھ مرد کا جنسی عمل بھی غیر فطری ہے اور یہ قوم لوط کا عمل تھا جن کو ختم کر دیا گیا اسلئے اسلام میں اس کی سزا بھی موت ہے جو کہ صحابہ کرام (خلفاء راشدین) سے روایت ہے احادیث سے ثابت اور اسکے لئے بھی چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عورتوں کے ساتھ بھی غیر فطری انداز میں جنسی عمل سخت گناہ اور وعید آتی ہے۔

بدقسمتی سے موجودہ مغربی (یورپی) تہذیب میں کی آزادی کے نظریہ نے انسان کو حیوان کے قریب کر دیا ہے۔ طبی طور پر غیر فطری جنسی عمل انسانی بقاء کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے کیونکہ ایک تو تولیدی عمل (آگے نسل) کا چلنا ختم ہو جائے گا نیز اس کی بناء پر مختلف بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں جو ناگہانی موت پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ (HIV) تفصیل کے لئے طبی کتب سے رجوع کریں۔

اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ فَاُولٰٓـئِكَ يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا [17:4]

جان لو اللہ نے صرف توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو نادانی کے باعث برائی کر بیٹھیں پھر جلدی توبہ کر لیں تو اللہ ان کو معاف کر دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

وَ لَيۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّىۡ تُبۡتُ الۡـئٰنَ وَ لَا الَّذِيۡنَ يَمُوۡتُوۡنَ وَ هُمۡ كُفَّارٌ اُولٰٓـئِكَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا [18:4]

اور ایسے لوگوں کی توبہ (قبول) نہیں جو گناہ کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے (اس وقت) کہے کہ میں نے توبہ کی اور نہ ہی ایسے لوگوں کے لئے ہے جو کفر کی حالت پر مریں۔ ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

پچھلی آیت میں فحاشی کا ذکر اور پھر ان کی اصلاح اور توبہ کے بعد ان سے اچھے سلوک کا حکم دیا کہ نفرت نہ کی جائے ان دو آیات میں توبہ کرنے والے کی حالت اور اسکے نتیجہ کا حال بیان فرمایا ہے۔ توبہ کیا ہے؟ توبہ کے معنی ہے رجوع کرنا پلٹ آنا۔ گناہ کے عمل سے انسان اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے اور پھر احساس گناہ، ندامت گناہ کی وجہ سے معافی کا طلبگار رہوتا ہے تو یہ عمل توبہ کا ہے کہ اسے اپنے اللہ کے احکام کا احساس ہو گیا ہے اور اسکی رحمت کی طرف سے پلٹ آیا ہے۔ گناہ کے عمل کو قرآن مجید نے جہالت کا نام دیا ہے یعنی عمل گناہ ہوا اور اس وقت اس پر جو سزا مرتب ہوئی ہے اسے جہالت کی وجہ سے گناہ کا عمل واقع ہو گیا۔ پھر فوری طور پر جو بھی احساس ہوا اسی وقت اللہ تعالیٰ کی ذات سے گڑ گڑا کر معافی مانگی، جو افراد اس عمل گناہ کی وجہ سے متاثر ہوئے ہیں ان سے بھی معافی مانگی اور ان کی تلافی کی اور اللہ سے پکا وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا گناہ یا کوئی اور گناہ کا عمل سرزد نہ ہوگا۔ اس کیفیت پر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے کی خوش خبری دی ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے جلدی (قریب) توبہ کرنے کی مدت بیان فرمائی حضور علیہ السلام نے اسکو اس وقت تک تصور کیا ہے جب تک آدمی کو مرض الموت کا یقین یا بالکل آخری وقت مرگ نہ پہنچے۔ حدیث شریف میں ہے کہ توبہ اس وقت قابل قبول ہے جب تک وقت نزاع نہ شروع ہو۔ جب وقت نزاع (مرنے کا عمل) شروع ہوا تو توبہ قبول نہیں ہوگی کیونکہ وہ مجبوری اور ناکامی سامنے دیکھتے ہوئے ہے۔

سچی توبہ کے درج ذیل مراحل ہیں۔ (۱) احساس گناہ فوری طور پر۔ (۲) گناہ پر شدید ندامت۔ اور اسکا اقرار۔ (۳) گناہ کی تلافی افراد سے معافی یا معاوضہ کی ادائیگی (فوری یا بتدریج) اللہ سے معافی آئندہ اس گناہ کو کبھی کرنے کا تصور تک نہ کرے۔

ایک حدیث شریف ہے کہ دل ایک شیشہ کی مانند ہے جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس پر ایک داغ پڑ جاتا ہے۔ (جسکی وجہ سے آدمی کو فوری احساس ہوتا ہے اور توبہ کے ذریعے اسکو دھو دیا جاتا ہے) اگر اسکو نہ دھویا جائے تو دوسرا داغ پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ سارا دل داغدار (سیاہ) ہو جاتا ہے اور احساس گناہ ختم ہو جاتا ہے یہ انتہائی خوفناک کیفیت ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس لئے توبہ بہت ضروری ہے ایک اور حدیث شریف ہے کہ توبہ کرنے والا اللہ کو پیارا لگتا ہے اور جس نے گناہ سے توبہ کر لی وہ

ایسا ہوگیا کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا۔(ابن ماجہ) اس لئے توبہ ایک اجتماعی فرض ہے کیونکہ انسان کے ساتھ نفس امارہ اسکا حصہ ہے جو گناہ کا محرک بنتا ہے۔ اسی طرح نفس لوامہ بھی حصہ ہے جو توبہ کا محرک بنتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ ساری زندگی ہی کھلا رکھا ہے سوائے وقت نزع (موت) کے۔ ہمیں ہر وقت توبہ کرتے رہنا چاہیے۔نفسیاتی طور پر توبہ کا عمل بہت اہم ہے اور انسانی شخصیت کی ٹوٹ پھوٹ سے بچانے کے لئے بڑا مفید ہے توبہ کرنے کے بعد آدمی پر ندامت اور احساس گناہ کا بوجھ ختم ہو جاتا ہے معاشرہ میں اس کا کردار بہتر اور مفید بن جاتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی ایک نمونہ بن کر اچھا معاشرہ قائم کرنے میں بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا [19:4]

اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور اپنی اس غرض سے تنگ (روکا) نہ کرو کہ جو مال تم نے دیا ہے اس میں سے کچھ (واپس) لے لو سوائے اس کے کہ وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہوں اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے برتاؤ کرو پھر اگر تمہیں ناپسند ہوں تو صبر کرو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا[20:4]

اگر تم پہلی بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور صریح گناہ کے ذریعہ وہ مال (واپس) لینا چاہتے ہو۔

وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا[21:4]

اور تم اسے کیسے واپس لے سکتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے سے پہلو بہ پہلو مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد (بھی) لے چکی ہیں۔

پچھلی آیات میں عورتوں سے متعلق وراثت اور ازدواجی مسائل کا ذکر تھا۔ جس میں توبہ کی اہمیت پر زور دیا۔ چونکہ اس

وقت معاشرہ میں عورت کافی کمزور تھی اور اسکی حیثیت کونظر انداز کر کے مختلف طریقوں سے اس کا استحصال یا اسے سماجی دباؤ کا شکار بنایا جاتا اسکا اسلام نے سد باب کیا ہے اوران ایات میں اسکا ذکر ہے۔

مسلمانوں کو اسکا حکم دیا کہ عورت ایک ازاد انسان ہے اسکا احترام ضروری ہے۔ خاوند کے مرنے کے بعد مقرر ایام غم یعنی عدت گزرنے کے بعد وہ اپنے معاملہ میں مکمل آزاد ہے۔ اس پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جائے۔ قبل از اسلام جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اسکے سسرال والے اسکے وارث بن جاتے اور اس پر مختلف پابندیاں لگانا شروع کر دیتے۔ مثلاً اسکو خاوند کی وراثت کا حصہ نہ دیتے۔ اسکو اگر اسکے گھر والوں نے کچھ دیا ہوتا تو اسکو اس پر قبضہ نہ دیتے۔ شادی کر لیتے تاکہ اسکا مال قبضے میں لے لیں اور اگر وہ خوبصورت نہیں تو مال لے کر اسے اسکے والدین یا دوسرے کسی فرد سے نکاح کرنے دیتے۔ اسلام نے اس رویہ اور ان سارے امکانات کو مکمل طور پر ختم کر دیا صرف اس صورت میں عورت کے ساتھ سزا کا معاملہ کرنے کا اختیار دیا جب وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہو جسکو اکثر علماء نے زنا سے تعبیر کیا ہے اور یہ سختی بطور سزا ہے اسکے بعد بھی عمومی طریقہ و معاملہ میں اچھے سلوک کی تاکید کی ہے جو کہ انسانی اقدار کا حصہ ہے کہ اخلاقی یا معاشرتی طور پر اسکو رسوا یا ذلیل نہ سمجھا جائے۔ لایحل (حلال نہیں) فرما کر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر عورت زبانی طور پر اپنے حقوق چھوڑ بھی دے تو بھی تمہارے لئے جائز یا حلال نہیں کیونکہ کوئی بھی فرد خوشی سے اپنی ملکیت یا حق نہیں چھوڑتا بلکہ پس پردہ مجبوری ہوتی ہے اس لئے تمہیں اس سے مکمل پرہیز کرنی ضروری ہے (بحوالہ محیط/معارف القران) اسی طرح اگلی آیت میں اگر دوسری شادی کا رادہ کر لیا ہے جسکا مرد کو اختیار ہے تو پہلی بیوی کے حقوق کا تحفظ کے طور پر اسکے ساتھ اچھا برتاؤ کا حکم دیا ہے اور اسکی ملکیت یا اسکو جو تحفے دیے گئے ہیں ان کو کسی بھی طرح واپس لینے سے سختی سے منع کر دیا ہے۔ اگر چہ جس انداز میں بھی دیے ہوں اور جس قدر بھاری مالیت کے ہوں۔ یہ اس گہرے تعلق کی بناء پر ہے جو دو افراد کے درمیان بحیثیت خاوند اور بیوی قائم تھا یا ہے۔ یہ اس قدر مقدس رشتہ ہے کہ اسکو مالی منفعت پر کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

خاندانی اسلامی اصول:۔

اسلامی معاشرت و خاندانی عمل میں مندرجہ ذیل اساسی اصول ہیں۔

(۱) عورت بحیثیت انسان آزاد اور اپنی ملکیت کی آزاد مالک و مختار ہیں۔

(۲) ان کے ساتھ ہمیشہ بہتر اخلاق اور معاشرت ضروری ہے اور گہرے تعلق کا احساس رکھنا ضروری ہے۔

(۳) انتہائی فحاشی اور بدکاری کی صورت میں اس سے اسکے مالی حقوق جو واجب الاداء ہیں اس سے اسکو محروم کیا جا سکتا ہے لیکن بدکاری کی سزا کے بعد یہ حکم نافذ العمل نہیں۔ اسے بدکاری کی سزا دی جائے گی۔ اسکے بعد اسکا معاشرتی احترام رکھنا ضروری

ہے۔

(۴) معاشرت میں مزاج نہ ملنے یا کسی اور ذاتی پسند یا نہ پسند کی وجہ سے تعلقات کو ختم نہیں کرنا چاہیے بلکہ مثبت نقطہ نظر کی بناء پر اچھے امکانات کو سامنے رکھتے ہوئے۔ تعلقات جاری رکھنے چاہیے اور علیحدگی سے بچنا چاہیے اور حقوق کی پاسداری کرنی چاہیے۔

یہ وہ اہم اصول ہیں جو کسی بھی معاشرہ میں ازدواجی زندگی کی کامیابی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ہے کہ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہے (**خیر کم خیر کم باھلہ**) ایک اور حدیث کے مطابق اگرچہ طلاق کی اجازت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے (**ابعض الحلال الی اللہ طلاق**) اسلئے یہ فرمایا کہ ممکن ہے انسان کی کوتاہ نظری اور عدم تجزیہ و کم عقلی کی بناء پر علیحدگی پر فیصلہ کرے اور اسکے اپنے طویل المدت مفادات جو مستقبل میں ہو سکتے ہیں ان سے محروم رہ جائے۔ اسلئے طلاق سے اجتناب کرے۔ یہ اصول ہر معاشرہ کے خاندانی نظام کی مضبوطی کیلئے بہت اہم ہیں۔

وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًاؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا [4:22]

اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں مگر جو ہو چکا (معاف ہے) بے شک یہ بڑی بے حیائی اور نفرت کا فعل ہے اور بہت برا طریقہ تھا۔

عورت سے متعلق احکام کا سلسلہ جاری ہے اب عائلی امور پر ہدایات دی گئیں ایام جاہلیت میں عربوں کے ہاں جس قدر نکاح ہوتے وہاں جب خاندان کا سربراہ فوت ہو جاتا تو اسکے اپنے بیٹے سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتے یہ قبیح (گندی) رسم تھی جس کو اسلام نے ختم کر دیا اور حکم دیا کہ جو عورتیں تمہارے والد یا دادا کے نکاح میں ہو اس سے ان کی وفات یا طلاق کے بعد تم نکاح نہیں کر سکتے۔ لیکن جو ایام جاہلیت میں ہو چکا اسے معاف کر دیا گیا کیونکہ تلافی ممکن نہیں۔ یہ عمومی طریقہ ہے کہ جاہلیت کے گناہوں کو عدم علم کی بناء اور مختلف مسائل جو ان کی تلافی میں پیش آسکتے ہیں اور عملی طور پر تلافی ناممکن بن جاتی ہے ان کی معافی کا حکم دیا گیا ہے اور آئندہ کے لئے مکمل طور پر منع کر دیا۔ حضور ﷺ نے اسکو ایک تعزیراتی عمل کے طور پر نافذ کیا اور حکم آنے کے بعد اگر کسی کے بارے پتہ چلا تو اسکو ختم کر دیا گیا۔ اس عمل کو انتہائی برا قرار دیا گیا اور اس برائی کو عقلی اور اخلاقی لحاظ سے (فاحشہ) غلط اور دینی لحاظ سے (مقتاً) نفرت اور سماجی لحاظ سے (ساء) انتہائی مکروہ عمل کہا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ

بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا [23:4]

تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کر دی گئیں ہیں اور (اس طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (ان لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو گزر چکا (جاہلیت میں)۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

حرمت نکاح:۔

جاہلیت کی غیر اخلاقی رسوم کو ختم کرنے کے بعد خاندانی معاملات یعنی شادی و نکاح کے دوسرے امور کو بیان فرمایا کہ کس سے نکاح ممنوع ہے اور اسکے علاوہ سب کے ساتھ جائز ہے۔ قرآن مجید کا ایک اسلوب ہے کہ حرمت (ممنوع) کو بیان کر دیا جاتا ہے اور انسانی سہولت کیلئے باقی کی اجازت دی جاتی ہے ہاں اگر کوئی ذاتی طور پر کسی کام کو ناپسند کرتا ہے تو اسکا اپنا اختیار ہے۔

اسباب حرمت کی تفصیل:۔

جن رشتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے وہ اول محرمات نسبیہ یعنی مائیں اور بیٹیاں اصل اور اس سے آگے فروع (اولاد) شامل ہیں اسی طرح بہنیں سگی ہوں یا سوتیلی ماں کی طرف سے یا باپ کی طرف سے وہ بھی حرام ہیں اسی طرح پھوپھیاں (سگی اور سوتیلی) والد کے رشتہ میں اور خالائیں ماں کے رشتہ میں سگی یا سوتیلی اسی طرح بھتیجیاں بھائیوں کی اولاد سے سگے بھائی ہوں یا سوتیلے بھائی اور بھانجیاں بہنوں کی اولاد سے سگی ہوں یا سوتیلی سب شامل ہیں۔

دوسری قسم رضاعت کے سبب سے ہے۔ یعنی وہ مائیں جنہوں نے دودھ پلایا ہے۔ اور اس طرح وہ بہنیں جو دودھ میں

شریک ہونے کے سبب سے ہیں۔ اپنی ماں سے بھی اور رضاعی ماں سے بھی۔ دودھ کی حرمت ایک وقت مناسب غذا کے برابر دودھ ابتدائی دوسال کی عمر میں کسی خاتون کے پستان سے پینا ہے تفصیل کیلئے فقہ کی کتب سے رجوع کریں۔

تیسری قسم وہ ہے جو رشتہ ازواج کی وجہ سے ہیں مثلاً بیویوں کی مائیں ونانی، اسی طرح بیوی کی بیٹیاں (سوتیلی) اس میں ایک وضاحت کردی گئی ہے کہ اگر کسی عورت سے صرف نکاح ہوگیا اور ہم بستری یا صحبت نہیں ہوئی اور پھر طلاق ہوگئی تو اس کی بیٹی کا حکم علیحدہ ہے اور بیٹوں کی بیویاں جو اصلی بیٹے ہوں (منہ بولے بیٹے نہ ہوں) بھی حرام ہیں پھر اسکے علاوہ دو بہنوں کو ایک آدمی کے نکاح میں جس طرح ایام جاہلیت میں کیا جاتا تھا حرام کردیا ہے۔ جو اعمال ایام جاہلیت (قبل از اسلام) عمومی رواج کے تحت ہو چکے تھے اس کو فوری ختم کردیا گیا اور جو ہو چکا تھا اسکو معاف کردیا۔ حدیث کے واقعہ کے مطابق ایک شخص کے نکاح میں قبل از نزول احکام دو بہنیں تھیں حضور علیہ السلام نے اس آیت کے نزول کے بعد اسے کہا کہ ایک کو طلاق دے کر جدا کردو اور ایک کو رکھ لو۔ لیکن جو ہو چکا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کریمی کی وجہ سے معاف کردیا کیونکہ وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ان شروط کا مقصد انسانی معاشرہ میں رشتوں کا احترام اور تقدس ہے تاکہ یہ رشتے وہ ہیں جنکا اختیار آدمی کو نہیں بلکہ واقعاتی طور پر وجود میں آتے ہیں ان کو عائلی مسائل کا حصہ نہ بنایا جائے تاکہ یہ رشتہ استوار رہے۔ دوسری طرف اپنی بیویوں کے ساتھ جو رشتہ قائم کیا گیا ہے اسے بھی کسی امکانی جھگڑے سے بچانے کے لئے بیوی کے والدین اور اولاد کے ساتھ بھی وہی تقدس قائم رکھا جائے جو اپنے والدین کے رشتوں کے ساتھ ہے تاکہ مساوات ومحبت کا ماحول ممکنہ حد تک معاشرہ میں برقرار رکھا جائے دوسری طرف اسکا ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ رشتے ممکنہ اختلاف کی صورت میں خاوند یا بیوی کی طرف سے نمائندگی کر کے صلح وصفائی کے لئے ایک مثبت کردار ادا کرسکیں کیونکہ وہ اسمیں براہ راست شامل نہیں ہوتے۔

وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِہٖ مِنۡہُنَّ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ فَرِیۡضَۃً وَ لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا تَرٰضَیۡتُمۡ بِہٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِیۡضَۃِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا[4:24]

اور خاوند والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) سوائے ان (کافروں کی قیدی عورتوں) کے جو تمہاری ملک میں آجائیں۔ اللہ نے (احکام حرمت کو) تم پر فرض کر دیا ہے اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئیں ہیں تا کہ تم اپنے اموال کے ذریعے طلب نکاح کرو پاک دامن رہتے ہوئے نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔ پھر ان میں سے جن سے تم نے اس (مال) کے عوض لطف اٹھایا ہے انہیں ان کا مقرر شدہ مہر ادا کرو۔ اور تم پر اس مال کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم مہر مقرر کرنے کے بعد باہم رضا مند ہو جاؤ بے شک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

وہ خواتین جن سے نکاح جائز ہے:۔

پچھلی آیات میں ان رشتوں کا ذکر تھا جن سے نکاح نہیں ہوسکتا اب ان رشتوں کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح ہوسکتا ہے لیکن جو عورت پہلے کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ المحصنٰت (محفوظ اس سے خاوند والی عورتیں مراد ہیں جن کی حفاظت ان کے خاوند اور خاندان کرتے ہیں)۔ لیکن ایک صورت ہے جس میں ایک نکاح والی عورت سے دوبارہ پرانے نکاح کے باوجود صرف ایک صورت میں ممکن ہے جب خواتین جنگ کے بعد بطور جنگی قیدی بن جائیں اور ان کے خاوند جنگ میں مر گئے یا دارالحرب (دوسرے ملک) میں بھاگ گئے یا مر گئے اس طرح ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور پھر حکومت یا ریاست ان کو جس آدمی کے ذمہ کر دیتی ہے اس سے ان کا نکاح والا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور وہ مرد/ان کی معاشی ذمہ داریوں کو اٹھاتا ہے۔ یہ صورت اس طرح ہے کہ:۔

جنگی قیدی خواتین سے نکاح (۱) صرف مرد/ان سے اس وقت جنسی تعلق کر سکتا ہے جب وہ اسکے ذمہ سرکاری طور پر (بذریعہ کمانڈر یا حکومت) ہو جائیں اور وہ اسکے لئے کام کریں گی۔ (۲) وہ حاملہ نہ ہوں۔ اگر حاملہ ہوں تو بچے کی پیدائش کے بعد وہ تعلقات رکھ سکے گا اور ویسے بھی ایک مہینہ ماہواری کے بعد جنسی تعلق کی اجازت ہے تا کہ حمل کے بارے معلوم ہو سکے۔ (۳) ان عورتوں سے اسکی اولاد حقیقی اولاد ہوگی اور اسکو (اولاد) اور اس عورت کو (ولادت کے بعد) وراثت کا مکمل حق ہوگا۔ اور مرنے کے بعد آزاد ہوگی۔ (۴) اگر مالک نے اس عورت کی کسی دوسرے مرد سے شادی کر دی ہے تو مالک اس عورت سے بطور

خادم کام تو لے سکے گا مگر جنسی تعلق نہیں رکھ سکتا۔جنگی قیدیوں کا مسئلہ ہمیشہ رہا ہے حکومت کا حق ہے کہ ان قیدیوں (مرد یا عورت) کو ویسے آزاد کر دے۔ فدیہ لے کر آزاد کر لے یا قیدیوں کا قیدی سے تبادلہ کر دے۔ پھر ان کو مختلف لوگوں (بالخصوص فوجیوں جنگی وجہ سے فتح ہوئی ہے) میں تقسیم کر دے تا کہ وہ نہ ملک پر معاشی بوجھ نہیں بلکہ معاشرے کے افراد سے مل کر اپنا ایک تعمیری کردار ادا کریں اور گھل مل جائیں۔ بجائے اسکے کہ ان کو بیکار کیمپوں میں رکھ کر معاشرتی و انسانی حقوق سے محروم رکھے۔

آیت مبارکہ میں حکم دیا ہے کہ محرمات کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح کیا جا سکتا ہے اور نکاح کے مقاصد انتہائی اعلیٰ و ارفع ہیں کہ معاشروں میں استحکام اور ایسی اولاد مقصود ہو جو کہ صالح کردار کی حامل ہو۔ نکاح کا مقصد صرف شہوت رانی نہیں اور عورتوں کو ان کا حق مہر ہر صورت میں ادا کیا جائے۔ مرد اور عورت اس مقدس رشتہ کو صرف وقتی طور پر حیوانی جذبات یا شہوانی خواہشات کی تسکین کے لئے نہ کریں بلکہ پاک دامن اور اچھی اولاد اور اچھے معاشرہ کے مقصد کے لئے یہ رشتہ استوار کریں اسی وجہ سے مہر نکاح کی ایک شرط ہے جسکے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا اور احناف (فقہ حنفی میں) کے ہاں کم از کم مہر دس درہم یعنی 30.5 ماشہ چاندی ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔(بحوالہ معارف القران) مہر کی ادائیگی کے بعد فریقین (مرد یا عورت) اس میں مرد زیادتی کر سکتا ہے اور عورت معاف بھی کر سکتی ہے۔

آخر میں فرمایا کہ ممکن ہے تم قانون یا حکومت سے امور کو چھپا سکو لیکن اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے لہذا تمہیں گرفت کرے گا اور بڑی حکمت والا ہے اسکے قانون تمہاری بہتری کے لئے ہیں۔

وَ مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ وَ اٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیْھِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[25:4]

اور تم میں سے جو کوئی (اتنی) استطاعت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے تو ان مسلمان کنیزوں سے نکاح کر لے جو (شرعاً قانوناً) تمہاری ملکیت میں ہیں اور اللہ تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو خوب جانتا ہے۔تم (سب) ایک دوسرے کی جنس میں سے ہو۔ پس ان (کنیزوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر بہترین طریقہ سے ادا کرو۔ اس حال میں کہ

وہ (پاکیزگی قائم کرتے ہوئے)۔ حصار نکاح میں آنے والی ہوں نہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ چھپ کر آشنائی کرنے والی ہوں۔ پس جب وہ نکاح کے حصار میں آجائیں پھر اگر بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی آدھی سزا لازم ہے جو آزاد (کنواری) عورتوں کے لئے (مقرر) ہے۔ یہ اجازت اس شخص کے لئے ہے جسے تم میں گناہ (کے ارتکاب) کا اندیشہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو (صبر) تمہاری حق میں بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

معاشی امور معاشرتی طور پر کمزور افراد کے لئے نکاح کے احکام:۔

نکاح کے مسائل کا ذکر ہے پہلے ایک عمومی کیفیت میں ان عورتوں سے نکاح کے بارے احکام تھے جن سے نکاح جائز ہے اب ان افراد کے بارے ذکر ہے جو معاشرے میں مالی طور پر کمزور ہوتے ہیں لیکن ان کی عائلی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح معاشرے میں وہ عورتیں جنہیں خواہ مخواہ کمتر سمجھا جاتا ہے جو کہ اس وقت کنیزیں ہوا کرتی تھیں ان کے ساتھ سلوک اور ان کے ساتھ شادی ونکاح کی ترغیب دی گئی ہے جو انسانی مساوات کا حصہ ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے غلامی کو یکلخت قانون کے ذریعے تو ختم نہیں کیا جو کہ اس معاشرے میں ناممکن تھا لیکن اس غلامی کے رواج کی بنیادوں کو ختم کر دیا اور غلاموں کو انسانیت کے اس درجہ پر پہنچایا جہاں وہ بادشاہ بن گئے۔

معاشرہ میں معاشی طور پر کمزور افراد کے لئے بھی اسلامی نظام میں ضرورت کا حل ہے اسی طرح جو عورتیں کنیزوں کی شکل میں معاشرہ میں ہیں ان کی عائلی ضرورت کے لئے بھی حل نکالا گیا کہ جو لوگ معاشی طور پر کمزور ہیں وہ ان کنیزوں سے شادی کریں جو کہ لوگوں کے ہاں کام کے لئے ہیں۔ پھر اس میں ایک اہم نکتہ فرمایا کہ ان کنیز عورتوں کو کمتر بالکل نہ جانا چاہیے اگرچہ یہ حالات زمانہ کی وجہ سے کام کرنے والی محکوم ہیں لیکن اللہ کے ہاں ایمان میں ان لوگوں سے جو اپنے آپ کو سماجی طور پر بہتر سمجھتے ہیں ان سے بہتر ہوسکتی ہیں لہٰذا اللہ ایمان کی کیفیت کو جانتا ہے اور برتری کی بنیاد ایمان واخلاق ہے۔ پھر ساتھ مزید فرمایا کہ تم سب انسان جو اپنے آپ کو سماجی طور معزز تصور کرتے اور دوسروں کو کمتر محسوس کرتے ہو اصولی طور پر غلط ہے کیونکہ سب ایک ہی جنس (انسان) سے تعلق رکھتے ہیں جن کے اصل حضرت آدم علیہ السلام تھے لہٰذا یہ وقتی تفریق جو جنگ کی بناء یا معاشی ،معاشرتی مسائل کی بناء پر عارضی طور پر قائم کی جاتی ہے وہ عارضی ہے حقیقی نہیں اسلئے تم سب ایک جنس ہو اور اپنے ساتھ انسانی لگاؤ اور برتاؤ کرو۔ پھر ان کنیزوں کے مہر کے لئے بھی اسی طرح حکم دیا کہ ان کو بہترین طریقہ (معروف) بھلائی کے ساتھ دو اور ادا کرو۔ اسلام نے مہر کیلئے جو نصف کی قید رکھی ہے وہ بھی انسانی بھلائی کی خاطر ہے کیونکہ معاشرہ میں اگر کمزور عورتوں کی شرائط دوسری کی طرح رکھی جاتی تو ایک طرف کمزور اور مالی مشکلات میں پھنسے ہوئے لوگوں کیلئے شادی ونکاح مشکل ہو جاتا اور ان کے

گناہ میں پھنس جانے کے امکانات بڑھ جاتے اور دوسری طرف معاشرہ میں کمزور خواتین جنگی شادی و نکاح ایک ضرورت ہے اخراجات میں زیادتی کی وجہ سے محروم ہو کر وہ بھی گناہ کی طرف راغب ہو جاتیں اس طرح مہر کے معاملے میں نصف تک کی اجازت دینے سے دونوں اطراف کا فائدہ مقصود ہے۔یہاں خادموں سے مراد جنگی قیدی جو خادم/غلام بنتے ہیں اس کے علاوہ کسی معاشی وجہ سے کسی کو نوکری یا خادم بنائے وہ ان احکام سے مستثنیٰ (بری) ہے وہ قانونی طور پر آزاد ہے۔

احکام میں مساوات وحقیقت پسندی:۔

چونکہ شادی کا مقصد مرد اور عورت کو ایک طرف جنسی تسکین اور دوسری طرف معاشرتی تعلق اور عائلی نظام کی بنیاد بنانا ہے اسلئے فرمایا کہ نکاح کرتے وقت یہ دیکھ لو کہ جن سے تم نکاح کر رہے ہو وہ اس رشتہ کی اہمیت سے واقف ہوں۔اور ایک محفوظ اور پاکیزہ زندگی کی خواہش رکھتی ہوں چونکہ خادماؤں کا ان کے معاشی اور معاشرتی مجبوری کی وجہ سے مردوں سے اختلاط رہتا ہے اسلئے یہ ضروری ہے کہ وہ چھپ چھپا کر بدکاری کی عادی نہ ہوں تا کہ خاندانی تقدس وضرورت کا پورا اہتمام رہے۔اور اگر وہ اس جرم بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان کو آدھی سزا ہے یعنی پچاس درے مارے جائیں۔ جو ایک خودمختار اور گھر والی کنواری عورت کی سزا کا نصف ہے۔یہ حقیقت ہے کہ مردوں کے ساتھ باہر کام کرنے والی عورتوں میں طلاق کی شرح زیادہ ہے۔ یہ حقیقت مغربی اور مشرقی معاشروں میں شماریاتی معلومات سے ثابت ہے۔سزا کے معاملے میں بھی اسلام نے انصاف کا تقاضا پورا کیا ہے چونکہ وہ عورت معاشی وسماجی مجبوریوں کی وجہ سے بغیر پردہ کے عام بازاروں اور کاموں میں مردوں کے ساتھ اختلاط رکھتی ہے اسلئے اس کے پاس اپنے آپ کو بچانے کی وہ سہولت وحفاظت میسر نہیں جو کہ ایک خودمختار اور گھر میں محفوظ عورت کے پاس ہے اس لئے اس عورت کو نصف سزا دی گئی ہے۔ایک اور نکتہ آیت مبارک سے لیا جا سکتا ہے کہ چونکہ قانونی غلامی ختم ہو چکی ہے لیکن معاشی غلامی کی صورت موجود ہے۔ بہت ساری خواتین گھر میں قابل کمائی مرد نہ ہونے کی وجہ سے مزدوی یا نوکری پر مجبور ہوتی ہیں،اس لئے ان سے اس طرح پردہ کی شرط جو ایک آزاد عورت جس کو معاشی طور پر کوئی محتاجی نہیں اور گھر میں بیٹھ کر زندگی گذار سکتی ہے، کی طرح نہیں کرنی چاہیے اور اسلامی ریاست کو اس اختلاط سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کس قدر عدل پسند، انسانیت پسند اور واقعات وحالات کے ساتھ ملا ہو نظام حیات ہے جس کا مقصد ایک پرسکون اور اچھا معاشرہ قائم کرنا ہے۔آخر میں فرمایا کہ احکام میں مختلف درجات اس لئے ہیں کہ معاشرہ اچھا ہو اور جرائم سے محفوظ ہو اور ایسے حالات نہ ہوں کہ لوگ گناہ کے ارتکاب کیلئے مجبور ہو جائیں دوسری طرف جو اپنے آپ پر جبر کر کے گناہ سے بچ کر حالات کا مقابلہ کر سکے ان کے لئے اعلیٰ اجر کی خوشخبری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور بخشنے والا ہے۔

يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَ يَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَ يَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ

حَكِيْمٌ[26:4]

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے (اپنے احکام) واضح فرمادے اور تمہیں ان (نیک) لوگوں کی راہوں پر چلائے جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور تم پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا[27:4]

اور اللہ تم پر مہربانی فرمانا چاہتا ہے اور جو لوگ (نفسانی) خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہ راست سے ہٹ جاؤ اور دور ہو جاؤ۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا[28:4]

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اسلام کے انقلابی خاندانی قوانین، خواتین کے حقوق، غلاموں یا خادماؤں کی حفاظت نے معاشرہ میں ایک ہل چل مچا دی۔ مومن تو ان پر یقین اور اسے کامیابی کا راز سمجھتے تھے لیکن دوسرے قبائل جو کفر اور جاہلیت پر قائم تھے ان کے لئے عورتوں کی وراثت، نکاح کی مختلف شرائط، غلاموں اور عورت خادماؤں سے شادی اور اولاد کے حقوق انسانوں کو سب برابر ایک ہی جنس یا اولاد کا اعلان کرنا قابل قبول نہیں تھا اور یہودی بھی ان کے ہمنوا بن گئے۔ اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا جس کی وجہ سے صحابہ کرام نے کچھ پریشانی محسوس کی جو ان حالات میں ایک فطری عمل تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حوصلہ عطا فرمایا اور ان قوانین انسانیت جو آج ایک اچھے معاشرہ میں تسلیم کئے جاتے ہیں، کو اللہ کی رحمت و مہربانی کا ذریعہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ قوانین انسانی مزاج کو دیکھ کر خالق انسانی نے بنائے ہیں۔ یہ وہ قوانین ہیں جو تاریخ کے کامیاب معاشروں میں قائم تھے یعنی نیک لوگوں (انبیاء کرام کی تعلیمات) کے وقت نافذ العمل تھے اور معاشرے کامیاب ہوئے۔ اور اب بھی جو معاشرے انسانی احترام، مساوات اور انسانی حقوق کا خیال رکھتے ہیں پر امن اور کامیاب ہیں۔

احکام اور انسانی نفسیات:۔

انسان کی کمزوری دراصل اسکی نفسیاتی کمزوری ہے کہ ذرا تکلیف یا بیماری کی صورت ہو یا معاشی و سماجی پریشانی فوراً گھبرا جاتا ہے اور صبر کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ خواہش نفسانی بالخصوص جنسی میں بھی کمزور واقع ہو جاتا ہے، ذاتی لالچ و مفاد کے لئے بھی اخلاق و قانون کو نظر انداز کر دیتا ہے یہ اسکا ضعف و کمزوری ہے اسلئے قانون خداوندی میں ضروری احکام (فرائض) کو

سہولت کے اصول پر قائم رکھا گیا ہے۔ اس لئے نکاح طلاق، فرائض، وراثت، زکوٰۃ، حج، حقوق والدین، تجارت، معاشرت سب میں تکلیف کے وقت رخصت اور تخفیف کی گئی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا [29:4]

اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو۔ یقین کرو اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا[30:4]

اور جو کوئی زیادتی اور ظلم سے ایسا کریگا تو ہم اسے عنقریب (دوزخ کی) آگ میں ڈال دیں گے اور یہ اللہ کیلئے بہت آسان ہے۔

میراث نکاح مہر کے احکام کے بعد لین دین وتجارت کے معاملات کے بارے احکام بیان فرمائے جو زندگی کا اہم حصہ ہیں۔

اسلامی تجارتی اصول:۔

اسلام نے تجارت کی اہمیت کی بناء پر اسکو اپنے اموال سے تشبیہ دی ہے اسکا ایک مقصد ہے کہ سارا معاشرہ ایک جسم یا ایک نفس ہے اور کسی ایک کے ساتھ زیادتی گویا اپنے نفس کے ساتھ زیادتی ہے۔ لہذا کسی اور کا مال کسی بھی غیر اخلاقی، چوری چھپے، دھوکہ سے نہیں لینا چاہیے ہاں اگر تجارتی مقاصد کے لئے ایک دوسرے کا مال ایک دوسرے کے باہمی فائدہ کے لئے برضا و رغبت بلا جبر واکراہ لیا جائے تو وہ جائز ہے اور احسن ہے جس سے معاشرہ میں ترقی ہوتی ہے۔ اسلامی تجارت کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فریقین اپنے مال سے آگاہ ہوں۔ ہر قسم کے نقائص وخصائص سے۔

(۲) دونوں اطراف رضا، رغبت سے معاملہ کر رہے ہوں۔

(۳) اس معاملہ کے اندر کوئی چھپا ہوا معاملہ نہ ہو۔ استحصال نہ ہو۔

(۴) دونوں اطراف کا مفاد (معاشی افادہ) شامل ہو۔

تجارت کے لفظ میں تجارت، صنعت حرفت ملازمت سبکو شامل ہے جو معاشی حرکت کا سبب ہو۔

باطل امور میں جہاں دوسرے شخص کے ساتھ میں معاملہ شامل ہے وہاں اپنے معاملات میں بھی ہے مثلاً اسراف کا معاملہ غلط ہے یا ناجائز کاموں پر خرچ کرنا ہے۔ پھر چوری، ڈاکہ، رشوت، جو اسب شامل ہیں۔تجارت کی اہمیت کے بارے ایک حدیث ہے جو کہ حضرت مغاذ بن جبل سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ پاک کمائی تاجروں کی ہے بشرطیکہ وہ جب بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں اور جب وعدہ کریں تو وعدہ خلافی نہ کریں اور جب ان کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کریں اور جب کوئی سامان خریدیں تو (تاجروں کی عادت پر) اس سامان کو برا اور خراب نہ بتائیں اور اپنا سامان فروخت کریں تو اسکی تعریف نہ کریں اور جب کوئی اسکے ذمہ قرض ہو تو ٹال مٹول نہ کریں اور جب ان کا قرض واجب الوصول ہو تو تنگ نہ کریں۔(بحوالہ تفسیر روح المعانی)

ہلاکت جان ومال:۔

اپنی جانوں کو ہلاک مت کرو۔ ایک مقصد ہے کہ حرام کمائی کے ساتھ معاملہ میں جھوٹ اور فریب کے ذریعہ۔ دھوکہ کے ذریعہ ہلاکت کا اپنے لئے اور دوسرے کے لئے سبب نہ بنو۔ کیونکہ معاشرہ میں اگر جھوٹ اور فریب چھا جائے تو ظلم پر ختم ہوتا ہے اور وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے اور اس طرح مال یا سرمایہ نہ لگاؤ کہ سارا ختم ہو جائے مثلاً دارلحرب تجارت نہ کرو اور دوسری قسم ہے کہ خودکشی کی کوشش نہ کرو۔ اور تیسرا مقصد ہے آپس میں قتل وخرابہ نہ کرو اور معاشرہ کو فساد سے محفوظ بناؤ۔

انحراف کی سزا:۔

پھر فرمایا کہ اگر تم نے اچھائی، بھلائی، سچائی، دیانت کی تو اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی مہربان ہے وہ سارے معاشرے کو خوشحالی سے بھر دے گا۔ اور یہ حقیقت واضح ہے کہ موجودہ دور میں جن معاشروں میں سچائی، دیانت، انصاف، ان کے کاروبار اور زندگی کے امور میں ظاہر جاری ہے وہ خوشحال ہیں۔ پھر اگلی آیت میں فرمایا کہ تم زیادتی ظلم کرو گے خواہ وہ تمہارا بھائی ہو، اجنبی ہو۔ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو۔ اسکی سزا جہنم کی آگ ہے اور اس میں جلد یا بدیر تم پھینک دیے جاؤ گے۔ ایک صورت جلدی کی یہ بھی ہے کہ سارا معاشرہ ظلم وستم سے بھر جائے گا اور زندگی عذاب بن جائے گی اور اگر کوئی فرد انفرادی طور پر بچ گیا تو اسکو اگلی زندگی میں سخت جہنم کی سزا ملے گی۔ (اللہ ہمیں محفوظ فرمائے)

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَ نُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا[31:4]

اگر تم گناہ کبیرہ، جن سے تمہیں روکا گیا ہے، بچتے رہے تو ہم تمہاری چھوٹی برائیاں معاف کردیں گے اور

تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

آیت مبارکہ میں گناہوں سے بچنے کا حکم ہے پچھلی آیت نمبر 18 میں بھی توبہ کا ذکر فرمایا اور اسکے بعد والی آیات احکام نکاح مہر اور دوسری شادی کے بارے عورت کے حقوق کی حفاظت کا حکم دیا ہے اسکے بعد گناہ کبیرہ سے بچنے کا حکم ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ آیات کے احکام پر عمل نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے اسکے علاوہ گناہ کبیرہ وہ ہے جس کی تعزیراتی سزا،لعنت یا دوسری سزا اور عذاب کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے۔امام ابن حجر مکی نے اپنی کتاب الزوجہ میں ان کی تعداد چار سو ساٹھ تک لکھی ہے۔ گناہ وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی یا حکم کے خلاف ہو اور بڑے حکم کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ ہے اور دوسرے صغیرہ ہیں یہ صرف اصطلاحی فرق باہمی موازنہ و مقابلہ کا ہے درحقیقت ہر گناہ بڑا ہو یا چھوٹا گناہ ہے۔اسلئے بزرگان دین نے معمولی گناہ کو بھی بڑے گناہ کا قاصد کہا ہے۔

گناہ کبیرہ:۔

چند گناہ کبیرہ کا ذکر درج ذیل ہے۔

(۱) شرک (۲) ماں باپ کی نافرمانی (۳) جھوٹی گواہی یا جھوٹ بولنا (۴) اولاد کا قتل رزق کے خوف سے (۵) پڑوسی کے اہل وعیال کی بجائے حفاظت کے بدکاری (۶) یتیم کا مال کھانا (۷) قتل ناحق (۸) سود کی آمدنی (۹) میدان جنگ (جہاد) سے بھاگنا (۱۰) پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا (۱۱) جھوٹی قسم کھانا (۱۲) اپنی ضرورت سے زائد پانی روک رکھنا (۱۳) جادو کا عمل کرنا (۱۴) شراب پینا (۱۵) زنا کرنا (۱۶) وراثت میں وارث کو نقصان پہنچانا (۱۷) تکبر کرنا اور اسکا اظہار کرنا (۱۸) اللہ کی راہ میں خرچ کر کے احسان جتلانا (۱۹) مسلمان بھائی پر عیب لگا کر اسکی ابرو ریزی کرنا (۲۰) قطع تعلق کرنا رشتہ داروں کے ساتھ (۲۱) بلا شرعی عذر نماز کو چھوڑنا۔

اسکے علاوہ بھی بہت سے ہیں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ گناہ کبیرہ محض عبادات،نوافل سے ختم نہیں ہوتا بلکہ توبہ اور پکی توبہ سے ختم ہوتے ہیں جسکا ذکر پہلے آیت نمبر 18 میں ہو چکا ہے۔(بحوالہ معارف قرآن)

اجتناب گناہ (گناہوں سے بچنے کا طریقہ):۔

کسی عمل سے بچنا وہ ہے جب اس کام کے محرک اور اسباب موجود ہوں اور آدمی ان سے دور رہے۔قرآن مجید نے نفسیاتی طور اور عملی انداز میں گناہ صغائر سے سے بچنے کی ترکیب یہ بتائی ہے کہ گناہ کبائر سے بچا جائے جب آدمی گناہ کبائر سے بچے گا اور عبادات وصدقہ کے ذریعے اسکے صغیرہ گناہ جو اکثر ارادی یا غیر ارادی طور پر ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے اس عمل کے ساتھ اسکی قوت ارادی اور مضبوطی ہوگی اور مکمل طور پر اپنے کردار میں ہر طرح کے گناہوں سے بچ جانے میں کامیاب

ہوگا لیکن ضروری ہے کہ بڑے گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام وعمل کریں اسکا ایک فائدہ ہے بڑے گناہ تعداد میں چھوٹے گناہوں سے کم ہیں اس طرح عملی طور پر اس سے بچنا زیادہ آسان ہے۔دوسرا چونکہ گناہ کبیرہ میں سزا زیادہ ہے اس لئے گناہ سے بچاؤ کا محرک مضبوط اور قوی ہے۔اگر گناہ کبائر سے نہ بچا گیا تو گناہ صغائر (چھوٹے) معاف نہیں ہوں گے۔اور نفلی عبادات کی روحانی ونفسیاتی برکت نہیں ہوگی۔

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا[32:4]

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔اس چیز کی تم آرزو مت کرو۔مردوں کے لئے اس میں سے حصہ جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔اور اللہ سے فضل مانگا کرو۔بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اصلاح معاشرہ:۔

پچھلی آیات میں اموال کی تقسیم۔حقوق کا خیال، ناجائز طریقوں سے کمائی کرنے کو منع کر دیا لیکن ایک حقیقت ہے کہ انسانوں کے درمیان رزق، معاش، سماجی درجہ اور جسمانی ساخت میں فرق ہے جسکی وجہ سے مختلف خواہشات جنم لیتی ہیں اور یہ حسرت، تمنا، رشک، حسد پھر رقابت اور عداوت اور پھر کشمکش و مزاحمت کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔یہ کیفیت جو مختلف معاشروں میں ہمیشہ وجود پاتی ہے اسکا تجزیہ اور ازالہ یعنی علاج بتایا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ تنوع ہی کائنات کے رنگ اور سنگ (ساتھ) ہے۔

ع ثبات اک تغیر کو ہے زمانہ میں

اللہ تعالیٰ نے جسمانی لحاظ سے کسی کو خوبصورت۔لمبا قد، اچھے نقوش، کسی کو پتلا، کسی کو ضخیم (موٹا) میٹھی آواز، سمجھ، علم، سخاوت، بہادری۔رزق کی فراخی، اولاد، نیک بیوی، اعلیٰ گھر اور سواری کی صورت میں نوازا ہے اور اسمیں اختلات وتفریق ہے۔اس تفریق کو ایک فطری عمل کے طور پر قبول کرنا چاہیے اور دوسروں کو ان کی فضیلت یا امتیاز سے کینہ بغض اور عداوت کے ذریعے محروم نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے لئے بھی اللہ سے جو بہتر ہے وہی مانگنا چاہیے۔

مساوات انسانی اور جدو جہد کی ضرورت:۔

ایک حدیث مبارک کے مطابق اللہ کچھ افراد کو رزق میں فراخی اسلئے عطا نہیں فرماتا کہ وہ فراخی کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جاتے اور بعض کو فراخی اسلئے عطا کرتا ہے کہ تنگی کی صورت میں وہ جرائم یا گناہوں میں ملوث ہو جاتے لہٰذا اللہ سے ہمیشہ خیر و بہتری کی دعا کرنی چاہیے۔

یہ ایک بہترین نفسیاتی علاج ہے دوسری طرف یہ فرمایا کہ محنت اور کوشش بہت ضروری ہے اس تنوع اور فرق کا یہ مقصد نہیں کہ آدمی بس نکما بیٹھ جائے اور جستجو وعمل چھوڑ دے۔ اسلئے مردوں کے لئے وہ ہے جو وہ کوشش ہمت اور عمل سے کماتے ہیں اسکی جزا پائیں گے اسی طرح عورتوں کیلئے بھی وہی ہے جو وہ کوشش، جدوجہد کر کے جو کمائیں گی اسکی جزا پائیں گی ایک اور اہم مقصد انسانی مساوات کا اعلان ہے کہ بحیثیت انسان عورت اور مرد برابر ہیں اور اللہ کے ہاں اور اس دنیا میں اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے۔ اور اللہ سے اس کا فضل ہر وقت۔ دعا۔ اور عمل کے ذریعے مانگو وہ تمہاری ہر حالت، حرکت اور ارادے کو خوب جاننے والا ہے لہذا دنیا سے تو چھپایا جا سکتا ہے مگر اس سے نہیں۔ یہ وہ زریں اصول ہیں جو انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے معاشرے کیلئے بہت اہم ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) کسی دوسرے کی فضیلت پر حسد اور عداوت نہ کی جائے بلکہ ایک فطری حقیقت سمجھا جائے۔ (۲) اپنے عمل، کوشش سے بہتر سے بہتر کی جستجو کی جائے اور اللہ کا فضل مانگا جائے۔ (۳) اعمال میں عورت اور مرد برابر اور آزاد ہیں اور اعمال کے مطابق جزا پائیں گے۔

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا[4:33]

اور ہم نے سب کے لئے، ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال میں حقدار (وارث) مقرر کر دیے ہیں اور جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے سو انہیں ان کا حصہ دے دو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے۔

اموال کی تقسیم سے متعلق حکم فرمایا ہے۔ زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) لوگ دوستی کی بناء پر دوستوں یا ان کی اولاد کو وارث بنا دیتے تھے یا منہ بولے بیٹوں بہنوں کو حصہ دیتے تھے اس آیت سے یہ طریقہ ختم کر دیا۔ اور فرمایا کہ ورثاء کے حصص مقرر شدہ ہیں وہی دو۔ البتہ اگر کسی کو خصوصی طور پر وعدہ کیا ہے یا معاہدہ ہے تو اسے اپنی زندگی میں دے دو۔ بعد میں وصیت کی آیات اور حدیث کے ذریعے یہ حصہ صرف 1/3 تک محدود کر دیا گیا ہے تاکہ ورثاء کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ

اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَ الّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا [4:34]

مرد عورتوں پر محافظ یا منتظم ہیں اسلئے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (ان کے) اخراجات پورے کرتے ہیں۔ پس نیک بیویاں اطاعت شعار خاوند کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ (گھر اور اپنی عزت کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اور تمہیں جن عورتوں کی نافرمانی و سرکشی کا اندیشہ ہو تو انہیں نصیحت کرو اور (اگر نہ سمجھیں تو) انہیں خوابگاہوں میں (خود سے) علیحدہ کردو اور (اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو) انہیں (تادیباً ہلکا سا) مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر (زیادتی کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ سب سے بلند سب سے بڑا ہے۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا [4:35]

اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان مخالفت کا اندیشہ ہو۔ تو تم ایک منصف نمائندہ (حکم) مرد کے خاندان سے اور ایک منصف نمائندہ (حکم) عورت کے خاندان سے مقرر کرلو اگر وہ دونوں (حکم) صلح کرانے کا ارادہ رکھیں تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہر بات سے باخبر ہے۔

نکاح کے احکام کے بعد کس طرح ایک پرسکون عائلی زندگی گزاری جائے تا کہ ایک خاندان خوشی کے ساتھ زندگی مکمل کرے اور پھر یہ تعلق زندگی کے بعد وراثت کی صورت میں بھی ظاہر رہے۔ اس رشتہ کی پائیداری کے لئے ضروری ہے کہ ایک انتظامی یونٹ کی طرح اس طریقہ کار اور نظام تشکیل دیا جائے تا کہ یہ ایک ابتدائی اور بنیادی خاندانی یونٹ معاشرہ کے مضبوط بنیاد بنے اور کہیں ابتدائی طور پر ہی انتشار کا شکار ہو کر ختم اور بکھر نہ جائے۔ اس لئے احکام کے لئے بنیاد و طریقہ کار مہیا کر دیا۔

عائلی نظام کا اصول:۔

آیات مبارکہ میں اس نظام کی بنیادی خدوخال بیان فرمائے ہیں کہ مرد کو عورتوں کا محافظ و منتظم بنایا گیا ہے اور یہ امتیاز مردوں کو انکی ایک وجہ طبعی فطرت ہے کہ ان کو ماہواری، حمل، ولادت کے مراحل سے گزرنا نہیں پڑتا اور جسمانی طور پر سخت ہیں

اور ساتھ ہی ان کو عورتوں کی معاشی و معاشرتی تحفظ کی ذمہ داری بھی دی ہے اور اس ذمہ داری کی بناء پر وہ گھر کے انتظامی سربراہ ہے بحیثیت انسان عورت اور مرد ایک ہیں اسلئے لفظ بعض سے بعض کو استعمال کیا ہے یہ صرف جسمانی ساخت و ذمہ داری کی بناء پر ہے انتظامی طور پر کسی بھی انتظامی یونٹ میں صرف ایک ہی سربراہ ہوسکتا ہے اور اگر دو ہوں گے تو انجام تباہی اور اسلئے عائلی ابتدائی یونٹ (خاندان) میں مرد کو سربراہ بنایا گیا ہے اور اسکے ذمہ مالی ذمہ داری ڈال دی ہے تا کہ اسکی اہمیت اور افادیت کا اسکے تحت رہنے والوں کو پتہ چلے آج ہم دیکھتے ہیں کہ کاروبار ہو یا ملازمت، زراعت ہو یا صنعت جو بھی معاشی تحفظ مہیا کرتا ہے وہ ہی انتظامی صحیح کنٹرول کرسکتا ہے۔ جہاں مرد کو انتظامی سربراہ مقرر کیا ہے وہاں دوسرے فرد یعنی بیوی (عورت) کے حقوق کا اعلان اور تحفظ بھی دیا ہے۔وہ گھر کی حفاظت اور داخلی انتظام کی ذمہ دار ہے اور مختار ہے۔ اسلئے فرمایا کہ یہ انتظامی یونٹ اس وقت بہترین کارکردگی کرے گا جبکہ اسکے دوسرے افراد (۱) اچھے کردار کے ہوں (۲) ٹیم سپرٹ کے ساتھ انتظامی سربراہ کی تعلیمات پر عمل کریں۔(۳) یونٹ کی حفاظت و خیال رکھیں جبکہ انتظامی سربراہ موجود نہ ہو اور نظام (وہدایات) کے مطابق کام کریں۔

مسائل کے حل کا طریقہ کار:۔

ایک حدیث کے مطابق بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کو دیکھو تو خوش ہو (یعنی اتنے اچھے تعلقات ہوں) جب اسکو حکم دو تو اطاعت کرے (یعنی ٹیم کا جذبہ ہو) اور جب تم غائب ہو تو اپنے نفس اور مال کی حفاظت کرے (یعنی دیانت اور ذمہ داری سے کام نبھائے اور یہ اس وقت ہے جب اسے مرد مختار بنائے گا) اور اگر یہ کیفیت یا حالت نہ ہو تو ظاہری انتظام اور عمل اسے متاثر ہوگا اور اس کی نتائج اور کارکردگی متاثر ہوگی اور یہ صورت اس وقت ہوگی جب اس یونٹ کا دوسرا اہم حصہ یعنی عورت تعلیمات یا نظام کے مطابق کام نہ کرے اس طرح انتظامی سربراہ کو کیا کرنا چاہیے اسکا حل بھی انتظامی نقطہ نظر سے بتایا گیا ہے۔(۱) مل کر مشورہ کر کے سمجھایا جائے۔عمل نہ کرنے کے نقصانات سے آگاہی دلائی جائے۔عمل کرنے کے فوائد بتائے جائیں اور پھر دیکھا جائے کہ کیا ردعمل ہے اور بہتری ہوئی ہے۔ (۲) دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوگا کہ جب پہلا طریقہ کارنا کام ہو جائے آپ دوسرا مرحلہ سماجی یا معاشرتی تعلقات ختم کرنا ہیں وہ اس طرح کہ بیڈروم کے اندر علیحدگی کرلی جائے (عورت کو چھوڑ کر دوسرے گھر نہ چلا جائے یا عورت کو دوسرے گھر نہ بھیجا جائے) تا کہ اسکو اسکی غلطی کا احساس ہو لیکن معاشی طور پر گھر کا نظام اس طرح چلتا رہے۔خصوصی تعلقات ختم کر دے جائیں تا کہ بیوی کو تنہائی محسوس ہو۔ (۳) تیسرا مرحلہ تب شروع ہوگا جب پہلے دو مراحل میں ناکامی ہو جائے۔ پھر تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ خوف دلایا جائے اور جسمانی سزا دی جائے جو معمولی ہو مثلاً چہرہ پر نہ مارا جائے۔جسم پر ضرب کے نشان نہیں ہونے چاہیں۔اس تکلیف سے غلطی یا نافرمانی کا احساس ہو کیونکہ جسمانی طور پر درد کا احساس زیادہ فوری طور پر محسوس ہوتا ہے یہ صورت انتہائی حالت میں اس لئے ہے کہ ہمیشہ سے علیحدگی کے بجائے اکٹھا گزارا کیا جائے

اور یہ یونٹ جو خاوند بیوی اور بچوں پر مشتمل ہے ختم اور بکھر نہ جائے اور زیادہ نفسیاتی مسائل کا شکار نہ ہو۔حضور اکرم نے اسکو انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا۔حدیث مبارک کے الفاظ "لن یضرب خیارکم" یعنی اچھے مرد مارنے کی سزا عورت کو نہیں دیں گے۔ابن سعد اور بیہقی نے حضرت صدیق اکبر کی صاجزادی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ پہلے مردوں کو مطلقاً عورتوں کو مارنے سے منع کر دیا گیا تھا مگر پھر عورتیں شیر ہوگئی (نافرمان) تو یہ اجازت مکرر (دوبارہ) دی گئی۔اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت سعد بن ربیع نے اپنی زوجہ حبیبہ بنت زید بن زبیر کو ایک طمانچہ مارا۔حبیبہ نے والد سے شکایت کی۔والد ان کو لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے حکم دیا کہ حبیبہؓ کو حق حاصل ہے کہ جس زور سے سعد نے ان کو طمانچہ مارا وہ بھی اتنی ہی زور سے ان کو طمانچہ ماریں۔یہ حکم سن کر والد اور بیٹی چلے کہ شوہر سے انتقام لیں گے۔اسکے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے بلا کر حکم سنایا کہ انتقام لینے کا حکم منسوخ ہے۔ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اچھے خاوند مارنے کی سزا عورت کو نہیں دیتے۔اس آیت میں اجازت کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ مرد عورت پر ہاتھ اٹھاتا رہے یعنی مارتا رہے ایک دفعہ معمولی ضرب سے اگر عورت سنبھل گئی تو بہتر ہے ورنہ عورت مار پر علیحدگی طلب کرسکتی ہے جسکا آگے طریقہ بھی بتلا دیا ہے۔اگر عورت گھر کے اخراجات میں مرد کے ساتھ مل کر بوجھ اٹھاتی ہے تو وہ مرد کی ذمہ داری بھی اٹھا رہی ہے لہذا مرد اسکی معاشی تحفظ کی ذمہ داری پوری نہیں کرتا اسلئے اسکے حقوق کم ہو جاتے ہیں اور عورت کے حقوق بڑھ جاتے ہیں۔(۴) اگر ایک دفعہ جسمانی سزا کے بعد بھی مشکلات اور ضد و جھگڑا چلتا ہے تو عورت کی طرف سے خاندان کا ایک فرد حکم (ثالث) بنے یعنی ایسا نمائندہ جو فیصلہ کی صلاحیت رکھتا ہو یعنی صاحب علم بھی ہو عقل و با اثر بھی ہو تا کہ اسکی بات مانی جائے اسی طرح مرد کے خاندان میں سے ایک آدمی مرد کا نمائندہ بن کر دونوں کی صلح کرائیں یا دونوں کو ان کی غلطی سے آگاہ کریں اور ختم کرنے کی تدبیر بتائیں۔اور اگر دونوں اپنی ضد پر قائم تو علیحدگی ہو جائے گی۔حکم کا با اختیار ہونا بہت ضروری ہے ورنہ معاملہ عدالت میں جائے گا اور فیصلہ اخری ہوگا۔

طرفین کے ذریعہ صلح کا انداز ایک قدیم ترین اور کامیاب ترین طریقہ انصاف ہے جس سے معاملات ابتدائی مرحلے میں ختم ہو جاتے ہیں اور نفرتیں زیادہ گہری نہیں ہوتیں اور اگر علیحدگی بھی ہو جائے تو وہ دشمنی کا سبب نہیں بنتی۔دنیا میں مصالحتی گروپ یا افراد سب سے اسان انصاف کا ذریعہ ہیں۔اسلئے فرمایا کہ اللہ موافقت پیدا کرے گا۔

مغربی تہذیب جہاں خاندانی نظام میں دونوں افراد یعنی میاں بیوی برابر کے حقوق کا نظریہ رکھتے ہیں وہاں اسلئے طلاق کی شرح ستر فیصد سے زائد ہے کیونکہ کوئی سربراہ نہیں ہوتا اور انتظامی طور پر ہر فرد اپنے آپ کو خود مختار تصور کرتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اتنی محبت اور افہام وتفہیم کے بعد بھی شادی پوری نہیں ہوتی اور علیحدگی پر انجام ہوتا ہے طلاق کا حق مرد کو دینے کا ہی مطلب ہے کہ وہ سربراہ ہے لہذا اسے اسکا حق زیادہ ہے اگر دونوں کو طلاق کا حق برابر دیا جاتا یعنی بیوی بھی طلاق (یکطرفہ) دے دیتی تو طلاق کے امکانات دوگنے ہو جاتے اسلام میں بیوی کئی وجوہات پر طلاق لے سکتی ہے خلع کی صورت میں افہام وتفہیم

ہے اور اسکے علاوہ عدالتی چارہ جوئی ہے جسکی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ جدید عائلی قوانین جسقدر بھی ہیں ان میں اسلام کے قوانین سے اختلاف کی وجہ سے شرح طلاق بہت زیادہ ہے جسکی وجہ سے جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے سماجی مسائل بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم و خبیر ہے لہذا ہر فرد کو اپنی حدود اور مثبت سوچ کو اپنا کر اپنا کردار ادا کرنا اور فرائض کا اہتمام کرنا چاہیے۔

طلاق کے ریٹ (شرح) کا مغرب (یورپ) اور مشرق (اسلامی ممالک کا مقابلہ اقوام متحدہ کی ڈیموگرافک اور سوشل شماریات ڈویژن کی رپورٹ 2014 کے مطابق درج ذیل ہے۔

مغربی ممالک میں شرح طلاق: (۱) ریاستہائے متحدہ امریکہ 53% فیصد، (۲) فرانس 55% فیصد، (۳) کیوبا 56% فیصد، (۴) ایسٹونیا 58% فیصد، (۵) لکسمبرگ 60% فیصد، (۶) سپین 61% فیصد، (۷) چیکوسلواکیہ 66% فیصد، (۸) ہنگری 67% فیصد، (۹) پرتگال 68% فیصد، (۱۰) بیلجیم 71% فیصد۔

اسلامی ممالک میں شرح طلاق: (۱) اجزائر (الجیریا) 15% فیصد (2013)، (۲) مصر 17% فیصد، (۳) ایران 12% فیصد (2009)، (۴) کویت 42% فیصد (2010)، (۵) لیبیا 5% فیصد (2002)، (۶) قطر 33% فیصد (2011)، (۷) سعودی عرب 21% فیصد (2005)، (۸) شام 9% فیصد (2006)، (۹) ترکی 20% فیصد (2011)، (۱۰) اردن 25% فیصد (2010)۔ (ماخذ از وکی پیڈیا)

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا نِ [36:4]

اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور رشتہ دار ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے) اور جو تمہارے قبضہ میں ہیں (ماتحت کام کرتے ہیں) ان سے نیکی کرو۔ بے شک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا (مغرور) اور خود بین (فخر والا) ہو۔

الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا [37:4]

جولوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے اور ایسے کفران کرنے والے لوگوں کیلئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَ مَنۡ یَّکُنِ الشَّیۡطٰنُ لَهٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا[4:38]

اور جولوگ اپنے مال لوگوں کے دکھلاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر (یہ اللہ کو ناپسند ہیں) اور شیطان جس کا بھی ساتھی ہوا وہ بہت برا ساتھی ہے۔

معاشرتی حقوق:۔

پچھلی آیت میں ایک خاندانی یونٹ کے معاملات کا ذکر تھا چونکہ گھر سے باہر کی دنیا یا معاشرہ بہت اہم ہے اس نے ان آیات میں اس معاشرہ میں انسانی رویہ اور اقدار کا بیان ہے۔

حقوق اللہ:۔

سب سے پہلا رشتہ خالق کائنات کا ہے جس نے فرد کو زندگی اور اس سے متعلقہ بے پناہ نعمتیں عطا کیں اسلئے اسکی عبادت واطاعت ضروری ہے۔

شرک: (۱) شرک عظیم ترین گناہ ہے شرک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو اسکے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ حقوق اللہ میں اہم حق عبودیت کا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق نبی کریم نے فرمایا مجھے تمہارے متعلق بہت زیادہ اندیشہ شرک اصغر کا ہے صحابہ نے پوچھا شرک اصغر کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا دکھلاوا ایک اور روایت میں ہے کہ قیامت کے دن جب اعمال صالحہ کا ثواب تقسیم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان ریاکاروں (دکھلاوا کرنے والوں) کو فرمائیں گے "ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کے لئے تم دنیا میں نیک عمل کرتے تھے اور دیکھ لو کیا ان کے پاس تمہارے اعمال کا ثواب اور اسکی جزا ہے (روح المعانی)۔ اللہ تعالیٰ اس شرمندگی سے سب کو محفوظ فرمائے اور ریاکاری سے بچائے (آمین)۔

حقوق والدین: (۲) دوسرا حق والدین کا ہے جنکی وجہ سے انسان کا وجود آیا۔ قائم رہا اور پروان چڑھا اس لئے خدا تعالیٰ کے حق کے بعد ان کے حقوق کا ذکر فرمایا گیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ احسان کرو یعنی ان کی مالی مدد۔ جسمانی خدمت اور احترام وادب اور دل شکنی نہ کرو۔ متعدد احادیث میں والدین کی اطاعت کا حکم ہے۔ ایک حدیث ہے کہ " اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی رضا میں اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔" (بحوالہ ترمذی) اگر والدین گناہ کے لئے حکم دیں تو اسکی تعمیل نہ کی

جائے لیکن ان سے بدتمیزی بھی نہ کی جائے۔

قرابت دار (رشتہ دار): (۳) والدین کے بعد اپنے رشتہ داروں چچا۔ ماموں۔ خالو وغیرہ کے ساتھ احسان۔ بھلائی کا حکم دیا ہے حضور کا ارشاد ہے کہ صدقہ عام کسی غریب یا فقیر کو دینے سے صرف ایک صدقہ دینے کا ثواب ملتا ہے جب کہ اگر رشتہ دار کو دیا جائے تو دو ثواب ہیں صدقہ کا اور صلہ رحمی کا۔ معاشرہ میں یہ کس قدر اہم ہے اسکو بیان کرنے کی ضرورت نہیں اسلام ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے۔

(۴) اسکے بعد معاشرہ کے کمزور افراد معاشرتی و معاشی طور پر۔ یتیم اور مسکین ان کے ساتھ بھلائی اور احسان کا حکم ہے یہ اسلئے کہ اگر کوئی رشتہ دار نہیں تو بھی معاشرہ میں اسکے ساتھ بھلائی اور اسکا خیال ضروری ہے۔ اسلئے لاوارث بچوں اور محتاج افراد کا خیال ضروری ہے۔

(۵) اسکے ساتھ پڑوسی کے حقوق ہیں ایک حدیث کے مطابق آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جبرائیل ہمیشہ مجھے پڑوسی کی رعایت و امداد کی تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا شاید پڑوسی کو بھی رشتہ داروں کی طرح وراثت میں شریک کر دیا جائے گا (مسلم اور بخاری) ایک اور حدیث کے مطابق ایک پڑوسی کا پیٹ بھر کر کھانا جائز نہیں جب کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ پڑوسی قریبی والا اور دور والا پڑوسی رشتہ دار اور بغیر رشتہ کے اسی طرح مسلمان اور غیر مسلم۔ بہر حال قریبی۔ رشتہ دار اور مسلم کا حق دوسرے کے مقابل زیادہ ہے اور قریب پڑوسی قریب دروازہ والا ہے۔

ہم مجلس و ہم سفر: (۶) پہلے ان افراد کا ذکر تھا جن کے ساتھ روابط کا تسلسل رہتا ہے لیکن جن افراد کے ساتھ صرف عارضی یا وقتی تعلق ہو مثلاً دوران سفر، یا کسی مجلس و بازار میں ہو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار اسکی ضرورت کا خیال رکھا جائے قول و فعل سے اسکی دل ازاری نہ کی جائے۔ خواہ وہ ساتھی دوران کام یعنی روزگار یا دفتر میں ساتھی ہو۔

مسافر یا راہ گیر (ابن سبیل): (۷) وہ افراد جو دوران سفر ہمارے ہاں قیام کریں یا ہم سے کچھ معاونت کے محتاج ہوں۔ انسانی تعلق کی بناء پر ان کا خیال بہت اہم ہے اس میں وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم بقدر استطاعت حسن سلوک فرض ہے۔

(۸) پھر اسکے بعد وہ افراد جو کسی شخص کے زیر اثر یا کنٹرول ہوں پرانے زمانہ میں غلام اور آج کے زمانہ میں ملازم و نوکر افراد ہیں خواہ وہ زراعت میں ہوں، صنعت یا گھر کے اندر ان کے ساتھ حسن سلوک۔ ان کی تنخواہ و آرام کا خیال، اوقات اور کام کے بوجھ کا پورا خیال رکھنا ضروری ہے اور احسان و بھلائی کے حکم کو مدنظر رکھنا اہم ہے ایک آیت اس قدر اہم ہے کہ زندگی کے لئے ایک بہترین اصول اور ایک صالح اور امن پسند و کامیاب معاشرے کی بنیاد واضح کرتی ہے۔

ان اعمال کی اہمیت کے باوجود کچھ لوگ ان اچھے کاموں سے گریز کرتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا جو لوگ ان اعلیٰ اقدار اور معاشرے میں امن و محبت کا خیال نہیں کرتے اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ افراد ایک خاص مرض میں مبتلا

ہوتے اور وہ تکبر ہے اور اپنے گھمنڈ کی وجہ سے دوسروں سے اعلیٰ تصور کرتے ہیں اور خودستائی کے مرض (اپنے کو بڑا سمجھنا) میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تکبر کی مرض:۔

تکبر ایک ایسی ذہنی کیفیت ہے کہ جس میں انسان اپنے اندران خوبیوں پر فخر اور غرور کرتا ہے جو اس کے اندر نہیں پائی جاتیں اور اگر ہیں بھی سہی تو بہت معمولی اور پھر اس گمان کی وجہ سے وہ دوسروں کو کمتر سمجھتا ہے اور انہیں نظر انداز کرتا ہے۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو بہت ممتاز اور بلند تصور کرتا ہے اسلئے اور دوسروں سے معاملات میں وہ مساوات احترام باہمی اور ضرورت وتعاون کے جذبات سے عاری رہتا ہے اور اگر وہ بعض اوقات کوئی کام کرتا بھی ہے تو اسکا مقصد اس کی بڑائی لوگوں کے سامنے دکھانا ہے تا کہ لوگ اس سے مرعوب ہوں۔ وہ معاشرے کیلئے کوئی سود مند کردار نہیں ادا کرتا بلکہ برائی کی مثال بنتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ متکبر کو پسند نہیں فرماتا۔ایک حدیث میں تکبر کی تعریف بیان کی گئی ہے حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ انسان چاہتا ہے کہ اسکے کپڑے اچھے ہوں۔ اس کے جوتے اچھے ہوں۔ جسے ہم Selfesteem کہتے ہیں (تو یہ بھی تکبر کی علامت ہے اور اس میں داخل ہے) آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ خوبصورت ہے (جمیل ہے) اور خوبصورتی (جمال) کو پسند کرتا ہے "**اللّٰہُ جمیلٌ ویحب الجمال**"۔تکبر یہ ہے کہ آدمی حق کو رد کردے اور لوگوں کو ذلیل سمجھے (بحوالہ مسلم شریف)۔

بخل:۔

تکبر کی طرح بخل بھی بہت بری عادت ہے جس میں آدمی اپنی ذات کے لالچ میں دوسروں کے حقوق بالخصوص مالی معاملات میں زیادتی کرتا ہے یعنی ادا نہیں کرتا۔ اسی طرح جہاں وہ مال کو خرچ نہیں کرتا وہ دوسری نعمتوں یعنی علم وغیرہ سے بھی دوسروں کو محروم رکھتا ہے۔ پھر ایسے افراد جو نہ صرف خود بخیل ہیں اور مالی حقوق یا علمی ذمہ داری کا خیال نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی بخیلی کی ترغیب دیتے ہیں معاشرے کے لئے انتہائی خطرناک اور بے سود ہیں اسلئے ان کی مذمت کی گئی ہے۔حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یہود مدینہ کی یہ عادتیں تھیں کہ مال میں بھی بخیل کنجوس اور علم میں خیانت کرتے تھے لوگوں کو توریت کی آیات چھپاتے تھے موجودہ دور میں ہمیں ان بری عادات سے بچنا ضروری ہے۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دولت، علم یا دوسری خوبیوں اور نعمتوں کو اللہ کا انعام وفضل جانے اور ان میں دوسروں کو شریک کرے۔ ایک حدیث کے مطابق دو عادتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہوتیں۔ وہ بخل اور بداخلاقی ہے (بحوالہ ترمذی)

آیت کے آخر میں ایک اور انسانی کردار جو کہ دھوکہ دہی کا محرک ہے اسکا ذکر ہے وہ دکھلاوا کا کام ہے جس کا مقصد

لوگوں کے درمیان پر پیگنڈہ کرنا یا اپنی ذاتی شہرت ہے۔ اس میں اللہ کی رضا مقصود نہیں ہوتی اسکی مثال یہ ہے کہ آدمی غریبوں، محتاجوں کو تو کچھ نہ دے مگر اپنی شہرت کی خاطر ان لوگوں کو نوازتا ہے جو اسکا پروپیگنڈہ کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ کیونکہ اس میں معاشرہ کے غیر مستحق افراد فائدہ اٹھاتے ہیں اور ایک انسان جو اخلاقی جذبات اور انسانی ضروریات کا احساس نہیں کرتا وہ اپنا غلط امیج پیدا کرتا ہے اور اسکا فائدہ اٹھاتا ہے اس عمل کا محرک انسانی نفس امارہ ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اسے شیطان کی رفاقت قرار دیا ہے۔ اور جسکا شیطان ساتھی ہو وہ کہاں بخشا جائے گا۔ عمل کرنے والے کا مقصد اللہ کی رحمت و رضا نہیں ہوتی اسلئے اسکو اس کا بدلہ بھی نہیں ملے گا۔ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق قیامت کے دن جب اعمال صالحہ کی ثواب تقسیم ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان ریاء کرنے والوں سے فرمائیں گے "ان لوگوں کے پاس چلے جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم دنیا میں نیک اعمال کرتے تھے اور دیکھ لو کیا ان کے پاس تمہارے اعمال کا ثواب اور اسکی جزاء ہے"۔ (یعنی ان کے پاس نہیں ہوگی۔)

وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا [39:4]

اور ان کا کیا نقصان ہوتا اگر وہ اللہ اور یوم آخرت (قیامت) پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا اس میں کچھ خرچ کریں (اسکی راہ میں) اور اللہ ان سے خوب واقف ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا [40:4]

بے شک اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دوگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے بڑا اجر دیتا ہے۔

اجر میں اضافہ اور انسانی نفسیات:۔

آیت مبارکہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ کتنے بدبخت ہیں وہ لوگ اور بدنصیب کہ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا اقرار نہیں کرتے ہیں اور اس کی ذات پر اور یوم آخرت پر (کہ حساب دینا ہے) یقین نہیں کرتے اسلئے وہ نیکی و بھلائی کے لئے خرچ نہیں کرتے اور اگر کرتے تو ان کو فائدہ ہوتا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے معمولی نیکی کا اجر دگنا دیتے ہیں اور ذرہ بھر ظلم و زیادتی نہیں کرتے۔ اور نیکی کیلئے ایک بڑے اجر کی خوشخبری دی گئی۔ اسکی کیا مصلحت ہے کہ اللہ تعالیٰ معمولی نیکی کا بھی کئی گنا بڑھا کر انسان کو ثواب دیتا ہے اگر غور کریں تو یہ انسانی نفسیات کا ایک خوبصورت تجزیہ پھر اسکی مشکل اور اسکا علاج ہے۔ انسان کے

اندر اسکی اختیاری قوت کی تین محرکات ہیں ایک نفس کی خواہشات پر بغیر غور وفکر کرنے کے عمل کرنا اس قوت کا نام نفس امارہ (سرکشی کی قوت ہے) اور پھر ایک قوت برائی پر ملامت کرنے والی قوت ہے جسے نفس لوامہ کہا گیا ہے جب اختیار کا معاملہ آتا ہے تو نفس لوامہ کو زیادہ قوت دینے کیلئے معمولی نیکی کے ثواب کو بڑھا کر ایک نیکی و بھلائی کا محرک بنا دیا تا کہ انسان معمولی معمولی نیکی اور بھلائی کو نظر انداز نہ کرے یہ اللہ تعالیٰ کے انسان کے ساتھ پیار کی وجہ سے اسکو دنیاوی اور اگلے جہاں (آخرت) کی کامیابی کے لئے اسباب و محرکات مہیا کرنا ہے۔اس لئے ہمیں نیکی میں آگے بڑھ کر معاشرے کو خوبصورت اور زندگی کا کامیاب بنا کر آخرت بھی سنوارنی چاہیے۔

فَكَيْفَ اِذَاجِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا[41:4]

پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا[42:4]

اس دن وہ لوگ آرزو کریں گے جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش ان پر زمین برابر کر دی جاتی (انہیں مٹی میں دبا کر) اور وہ اللہ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے۔

آیات میں انسان اعمال کا تفصیلی ذکر تھا پھر اسکی مکمل ترغیب کہ ان کو کیا جائے اور جو نہیں کرتے وہ شیطان کے پیچھے چل رہے ہیں اور یہ سارا پیغام چونکہ ایک نبی کی ذات کے ذریعہ دیا گیا لہذا ان کی ذمہ داری کا ذکر بیان کیا ہے۔

انبیاء کی گواہی:۔

قیامت کے دن امتوں کے حساب وکتاب جب ہوں گے تو وہ امتیں اپنی کوتاہی چھپانے کے لئے بہانہ کریں گی کہ انہیں تو اتنا علم نہیں تھا اس پر وہ انبیاء جو امتوں کی طرف بھیجے گئے وہ بیان اور گواہی دیں گے کہ اللہ کا پیغام پہنچایا گیا ہے اور بتلایا گیا اور ان لوگوں نے جان بوجھ کر جھٹلایا اور عمل نہیں کیا اور آج ایک جھوٹا بہانہ سزا سے بچنے کیلئے کر رہے ہیں۔حضور علیہ السلام بھی اپنی امت پر گواہی دیں گے۔اور اسکے علاوہ دوسری امتوں کے انبیاء پر بھی گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنا پیغام پہنچایا۔ایک روایت کے مطابق حضور علیہ السلام پر امت کے اعمال حاضر کئے جاتے ہیں۔(بحوالہ روح المعانی/معارف القران) ایک اور نکتہ آپ کی گواہی یہ دلیل ہے آپ کی ختم نبوت پر کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا آپکی امت قیامت تک اور آپکی نبوت قیامت

تک ہے اسلئے آپ اخری گواہ ہوں گے۔

اعمال کی پیشی پر کیفیت:۔

اس وقت ان لوگوں کی ذہنی وجسمانی کیسی کیفیت ہو گی قرآن مجید نے اسکا نقشہ کھینچا ہے کہ اس دن یہ لوگ (انکار کرنے والے) یہ آرزو کریں گے کہ کاش آج وہ مٹی ہو جاتے یا زمین میں دفن ہی رہتے اور اس عذاب اور حساب سے بچ جاتے لیکن اللہ تعالیٰ ساری باتیں جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپائی نہیں جاسکتی اسلئے یہی وقت بہتر ہے کہ عمل صالح کر کے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

اعمال کیسے پیش ہونگے:۔

آج سے کچھ سو سال قبل تو ہم اس پر صرف اعتقاد کی بناء پر یقین کرتے تھے لیکن اب جو سائنس بالخصوص ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی بناء پر روشنی، تصویر، آواز کا کسی چیز میں سٹور کرنا اور پھر اسکو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانا بہت آسان اور واضح ہو گیا ہے جس کی مثال انٹرنیٹ کے ذریعے بھیجنا ہے۔ ایک سائنسی نظریہ ہے کہ زمین پر سارے واقعات ایک امیج کی صورت میں لہروں کے طریقے پر فضا (خلاء، کائنات) میں جارہے ہیں اور فضا یا کائنات کا حجم انسانی تخلیات سے بہت بڑا ہے مثلاً کائنات کی وسعت اربوں نوری سال ہے تو زمین پر انسانی زندگی اور اسکی ابتداوانتہاء اسکا معمولی حصہ ہے پھر یہی امیجز جس طرح ہیں ان کو انٹرنیٹ پر کسی آلہ (Divice) کے ذریعے دیکھ سکتے ہیں اسی طرح پیش کئے جاسکتے ہیں لہذا یہ یقین جو قرآن نے ہمیں آج سے چودہ سو سال پہلے بتایا ہے آج کی جدید ٹیکنالوجی اسکی تصدیق کر رہی ہے۔ اسکی تفصیل اور طریقہ کار ہمارے علم سے کہیں بلند ہے کیونکہ اسکا بندوبست انسان نہیں بلکہ اسکے خالق نے کیا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُـوْا لَاتَـقْـرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَاجُـنُـبًـا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَ اِنْ كُـنْـتُـمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْجَآءَ اَحَـدٌ مِّـنْـكُـمْ مِّـنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا [43:4]

اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ یہاں تک تم وہ بات سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ حالت جنابت میں (نماز کے قریب جاؤ) تا آنکہ تم غسل کر لو سوائے اسکے کہ تم سفر پر ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے لوٹے یا تم (اپنی) عورتوں سے مباشرت کی ہو پھر تم پانی

نہ پا سکو تو تم پاک مٹی سے تیمّم کر لو، پس اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کر لیا کرو بے شک اللہ معاف کرنے اور بخشنے والا ہے۔

عبادت کا اہتمام:۔

آیات مبارکہ میں عبادت کے متعلق احکام کا ذکر ہے۔ اسلام نے تمام برائیوں کو مٹاتے وقت ان کے معاشرے میں اثر کے مطابق احکام دیے ہیں۔شراب کو تین مرحلوں میں حرام قرار دیا۔ اس آیات میں نماز پڑھنے کی صورت میں منع کیا گیا ہے تا کہ غلط آیات ادا نہ ہو جائیں اور معانی بدل جائیں گے۔ دوسری اہمیت نماز کو سمجھنا بھی ہے کہ کیا پڑھ رہا ہے۔لیکن ساری نماز کے معانی کو جاننا ضروری نہیں کچھ علماء نے جاننا ضروری قرار دیا ہے لیکن اکثریت نے صرف الفاظ کی ادائیگی کو ضروری قرار دیا ہے(تا کہ سہولت ہو)اسی طرح سخت نیند کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کے بجائے آرام کیلئے حدیث میں حکم دیا ہے تا کہ بعد از آرام صحیح طریقہ سے نماز ادا ہو سکے۔ اسی طرح سخت بھوک کی صورت میں کھانا پہلے کھا لینا چاہیے۔اس کا مقصد عبادت کا اہتمام اور پوری توجہ سے ادائیگی ہے۔اگر عورت سے مباشرت ہو جائے یا نیند میں انزال ہو جائے تو اس صورت میں غسل کے بعد نماز پڑھی جائے۔ اور اگر آدمی سفر میں ہو یا گھر میں پانی نہ ہو یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو غسل یا وضو کے بجائے تیمم کر لیا جائے۔

تیمّم:۔

تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ زمین یعنی سطح زمین (مٹی یا اس سے پیدا شدہ (جنس) سے اشیاء) جس پر گرد وغیرہ ہو پر ہاتھ پھیرنا پھر ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا پھر دوبارہ مٹی یا اسکی جنس والی اشیاء پر ہاتھ پھیر کر ہاتھوں پر کہنی تک پھیرنے کا عمل تیمّم ہے بہتر ہے کہ ہاتھوں کو جھاڑ کر پھر پھیرا جائے۔تیمّم وضو یا بعض حالات میں غسل کا متبادل ہے۔بعض علماء نے صرف ایک دفعہ ہاتھ پھیرنا کافی قرار دیا ہے تفصیل کیلئے کتب فقہ سے رجوع کر لیں۔ اسی طرح کچھ علماء نے جنبی حالت (جب غسل واجب ہو) میں بغیر تیمّم یا وضو کے مسجد میں داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ اسلام نے ہمیشہ انسانی ضرورتوں کو عبادات اور معاملات میں اہمیت دی ہے اور تیمّم کی اجازت بھی ایک سہولت ہے کہ آدمی نفسیاتی طور پر عمل سے اپنے آپ کو پاک محسوس کر لے اور فرض کی ادائیگی پوری کر دے۔ چونکہ اللہ معاف فرمانے والے ہیں اسلئے اتنی رعایتیں دی ہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ [44:4]

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب (آسمانی) کا کچھ حصہ عطا کیا گیا وہ گمراہی خرید رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم (بھی) سیدھے راستے سے بہک جاؤ۔

وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِكُمۡ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا[4:45]

اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ (بطور) حمایتی اور اللہ مددگار کافی ہے۔

مِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَ عَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَ طَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَ انۡظُرۡنَا لَـكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَ اَقۡوَمَ وَ لٰـكِنۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا[4:46]

کچھ یہودیوں میں سے الفاظ کو (اصل) مقامات سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور نہیں مانا اور (یہ بھی کہتے ہیں) سنئے آپ سنوائے نہ جائیں۔ اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے، راعنا، کہتے ہیں اور اگر وہ لوگ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور (ہماری گزارش) سنئے اور ہمارے طرف نظر کیجئے تو یہ ان کے لئے بہتر اور درست ہوتا۔ لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی اس لئے ان میں تھوڑے سے لوگ ایمان لاتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدۡبَارِهَاۤ اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ وَ كَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا [4:47]

اے اہل کتاب! اس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتاری ہے (قرآن) جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے (توریت) اس سے قبل کہ ہم چہرے بگاڑ دیں یا انہیں پیچھے پھیر دیں یا ان پر اسی طرح لعنت کریں جیسے ہم نے ہفتہ کے دن (نافرمانی کرنے) والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔

یہ تین آیات یہود کے کردار کے بارے میں ہے۔ یہود عربوں میں اہل علم خیال کئے جاتے تھے کیونکہ وہ توریت کے عالم تھے۔ مدینہ شریف میں حضور علیہ السلام کی آمد اور میثاق مدینہ کے بعد ان کے ساتھ مسلمانوں کا ساتھ تعلقات شروع ہوئے۔

حضور نے ان کو قبول اسلام کی دعوت دیتے اور توریت میں موجود آیات کا حوالہ دیتے جنکی وجہ سے کچھ علماء (حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ) نے اسلام قبول کر لیا۔لیکن بہت سارے یہودیوں نے محض حسد اور عرب قومیت (ہاشمی) ہونے کی بناء پر اسلام کی مخالفت کی لیکن وہ کھلے عام مخالفت کے بجائے چھپ کر اور مختلف بہانے بنا کر کرتے تھے جنکا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے۔ وہ مسلمانوں کو بہکاتے حضور علیہ السلام کی مجلس میں شرکت کرتے اور دوران گفتگو ذومعنی الفاظ کے ذریعے مثلاً سمعنا اونچا کہتے کہ ہم نے سنا پھر خاموشی سے کہتے عصینا ہم نہیں جانیں گے اور پھر غیر مسمع کہتے جنکا معنی آپ نہ سنے جائیں(یعنی ناگوار بات نہ سنیں) یا کچھ نہ سنیں۔اور راعنا، ان حرکات پھر جب مسلمان اعتراض کرتے تو وہ کہتے ہیں ہمارا مقصد دوسرا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی خباثت اور بدنیتی کا اعلان فرما دیا اور کہا کہ وہ اسطرح حق کی موجودگی میں گمراہی پر اصرار کی وجہ سے گمراہی کو خرید رہے ہیں اور پھر کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمان بھی گمراہ یا بدظن یا متذبذب رہیں ان کے یہ سارے افعال ناکام ہوں گے اللہ حق پرستوں کی حفاظت کرے گا اور مددگار ہے۔ان کی ان حرکات کی وجہ سے اللہ ان کے دلوں میں کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کرے گا اس لئے اسقدر ہدایت کے باوجود حضور کی (صحبت) کے باوجود چونکہ وہ گمراہی پر اڑے ہوئے اسلئے وہ گمراہ ہی رہیں گے موجودہ مسلمانوں کو بھی ایسے دوستوں یا خیرخواہوں کا تجزیہ کرنا چاہیے کہیں ان کی پالیسیاں دوہری تو نہیں کہ مسلمانوں کو نقصان بھی دے سکیں اور بظاہر نظر اچھی آتیں؟ ان سے بچنا اور ان کو سمجھنا ضروری ہے۔

احترام نبی:۔

اور پھر فرمایا کہ ان کے اس ظلم، گمراہی کی وجہ سے ان پر وہی عذاب ہوگا جس طرح پچھلے یہود پر ہوا تھا جنھوں نے اللہ کی نافرمانی کی تھی اور واقعات نے ثابت کیا ہے کہ یہود اپنی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ سے نکل گئے اور دور دراز علاقوں کی طرف چلے گئے ان کی عزت و مقام ختم ہوگیا بلکہ مسلمانوں کی حفاظت وامان میں زندہ رہے۔اور اللہ کا حکم نافذ ہوگیا۔ ہمارے لئے یہ ایک ہدایت ہے کہ ہم مسلمان بھی حق پر رہیں قرآن و حدیث کے احکامات کو دل کے ساتھ بغیر ذاتی مصلحت وعناد کے ان پر عمل کریں اور ذاتی مفادات میں قرآن واسلام کی تعلیمات کو نہ چھپائیں اگر ہم چھپائیں گے تو عذاب خدا کے مستحق ہوں گے۔اللہ سب کو محفوظ فرمائے۔

ایک اور اہم نکتہ حضور علیہ السلام کا حقیقی احترام اور اسکی اہمیت ہے آپ کا پوری طرح دل سے محبت و احترام ضروری ہے۔بقول حضرت علامہ محمد اقبال مرحوم ؎

مصطفےٰ برساں خویش کہ دیں ہم اوست
گر بہ اونر سیدی ہمہ بولہبی است

(حضرت محمد مصطفیٰ کی ذات سے محبت ہی سارا دین ہے اسکے علاوہ تو بولیب والا کردار ہے یعنی دین دشمنی ہے)

اِنَّ اللّٰـهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا [4:48]

بے شک اللہ اس بات (گناہ) کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اسکے علاوہ (گناہ) جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے حقیقتاً زبردست گناہ کا بہتان باندھا۔

گناہ عظیم:۔

پچھلی آیات یہود کے بارے کیونکہ وہ بھی توریت کی تعلیمات کو بھول چکے تھے اور اللہ کی وحدانیت سے ہٹ چکے تھے اور اللہ کی وحدانیت سے ہٹ چکے تھے۔ گناہوں میں سب سے بڑا شرک ہے اور تمام انبیاء حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک اللہ کی بلا شرکت غیرے خدائی اور عبادت کا پیغام انسانیت کو دیتے آئے ہیں۔ جس خالق نے انسان کو پیدا کیا، زندگی، رزق اور زمین پر تمام موجود نعمتیں دیں اس کا وہ اقرار نہیں کرتا اور اسکی عبادت نہیں کرتا بلکہ کسی اور جو اسکی پیدا کردہ مخلوق ہے اسکو سب سے بڑھ کر حاکم اعلیٰ اور قابل عبادت سمجھتا ہے تو اس سے بڑھ کر اس خالق حقیقی کی کیا نافرمانی ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے، شرک کو گناہ عظیم قرار دیا ہے جو اگر دل سے توبہ نہ کی تو معاف نہیں ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ معاف نہیں کریں گے اور مشرک کو جہنم کی سزا ہوگی اسکے علاوہ گناہ جس قدر بھی ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بخش دیں گے۔ اتنے بڑے گناہ کے بارے جاننا ضروری ہے۔ شرک کا لغوی معنی دو یا دو سے زیادہ افراد کا کسی ملکیت میں شریک ہونا ہے (المفردات) "**والشرک یکون بمعنی الاعتقاد ان الله تعالیٰ شانه، شریکا امافی الا لوهیه او فی الربوبیته بمعنی الکفر مطلقاً**" (روح المعانی جلد 3 از علامہ الوسی)

علماء نے مختصر اسکی تعریف یوں لکھی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات یا اسکی صفات میں کسی اور کو اس طرح شریک کرنا، جاننا، یقین کرنا کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے علاوہ قائم بالذات وقائم بالصفات ہے اور اسکی عبادت کرنا ہے"

شرک کا عمل اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نافرمانی اور اسکی ذات پر ایک عظیم بہتان باندھنا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ فرمائے۔ اس لئے ایک حدیث شریف کے مطابق ریا کو شرک خفی کہا گیا ہے۔ اگر عبادت کے اعمال بظاہر اللہ تعالیٰ کے نام سے کئے جائیں لیکن مقصود ان سے لوگوں کو دکھلاوا یا کسی فرد کو خوش کرنا ہو تو وہ بھی ادنیٰ درجہ میں اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اسلئے تمام عبادات اور اعمال صالحہ کا مقصود حقیقی اللہ کی رضاء وخوشی ہونی چاہیے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا [49:4]

کیا تم نے ایسے لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود کو پاک ظاہر کرتے ہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک فرماتا ہے اور پھر ان پر ایک ذرہ بھر کے برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(اور جو پاک ظاہر کرتے ہیں لیکن نہیں)

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ كَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا [50:4]

آپ دیکھوتو! وہ اللہ پر کیسے جھوٹا بہتان باندھتے ہیں اور (ان کے عذاب کے لئے) یہی کھلا گناہ کافی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا [51:4]

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں (آسمانی) کتاب کا حصہ دیا گیا ہے (پھر بھی) وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ مسلمان کی نسبت یہ (کافر) زیادہ سیدھی راہ پر ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا [52:4]

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا۔

مدح سرائی کا دعویٰ عیب ہے:۔

آیات مبارکہ میں یہود کے کردار کا ذکر ہے۔ وہ اپنے آپ کو اہل کتاب اور حضرت ابراہیم واسحاق کے وارث کے طور پر بلند مرتبہ اور پاکیزہ تصور کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کو رد فرمایا اور مطلع کیا کہ پاکیزہ و برتر وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ پاکیزگی اور برتری عطا فرمائے اور وہ لوگ جو محض پاکیزگی کے گمان میں رہتے ہیں بھٹک جاتے ہیں اور سزا و عذاب کے مستحق ہوتے ہیں اپنے آپ کو اللہ کا برگزیدہ ظاہر کرنا ایک تکبر کی علامت ہے اور اللہ کی ذات پر بہتان ہے یہ خود بڑا گناہ ہے اسلئے اپنی مدح سرائی کو علماء نے ایک غیر پسندیدہ فعل قرار دیا ہے اور سب سے اہم چیز انجام ہے اگر انجام حق سے دوری پر ہوا تو عذاب ہی عذاب ہے۔

ذاتی اغراض کے لئے حق کو چھپانا:۔

جنگ احد کے بعد یہودیوں کے سردار مکہ گئے اور مکہ والوں کو مدینہ پر حملہ کرنے اور ان کو تعاون کا یقین دلایا لیکن جب مکہ والوں نے ان سے کہا کہ تم اہل کتاب ہو اور مسلمان بھی اہل کتاب ہیں تم ہمیں بتاؤ کہ ہم (یعنی کفار مکہ) اور مسلمانوں سے کون حق پر ہے تو انہوں نے کہا کہ تم حق پر ہو اور محمد ﷺ (معاذ اللہ) گمراہی پر ہیں پھر قریش نے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ معاہدہ کرتے ہو تو ہمارے معبودوں (بتوں) کو سجدہ کرو تا کہ ہمیں تمہارے تعاون و وعدہ کا یقین ہو جائے تو کعب بن اشرف جو یہودیوں کا عالم تھا اس نے ایسا ہی کیا۔نفسانی خواہشات جن کی بنیاد دنیوی لالچ اور (سفلی) گھٹیا خواہشات ہوں ان سے مکمل پرہیز ضروری ہے ورنہ آدمی حق، مذہب جیسی اہم چیز کو فروخت کر دیتا ہے۔بدقسمتی سے اس دور میں بہت سارے افراد اس عذاب میں مبتلا ہیں۔اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔آمین۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واقعہ کو ظاہر کر دیا کہ وہ اس قدر دشمنی اور حسد میں جل رہے ہیں کہ مسلمانوں کی دشمنی میں بتوں کو سجدہ تک کرتے ہیں۔شیطان اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں طاغوت اور جبت دو بت بھی تھے۔جبت سحر (جادو) کو بھی کہتے ہیں اور طاغوت سے مراد کہانیت ہے جسے جانوروں اور آوازوں پر فال نکالنا۔ایک معنی گمراہی کا سرغنہ ہے۔(روح المعانی) ایسے اعمال کے حامل افراد کے لئے اللہ کی لعنت ہے اللہ کی لعنت بہت بڑا عذاب ہے اور مسلمان پر لعنت کرنا حرام ہے صرف اسی صورت میں کسی پر لعنت کی جا سکتی ہے جب یہ یقین ہو اسکی موت کفر پر ہوئی ہے البتہ عمومی مجرموں، جھوٹوں، ظالموں کیلئے کہا جا سکتا ہے۔جس پر خدا کی لعنت ہو اسکی کوئی جگہ نہیں۔

اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ فَاِذًا لَّا يُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِيۡرًا[53:4]

کیا ان کا حکومت میں کچھ حصہ ہے؟ اگر ایسا ہو تو یہ (اپنے بخل کی وجہ سے) لوگوں کو ایک تل کے برابر نہیں دیں گے۔

اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ فَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ اٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا[54:4]

کیا یہ (یہود) لوگوں پر حسد کرتے ہیں (نعمتوں کی وہ سے) جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہیں۔ پس واقعی ہم نے ابراہیمؑ کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی ہم نے انہیں بڑی سلطنت دی۔

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا[55:4]

پس ان میں سے کچھ تو اس پر ایمان لے آئے اور ان میں سے کچھ نے منہ موڑ لیا اور (منہ موڑنے والوں کے لئے) دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔

کنجوسی اور اسکا اثر:۔

یہ آیات بھی پچھلی آیات کی طرح یہود کے رویہ اور اعمال کے بارے ہیں۔ یہود کاروبار میں بہت دولت مند تھے لیکن اعمال کے لحاظ سے انتہائی کنجوس تھے۔ اسلئے فرمایا کہ ان کے پاس اگر کسی علاقہ کی حکومت یا سلطنت بھی ہوتی تو کنجوسی کی وجہ سے وہ کسی کو ذرہ بھر نہیں دیتے۔ کنجوسی ایک ذہنی بیماری ہے کہ آدمی نہ خود اپنی اشیاء سے فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ دوسروں کو اٹھانے دیتا ہے۔ اسلئے حدیث مبارک ہے کہ جاہل سخی اللہ کے ہاں عابد و زاہد بخیل (کنجوس) سے بہتر ہے۔ اسی طرح بہت سی احادیث کنجوسی اور بخیلی کی مذمت میں فرمائی ہیں کنجوس معاشی ترقی کے ویل کو بھی روک دیتا ہے کیونکہ جب ہم خرچ کرتے ہیں تو معاشی عمل کی ابتداء ہوتی ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ آدمی کنجوس نہ ہو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف ہے اسلئے اسکو بھی منع کیا گیا ہے نفسیاتی نقطہ نظر کنجوسی ایک منفی قوت ہے جس کو روکنا ضروری ہے۔

دوسری یہود کی کیفیت کو حسد بتایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد بالخصوص حضرت اسحٰق و یعقوبؑ سے بہت سے انبیاء تشریف لائے حضرت داؤد وسلیمان کی سلطنت بھی عظیم تھی یہ ان کو برکت اور سلطنت عطا ہوئی تھی اور یہود اس پر فخر بھی کرتے تھے جبکہ حضور علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم کی اولاد حضرت اسماعیل سے تھے لیکن جب آپ نے مدینہ تشریف لا کر یہود کو دعوت اسلام دی اور مسلمانوں کی تعداد اور قوت بڑھی تو بجائے اسکے کہ توریت کے مطابق نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے انہوں نے دشمنی شروع کر دی اور اسکا محرک (سبب حسد) تھی۔ حسد بھی بخیلی کی طرح انتہائی ناپسندیدہ اور نقصان دہ عادت اور نفسیاتی کیفیت ہے جو منفی قوت پیدا کرتی ہے اور انسان معاشرہ میں منفی سوچ کی وجہ سے نفرت، ضد، اور بالآخر لڑائی پر آ کر رکتا ہے۔

حسد اور اسکا علاج:۔

حسد کیا ہے اسکی تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ اس ذہنی کیفیت کا نام ہے جب آدمی چاہتا ہے کہ کسی اور آدمی سے اسکی دولت یا اچھی عادت یا اسکی اچھی حالت خواہ دینی امور یا دنیوی امور میں ہو۔ جسکا وہ مستحق ہے چھین لے(**حسد تمنی زوال النعمة**) یہ کیفیت بہت نقصان دہ ہے انسان اس منفی قوت کی وجہ سے معاشرہ میں فساد پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ فرمائے متعدد احادیث میں اسکی شدید مذمت فرمائی گئی ہے ایک کے مطابق ''تم حسد سے بچو اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ **ایاکم الحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب**'' (ابو داؤد) حسد کی کیفیت میں آدمی کو دوسرے کیلئے زوال نعمت کے بجائے اپنے لئے خیر وبھلائی اللہ سے طلب کرنی چاہیے او راس طرح منفی قوت یا خیالات کو مثبت انداز میں بدلنا چاہیے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث کے مطابق اپنے سے کمتر لوگوں کی طرف

خیال کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح خوشی سے گزارہ کررہے ہیں یہ ہدایات حسد کے خلاف نفسیاتی تھراپی کے لئے بہت مفید ہے۔ یہ بری قوتیں انسان کے نیک اعمال کو ختم اور اسکو جہنم کا مستحق بنادیتی ہیں۔اسی آیت میں فرمایا کہ بعض نے ایمان کی نعمت سے فائدہ اٹھایا اور کچھ حسد کی بناء پر نیکی و ایمان سے رک گئے اور جہنم کے سزا دار ہوئے۔

اگلی آیات میں ایمان والوں کے انعام اور حسد و بخل کی وجہ سے ایمان و نیکیوں سے محروم انسانوں کی سزا کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

اِنَّ الَّـذِيۡـنَ كَـفَـرُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا ؕ كُـلَّـمَا نَـضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا [4:56]

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہم عنقریب انہیں (دوزخ کی) آگ میں جھونک دیں گے جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو انہیں دوسری کھال سے بدل دیں گے تاکہ وہ (مسلسل) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں، بے شک اللہ طاقت وحکمت والا ہے۔

وَ الَّـذِيۡـنَ اٰمَـنُـوۡا وَ عَـمِـلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ فِيۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّ نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا [4:57]

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ہم انہیں بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنے سائے میں رکھیں گے۔

کھال کا جلنا اور نکلنا:۔

آیات مبارکہ میں جزا وسزا کی کیفیت بیان کی گئی ہے انسانی سمجھ کیلئے قرآن مجید ہمیشہ تقابل کا طریقہ اختیار کرتا ہے جس طرح انسانی عقل کے سامنے دو راہیں ہیں ایک نیکی بھلائی اور ایمان، امن وسلامتی کی اور دوسری بدی، شر فساد اور اللہ کے احکام سے انکار کی تو دونوں اعمال پر ان کے مطابق جزا وسزا ہے۔انکار کرنے والوں کو جہنم کی بھڑکتی آگ میں جھونک دیا جائے گا جہاں ان کی کھالیں جل جائیں گی پھر یہاں عذاب ختم نہیں ہوگا عمومی طور پر کھال کے جلنے کے بعد جسم جب جلنا شروع ہو جاتا ہے تو زندگی ختم ہونے کے قریب ہو جاتی ہے اس لئے ایک کھال کے جلنے کے بعد اس عذاب کو ختم نہیں کیا جائے گا اور دوسری کھال پیدا ہو جائیگی اب یہ بات سائنس کے ذریعہ بھی ثابت ہے کہ انسان کے بعض ہارمون بہت جلدی سے بڑھتے ہیں اور ان

کا وزن بہت جلد بڑھتا ہے اسی طرح کینسر کے سیل علاج کے بعد یا جسم کا کوئی اعضاء کسی آپریشن میں کاٹ دیا جاتا ہے لیکن پھر دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے۔اس لئے یہ واقعہ آپ جدید معلومات کی روشنی میں قابل فہم و یقین لگتا ہے۔اسکا مقصد عذاب کا تسلسل ہے یہ دوبارہ پیدائش یا افزائش کی رفتار دنیا کے مقابل بہت تیز ہوگی جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے دوسری طرف نیکی پر عمل کرنے والے اللہ کے احکام ماننے والوں کے لئے انعام کے طور پر آگ کے بجائے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے پانی کی نہریں، سبزہ زار خوبصورت منظر ہوں گے جہاں وہ وہاں رہیں گے ان کی وسعت بہت زیادہ ہوگی جسکا ہم تصور و خیال بھی نہیں کر سکتے اور ان کے لئے پاکیزہ بیویاں بھی ہیں۔ یہ بیویاں ان کی اپنی بیویاں ہوگی اور پھر اس کے ساتھ ان کے لئے غلمان جوان لڑکے اور لڑکیاں بطور خادم ہوں گے جنت کی کیفیت کا اندازہ دنیا کے ذریعہ ممکن نہیں کیونکہ جنت میں جا کر انسان کے جسم کا انداز بدل جائے گا اور کثافت یا گندگی کے اعمال یعنی نظام ہضم، پسینہ، خواہشات سفلی حسد بغض کینہ یا جنسی رغبت نہیں ہوگی زندگی جوان رہے گی اور عورتیں پاکیزہ ہوں گے کہ ان سے حیض، نفاس وغیرہ کا سلسلہ نہیں ہوگا انسانی کیفیت میں بچپن، جوانی اور بڑھاپا پھر موت کا سلسلہ نہیں ہوگا بلکہ دائمی صحت و جوانی کی کیفیت ہوگی۔مسرت انبساط کی کیفیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا نہ ادراک کیا جا سکتا ہے یہ وضاحت و مثال صرف ہمارے موجودہ حواس کو سمجھانے کیلئے ہیں یہ انعام ان لوگوں کے لئے جو ایمان اور احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ہمیں نیک اعمال کیلئے پوری جدوجہد کرنی چاہیے تاکہ عذاب سے بچ کر انعام کے مستحق بنیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا [4:58]

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کیا ہی عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

انفرادی اعمال کی اہمیت اور جزا کے بعد معاشرے کے بارے جو اسلام کے انتہائی اہم احکامات ہیں ان کا ذکر ہے۔

امانت اور امانت کی ادائیگی:۔

امانت کیا ہے؟ اور امانات کا کلمہ کس لئے استعمال کیا گیا؟۔امانت اس چیز یا شئ کو کہتے ہیں جو کسی کو عارضی طور پر دی جائے یا رکھی جائے اس میں اسکی ملکیت نہیں ہوتی اور نہ ہی استعمال کا مقصد ہوتا ہے۔ یہ تعریف لین دین کے ذاتی معاملات کے لئے ہے۔شرعی نقطہ نظر سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی انسان پر اسکی ذمہ داری جو اسکی طاقت کے مطابق ہے وہ ایک انسان کے ذمہ امانت ہے اس میں حقوق، واجبات، علم، اہلیت، طاقت وقوت شامل ہے اسلئے امانات (جمع) کا لفظ جو قرآن مجید نے استعمال

کیا ہے کہ ایک لین دین کی امانت نہیں بلکہ ہرطرح کی ذمہ داری، حقوق اور واجبات ہیں جو انسان کے ذمہ ہیں ان کو اچھی طرح جس طرح ان کا حق ہے پورا کرنا چاہیے۔ ذاتی مالی لین دین میں تو امانت کو اسکے مالک تک واپس کرنا ضروری ہے لیکن حقوق و فرائض کے لحاظ سے اسکے سب سے زیادہ اہل اور مستحق شخص تک کو دینا یا پہنچانا فرض ہے۔ مثلاً انتخابات میں جو سب زیادہ حقیقی طور پر کسی کام کے اہل ہے۔ اسے ووٹ دیا جانا چاہیے۔ مالی مدد جو سب سے زیادہ غریب ہے کسی کو مشورہ جو علم و تجربہ کے مطابق بالکل صحیح ہے وہ دینا چاہیے۔ لہذا امانت کو پوری طرح ادا کرنا اسلام نے مسلم امت کے ہر فرد کیلئے واجب قرار دیا ہے اور اسکی اتنی اہمیت ہے کہ اسکو نظام عدل سے پہلے ذکر کیا گیا ہے اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر عدل کرنے والوں کے چناؤ میں ان کی اہلیت اور امانت کا خیال نہ کیا گیا تو معاشرے میں انصاف کیسے ہوتا نظر آئے گا۔ اسی طرح کسی بھی حکمران کو کسی بھی سرکاری کام کی ادائیگی کے لئے فرد کا انتخاب اس کام کی نوعیت اور اسکی اہمیت کے مطابق اہلیت والے شخص کو کرنا چاہیے نہ کہ اپنے دوست، رشتہ دار یا حمایتی کو سونپ دے۔ بدقسمتی سے جن معاشروں میں افراد کا تعین یا انتخاب اہلیت کے بجائے ذاتی مفادات پر ہوتا ہے وہ معاشرے عدل سے محروم ہو کر ظلم و زیادتی کا گڑھ بن جاتے ہیں اور معاشی و معاشرتی طور پر تباہ ہو جاتے جس طرح آج کل دنیا میں ترقی پذیر پسماندہ ممالک بالخصوص مسلم ممالک کی حالت ہے اور یہ اسلام کے اصولوں کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے۔

کسی غیر اہل کو منصب پر بٹھانا:۔

قرآن مجید کے علاوہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی بناء پر بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے (جمع الفوائد بحوالہ معارف القرآن) بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اسکے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور سب مسلمانوں کی (اللہ محفوظ فرمائے)۔ آج امت مسلمہ بالخصوص پاکستان کی حالت زار اپنی خرابیوں کی وجہ سے ہے۔ حضور نے فرمایا اسکا دین نہیں جس میں امانت داری نہیں اسکا دین نہیں جس میں عہد کی پابندی نہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی گئی ہے جو اس کے اہل اور قابل نہیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ (یعنی فساد شروع ہو جائے گا) "اذ اد سد الا مر غیر اھلہ فانتظر الساعتہ" افراد کے چناؤ کے عمل میں مقامی لوگوں کی اہمیت کو نظر انداز کرنا صحیح نہیں البتہ اگر کوئی اہل آدمی میسر نہیں آرہا اور صحیح طور پر جستجو بھی کی گئی تو عارضی طور پر کوئی دوسرے علاقہ کا آدمی لگایا جا سکتا ہے لیکن ان لوگوں کو لمبی مدت تک حق سے محروم رکھنا بھی صحیح نہیں اور اس دوران کوشش کر کے ان کے اندر بھی اہلیت پیدا کرنی چاہیے۔ چناؤ کا عمل جس قدر وسیع اور شفاف ہوگا اتنا ہی مئوھل اور قابل افراد کا چناؤ آسان ہوگا۔ یہ

اصول تمام مسلمانوں کے نظاموں خواہ وہ سیاست یا معیشت کے ہوں، بہت اساسی حیثیت رکھتا ہے۔

عدل کی اہمیت:۔

اگلے حصہ میں عدل کا حکم دیا ہے کہ جب بھی کوئی فیصلہ کرو تو عدل کی بناء پر کرو۔ عدل کی تعریف یہ ہے ''کسی بھی چیز کو اسکی مناسبت کے مطابق اسکو رکھنا یا کرنا'' یہ ظلم کے متضاد ہے۔ اللہ عادل ہے اور عدل کو پسند فرماتا ہے عدل بھی اسلامی معاشرے اور تمام اسلامی قانون کی اساس ہے۔ کئی آیات اور احادیث میں عدل کا حکم فرمایا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ لوگوں کو ان کی اہلیت کے مطابق عہدہ دیا کئی دفعہ لوگوں نے درخواست کی لیکن آپ نے ان کو ان کی اہلیت نہ ہونے کی بناء پر ذمہ داری نہیں دی۔ غیر مسلموں کے ساتھ بھی آپ نے عدل و انصاف کیا یہی وجہ تھی کہ وہ بھی آپ کے پاس اپنے مقدمات لاتے تھے۔ عادل حکمران کو اللہ کا سایہ قرار دیا گیا ہے ایک حدیث میں ہے کہ عادل اللہ کا محبوب اور قریب ترین انسان ہے اور ظالم اللہ کی رحمت اور نظرِ کرم سے دور ہوتا ہے۔ عدل کے لئے 'الناس' کا لفظ فرمایا یعنی تمام لوگ اس میں مذہب، نسل، رنگ، زبان اور علاقہ کی قید نہیں عدل پر ایک کا حق ہے اور ہر ایک کیلئے ایک ہی معیار پر کرنا ضروری ہے۔ جو آدمی عدل و انصاف قائم رکھنے کی طاقت اور صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کو قاضی نہیں بننا چاہیے کیونکہ یہ امانت ہے جسکی حفاظت کمزور آدمی نہیں کر سکتا۔ اسلام کا سب سے بڑا امتیاز عدل کا نظام ہے۔ اسلام کے یہ اصول دنیا کے تمام مہذب معاشروں کے آئین و قانون کا اہم حصہ ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا [4:59]

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو والی امر ہیں ان کی بھی پھر اگر تم کسی مسئلہ میں اختلاف کرو تو اسے (فیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی (تمہارے لئے) بہتر اور صحیح طریقہ کار ہے۔

پچھلی آیات کے تسلسل میں وہ احکام جو ضروری ہیں (امانت اور عدل) کے ذکر کے ساتھ اجتماعی اصولوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت بہت ضروری ہے۔ دراصل رسول کی اطاعت بھی اللہ کی اطاعت ہے کیونکہ اللہ کے احکام بھی رسول نے ہی بتلائے ہیں اسکے ساتھ معاشرہ میں نظام، امن اور ترقی کے لئے جو اصحاب اقتدار یا لیڈر ہیں جن کے قبضہ میں طاقت وحکم اور معاملات سلطنت چلانا ہے ان کی اطاعت بھی ضروری ہے ورنہ انارکی، فساد اور لاقانونیت کی وجہ سے سارا معاشرہ تباہ ہو جائیگا سٹیٹ کی قوت یا اثر اس وقت نافذ ہوگا جب اسکے احکام پر عمل ہوگا لیکن اسکے لئے یہ شرط بھی ساتھ رکھی ہے کہ وہ اللہ (اور اسکے

رسول) کے احکام کے خلاف نہ ہو حدیث مبارک ہے۔ **لاطاعۃالمعصیہ انماالطاعۃ فی المعروف** (بخاری مسلم)

قیاس واجتہاد کی اہمیت:۔

یہ تو ان امور میں ہے جو واضح ہیں لیکن ایسے امور جن کے بارے احکامات موجود نہیں یا ان معاملات میں اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کے احکامات کی روشنی میں قیاس یا اجتہاد کر کے عمل کیا جائے محض شخصی رائے پر آنکھیں بند کر کے نہ عمل کیا جائے فَرُدُّوْہُ کا مطلب لوٹانے سے یہ ہے کہ احکام کی تمام امور پر غور کر کے قیاس واجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے۔

قانون کی عملداری:۔

اسلام نے قانون کی عملداری پر بہت اہمیت دی ہے۔ اسلئے حکم دیا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کرو۔ احادیث مبارکہ میں اسکی بہت اہمیت آئی ہے ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ نبیﷺ نے ہم سے من جملہ اور باتوں کے ایک اس امر کا عہد بھی لیا کہ **ان لاننازع الامر اهله، الاان یرواکفراً بواحاً عندکم من الله برهان**۔ معنی کہ ہم اپنے اولی الدمر (حاکموں) سے نزاع نہ کریں الا یہ کہ ہم ان کے کاموں میں کھلا کھلم کفر دیکھیں جس کی وجہ سے ان کے خلاف ہمارے پاس خدا کے حضور پیش ہونے کی دلیل ہو (بخاری مسلم بحوالہ تفہیم القران) اس طرح ایک اور حدیث بحوالہ مسلم حضورﷺ نے فرمایا تم پر ایسے لوگ حکومت کریں گے جن کی بعض باتوں کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر تو جس نے ان کے منکرات (بری باتوں) پر اظہار ناراضی کیا وہ بری الذمہ ہوا اور جس نے ان کی ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا۔ مگر جو ان پر راضی ہوا اور پیروی کرنے لگا وہ پکڑا جائے گا، صحابہ نے پوچھا جب ایسا دور آئے تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں۔

جمہوری رائے کا اظہار:۔

ان احادیث کے ذریعے پرامن جدو جہد بالخصوص جمہوری طریقے بذریعہ ووٹ اپنی رائے کا اظہار یا پرامن احتجاج کا طریقہ بتایا گیا ہے اور پرتشدد جنگ سے منع کیا گیا جب تک کھلم کھلا اسلام کے مخالف نہ ہو۔ اسلام کے احکام دراصل عوام یا جمہوریت کے ذریعہ نظام حکومت اور مشورے کے ذریعے نئے قوانین کے ذریعے بنانے اور استعمال کرنے کے طریقہ کو ترجیح دی ہے اسلئے حضور علیہ السلام نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا بلکہ لوگوں (صحابہ کرام) کے انتخاب پر چھوڑ دیا۔

حکام کون ہیں؟ والی امور کون ہیں؟۔ جو لوگ کسی حکومت کے کام کو چلانے کے لئے منتخب کئے جائیں یا متعین کئے جائیں وہ والی امور ہیں ان کی اطاعت ضروری ہے۔ یہ تین طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں۔(۱) انتظامی امور کو چلانے والے حکام۔(۲) عدل وانصاف کے ضمن میں حکم دینے والے قاضی۔(۳) علم وتعلیم دینے والے علماء جن سے لوگ کسی اختلاف کی صورت میں رائے کے لئے رجوع کریں یعنی پروفیشنلز۔ جو ایک مقنّنہ کی بھی صورت ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اہل ہوں۔ تمام افراد جو

جس شعبہ سے متعلق ہوں ان کی اہلیت و قابلیت انتہائی ضروری ہے ورنہ اسلام کا حکم کہ امانت کو حقدار تک پہنچایا جائے'' کی سخت خلاف ورزی ہوگی اور معاشرتی نظام کو بہت نقصان ہوگا۔ اہلیت و قابلیت کے معیار میں اسلامی اصولوں وقوانین سے واقفیت۔ نیک کردار اور خصوصی علمی اہلیت کی بنیاد پر ہونا ضروری ہے۔ اس چیز کا اہتمام نبی علیہ السلام بہت زیادہ فرماتے تھے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری نے حضور علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ مجھے کسی جگہ کا حاکم مقرر فرمالیں تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ اے ابا ذر آپ ضعیف آدمی ہیں اور منصب ایک امانت ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن انتہائی ذلت اور رسوائی ہوگی سوائے اس شخص کے جس نے امانت کا حق پورا کر دیا (یعنی وہ ذلت سے بچ جائے گا) تفسیر مظہری بحوالہ مسلم شریف)۔ یہ وہ امور ہیں جو اسلامی معاشرے کے لئے بہت اہم ہیں لیکن آج ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان پریشانی کا شکار ہیں جہاں یہ اصول لاگو ہیں وہ لوگ خوشحال ہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَ قَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَ یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا [4:60]

کیا تم (نبی) نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے جو آپ کی طرف اتاری گئی اور ان پر جو آپ سے پہلے (آسمانی کتابیں) اتاری گئیں مگر چاہتے ہیں کہ یہ اپنے مقدمات (فیصلے کے لئے) شیطان یا طاغوت کی طرف لے جائیں حالانکہ انہیں شیطان یا طاغوت سے انکار کا حکم دیا جا چکا ہے اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں گمراہ کر کے دور لے جائے۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَی الرَّسُوۡلِ رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡکَ صُدُوۡدًا [4:61]

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اسکی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے (قرآن) اور رسول کی طرف تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف آنے سے کتراتے ہیں۔

فَکَیۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡکَ یَحۡلِفُوۡنَ ٭ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّ تَوۡفِیۡقًا [4:62]

پھر ان کی حالت کیسی ہوتی ہے جب ان پر مصیبت ان کے اعمال کی بنا پر آپڑتی ہے تو اللہ کی قسمیں کھاتے

ہوئے آتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو صرف بھلائی اور باہمی موافقت کا ہی ارادہ چاہتے تھے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰہُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ وَ عِظۡہُمۡ وَ قُلۡ لَّہُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ قَوۡلًۢا بَلِیۡغًا [63:4]

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کی بات کو جانتا ہے پس آپ ان سے اعراض کریں اور انہیں سمجھائیں اور ایسی نصیحت کریں جو مؤثر ہو۔

آیات سابقہ سے ربط:۔

اجتماعی اصول بیان کرنے کے بعد ریاست کے اندر وہ لوگ جو قانون کی حکمرانی کے خلاف ذاتی مفادات کے تحت کام کرتے ہیں ان کا ذکر کیا ہے جسے ہم سیاست کی زبان میں فقہ کالمسٹ کہتے ہیں اور اسلامی نقطہ نظر سے منافق کہتے ہیں۔

ان آیات کے شان نزول کے بارے ہمیں بڑا سبق ملتا ہے۔ مدینہ شریف میں مسلمانوں اور دوسرے قبائل (یہود وغیرہ) نے جب میثاق مدینہ کے تحت حضور اکرم کو نزاع کی کیفیت میں اپنا منصف مان لیا تو یہ ایک طرح کی مدینہ شریف کی سربراہی تھی وہ قبائلی سردار جو خود سردار بننے کے خواب دیکھ رہے تھے اور ان کے جب قبیلہ کے اکثر لوگ مسلمان ہوئے تو وہ دل ہی میں حضور علیہ السلام سے حسد کرنے لگے اور اپنی قریبی افراد کو ساتھ ملاتے رہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اسلام مضبوط ہوتا گیا بالخصوص بدر کی فتح اور احد کی جنگ میں نقصان کے باوجود مسلمان کا وجود قائم رہا اور مدینہ شریف محفوظ رہا یہود نے بھی کفار مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کردی جسکا ذکر پہلے آیات میں ہو چکا ہے۔ ایک منافق جو بظاہر مسلمان کہلاتا تھا اسکا جھگڑا ایک یہودی سے ہوگیا یہودی حق پر تھا اسنے کہا کہ تمہارے نبی کے پاس فیصلہ کرواتے ہین لیکن وہ اس راضی نہیں ہوتا تھا اسے معلوم تھا کہ حضور علیہ السلام عدل میں کسی بھی رعایت نہیں کرتے وہ سب کے لئے برابر اور حق پر فیصلہ کرتے ہیں اسلئے یہودی کہتا تھا کہ نبی علیہ السلام سے فیصلہ ہوگا منافق جانتا تھا کہ فیصلہ میرے خلاف ہوگا اسنے زور دیا کہ یہودیوں کے عالم کعب بن اشرف کے پاس مقدمہ کا فیصلہ کرایا جائے اسے یقین تھا کہ کعب بن اشرف اسکے حق میں فیصلہ کرے گا لیکن یہودی نہیں مانا اور بالآخر حضور علیہ السلام کے پاس فیصلہ کے لئے دونوں فریق حاضر ہوئے آپ نے دونوں سے پوچھا اور تمام معلومات کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ وہاں تو منافق خاموش رہا لیکن باہر نکل کر فیصلہ ماننے سے انکار کردیا اور یہودی سے کہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ حضرت حضرت عمر فاروق سے کرواتے ہیں اسکا خیال تھا کہ حضرت عمر بڑے سخت ہیں لہذا وہ یہودی کے مقابل میرا زیادہ خیال کریں گے اس طرح میرے حق میں فیصلہ ہوگا یہودی نے پہلے تو انکار کیا لیکن پھر مان گیا جب مقدمہ حضرت عمر فاروق کے پاس گیا تو یہودی نے سارا قصہ سنایا کہ پہلے یہ مقدمہ نبی علیہ السلام کے پاس جا چکا ہے اران کا یہ فیصلہ تھا مگر اس فیصلہ کو نہیں مانتا اسلئے کہا کہ آپ جو

فیصلہ کریں وہ منظور ہوگا۔ منافق نے بھی یہی کہا کہ آپ جو فیصلہ کریں مجھے آپکا فیصلہ منظور ہوگا۔ حضرت عمر نے کہا ٹھہرو میں فیصلہ کرتا ہوں آپ اندر (گھر) چلے گئے اور وہاں سے تلوار لے کر منافق کا سر قلم کر دیا اور کہا کہ جو مسلمان کہہ کر حضور کا فیصلہ نہیں مانتا اسے زندہ رہنے کا حق نہیں جب یہ خبر پھیلی تو منافق کے دوستوں نے مختلف تاویلیں کیں کہ مقصد تو صلح کا تھا انکار نہیں تھا اسکے بعد اسکے بعض ورثاء نے خون بہا کا مطالبہ کرنا چاہا چونکہ مقتول نے خود اسکا اقرار کیا تھا کہ وہ حضرت عمر کے فیصلہ کو ہر طرح سے قبول کرے گا اسلئے یہ ان کا فیصلہ تھا لہٰذا اسکا قتل مقتول کے جج نے کیا اسلئے جج کے خلاف خون بہا نہیں ہوسکتا دوسری طرف نبی کے فیصلہ سے انکار کی وجہ سے وہ کافر ہو چکا تھا۔ اور وحی نے بھی اسکی تصدیق کر دی منافقین کی نفسیات اور دھوکہ دہی کے بارے اعلان کیا گیا کہ بظاہر تو وہ اسلام اور قرآن اور نبی پر یقین کا اقرار کرتے ہیں لیکن نفاق ہونے کی وجہ سے ان کا دل غیر مسلموں اور اسلام دشمنوں کے ساتھ گیا ہوا ہے اور وہ ان سے فیصلہ کروانا چاہتے ہیں۔ اسلام کے خلاف جو بھی نظام یا قانون ہو وہ مسلمانوں کے لئے طاغوت یا شیطان کا قانون ہے۔ اسلام چونکہ انسانیت کی بھلائی کیلئے ہے اسلئے شیطان کے احکام بعض اوقات اچھے نظر آتے ہیں لیکن اگر طویل المدت اثرات کے لحاظ سے تجزیہ کیا جائے تو یہ ایک دھوکہ ہوتا ہے۔ یہ مسلمانوں اور اچھے معاشرے کے خلاف ہوتے ہیں اس لئے ان سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ منافق اپنے نفاق کی وجہ سے اسلام کے احکام سے گریز ان (دور) رہتے ہیں البتہ اگر ان کو ذاتی فائدہ ہو رہا ہو تو وہ اور فائدہ اٹھانا بھی ہو تو اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں (جس طرح آجکل کے مسلمان بالخصوص لیڈر اور عام حضرات اپنی ذات کے مفاد کے لئے اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں)۔ چونکہ اللہ دلوں کے حال جانتا ہے اسلئے ان کو ان کی نیت وعمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ حضور کو حکم فرمایا گیا کہ ان کو بھلائی اور اچھے طریقے سے ہدایت کی تعلیم دیں تاکہ وہ منافقت سے نکل جائیں روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھایا جو ان کے بیٹے کی درخواست پر تھا اور کچھ صحابہ بالخصوص حضرت عمر نے مخالفت کی تھی اور آپ نے اسکے لئے قمیض بھی دی تو بہت سارے منافق دل سے ایمان لے آئے اور اپنے نفاق سے تائب ہو گئے۔ یہ مسلمانوں اور بالخصوص مومنوں کے لئے بھی رہنمائی ہے کہ نصیحت کا انداز مؤثر اور خوبصورت طریقے سے ہونا چاہیے۔ درگزر اور اعراض کو بدلہ لینے کے مقابل ترجیح دینی چاہیے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَ اسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا [64:4]

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے اور اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور تمہارے پاس آکر اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت

طلب کرے تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان پائیں گے۔

پچھلی آیات میں ان افراد جو بظاہر اسلام کا نام لیتے اور مسلمان کہلاتے ہیں ان کے نفاق کا ذکر تھا کہ وہ جہاں ذاتی مفادات ہوں وہاں اسلام سے محبت کا اظہار کرتے ہیں اور جہاں انہیں پسند نہ ہو تو وہ اسلام کے احکام پر عمل سے گزرتے ہیں اور رسول کے احترام اور محبت میں دھوکہ دیتے ہیں اس لئے نبی کی اہمیت اور کردار کا ذکر فرمایا ہے۔

توبہ کس طرح قبول ہوگی:۔

نبی اس لئے بھیجے گئے ہیں بالخصوص ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کہ ان کی اطاعت کی جائے اور ان کی اطاعت دو وجہ سے اہم ہے ایک تو اللہ کا حکم ہے کہ ان کی اطاعت کریں دوسری وجہ سے کہ اللہ کے احکام کا ذریعہ ان کی ذات ہے اگر ان کی ذات کو نکال دیں گے تو احکام کا علم کیسے ہوگا۔ پھر ان کا مقام اللہ کے ہاں اس قدر بلند ہے کہ گناہ کرنے کی صورت میں آ کر مسلمان اپنے گناہ پر نادم ہے اور کتنا ہی بڑا گناہ ہے وہ اگر نبی کے پاس آ کر اپنے گناہ سے توبہ واستغفار کرے گا اور نبی علیہ السلام بھی اسکے لئے مغفرت کی سفارش وطلب کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرما دیا ہے۔ اس طرح محبت والفت کا رشتہ بھی اپنے نبی کے ساتھ قائم فرما دیا ہے ایک حدیث کے مطابق جو کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی حضور اکرم علیہ السلام کی وفات کے تین دن بعد قبر مبارک پر آ کر رونے لگا اور یہی آیت مبارکہ پڑھ کر استغفار اور توبہ کرنے لگا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول میرے لئے مغفرت فرمائیے اس لئے میں حاضر ہوا ہوں اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے اس کے جواب میں روضہ مبارک کے اندر سے آواز آئی "قد غفر الک" کہ تمہاری بخشش ہوگئی ہے (بحوالہ بحر محیط قرطبی / معارف القران)

اس لیے مدینہ شریف کی حاضری کے خصوصی اداب ہیں اور روضہ اطہر پر سلام اور توبہ استغفار کی قبولیت یقینی ہے بشرطیکہ کہ صدق دل سے کی جائے اور یہ برکت قیامت تک جاری رہے گی۔ علامہ اقبال کا شعر اسی کو بیان کرتا ہے ؎

مصطفیٰ برساں خویش کہ دیں ہم ادست
گر بہ اونر سیدی ہمہ بولہبی است

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا [4:65]

آپ (محمد ﷺ) کے رب کی قسم کبھی بھی یہ لوگ مومنین نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے باہمی اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں پھر جو تم (محمد ﷺ) فیصلہ کر و اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں

اور بخوشی فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

پچھلی آیات کے ساتھ نبی کی اطاعت اور اعلیٰ درجہ محبت کی بناء پر اطاعت کا ذکر فرمایا ہے کہ یہ کلمہ گو کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک پوری محبت؛ خلوص دل کے ساتھ آپ کے فیصلوں اور احکام کو تسلیم نہ کر لیں اور ان احکام پر کسی قسم کی تنگی یا تکلیف محسوس نہ کریں بلکہ احکام کی ادائیگی میں خوشی محسوس کریں۔ یہ حکم صرف اس وقت کے لئے تھا بلکہ رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لئے ہے۔ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ایک مہاجر و انصاری کے درمیان پانی کی سیرابی کا جھگڑا ہوا اور آپ نے اوپر سے آنے والے پانی کو پہلے اوپر والے آدمی کو پلانے کا حق دیا جس پر انصاری نے اسکو محسوس کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ فقہ کے مطابق بھی پہلے اوپر سے آنے والے پانی پر اوپر والے کا حق زیادہ ہے تاکہ وہ پہلے سیراب کر سکتا ہے کیونکہ نیچے سے اوپر پانی کا قدرتی طور پر جانا ناممکن ہے اسلئے اسکا حق بنتا ہے اور پھر نیچے والا پانی پلائے گا۔

آیات میں موضوع کی اہمیت کی وجہ سے دو دفعہ تاکید کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا مقصد محبت کے اعلیٰ درجہ کے ساتھ اطاعت اور حکم بجالانا ہے۔

وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا[4:66]

اگر ہم نے انہیں حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے لوگ اس پر عمل کرتے اور انہیں جو نصیحت کی جاتی ہے اگر وہ اس پر عمل پیرا ہو جاتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔ (ایمان پر)

وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا [4:67]

اور اس وقت ہم انہیں اپنی طرف سے اجر عظیم عطا کرتے۔

وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا [4:68]

اور ہم انہیں سیدھی راہ پر لگا دیتے۔

پچھلی آیات میں منافقین کے کردار کے بارے مزید تعلیمات اور کیفیات کے بارے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر احکام شدید ہوں تو یہ گھبراتے ہیں انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ گھبرا جاتا ہے اور بہت کم لوگ امتحان پر پورا اترتے ہیں لیکن کامیابی اسی میں ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کی تعلیمات پر عمل کر کے کامیابی حاصل کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو سیدھی راہ اور اس پر اجر عظیم

اللہ کے ہاں ہے کس قدر محبت کا اظہار ہے ان افراد کے ساتھ جو اللہ کے احکام مشکل وقت میں بھی عمل کرتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ نے کہا کہ ہم اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار ہیں اور سارے مہاجرین تو ویسے بھی اپنے گھر بار چھوڑ کر آئے تھے اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے افراد ہیں جن کا ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ والذی نفسی بیدی ان من امتی رجالا الایمان فی قلوبھم اثبت من الجبال الرواسی۔ (روح المعانی) اللہ ہمیں ان کی طرح ایمان کی مضبوطی عطا فرما۔

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا[4:69]

اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور کتنے ہی یہ اچھے ساتھی ہیں۔

ذٰلِکَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰہِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیۡمًا [4:70]

یہ خاص فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔

پچھلی آیات کے ساتھ جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو ان کے اعزاز و مرتبہ کا ذکر فرمایا کہ وہ انبیاء، صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے اور یہ ساتھ کس قدر خوبصورت اور اعزاز کا ساتھ ہے اور یہ ساتھ اللہ کا انتہائی خصوصی اعزاز ہے۔

آیات مبارکہ یہ بھی بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نظام عدل کس قدر خوبصورت ہے اور ہر فرد کو اسکے اعمال کی بناء پر اسکا اجر ثواب اور اسکا مقام عطا فرمایا گیا ہے جو عین انصاف ہے اسلئے جنت میں بھی لوگوں کے مقامات و درجات ہوں گے جس طرح اس دنیا میں ہمارے اعمال کی کارکردگی اور اخلاص کی وہ سے ان کے درجات ہیں۔

جو اعلیٰ درجہ بتایا گیا ہے وہ انبیاء کا مقام ہے اسکے بعد صدیقین کا مقام ہے صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے اسکا معنی راست باز اور راست گفتار یعنی جس کے اندر صداقت پسندی اور حق پرستی کمال درجہ پر ہو جو معاملات اور برتاؤ میں ہمیشہ صحیح اور صاف طریقہ اختیار کرے حق و انصاف کا ساتھ دل کے ساتھ دے اور باطل کا مقابلہ ڈٹ کر کرے اور جس سے کسی کو بھی حق اور سچائی کے سوا کسی دوسرے طرز عمل کا اندیشہ نہ ہو۔ اسکی اعلیٰ مثال حضرت ابو بکرؓ جو صدیق کے نام سے مشہور ہوئے۔

شہید: اسکے اصل معنی گواہ کے ہیں جو شخص اپنے قول و فعل سے ایمان پر زندگی گزارنے کی گواہی یا شہادت دے اور جو اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دے وہ بھی شہید ہے کیونکہ جس چیز کو حق سمجھتا تھا اسکے لئے سب سے قیمتی چیز جان بھی دے دی وہ اپنے

عمل کا سچا گواہ ہے۔

صالح: وہ شخص ہے جو عقائد اور اعمال۔اقوال و افعال میں حق پر ہو صالح ہو اور ساری زندگی نیکی پر گزارے۔

یہ وہ درجات ہیں جو معرفت ربانی اور عشق الٰہی کی بنیاد پر حاصل ہوتے ہیں کسی فرد میں تمام بھی موجود ہوتے ہیں جس طرح انبیاء کرام اور کہیں فرداً استعداد اور کارکردگی کے مطابق درجہ عنایت کیا جاتا ہے۔

رفاقت: ساتھ اسلئے رفیق کا معنی دوست ہے کہ اسکا ساتھ دیتا ہے۔حضور علیہ السلام کی ایک حدیث ہے کہ "**المرء مع من احب**" یعنی آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسنے محبت کی اور محبت میں پہلی خواہش محبوب کے ساتھ ہونا ہے اور وہ کام کرنا جو محبوب کو خوش کرے اور پسند آئے حضرت انس فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو اس حدیث سے بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ محبت کا عملی پہلو بہت اہم ہے اور وہ ہے وہ کام جو محبوب کو پسند ہوں انکو کرنا۔حضرت کعب بن اسلمی (صحابی) نے جب نبی علیہ السلام سے رفاقت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم میری رفاقت چاہتے ہو تو "**اعنی علی نفسک بکثرۃ السجود**" یعنی تم میری اس طرح مدد کرو کہ کثرت سے سجدے یعنی نوافل ادا کیا کرو۔حقیق محبت کا اظہار، صرف عمل کے ذریعہ ہے۔(معارف القران)

حضور اکرم ﷺ کی رفاقت رنگ و نسل پر موقوف نہیں بلکہ محبت و عمل پر موقوف ہے۔ یہ مقامات یہ جزا یہ اعزاز اللہ کا فضل ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ بندہ کے اعمال اہم ہیں اور ان کا اجر بھی بڑا ہے لیکن اللہ کی دنیا میں نعمتیں اس قدر عظیم ہیں کہ ان کے مقابل اعمال کی قدر و قیمت بہت کم ہے۔زندگی، صحت، اولاد، خوشی، حواس خمسہ، عقل اور ہدایت کس کس کو بیان کیا جائے اسکے علاوہ اس پر مزید یہ انعامات اور درجات اسکا خاص فضل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا[4:71]

اے ایمان والو! ہوشیار رہو مقابلہ کیلئے پھر نکلو گروپ کی صورت میں یا اکٹھے ہوکر۔

وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا[4:72]

اور بے شک تم سے بعض ایسے بھی ہیں جو دیر لگاتے ہیں (جان بوجھ کر) پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔

وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا[4:73]

اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فضل (فتح) مل جائے تو (پھر) ضرور کہے گا گویا تمہارے اور اس کے درمیان کچھ محبت کا تعلق ہی نہیں تھا۔ کہ اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا [74:4]

پس اللہ کی راہ میں لڑیں (وہ لوگ) جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچ دیتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں لڑے گا خواہ وہ مارا جائے یا غالب آجائے تو ہم اسے (دونوں حالتوں میں) عنقریب اجر عظیم عطا کریں گے۔

پچھلی آیت سے پہلے منافقین کا حال بیان کیا پھر اطاعت وفرمانبرداری کرنے والوں کا اجر بتایا اب ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کلمہ گو ہیں لیکن ثابت قدم نہیں بلکہ مفادات کے مطابق چلتے ہیں پھر اللہ کی خاطر لڑائی کرنے والوں کی صفت اور اجر کا ذکر کیا۔ منافقین جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں جاتے تھے بلکہ مختلف بہانے ،گھر کی حفاظت، فصل کی حفاظت یا بیماری کا بہانہ بناتے اور اگر جنگ میں مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہے جسطرح جنگ احد میں ہوا تو کہتے کہ اچھا ہوا ہم بچ گئے کیونکہ مومنین کے ساتھ نہیں تھے لیکن اگر فتح ہو جائے تو مال غنیمت کے لالچ میں افسوس کرتے کہ اگر ہوتے تو ہمیں بھی حصہ ملتا۔ ان کی ذہنی کنیت کا حال بیان کیا گیا ہے کہ محض مفاد کی خاطر نکلتے ہیں اللہ کی اطاعت اور محبت سے کوئی ان کا تعلق نہیں۔ ایسے افراد اپنے ارادہ کی ناپختگی کی وجہ سے ناکامی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف مومنین کی یہ کیفیت ہے کہ وہ محبت سے سرشار ہو کر اپنی دنیاوی زندگی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے بلکہ آخرت کیلئے جان دینا بھی کم سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت اور جذبہ کے پیش نظر شہید یا غازی ہونے کی صورت میں ایک بڑے انعام کی خوش خبری دی ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ساتھ ہی جنگ کے لئے بھی طریقہ کار بتایا ہے کہ گروپ کی صورت میں یا اکٹھا بڑی صورت میں پیش قدمی ہو یہی جنگی مہارت کا حصہ ہے دفاع کی جو بھی کاروائی کی جائے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر صحیح مکمل انتظام کیا جائے اور تمام ضروری تدابیر اور احتیاط کی جائیں پھر اسکے بعد توکل کی جائے۔ جس طرح ایک شعر ہے ؎

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا

پھر اسکی تیزی کو مقدر کے حوالے رکھ

جماعت یا گروپ کی اہمیت:۔

احادیث مین تنہا سفر کے بجائے مل کر سفر کرنے کو ترجیح دی گئی ہے اور جب چند آدمی مل کر سفر کر رہے ہیں تو ایک ذمہ دار یا لیڈر بنالینا چاہیے تاکہ انتظامی طور پر آسانی اور سہولت رہے کم سے کم جماعت کی تعداد تین ہونی چاہیے۔ سارے امور انسانی فلاح کیلئے ہیں۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَاۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّاۙ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا [75:4]

اور تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جنگ نہیں کرتے جو فریاد کر رہے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مددگار بنا دے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۚ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِۚ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا [76:4]

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس تم شیطان کے حمائیتیوں سے لڑو۔ یقین کرو کہ شیطان کی چالیں کمزور ہیں۔

کمزور کی آہ و پکار:۔

انسانیت کو شر سے بچانے کیلئے آخری حربہ جنگ کا ہوتا ہے۔ پچھلی آیت کے ساتھ اسکا مضمون منسلک ہے کہ مسلمان ان مسلمانوں کو جو مجبور ہیں اور اپنے وطن سے نکل بھی نہیں سکتے ان کی مدد کریں تاکہ وہ اپنی زندگی اسلام کے احکام کے مطابق گزاریں جو مسلمان مدد کے لئے پکاریں انکی مدد اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ اور اس کام میں جو رکاوٹ ہو گی وہ شیطان کا عمل ہو گا کہ انسان کی آزادی چھین لی جائے اسے اسکے مذہب کے مطابق زندگی نہ بسر کرنی دی جائے۔

جنگ کس مقصد کے لئے:۔

جنگ کے مقاصد میں اسلام کا نقطہ نظر سے، اسے بطور آخری حربہ استعمال کیا گیا ہے جب شدید ضرورت ہو تو اسکو محض

دفاع انسانی فلاح، حق، مساوات، حریت نیکی اور تقویٰ کی حفاظت کیلئے ہے جبکہ دوسری طرف شیطانی قوتیں جنگ کو تجارتی منڈیوں ذرائع آمدن پر قبضہ، قدرتی ذرائع پر کنٹرول، معاشی وسیاسی غلامی اور اپنی برتری کے حصول کے لئے کرتی ہیں اسلئے یہ جنگ مختلف ہے۔ بھلائی کے مقابل شیطانی قوتیں بہت اکٹھی ہو جاتی ہیں اور مختلف طریقے اور فریب سے ان کو روکتی ہیں لیکن یہ سارے حربے اگر بظاہر بڑے خوفناک نظر آتے ہیں لیکن یہ اندر سے بڑے کمزور ہوتے ہیں۔

فریب کا مقابلہ:۔

فریب ایک ایسی شے ہے جو بظاہر بڑی دلکش نظر آتی یا محسوس ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے مختلف ہوتی ہے اور آدمی کو اسکا پتہ اس وقت چلتا ہے جب اس میں پھنس جاتا ہے اور پھر نکلنا مشکل ہوتا ہے۔فریب کے مقابل میں صبر استقلال، تنظیم اور ہمت سے اس کو شکست دی جا سکتی ہے ان سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ایک طرف گروپ انصاف وحق کی دعوت دینے والا عملی انسان ہو اور اس جنگ کا مقصد اعلیٰ کلمہ حق اور عدل انسانی وفلاح ہو۔تو شیطان کا مکر کمزور ہو گا وگرنہ نہیں ہوگا۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَہُمۡ کُفُّوۡۤا اَیۡدِیَکُمۡ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ یَخۡشَوۡنَ النَّاسَ کَخَشۡیَۃِ اللّٰہِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡیَۃً وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ کَتَبۡتَ عَلَیۡنَا الۡقِتَالَ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ وَ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا [4:77]

کیا آپ (تم) نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جنہیں یہ کہا گیا اپنے ہاتھ (قتال سے) روکے رکھو اور نماز قائم کئے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو (ان باتوں کو مانا) پھر جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں (مخالفین) سے ڈرنے لگا جیسے خدا سے ڈرنا ہو یا اس سے بھی بڑھ کر اور کہنے لگے اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا اور تو نے کیوں نہ ہمیں کچھ مدت اور مہلت دی۔ان سے کہو کہ دنیا کا مال ومتاع بہت معمولی ہے اور جو پرہیزگار بن جائے اس کے لئے آخرت بہت اچھی ہے اور تم پر دھاگہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَ لَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِکَ قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ

عِنۡدِ اللّٰہِ فَمَالِ ھٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَھُوۡنَ حَدِیۡثًا [78:4]

جہاں بھی تم ہوتمہیں موت آ کر رہے گی کیوں نہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔اور اگر انہیں بھلائی (فائدہ) پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی نقصان پہنچے تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے (رسول کی وجہ سے) کہیے! سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں آتے۔

مَآ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَ مَآ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ وَ اَرۡسَلۡنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیۡدًا [79:4]

اے انسان جو تجھے فائدہ (بھلائی) پہنچتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے نقصان پہنچتا ہے وہ تمہاری اپنی طرف سے (اپنے خرابی اعمال کی بناء پر) اور ہم نے آپ کو (تمہیں) تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔اور اللہ کی گواہی (آپ کی رسالت پر) کافی ہے۔

ان آیات کا تعلق بھی پچھلی آیات کے موضوع سے ہے۔ جہاں مسلمانوں کی مدد کیلئے کہا گیا ہے کہ ان کے لئے جنگ کی جائے اورانہیں ذلت، اپنے نظریات پرعمل کرنے کی آزادی سے محرومی سے چھٹکارا حاصل ہو۔تو اس کیفیت میں کچھ لوگ جنکا ایمان پختہ ہوتا ہے وہ جان کی بازی لگانے سے نہیں گھبراتے لیکن کچھ اسان اعمال مثلاً نماز اور روزہ نوافل وغیرہ پر زور دیتے رہیں لیکن موت کا مقابلہ کرنے سے بھاگتے ہیں ان کی نفسیات کا ذکر کیا ہے کہ جب تک جنگ کی ضرورت یا ان سے جنگ کیلئے نہیں کہا گیا اس وقت تک وہ بہت ساتھ تھے لیکن جب جنگ کے لئے کہا گیا تو وہ گھبرا گئے اور گھبراہٹ کا سبب دنیا کا ارام تھا اور یہ خواہش کرنے لگے کہ یہ جنگ کچھ دیر اور موخر ہو جائے۔ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی بہت عارضی ہے اسکے مقابل میں آخرت کی زندگی دائمی ہے اور وہاں عدل ہوگا کسی سے بے انصافی نہیں ہوگی اگر وہ جان دیں گے تو اس کا پورا پورا اجر ملے گا۔ پھر موت ایک ایسی حقیقت ہے جو اٹل ہے انسان کتنی ہی اپنی حفاظت کا بندوبست کرے اور محفوظ ترین پناہ گاہ بنائے موت اسے پکڑ لے گی۔

دنیا یا آخرت کیوں؟:۔

آخرت اسلئے بہتر ہے کہ اسکی نعمتیں دائمی ہیں جبکہ دنیا کی نعمت عارضی ہے، آخرت کی نعمت کے ساتھ کوئی پریشانی نہیں جبکہ دنیا کی نعمتوں کے ساتھ پریشانیاں بھی ہیں۔ دنیا کی نعمتیں تھوڑی ہیں اور آخرت کی بے شمار ہیں، دنیا کی نعمت کا حصول یقینی نہیں۔لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اللہ کیلئے جان دینے سے پیچھے نہ ہٹے تاکہ آخرت میں سرخرو ہو۔

دنیا مکافات عمل:۔

یہود جب کوئی مسئلہ یا مشکل بن جاتی مثلاً بارش نہ ہو۔فصل اچھے نہ ہوں کوئی بیماری ہو جائے تو اس کا سبب اسلام یا حضور علیہ السلام کی اتباع کرنے کو کہتے اسی طرح منافقین بھی لوگوں بددل کرنے کیلئے بہانے کرتے اور آج بھی کچھ لوگ امت مسلمہ کی پریشانی اور بدحالی کو دیکھ صحیح تجزیہ نہیں کرتے کہ اسکا سبب اسلام نہیں بلکہ مسلمانوں کا عملی طور پر اسلام کو چھوڑ کر دوسرے طریقہ زندگی پر عمل کرنا ہے اور غیر مسلم بھی اسلام کے بارے غلط تاثر لیتے ہیں۔اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا ہے کہ یہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں کسی انسان کا حکم نہیں وہی کائنات کا سنبھالنے والا ہے۔تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں تکالیف پیش آتی ہیں اور اگر تم پر کوئی انعام ہوتا ہے تو وہ اللہ کا فضل ہے۔ایک حدیث کے مطابق انسان جس قدر بھی اچھے اعمال کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مقابل وہ کچھ نہیں لہذا اس کے فضل کے بغیر کچھ بھی نہیں۔حضور علیہ السلام کو یہ تسلی دی کہ یہ لوگ (یہود) جو بھی کہتے ہیں اور جو لوگ حق کی اتباع میں پیچھے یا ڈھیلے ہیں یہ ان کا اپنا عمل ہے آپ اللہ کی طرف سے تمام انسانون کے لئے رسول ہیں اس میں کسی رنگ،نسل،علاقہ،زبان کی قید نہیں اور اس عظیم ذمہ داری پر اور اس حقیقت پر آپ کی گواہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے اور اس سے بڑھ کر کیا اعزاز ہوسکتا ہے آپ اپنا کام (تبلیغ و ہدایت) جاری رکھیں اور افسردہ نہ ہوں۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَ مَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا

[80:4]

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان کا نگہبان نہیں بنایا

آیت مبارک پچھلے مضمون کی مزید تاکید کرتی ہے کہ آپ تمام انسانیت کیلئے رسول ہیں اور آپ پر اللہ کی گواہی ہے اور پھر اس اعزاز کے ساتھ آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے اسکے علاوہ بھی بہت سارے مقامات پر یہی حکم دیا گیا ہے جو لوگ آپ کی ہدایت اور دعوت پر عمل نہیں کرتے آپ پریشان نہ ہوں آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔آپ کا فرض کلام پہنچانا ہے اس سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ ہر مسلمان کا انفرادی ذمہ داری دعوت تک ہے اور کسی پر تشدد نہیں کہ وہ کیوں نہیں مانتا ہاں دعوت پہنچانے کے لئے حکمت اور پیارے انداز کو اپنانے سے کامیابی ہوگی۔

وَ یَقُوْلُوْنَ طَاعَۃٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِکَ بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ وَ اللّٰہُ

يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا [4:81]

اور آپ کے سامنے (منافق کہتے ہیں مان (حکم) لیا مگر جب تمہارے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ راتوں کو جمع ہو کر تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے اللہ ان کی یہ باتیں لکھ رہا ہے تم ان کی پرواہ مت کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں اور اللہ کافی کارساز ہے۔

لیڈرشپ اور فراخدلی:۔

پچھلے مضمون کو جاری رکھا ہے منافقین کا ذکر ہے کہ آپ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو آپ کی بات اور احکامات کو سنتے ہیں اور اطاعت کا وعدہ کرتے ہیں لیکن جب مجلس سے باہر نکلتے ہیں تو نفاق کی وجہ سے گھروں میں اسکے خلاف مشورے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ان اعمال کو احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ان کو اس کی سزا ملے گی اور یہ سزا اسطرح ملی کہ اسلام اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے عزت و کامیابی عطا فرمائی۔حضور کو ہدایت فرمائی کہ ان کے رویہ یا منافقت سے پریشان نہ ہوں اس پر بھروسہ کریں ان سے بے پرواہ رہیں اور اس پر توکل کریں اور فراخدلی کریں اللہ آپ کے لئے کافی ہے۔اس سے ایک ہدایت جو قرآن مجید نے دی ہے کہ بطور لیڈر یہ مسائل جدوجہد کا حصہ ہیں اور لیڈر کے لئے وسیع القلبی کی ضرورت ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا [4:82]

کیا یہ (لوگ) قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں اختلاف بیان پاتے۔

پچھلی آیات میں منافقین یا یہود کا ذکر تھا ان کے ایمان میں تذبذب یا ایمان نہ لانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ قرآن پاک پر یقین نہیں کرتے تھے یا اس پر غور و فکر نہیں کرتے تھے۔

اس آیات مبارکہ میں قرآن مجید کا پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ اس پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے کہ کیوں نہیں کرتے اگر اس پر غور و فکر کریں تو اس سے زندگی کے راز، احکام، ہدایات اور ممنوع اشیاء کے بارے ان کو علم ہو گا اللہ کی توحید، نبی کی رسالت، آخرت کے دلائل اور شواہد پر ان کو اطلاع ملے گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غور و فکر کے ذریعے آدمی مسائل اور حقائق کا استنباط (معلوم کرنا) کر سکتا ہے۔یہ حکم ہر آدمی کے لئے ہے اور ہر آدمی اپنی علمی اہلیت کے مطابق اس سے فائدہ اٹھائے گا اور پھر آدمی اپنی مہارت یعنی موضوع مثلاً سائنس، نفسیات، طب، فلکیات وغیرہ علوم کے بارے مختلف شواہد حاصل کرے گا۔ اسلئے

قرآن مجید کو بار بار تفصیل سے پڑھنے سے ہدایت حاصل ہوتی ہے اور مشکل کی صورت میں علماء سے رجوع بہتر ہے۔ تدبر قرآن ہر کسی کی اجارہ داری یا خاص حق نہیں یہ ہر انسان کو دعوت غور و فکر دے رہا ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ قرآن کے بارے علم ہو یعنی زبان کو اچھی طرح جانتا ہو تا کہ اس درجہ اہلیت رکھتا ہو اور اسکو جان سکے پھر اس پر غور کرے اور اگر زبان کی اھلیت نہیں رکھتا مثلاً عربی زبان کو اچھی طرح نہیں جانتا تو پھر مختلف اچھے علماء کی تفسیریں پڑھے تا کہ اسکو مختلف اراء کے ذریعے زیادہ اچھی طرح سمجھ آسکے۔

جب تدبر کیا جائے گا تو اس سے مختلف مسائل کا تجزیہ اور قیاس کے ذریعے مسائل کا حل نکلے گا یا معلومات ملیں گی۔ یعنی معلوم کے ذریعے نا معلوم کا علم حاصل ہوگا۔

قرآن مجید کی ایک دلیل اسکی بطور مضمون و دلائل احکام و زبان یکسانیت ہے اسکا نزول تقریباً ۲۲ سالوں میں ہوا اس دوران حضور اکرم اور مسلمانوں بڑے سخت اور مختلف واقعات گزرے مختلف حالات کا سامنا ہوا قرآن مجید کا اسلوب وضاحت و بلاغت، زبان کی روانی، احکام کا بیان اور علمی و عقلی دلائل کا معیار یکساں اور خوبصورت رہا ہے جبکہ ایک انسان کے کلام میں اس قدر یکسانیت، ترتیب ناممکن ہے اسلئے یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ خدائے پاک کے احکام و کلام ہے۔

وَ اِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا[4:83]

جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول اور اپنے ذمہ دار افراد تک پہنچائیں تو وہ ان لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں۔ اگر تم لوگوں پر اللہ کی رحمت و فضل ہوتا تو یقیناً چند ایک ے سوا تم شیطان کی پیروی کرنے لگتے۔

مسلمان جب مدینے پہنچے تو بدر اور احد کے بعد قریش کے حملہ کی وجہ سے حالات سخت تھے ان حالات میں ایک طرف یہود دوسری طرف منافقین دونوں حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کے بارے غلط افواہوں کو فوراً اڑا دیتے اور کچھ کمزور دل مسلمان ان کی ان باتوں میں آجاتے اور عارضی طور پر بد دل ہو جاتے یہ کیفیت موجود تھی اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کا حل اس آیت میں بتلا دیا کہ جب بھی کوئی ایسی خبر آئے تو اسے تصدیق کریں اور اسے ان لوگوں تک پہنچائیں جو کہ حکومت کا انتظام کرنے والے یا فیصلہ کرنے والے یا با اثر لوگ ہیں تا کہ وہ اس خبر پر تحقیق اور تصدیق کر کے کوئی لائحہ عمل یا طریقہ کار نکالیں۔ خواہ مخواہ بات کو آگے

چلانا نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے اسلئے پہلے اسکی تصدیق کی جائے اور پھر متعلقہ افراد اسکی تحقیق کریں اور اسکے بارے عمومی فیصلہ کریں تا کہ معاشرہ کسی بگاڑ یا منفی اثرات سے محفوظ رہے۔ ایک حدیث کے مطابق سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے آگے سنا دینا جھوٹ کے مترادف ہے (كفا بالمرء كذبا عن يحدث بكل ما سمعٗ) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ کوئی آدمی کوئی ایسی بات بیان کرے جس کے بارے وہ جانتا ہے کہ جھوٹی ہے۔ تو دو جھوٹوں (کذابوں) میں سے ایک جھوٹا وہ بھی ہے "من حدث بحديث وهو يرىٰ انهٗ كذب هُواحد الكاذبين" (تفسیر ابن کثیر بحوالہ معارف القران) اس میں اولی الامر سے مراد وہ لوگ ہیں جو حکومت کرتے ہیں یا جن کا عوام پر علم یا مہارت کی وجہ سے اثر ورسوخ ہے۔ دوسرا عمل جسکے لئے قرآن نے حکم دیا ہے کہ وہ اہل حکومت واہل علم کا خبر کی تصدیق اور اسکی تحقیق اور اس سے نتیجہ کا استنباط کرنا ہے کہ اگر صحیح ہے تو اسکا کیا اثر ہوگا اور اگر غلط ہے تو اس کا کیا مقصد ہے اور اسکے اثرات کو کس طرح کم کیا جاسکتا ہے یا ان سے بچا جاسکتا ہے۔ اسلام نے ہمیشہ تحقیق، سمجھ اور منظم ہوکر کام کرنے کی ہدایت دی ہے جو کہ قرآنی تعلیمات اور رسول اکرم کے طریقہ کار سے واضح ہے۔ اس آیت کی روشنی میں اسلامی نظام اطلاعات یا میڈیا کے بارے اصول واضح ہیں۔ (۱) خبر جب تک تصدیق نہ ہو جائے شائع نہ کی جائے۔ (۲) شائع کرنے والی کی ذمہ داری ہوگی کہ اگر خبر غلط ہے تو اسکے وہ نقصان کا وہ ازالہ کرے گا۔ (۳) اخبار کے بارے ردعمل کیلئے تحقیق اور اسکے اثرات کا جائزہ ہر درجہ پر حکومت۔ ضلع، شہر، صوبہ، ملک پر ضروری ہے تا کہ اسکے نقائص اور برے اثرات سے لوگ محفوظ رہیں۔ کسی عمل کے فیصلہ کیلئے تحقیق واستنباط (تجزیہ) ضروری ہے۔ (۴) ضروری حالات یا عمومی مصالحت کی آگاہی کیلئے اچھی معلومات پہنچانا ضروری اور کار خیر کا حصہ ہے۔

آج کے معاشرہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ غلط خبر کے ذریعہ کس قدر عوامی گمراہی پھیلائی جاتی ہے اور کس طرح افراد یا اداروں کو نقصان پہنچایا جاتا ہے اسلئے میڈیا ایک سیاسی ادارہ بن گیا ہے۔ جسکے ذریعے غلط معلومات کی بناء پر لوگوں کی آراء تبدیل کی جاتی ہیں اس طرح کا میڈیا جو حقائق کے بجائے کسی افراد یا ادارہ کی مصلحت کی بناء کام کرے اسکو غلط قرار دیا گیا ہے اور اسکی حوصلہ شکنی ضروری ہے۔

فَقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَکَ وَ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّکُفَّ بَاۡسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ وَ اللّٰہُ اَشَدُّ بَاۡسًا وَّ اَشَدُّ تَنۡکِیۡلًا [4:84]

پس (اے نبی) اللہ کی راہ میں لڑو آپ اپنی جان کے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں اور مومنین کو اس (لڑائی) کے لئے ابھارو عنقریب اللہ کافروں کا زور ختم کر دے گا اور اللہ پکڑ میں سب سے سخت اور سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

آیت مبارکہ میں وہی موضوع جنگ کے ذریعے مسلمانوں کا دفاع اور تحفظ ہے۔ اسکا موقع نزول بدر صغریٰ یعنی غزوہ

بدر کے بعد جب ابوسفیان نے کہا کہ اگلے موسم میں وہ دوبارہ بدر کا بدلہ لینے کیلئے آئے گا تو اسکے جواب میں حضور نے صحابہ کرام سے تیاری کر کے مقام بدر تک جانے کا فیصلہ کیا تا کہ کفار کو وہیں روکا جائے۔ چونکہ کفار مکہ کا یقین نہیں تھا اسلئے جانا ضروری نہیں سمجھتے تھے لیکن حضور کے فیصلہ کے بعد تیار ہو کر مسلمان حسب وعدہ گئے لیکن کفار مکہ کے دل میں اللہ نے مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور وہ نہیں آئے۔

لیڈر کا فیصلہ اوراس پرعمل:۔

اس آیت سے ایک انتظامی یا لیڈرشپ کے طریقہ کار کی نشاندہی کی ہے کہ جب لیڈر فیصلہ کرے تو اس پر مکمل طور یقین کرے اور عمل کرے اگر چہ اسے تنہائی ہی ہو یعنی اکثریت اسکے ساتھ نہ ہو اور پھر دوسروں کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کام کی اہمیت اور ضرورت سے آگاہ کرے اور نکل پڑے اسی طرح حضور نے اس موقع پر کیا اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق نے فتنہ انکار زکوٰۃ کے مقابلے کیلئے کیا اور پھر دوسروں کو ساتھ لے کر کامیابی حاصل کی اور ہمیشہ کیلئے ایسے فتنوں کا دروازہ بند کر دیا۔

مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا ۚ وَ مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنۡ لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا [85:4]

جو شخص کوئی اچھی سفارش کرے وہ اس سے حصہ پائیگا اور جو کوئی بری سفارش کرے گا وہ اس سے حصہ پائے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

بھلائی کی ترغیب:۔

پچھلی آیت میں اسلام کے دفاع کے لئے اکیلئے جنگ کیلئے تیار ہونے کا حکم بھی تھا اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں کو بھی اس نیک اور انسانی مصلحت کے کام کیلئے ابھارنے کا حکم دیا۔ ان دونوں کے درمیان رابطہ کا نام سفارش ہے اور جو نیکی اور بھلائی کے کاموں کے لئے اسلام کا دفاع، غریبوں اور کمزوروں کا دفاع، حق کی بلندی و دفاع انسانی، مساوات کا دفاع کے امور کے لئے کوشش کریگا یا سفارش کرے گا اس کو اس کا اجر ملے گا۔ اگر بحیثیت مجموعی کامیابی ہوئی تو سب کیلئے اجر ہے لیکن اگر مکمل کامیابی نہ ہوسکی تو اسکے عمل کا اسکو حصہ ملے گا اور اسی طرح برائی اور گناہ کی طرف ابھارنے والے یا اس میں مدد کرنے والے کو اسکا گناہ بقدر اسکے حصہ کے ملے گا۔

ایک حدیث کے مطابق نیکی کی طرف توجہ دلانے والا یا ابھارنے والا اسکے ہر عمل کرنے والے کی طرح ثواب کا مستحق ہے (**الدال علی الخیر کفا علہ**) ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی امداد فرماتا جب وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا

ہے (اللہ فی عون عبدہٖ مادام فی عون اخیہٖ) پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اسلئے وہ جزا وسزا پر قادر ہے اور ہر فرد کو نیکی اور بدی کا پھل مل جائے گا وہ نیتوں کو جاننے والا ہے کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔

سفارش کیوں اور کس قدر؟:۔

سفارش یہ ہے کہ جو آدمی کمزور ہو اور اسے حق کی بات کسی بڑے تک پہنچانے یا اپنی حاجت صحیح طور پر بیان کرنے پر قادر نہ ہو تو اسکی بات کو مطلوبہ مقام یا شخص تک پہنچا دینی چاہیے۔ یہاں پر سفارش کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ اسکے آگے اس شخص پر دباؤ ڈالنا کہ وہ کام کی ضمیر یا مرضی کے خلاف جو کہا ہے کرے یہ عمل سفارش سے باہر ہے اور اسکے لئے دباؤ گناہ ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ سفارش کا مقصد (۱) کسی مسلمان کے حق کو پورا کرنا۔ (۲) اسکو جائز نفع پہنچانا۔ (۳) نقصان سے بچانا (۴) یہ دنیاوی جوڑ وتوڑ یا مقاصد کے لئے نہ ہو بلکہ محض اللہ کی رضا کے لئے کمزور کی اعانت ہو۔ (۵) اسکے مقابل کسی قسم کا مال، جانی، فائدہ، معاوضہ نہ لیا جائے۔ (۶) یہ کسی ناجائز غیر قانونی کام کے لئے نہ ہو۔ (۷) کسی ثابت شدہ جرم کی معافی جسکی شریعت قانون میں سزا ہے مقرر ہے کے لئے نہ ہو۔

کسی مسلمان کی حاجت روائی کیلئے اللہ سے دعا مانگنا شفاعت حسنہ ہے اور ایک حیثیت کے مطابق کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لئے کوئی دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے "ولک بمثل" (تیرے لئے بھی اسکی طرح ہو) یعنی تیری حاجت بھی پوری ہو۔ اسلامی معاشرہ کس قدر سماجی فلاح اور انسانی بھلائی کے لئے اہتمام کرتا ہے۔

انسانی مساوات اور سفارش کی حدود کے بارے دنیا کی عظیم ہستی کا کیا رویہ تھا۔ اسکی مثال خود رسول کریم کے ایک واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے جو کہ حضرت عائشہ کی آزاد کردہ کنیز حضرت بریرہؓ کے واقعہ سے ہے حضرت بریرہ نے اپنے خاوند مغیث رضی اللہ سے طلاق لے لی۔ حضرت مغیث ان کی محبت میں پریشان رہنے لگے اور حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح کے لئے سفارش کرائی تو حضرت بریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر یہ آپ کا حکم ہے تو سر آنکھوں پر اور اگر سفارش ہے تو میری طبیعت اس پر بالکل آمادہ نہیں۔ جناب رسول ﷺ نے فرمایا کہ حکم نہیں سفارش ہی ہے۔ حضرت بریرہ جانتی تھیں کہ جناب رسول اللہ کو خلاف اصول کوئی ناگواری نہیں ہوگی اس لئے صاف عرض کر دیا کہ تو پھر میں یہ سفارش قبول نہیں کرتی۔ آپ ﷺ نے خوش دلی کے ساتھ ان کو ان کے حال پر رہنے دیا۔ یہ اسلام کا انسانی حقوق، انسانی مساوات اور سفارش کا طریقہ ہے کہ وہ ذات جس (Legislative/Exective) میں قانون بنانے، اس پر عمل کروانے اور پھر روحانی پیشوا (نبی) کا مقام تھا لیکن انہوں نے انسانی آزادی اور مساوات کا پورا پورا خیال رکھا انسانی تاریخ میں ایسی مثالیں نہیں ملیں گیں۔ اسکے مقابل آج کل کے دور میں ہمارے معاشرہ میں سفارش صرف ناجائز، غلط، اور ذاتی مفادات کے لئے استعمال ہوتی ہے جو سراسر اسلام کے احکام کے خلاف ہے۔

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا[4:86]

اور جب تمہیں احترام کے ساتھ سلام کیا جائے تو اس سے بہتر طریقہ سے سلام کرو۔ یا (کم از کم) اسی طرح سے جواب دو بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا[4:87]

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ تم سبکو قیامت کے دن جمع کرے گا جسکے آنے میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر کون بات میں زیادہ سچا ہے۔

بھلائی کی ترغیب کے بعد ایک انتہائی سادہ اور اہم نیکی کا طریقہ کار بتایا گیا ہے جسکے ذریعہ بھلائی اور ہم آہنگی معاشرہ میں پھیلائی جاتی ہے اور وہ ہے کسی سے ملنے کے وقت آپ کا اسکے بارے اظہار ہے۔

کسی بھی معاشرہ میں جب دو افراد ملتے ہیں تو تعلق کے اظہار کا ذریعہ کوئی لفظ یا الفاظ ہوتے ہیں جسکا دونوں کے درمیان معاشرتی یا سماجی تعلق پر اثر پڑتا ہے۔ اسلام میں اسکے لئے جو الفاظ چنے گئے ہیں وہ ہیں ''السلام علیکم'' جسکا مطلب ہے تم پر سلامتی ہو۔ یہ بڑا جامع لفظ ہے جسکے کئی مفہوم ہیں اور سارے مفہوم بہت خوبصورت اور محبت بھرے ہیں یعنی آپ کی زندگی آفات سے محفوظ ہو یہ ایک اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کیونکہ اسلام اللہ کے ناموں میں ایک نام ہے جسکا مقصد بھی حفاظت وسلامتی ہے اور ساتھ ہی یہ مسلمان کا اپنے بھائی سے وعدہ ہے کہ اسکی طرف سے اسے امان اور سلامتی کی یقین دہانی ہے اور جس ذات کے ساتھ تعلق کا اظہار ہے وہ خالق کائنات ہے۔ ایک حدیث مبارکہ جو کہ حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ ''تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک آپس میں محبت نہ کرو میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرلو تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہو جائیگی وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو یعنی مسلمان کے لئے خواہ اسکی پہچان ہو یا نہ ہو''۔

قرآن مجید نے سلام کرنے کی تاکید کی ہے پھر فرمایا کہ اگر کوئی سلام کرتا ہے تو اسے اس سے بہتر طریقہ سے جواب دو اور اگر نہیں تو اسی طرح جواب دو اس سے کم نہ ہو مقصد یہ ہے کہ بھلائی کے کاموں سے پیچھے مت رہو۔ سلام مسلمان اور غیر مسلم سب کے لئے ہے البتہ الفاظ کے چناؤ میں مناسب الفاظ کا انتخاب کیا جاتا ہے الفاظ کی خوبصورتی کی تین الفاظ تک ہی بڑھایا گیا ہے۔ رحمت اور برکاتہ تک اسکے بعد اگر کوئی مزید طویل کرنا چاہے تو وقت، تعلقات اور ضرورت کے مطابق دوسری گفتگو ہوسکتی

ہے۔اسلام کا کتنا خوبصورت اصول ہے اور اسکی بنیاد بھلائی میں آگے بڑھنا ہے کہ سلام کرنا سنت ہے جو کہ حضور نبی کریم کا طریقہ ہے لیکن اسکا جواب دینا ضروری (واجب) ہے یعنی نہ دینے سے آدمی گنہگار ہوگا یہ ساری بات معاشرہ میں محبت، اخوت اور افہام وتفہیم کے بڑھانے کیلئے ہے۔

سائیکالوجی اور سوشالوجی کے نقطہ نظر سے یہ اتنا ہی اہم ہے کہ اس سے انسان اپنی تنہائی سے باہر نکلتا ہے اور اجنبی پن ختم ہو جاتا ہے ہر ملنے والے کے ساتھ اسکا ایک رشتہ جڑ جاتا ہے۔اپنی کیفیات دوسرے کے ساتھ شیئر (تبادلہ) کرتا ہے جسکی وجہ سے ذہنی اسودگی اور طبیعت بہتر ہوتی ہے مثبت انداز زندگی پیدا ہوتا ہے اور تنہائی یا پریشانی کا احساس کم ہوتا ہے۔اسلام نے اسکے لئے ہر ایک سے ہنس مکھ ہو کر ملنے کو بھی صدقہ اور اسلام کے اداب کا حصہ بنایا ہے۔اسکے لئے باقاعدہ ایک طریقہ کار بتایا ہے کہ آنے والا مجلس میں بیٹھے ہوئے کو چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور سوار پیدل کو پہل کرے تاکہ جو مقابلتاً کمزور حالت میں ہے اسے ایک طرح کی تسلی ہو جائے۔اور سلام کا عمل ہر ایک کے ساتھ خواہ پہچان ہو یا نہ ہو بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی ہدایت ہے یہ اسلام کا انسانی مساوات کا معیار اور خیر خواہی کا اہتمام ہے۔لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں نے ان تمام امور کو چھوڑ دیا ہے اور پریشانی کا شکار ہیں پھر فرمایا کہ اللہ کی ذات ہی لائق عبادت ہے اور کوئی انسان یا مخلوق نہیں اور یہ خالق کائنات ایک دن تمام مخلوق کو بالخصوص انسانوں کو اکٹھا کرے گا اور اسکا مقصد حساب ہے اللہ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں اسلئے یہ ہو کر رہے گا اور اسکے لئے تیاری ضروری ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَلَهٗ سَبِيْلًا [4:88]

پس تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو گئے ہو حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے برے کاموں کے باعث اندھا کر دیا (عقل اور سوچ کو)۔کیا تم اس شخص کو راہ حق پر لاؤ گے جسے اللہ نے گمراہ کر دیا۔جسے اللہ گمراہ کر دے تم اسے راہ حق پر نہیں پا سکتے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ لَا تَتَّخِذُوْامِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا[4:89]

وہ (منافق) یہ تمنا کرتے ہیں کہ تم بھی انکار کرو جیسے انہوں نے انکار کیا تاکہ تم ایک جیسے ہو جاؤ پس تم ان میں سے (کسی کو) دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں پھر اگر وہ منہ موڑیں (انکار

کریں) تو انہیں پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور انہیں نہ اپنا دوست اور نہ مددگار بناؤ۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍۭ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ مِّیۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡکُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُکُمۡ اَنۡ یُّقَاتِلُوۡکُمۡ اَوۡ یُقَاتِلُوۡا قَوۡمَہُمۡ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَہُمۡ عَلَیۡکُمۡ فَلَقٰتَلُوۡکُمۡ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡکُمۡ فَلَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ وَ اَلۡقَوۡا اِلَیۡکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمۡ عَلَیۡہِمۡ سَبِیۡلًا [90:4]

مگر ان لوگوں کو (قتل نہ کرو) جو ایسی قوم سے جا ملیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ امن ہو یا تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ لڑائی سے بد دل ہوں کہ وہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے اور اللہ چاہتا تو انہیں تم پر غالب کر دیتا (ان کو ہمت دے کر) پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کر لیں اور تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف سے صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر دست درازی کی کوئی راہ نہیں بنائی (رکھی)

سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّاۡمَنُوۡکُمۡ وَ یَاۡمَنُوۡا قَوۡمَہُمۡ کُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَی الۡفِتۡنَۃِ اُرۡکِسُوۡا فِیۡہَا فَاِنۡ لَّمۡ یَعۡتَزِلُوۡکُمۡ وَ یُلۡقُوۡۤا اِلَیۡکُمُ السَّلَمَ وَ یَکُفُّوۡۤا اَیۡدِیَہُمۡ فَخُذُوۡہُمۡ وَ اقۡتُلُوۡہُمۡ حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡہُمۡ وَ اُولٰٓئِکُمۡ جَعَلۡنَا لَکُمۡ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا [91:4]

اب تم کچھ دوسرے لوگوں کو بھی پاؤ گے جو تم سے امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں (مگر) جب بھی فتنہ کا موقع پائیں گے اس میں (بغیر سوچے) کود پڑتے ہیں پس اگر یہ تم سے کنارہ کش (دور) نہ ہوں اور صلح کیلئے بھی نہ آئیں اور اپنے ہاتھ (فتنہ انگیزی) سے نہ روکیں تو انہیں مار ڈالو جہاں بھی انہیں پاؤ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں کھلا اختیار دیا ہے۔

اسلامی ریاست یا مسلم معاشرہ کے مسائل اور ان کے حل کیلئے آیات کریمہ میں احکام ہیں پچھلی آیت 84 میں دفاعی جنگ کے لئے احکام تھے اس وقت مسلمان تین صورتوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان تین جو بلاخر دو صورتیں بنتی ہیں کا ذکر ہے۔ (ا) وہ مسلمان جو کفار کے ساتھ رہتے ہیں اور وہاں خوش ہیں اور آنا نہیں چاہتے تھے اس کی وجہ ان کی اولاد اور تجارت یا مالی فوائد تھے۔ ان دنوں ہجرت کا حکم لازمی تھا۔ کیونکہ اسلامی ریاست کا قیام مدینہ میں ہو چکا تھا اور ضرورت تھی کہ سارے مسلمان اکٹھے ہو کر اسلام کو اپنی زندگی میں نافذ کریں۔ اس وقت وہ افراد جو کفار کے ساتھ رہ رہے تھے اور کھلا اسلام کا اظہار نہیں کر سکتے تھے ان

کے بارے دوطرح کی آراء تھیں ایک کہ وہ مسلمان ہیں اور مجبور ہیں اور دوسری یہ تھی کہ جب ہجرت کا حکم ہے اور ہجرت کے لئے علاقہ بھی موجود ہے جہاں وہ اپنے دین اور اپنی بھائیوں کے ساتھ رہ سکتے ہیں تو انہیں ہجرت کے احکام پر عمل کر کے اپنے دین کو مضبوط اور محفوظ کرنا ضروری ہے تاکہ مغلوب و مجبور زندگی سے چھٹکارا حاصل کریں اور کچھ لوگ مکہ سے مدینہ آئے کہ وہ مسلمان ہیں لیکن پھر اس لئے کہ وہ اپنے سامان وغیرہ لے آئیں گے واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ نہیں آئے تو وہ بھی حکم ہجرت پر عمل کرنے سے انکاری ہوگئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے دو آراء کو ختم کر کے ان کے کفار کا ساتھی ہونے کا حکم دے دیا۔لیکن فتح مکہ کے بعد حضور علیہ السلام کے ایک حکم (حدیث) کے مطابق چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور اب مسلمان جہاں بھی ہیں وہ اپنے دین کے مطابق زندگی آزادی کے ساتھ گزار سکتے ہیں اسلئے ہجرت کا یہ حکم کہ ان سے جنگ کرو ختم ہوگیا۔البتہ وہ مسلمان جو کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں ان پر یہی حکم لاگو ہوگا اسلئے ان کو دوست بنانے سے منع کر دیا گیا ہے۔

دوسری قسم کے وہ افراد یا قبائل تھے جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ امن کرلیا کہ نہ وہ مسلمانوں سے لڑیں گے اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کریں گے تو ان کے ساتھ معاہدہ کے مطابق دوستی اور امن ہوگا اور جو افراد ان کی امان یا ان کے تحت ہوں گے وہ بھی اسی قانون کے تحت ہوں گے یہ نکتہ کس قدر واضح ہے کہ اسلام امن کو ترجیح دیتا ہے اور دفاع کے لئے جنگ کو استعمال کرتا ہے جب تک یہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کریں گے ان کے خلاف جنگ کی اجازت نہیں اس سے مراد غیر جانبدار افراد وممالک کا احترام ہے تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو کہ دھوکہ باز ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کرتے ہیں اور جو مسلمانوں کے دشمن ہیں ان کے ساتھ بھی معاہدہ کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش یا لڑائی کرتا ہے تو معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ اس سازش یا جنگ میں مسلمانوں کے خلاف شریک ہو جاتے ہیں یہ افراد اپنی غلطی کی معافی نہ مانگیں اور صلح کی طرف نہ آئیں اور نقصان کا ازالہ نہ کریں تو ان کو دشمن کی طرح ختم کر دیا جائے تاکہ فتنہ وفساد ختم ہو، ان کو بھی اپنا دوست تصور نہ کیا جائے اور یہی دنیا میں بقائے باہمی کے امن کے اصول کے مطابق آج بھی ہے دراصل دو صورتیں ہیں ایک معاہدہ والے جس میں معاہدہ کا احترام بہت ضروری ہے اور دوسرے وہ جو امن نہیں چاہتے۔امن کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے موقع ملتے ہی نقصان دیتے ہیں بلکہ اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کب موقعہ ملے تو مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے تو ان کے ساتھ جنگ ضروری اور ان کا زور یا طاقت ختم کرنا ضروری ہے۔یہ اسلام کا طریقہ ہے لیکن آج کی دنیا میں طاقتور ملک کمزور ملکوں پر بطور حفظ ماتقدم (PREMPTIVE STRIKE) کی بنیاد پر حملہ کر کے ملکوں کو تہس نہس کر دیتے ہیں ان کے نزدیک امن صرف ان کی تابعداری یا ان کی محکومی ہے۔جنگ عظیم اول دوم اور مشرق بعید میں ویتنام، کمبوڈیا، کوریا اور مشرق وسطیٰ، عراق، افغانستان کی جنگوں نے لاکھوں انسانوں کی زندگی لی اور یورپ میں سربیا کے مسلمانوں پر کتنے مظالم ڈھائے گئے اس کے برعکس مسلمانوں نے بڑی فراخدلی کے ساتھ سپین اور صلاح الدین ایوبی نے صلیبیں جنگوں میں لڑنے والوں کو حفاظت کے ساتھ واپس

بھیجا جبکہ وہ شکست کھا چکے تھے، ترکی حکومت اور مغلوں کی حکوت میں غیر مسلموں کے ساتھ بہت اچھا سلوک ہوتا تھا۔لیکن مسلمانوں کو جس طرح سپین ،سربیا میں قتل وخون دیکھنا پڑا اسکی تاریخ نہیں ملتی۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَئًا وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا [92:4]

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کر دے مگر غلطی سے اور جس نے مسلمان کو غلطی سے قتل کر دیا تو ایک مسلمان غلام (مرد یا عورت) کو آزاد کرے اور خوں بہا (دیت) مقتول کے گھر والوں کو دے سوائے اس کے کہ وہ خون بہا معاف کر دیں۔ پھر اگر وہ (مرنے والا) تمہاری مخالف قوم سے ہو مگر مسلمان ہو تو ایک غلام (مرد یا عورت) کو آزاد کرنا ہے اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور انکے درمیان صلح کا معاہدہ ہے تو خون بہا اسکے وارثوں (گھر والوں) کو دے اور ایک مسلمان غلام (مرد یا عورت) کو آزاد کرے اور جو غلام نہ پائے (آزاد کر سکے) وہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھے یہ اللہ کی طرف سے (اسکی) توبہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [93:4]

اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اسکی سزا دوزخ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اسکے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جنگ کے بعد امن کے زمانہ اور معاشرے میں جرائم کے بارے احکام کا ذکر ہے۔اسلامی معاشرہ میں کسی انسان کے قتل کا تصور بھی گناہ ہے اسلئے فرمایا کہ کوئی کسی کو خطاء (غلطی یعنی بغیر ارادہ) کے قتل کرے یعنی ارادہ کے ساتھ قتل کرنا تو بہت بڑا گناہ اور جرم ہے اور اگر غلطی سے کوئی قتل ہوگیا تو وہ تین طرح سے ہے (۱) کوئی مسلمان تھا (۲) کوئی غیر مسلم تھا مگر اسکے ساتھ معاہدہ تھا یا حکومت میں امان میں تھا (۳) یا غیر مسلم تھا اور امان میں بھی نہیں تھا۔

اگر غلطی سے مسلمان کو مار دیا تو اسکے لئے دو سزائیں ہیں (ا) انسان کے بدلے انسان کو فائدہ ملے یعنی غلام کو آزاد کرے اسطرح غلامی کے خاتمہ کا بھی مقصد تھا یہی وجہ ہے کہ اسلامی ملکوں میں غلامی کئی سو سال پہلے ہی ختم ہو چکی تھی جبکہ امریکہ اور یورپ میں اٹھارہویں صدی تک جاری رہی۔ اسکے علاوہ دیت یعنی خون بہا بھی مقتول کے ورثاء کو دے تا کہ ان کے مسائل کا بھی کچھ علاج ہو سکے اگرچہ انسان تو نہیں آ سکتا لیکن معاشی مسائل کو تو کم کیا جا سکتا ہے۔ اسکی دیت حضور علیہ السلام نے سو اونٹ مقرر فرمائے تھے۔ چونکہ دیت کا مقصد ایک معاشی کفالت ہے جو کہ مقتول کے دنیا سے جانے کی وجہ سے اسکے ورثاء کو پیش آتی ہے اسلئے اس میں اونٹ یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار کی مالیت ہے اصل معیار اونٹ ہیں کیونکہ کرنسی کی حقیقت کم وبیش ہوتی رہتی ہے یہ ایک قسم کا Earning Loss (انقطاع آمدن) کا معاوضہ ہے۔ جس طرح کہ آج کل کے معاوضہ کے قوانین میں کسی اعضاء کے ختم ہو جانے کے مقابل متاثرہ شخص کو دیا جاتا ہے۔ دوسری صورت میں مقتول ایک شہری غیر مسلم تھا یعنی ذمی یا کسی ایسے ملک یا قبیلہ کا فرد تھا جن کے ساتھ صلح اور امن کا باہمی معاہدہ تھا اس صورت میں فقہ حنفی میں بھی غلام کو آزاد کرنے کے ساتھ دیت (خون بہا) بھی ادا کرنا ہے (بحوالہ الھدایۃ از علامہ مرغینانی) تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اسلام میں سزا کے لئے بھی انسانی استطاعت کو ہمیشہ سامنے رکھا گیا ہے کہ جو لوگ فقیر ہیں یا جن کے غلام نہیں ہیں وہ دو ماہ کے متواتر روزے رکھے تا کہ ان میں کسی روزہ کا تسلسل نہ ٹوٹے۔ ورنہ پھر نئے سرے سے شروع کرنا پڑے اگر کوئی ذاتی حادثہ ہو جائے یا جس طرح عورت کے ایام ماہواری وغیرہ ہی۔ چونکہ مرد کی قوت و طاقت کمائی عورت سے زیادہ ہے اور اسکی وفات سے گھر کا ایک ذمہ دار فرد کمانے والا چلا جاتا ہے اور اسکے ساتھ دوسرے افراد زندگی کے مشکل میں پھنس جاتے ہیں اسلئے اسکی دیت یا خون بہا زیادہ ہے اسلئے مقابل عورت کا کم ہے کیونکہ وہاں صرف اس کی ذات کی حد تک معاش کا مسئلہ ہے بلکہ اسکی ذات کی معاش کی ذمہ داری بھی والدین یا خاوند پر ہے۔ اسلامی نظام عدل کے نفاذ کے لئے اور بچنے کے لئے ایک اجتماعی نظام کی تشکیل ہے کہ معاشرہ جرائم کو روکنے مین مددگار ہو اور بالخصوص خاندان کے افراد اس میں ایک سماجی دباؤ یا مثبت کردار ادا کریں اسلئے اگر دیت مجرم ادا نہیں کر سکتا تو اسکا بوجھ اسکے خاندان یا قبیلہ پر ڈال دیا جاتا ہے تا کہ وہ جہاں مجرم کی رشتہ کی بناء پر مدد یا ہمدردی کرتے ہیں وہاں اسکو جرم کرنے سے روکنے کے لئے بھی اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ اور مقتول کی دیت کو اسکے ورثاء کو معاف کرنے کا بھی حق ہے اور اسکے ورثاء اسکو حق وراثت کی طرح لیں گے (تقسیم ہوگی) اور معاف بھی کر سکیں گے۔ اسلام کی سزاؤں کے بارے ایک غلط فہمی ہے کہ شدید ہیں لیکن ان کا تعلق جرم کی شدت کے مطابق ہے اور اسکا مقصد معاشرہ میں امن اور سلامتی افراد کے جان و مال کی حفاظت ہے جو ہر معاشرہ کے لئے بہت اہم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ

السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فَعِنۡدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیۡرَۃٌ کَذٰلِکَ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ فَتَبَیَّنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا[4:94]

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر پر نکلو اور تمہیں جو سلام کرے یہ نہ کہو کہ مسلمان نہیں اسکی تحقیق کر لیا کرو۔(غلطی سے تم اسے مار نہ ڈالو) تم دنیوی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو تو اللہ کے ہاں بہت مال و اسباب ہیں۔اس سے پہلے تم (بھی) ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا پس (دوسروں کے بارے) تحقیق کر لیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

آیات مبارک کے واقعات کے نزول میں ایسے واقعات پیش آئے کہ صحابہ نے کچھ کو کافر سمجھا جبکہ انہوں نے اسلام کا اشارہ یا اقرار کیا تھا۔ان کا خیال تھا کہ یہ محض اپنی جان بچانے کی خاطر کر رہے ہیں اور دل سے مسلمان نہیں چونکہ مسلمانوں سے معاہدہ نہ تھا اسلئے ان کو کافر سمجھ کر قتل کر دیا اسکے لئے اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائی کہ کسی کو جب تک اسکے قول کے خلاف ثبوت نہ مل جائے اسکے قول کو صحیح سمجھنا چاہیے اور اسے اسکے مطابق معاملہ کرنا چاہیے۔اسی وجہ سے قانون یا شریعت ظاہری احوال کو دیکھ کر اسکے مطابق فیصلہ کرتی ہے۔دلوں کے حال چونکہ اللہ جانتا ہے اور بظاہر اسکے لئے کوئی دلیل نہیں ہوتی اسلئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہہ رہا ہے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ مسلمان کا اقرار کرنے والے کو مسلمان ہی سمجھا جائیگا اگر چہ گنہگار ہو جب تک وہ کفر کا اعلانیہ اقرار یا اظہار نہ کرے۔یہی وجہ ہے کہ کلمہ گو کو کافر کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔

آیات مبارکہ میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جنگ کا مقصد مال و دولت اکٹھا کرنا نہیں بلکہ اسلامی نظام کا نفاذ ہے جس میں انسانیت خدا کے احکام کے مطابق زندگی گزار سکے۔دولت تو اللہ کے ہاں بہت ہے اور وہ دوسرے طریقوں سے عطا فرما سکتا ہے۔

اسلام کی علامات کافی ہیں:۔

آیت مبارکہ کی رو سے اگر کوئی اسلام کا اقرار یا اظہار کرتا ہے یا علامات رکھتا ہے تو اسکو مسلمان جاننا چاہیے اور خواہ مخواہ بدگمانی یا منفی انداز فکر نہیں اپنانا چاہیے۔

تحقیق ضروری ہے:۔

دوسری طرف یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ معاملات کے بارے فیصلہ تحقیق یا غور و فکر کے بعد کرنا چاہیے۔محض وہم و گمان کی بناء پر فیصلہ کرنا غلط ہے اور منع کر دیا ہے۔احادیث کے مطابق کسی کلمہ گو کو کافر کہنا سخت گناہ ہے جس کو کافر کہا جا رہا ہے وہ کافر ہو نہ ہو لیکن اسکو کافر کہنے والا سخت گنہگار یقیناً ہے۔اسی بناء پر امام ابوحنیفہ (فقہ حنفی) کے بانی نے فرمایا کہ" لا نکفر اھل

القبلة بذنب"، یعنی اہل قبلہ (مسلمان جو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں) کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔

بدقسمتی سے جو آج کل فرقہ واریت اور تشدد مختلف مذہبی فرقوں کے اندر پایا جاتا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث کی اصل روح اور مقاصد سے لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ اسلام میں مذہبی تشدد کا نام نہیں غیر مسلموں کے ساتھ بھی تشدد اسی وجہ سے حرام ہے ہاں جو مرتد ہو جائے اسکا معاملہ مختلف ہے اسلئے کہ وہ اسلام سے منکر ہے اور معاشرہ کے لئے فساد کا سبب ہے جس سے چھٹکارا ضروری ہے ورنہ سارا معاشرہ فساد میں بدل جائے گا۔ یہ دوسرے گنہگار مسلمانوں سے بالکل مختلف ہے جو کہ اسلام کے منکر نہیں ہیں اور جزئیات میں اختلاف رکھتے ہیں یا اعمال میں کمزور ہیں۔

لَا یَسۡتَوِی الۡقٰعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ غَیۡرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالۡمُجٰهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ فَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِیۡنَ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ عَلَی الۡقٰعِدِیۡنَ دَرَجَةً وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰی فَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِیۡنَ عَلَی الۡقٰعِدِیۡنَ اَجۡرًا عَظِیۡمًا [95:4]

مسلمانوں میں وہ لوگ جو بغیر کسی عذر (تکلیف) کے بیٹھ رہنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں برابر (ثواب میں) نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو (گھر میں) بیٹھ رہنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت بخشی ہے اگرچہ اللہ نے سب کے لئے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور (عملی) جہاد کرنے والوں کو (گھر) بیٹھ رہنے والوں سے درجہ وثواب بہت زیادہ ہے۔

دَرَجٰتٍ مِّنۡهُ وَ مَغۡفِرَةً وَّ رَحۡمَةً وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا [96:4]

اس (اللہ) کی طرف سے بڑے درجے ہیں مغفرت اور رحمت ہے۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

جنگ کے بارے احکام جاری ہیں مسلم حکومت کے دفاع کے لئے ضروری ہے کہ لوگ شامل ہوں اسلئے جو لوگ عملی طور پر گھر سے باہر جا کر دفاع میں حصہ نہیں لیتے اور جو عملی طور پر حصہ لیتے ہیں ان کے درجات کا موازنہ ہے دفاع مملکت فرض کفایہ جسکا مطلب ہے کہ جب یہ فرض یا ذمہ داری اور لوگ پوری کر رہے ہیں تو سب کا شامل ہونا ضروری نہیں البتہ اگر وہ لوگ ناکافی ہیں تو وہاں کے مقامی افراد کی شمولیت فرض ہے اور وہ بھی ناکافی ہوں تو سب کے لئے ضروری ہے۔ چونکہ جو لوگ عملی طور پر گھر سے باہر اپنی زندگی اور موت کی پرواہ کئے بغیر اسلامی مملکت کا دفاع کر رہے ہوتے ہیں تو یقیناً ان کی قربانی، کوشش اور عمل کی بنیاد پر ان کا رتبہ ان سے بہت بڑھ کر ہے جو صحت مند محض گھروں میں اپنی ذاتی امور کی بناء پر دفاع کی اہم ذمہ داری سے بے پرواہ

ہیں۔ وہ لوگ جو معذور ہیں مثلاً لنگڑا، اندھا یا دائمی مریض وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ دفاع میں عملی طور پر شامل ہوں عمومی حالات میں جب دفاع ہو رہا ہے تو جو لوگ جن کاموں میں مصروف ہیں وہ کام کرتے رہیں اللہ کا فضل سب کو شامل حال ہوگا۔ لیکن جس طرح اور جس قدر کسی کی کوشش ،عمل ہے اسی طرح اسکا اجر ہے اس میں درجات ہیں اور اللہ کی ذات بڑی مہربان اور بخشنے والی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰھُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡٓ اَنۡفُسِھِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ کُنۡتُمۡ قَالُوۡا کُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوۡا فِیۡھَا فَاُولٰٓئِکَ مَاۡوٰھُمۡ جَھَنَّمُ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا[4:97]

بے شک جن لوگوں کی روح فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں (تو فرشتے) ان سے پوچھتے / دریافت کرتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے پس یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الۡوِلۡدَانِ لَایَسۡتَطِیۡعُوۡنَ حِیۡلَۃً وَّ لَا یَھۡتَدُوۡنَ سَبِیۡلًا[4:98]

سوائے ان مجبور اور بے بس مرد، عورتوں اور بچوں کے جو کوئی تدبیر یا نکلنے کا راستہ نہیں پاتے تھے۔

فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّعۡفُوَ عَنۡھُمۡ وَ کَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا[4:99]

امید کی جاتی ہے کہ اللہ ان سے درگزر فرمائے گا اللہ بڑا معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔

وَ مَنۡ یُّھَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا کَثِیۡرًا وَّسَعَۃً وَ مَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡہُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا[4:100]

جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے (ہجرت کرے) وہ زمین میں بہت جگہیں اور فراخی رزق پائیگا اور جو شخص گھر سے اللہ اور اسکے رسول کے لئے گھر سے نکلے پھر اسے موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہوا اور اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

جہاد سے متعلق آیت ہے جہاد کے نکلنے کیلئے مسلم مملکت (حکومت) کا شہری ہونا ہوگا تا کہ اسکے دفاع کے لئے نکل سکے اور مسلم مملکت کے شہری بننے کے لئے مملکت کفر (حکومت کفر) سے نکل کر اور گھر بار چھوڑ کر مملکت اسلامیہ کی طرف سفر کرنا ہوگا۔ یہ ہجرت ہے جسکا مقصد اللہ اور اسکے رسول کے احکام کو اپنے اوپر نافذ کرنا اور انکے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ یہ ہجرت ابتداء میں فتح مکہ کے وقت تک تمام مسلمانوں پر فرض تھی کیونکہ حضور علیہ السلام کی ہجرت کے بعد مدینہ النبی ایک اسلامی مملکت کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور اسکے دفاع اور اسلام کی ترقی کے لئے سب مسلمانوں کا اکٹھا ہونا ضروری تھا لیکن ان احکام کے باوجود کئی مسلمان مکہ میں رہ رہے تھے وہ اپنے کاروبار، اولاد یا رشتہ دار جو مسلمان نہیں تھے ان سے تعلقات کی بناہ پر یا خوف کی بناء پر ہجرت نہیں کر رہے تھے اور اسلام دشمن اور کفر کے ماحول کے ساتھ گزارہ کر رہے تھے جبکہ اسکے مقابل ایک اسلامی معاشرہ موجود تھا یہ ان کا ذکر ہے کہ ان کی موت کے وقت ان سے فرشتے نے سوال کیا کہ انہوں نے ہجرت کیوں نہیں کی جبکہ ہجرت کے ذریعہ وہ اپنی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق اور کفار کے خوف سے چھٹکارا حاصل کر سکتے تھے، جواب میں انہوں نے کمزوری کا بہانہ کیا جو صحیح نہیں کیونکہ صرف حقیقی طور پر کمزور وہ تھے یا ہیں جیسے بچے اور عورتیں تھیں جو کہ معاش میں آزاد یا سفر میں محفوظ نہیں تھیں یا غلام لوگ جن کی رہائی ان کے کافر مالکوں کے ہاتھوں میں تھیں یہ لوگ تو اس گناہ سے بچ سکتے ہیں لیکن دوسرے لوگ اسکی سزا پائیں گے جنہوں نے اس حکم پر عمل نہیں کیا۔ فتح مکہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت، غلبہ دیا۔ اسلام میں سارے لوگ وقبائل سب داخل ہوئے اور پھر ہجرت کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ خوف ختم ہوگیا اور اسلام پر عمل کرنے سے کسی کو روکنے کی جرأت وطاقت نہ تھی۔

ہجرت کیوں:۔

کیا ہجرت اب ضروری ہے یا نہیں اگر کسی ملک کے قوانین صراحتاً اسلام پر عمل کرنے سے منع کرتے اور سزا دیتے ہیں تو ان حالات میں اگر دوسرا متبادل ملک موجود ہے جہاں جایا جا سکتا ہے تو ہجرت اب بھی ضروری ہے تا کہ دین کی حفاظت کی جا سکے اور اسکے مطابق زندگی بسر کی جا سکے یہ بھی کہا ہے کہ ہجرت سے فائدہ ملتا ہے نہ صرف انسانی مذہبی آزادی بلکہ معاشی طور پر بھی فائدہ ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان اپنے ملکوں سے ناانصافی، معاشرتی ناہمواری اور انسانی احترام نہ ہونے کی وجہ سے دوسروں بالخصوص مغربی ممالک جن میں لادینی نظریات پر قائم حکومتیں ہیں کی طرف ہجرت کر رہے ہیں جو کہ مسلمان حکمرانوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہونا چاہیے کہ مسلمان اپنے ممالک میں اسلامی معاشی مساوات، سماجی انصاف اور قانون اور انسانی احترام کو کیوں نافذ نہیں کر رہے جبکہ یہ چیزیں اسلام نے دنیا کو چودہ سو سال قبل دی ہے۔

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ

اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا[4:101]

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر (تخفیف) کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں تکلیف پہنچائیں گے بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

ہجرت کا ذکر تھا جس میں سفر ہوتا ہے اسکے ساتھ دوسرے سفر روزگار، تجارت وغیرہ کیلئے بھی سفر ہوتا ہے اور سفر کی تکلیف کی وجہ سے نماز میں کمی کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں جو نماز چار رکعت پر مشتمل ہے وہ نصف ہو جاتی ہے باقی اسی طرح رہتی ہے (مغرب اور فجر) سنتوں کو پڑھنا ضروری نہیں حضور علیہ السلام صرف وتر اور فجر کی سنتیں ادا فرماتے تھے۔ سفر کی مقدار کے بارے بھی اختلاف ہے کوئی تین دن کا نارمل انسان کا عام حالات کا سفر ہوتا ہے یعنی اس میں آرام کھانا پینا شامل ہے کوئی دو دن کا کہتا ہے اور اس طرح قیام کے لئے احناف (فقہ حنفی) کے نزدیک اگر پندرہ (۱۵) دن سے کم قیام ہو تو حالت سفر رہے گی اور اگر قیام کا یقین نہ ہو سفر کی توقع رہے تو زیادہ مدت قیام کے دوران بھی سفر کی حالت شمار ہوگی قصر کرنے کو تمام علماء نے ترجیح دی ہے البتہ سنتوں کے بارے آدمی کی سہولت پر میسر ہے فقہ حنفی میں دوران سفر صرف فرائض نماز پڑھے اور جب قیام ہو جائے تو سنتیں بھی پڑھ لیں۔ چونکہ اس زمانے میں سفر کا معیار اونٹ کا سفر تھا اسلئے رفتار و مقدار میں اختلاف قدرتی بات ہے تفصیل کیلئے کتب فقہ سے رجوع کریں۔ سفر کی حدود، شہر، گاؤں، میونسپل کمیٹی کی حدود سے نکلتے ہی شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح وطن واپسی حدود میں داخل ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ دوران سفر نماز کا مختصر کرنا عزیمت کے خلاف نہیں بلکہ اللہ کی دی ہوئی رحمتوں یا سہولتوں کا اقرار و اعتراف ہے اور ایک اظہار تشکر ہے۔

وَ اِذَا کُنۡتَ فِیۡہِمۡ فَاَقَمۡتَ لَہُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ مَّعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَہُمۡ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَۃٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡا حِذۡرَہُمۡ وَ اَسۡلِحَتَہُمۡ وَدَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِکُمۡ وَ اَمۡتِعَتِکُمۡ فَیَمِیۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ مَّیۡلَۃً وَّاحِدَۃً وَ لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِنۡ کَانَ بِکُمۡ اَذًی مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَکُمۡ وَ خُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا[4:102]

اور آپ (اے نبی) ان میں موجود ہوں تو ان کے لئے نماز (جماعت) قائم کریں پس ان میں سے ایک جماعت تمہارے ساتھ کھڑی ہو اور اسلحہ لئے رہے پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو پیچھے (ہٹ) جائیں اور

دوسری جماعت جنہوں نے نماز نہیں پڑھی اگر تمہارے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنا بچاؤ کریں اور اسلحہ لئے رہیں اور کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو تو یکبارگی حملہ کر دیں۔تم پر کچھ ہرج نہیں کہ تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ دو مگر چوکنے (ہوشیار) رہو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نماز جنگ میں بھی ادا کی جائے:۔

سفر کی نماز کے بعد جنگ یا خوف کے حالات میں نماز کے ادا کرنے کا بیان فرمایا ہے کہ ایک گروہ اگر امام کے پیچھے نماز پڑھے اور دوسرا گروہ اسلحہ لے کر حفاظت کرے تا کہ دشمن حملہ نہ کر دے اسی طرح دوسرا گروہ نماز پڑھے اور پہلے والا گروہ حفاظت کے لئے چلا جائے تا کہ دشمن حملہ نہ کرے اور پھر دونوں باقی نماز ادا کر لیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی کی قیادت میں سارے لوگ نماز ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے آج کل کے حالات میں ہر محاز اپنے اماموں کے پیچھے اسی انداز میں نماز پڑھیں گے یا پھر کچھ حفاظت کریں اور دوسرا گروپ اپنے امام کے ساتھ نماز پڑھ لے گا۔تفصیل کے لئے کتب فقہ سے رجوع مفید رہے گا۔

احتیاط لازم ہے اگرچہ عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ان تمام امور میں پوری احتیاط اور مستعدی کی تاکید کی ہے۔ کیونکہ دشمن مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تاک میں ہے۔لیکن ایک نکتہ بڑا اہم ہے کہ نماز کو ہر صورت میں ادا کرنا چاہیے جب تک ممکن ہو۔اور اللہ کی یاد رکھنی ضروری ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا[4:103]

پھر تم جب نماز ادا کر چکو تو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے رہو۔ پھر جب تم اطمینان پا لو تو نماز کو (پورا) پڑھو۔ بے شک نماز مومنوں پر اپنے اپنے مقررہ وقت پر فرض ہے۔

وَ لَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا[4:104]

اور تم دشمن (قوم) کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمہیں (ان کی تلاش میں) تکلیف پہنچی ہے تو ان کو اسی طرح تکلیف ہوتی ہے حالانکہ تم اللہ سے (اجر کی) امید رکھتے ہو جو وہ امید نہیں رکھتے اللہ زبردست جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

نماز کی اہمیت:۔

جنگ یا خوف کے دوران طریقہ نماز کے بعد عمومی اہمیت کے بارے فرمایا کہ نماز (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر فرض ہے اور تم نے اسکو ادا کرنا ہے۔ یہ ذاتی خواہش کی بناء پر نہیں بلکہ حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ (۲) نماز کو اسکے متعین کردہ اوقات میں ادا کرنا ضروری ہے وہ نماز صرف اپنے متعین وقت کے دوران ہی ہوگی اور ادا نہ کی تو قضا ہوگی۔

اگلی آیات میں فرمایا کہ جس طرح تم جنگ میں تکلیف اور مشکل سے گزرتے ہو اس طرح تمہارے دشمن (اسلام کے دشمن) بھی جنگ میں تکلیف اور مشکل سے گزرتے ہیں۔ تمہیں اس حکم خداوندی کی تعمیل میں اجروثواب ملے گا۔ لیکن کفار (تمہارے دشمن) محض دنیاوی زندگی کے لئے یہ ساری تکلیف برداشت کرتے ہیں تو تمہیں ان کے مقابل زیادہ ہمت کرنی چاہیے کہ پس دنیا کے ساتھ آخرت میں بھی اس کا اجر ملے گا۔ (کیوں تم اس میں سستی کرتے ہو۔ یا کرو گے؟)

اِنَّـآ اَنْـزَلْـنَـآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا[4:105]

بے شک ہم نے آپ کی طرف حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تا کہ آپ لوگوں میں جو اللہ نے حق دکھایا ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور آپ کبھی بد دیانت لوگوں کی طرف سے بحث کرنے والے نہ بنیں۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا[4:106]

اور اللہ سے استغفار کریں بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم والا ہے۔

وَ لَا تُـجَـادِلْ عَـنِ الَّـذِيْـنَ يَـخْتَـانُـوْنَ اَنْـفُسَهُـمْ اِنَّ اللّٰـهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا[4:107]

اور مت جھگڑیں (بحث کریں) ان کے لئے جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں بے شک اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو بڑا بد دیانت اور بدکار ہو۔

يَّسْتَـخْـفُـوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا[4:108]

وہ لوگوں سے چھپاتے ہیں (ارادے) اور اللہ سے نہیں چھپاتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو اسکی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں جنکو اللہ پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے

احاطہ کیے ہوئے ہے۔

انصاف کی اہمیت:۔

حق کی بنیاد پر انصاف کرنا تا کہ کسی تعلق یا واسطہ کا کوئی دخل نہ ہو اور انصاف صحیح ہو اس کے بارے حکم نازل فرمایا اس آیات کا موقعہ نزول (شان نزول) ایک واقعہ سے متعلق ہے وہ یہ کہ ایک منافق قبیلہ بنی ظفر سے تھا اس نے اپنے پڑوسی مسلمان کے گھر سے آٹے کی بوری چوری کر لی جس میں ہتھیار (تلوار) تھی اس نے یہ چالاکی کی کہ چوری کا سامان ایک یہودی کے پاس امانت کے طور پر رکھ دیا۔ جن صحابہ کی چوری ہوئی تھی انہوں نے ذکر اپنے ایک عزیز سے کیا اور کہا کہ ان کو شک ان کے پڑوسی پر ہے یہ معاملہ حضور علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا۔ چونکہ کوئی ثبوت نہیں تھا اسلئے حضور پاک ﷺ نے تحقیق شروع کروائی۔ چوری کے سامان (تلوار) اس یہودی کے ذریعہ ملی تو یہودی نے بتایا کہ یہ تو فلاں مسلمان نے میرے پاس رکھی تھی اور آٹا بھی۔ مسلمان کے قبیلہ بنی ظفر کے لوگ اکٹھے ہو گئے اور کہا کہ یہودی محض مسلمانوں کو لڑانے کے لئے ایک مسلمان پر الزام لگا رہا ہے۔ اور یہ (یہودی) چور ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آیات کے ذریعہ حق واضح فرمادیا اور یہ تاکید بھی کر دی کہ کسی قسم کا مذہبی یا قبائلی عنصر انصاف کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہونا چاہیے جب اس مسلمان جس نے چوری کی تھی کو پتہ چلا تو مدینہ سے بھاگ کر کفار کے ساتھ جا ملا اور وہاں بھی نقب لگائے ہوئے دیوار گرنے سے مر گیا۔

آیات مبارکہ میں جو خیانت کا مرتکب ہو اس سے ذرا سی بھی ہمدردی نہ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ خائن بہت بڑا گناہ گار ہے 'اس سے ہمدردی کرنا انصاف کو نقصان دینا ہے' اسلام اور اللہ کا رسول دنیا میں حق و انصاف پھیلانے کے لئے تشریف لائے ہیں اس لئے اگر کسی وقت رشتہ، نسل، مذہب، زبان کی وجہ سے کوئی ایسا خیال آئے تو استغفار پڑھنا چاہیے اور حق و انصاف کا ساتھ، فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

خائن سے برتاؤ:۔

خیانت کرنے والا بڑا ظالم ہے کہ وہ ایک طرف اپنے ضمیر سے ظلم کر کے خیانت، چوری اور جرم کرتا ہے دوسری طرف دوسرے انسان کو اسکے حق سے محروم کرتا ہے۔ ایسے لوگ کسی ہمدردی کے مستحق نہیں بلکہ سزا کے مستحق ہیں۔ خیانت کے اعمال اور ان کی پلاننگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ بالخصوص وہ لوگ جو جرم کر کے اپنا جرم چھپا کر دوسروں کو جھوٹا ملوث کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے وہ لوگوں سے بدنامی کے ڈر سے جرم چھپاتے ہیں اور دوسروں پر الزام لگاتے ہیں جبکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات نے احاطہ کیے ہوئے ہے وہ لوگوں سے تو چھپا سکتے ہیں جو نہیں دیکھ سکتے لیکن علیم وخبیر سے نہیں۔ جس نے ان کو احاطہ یا گھیرا ہوا ہے۔ انہیں اس (اللہ تعالیٰ) سے ڈرنا چاہیے مگر نہیں ڈرتے اسلئے ان کو ضرور سزا ملے گی اور قانون میں بھی

ان کی ایک جرم اور دوسری تہمت والزام کی سزا ہے۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا [4:109]

سنتے ہو! تم وہ لوگ ہو جو دنیائی زندگی میں ان کی طرف سے جھگڑتے ہو پھر کون قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ سے جھگڑے گا یا ان کی طرف سے وکیل ہوگا۔

وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا[4:110]

اور جو شخص برا کام کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ سے معافی کی درخواست کرے وہ اللہ کو بڑا معاف کرنے والا اور مہربان پائے گا۔

وَ مَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا[4:111]

اور جو کوئی گناہ کرے تو وہ بس اپنی جان پر کر رہا ہے اللہ خوب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

وَ مَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا[4:112]

اور جو شخص گناہ یا ظلم کرے اور اسکا الزام کسی بے گناہ شخص پر لگا دے تو اس نے یقیناً ایک بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھالیا۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ وَ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا[4:113]

اور اگر آپ پر (اے نبی) اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ یہ پکا ارادہ کر چکا دیتا تھا کہ آپ کو غلط فہمی میں ڈال دیں جبکہ درحقیقت وہ اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور آپ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب (قرآن) اور حکمت نازل کی ہے اور تمہیں وہ کچھ بتایا جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

مجرم کی اعانت:۔

آیات مبارکہ پچھلی آیت کے مضمون کے تسلسل میں ہیں قبیلہ بنوظفر اپنے آدمی جس نے چوری کی تھی کی حمایت میں نکل آیا اوران کی طرف عدالت نبوی میں جھگڑنے لگا بظاہر کوئی اس شخص کی چوری کرنے کی دلیل نہ تھی۔ یہودی کے ہاں سامان نکلا جو ایک دلیل تھی یہودی کے پاس بھی کوئی گواہ نہیں تھا کہ اس شخص نے اسکے پاس مال رکھا ہے اوراسنے چوری نہیں کیا سارے ظاہری دلائل قبیلہ بنوظفر کے حق میں تھے اور وہ مسلمان بھی تھے اور ملزم بھی مسلمان تھا لیکن واقعتاً وہ چور تھا بہت ممکن تھا کہ عمومی نظام کے تحت یہودی کو مجرم قرار دیا جاتا اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما کر حق وانصاف کو بلند فرمایا۔ پھر حکم فرمایا کہ جولوگ محض دوستی۔ رشتہ داری یا کسی تعلق کی بناء پرحمایت کرتے ہیں یہ اسلام میں سخت منع ہے ہر مسلمان کے لئے حق کے ساتھ کھڑا ہونا ضروری ہے اگر دنیامیں وہ اس طرح مجرم کو بچالیں گے تو قیامت کے دن مجرم کو کون بچائے گا کیونکہ ذات خداوندی ہر عمل سے واقف ہے اوراس دن کے عذاب سے بچنا ضروری ہے یہ ایک لطیف نکتہ ہے جو صاحب ایمان کے لئے بہت اہم ہے اور کسی جرم کے خیال تک کے لئے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

بہتان تراشی:۔

بہتان تراشی جو گناہ کرتا ہے وہ اسکا ذمہ دار خود ہے اور جو گناہ کر کے پھر کسی بے گناہ کو پھنسا دیتا ہے اور خود بچنے کی کوشش کرتا ہے اسکا گناہ بہت زیادہ ہے کہ اسنے گناہ کے ساتھ بہت بڑا بہتان لگایا جسکی وہ سزا پائے گا۔ جو آدمی کوئی گناہ کرے تو گویا اسنے اپنے پرظلم کیا کیوں کہ اگر دنیا میں سزا نہ ملی تو آخرت میں اسکی سزا ضرور ملے گی لہذا یہ ایک دھوکہ ہے کہ وہ بچ گیا لیکن اگر وہ اسکا احساس کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو وہ رحیم ہے۔ اسکی توبہ اگر حقیقی توبہ ہوگی تو قبول فرمائے گا توبہ کی تفصیلی بیان پہلے گزر چکا ہے۔ (آیت نمبر 17-18) توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور توبہ ایک ایسا عمل ہے جو انفرادی اوراجتماعی طور پر کے لئے بہت ضروری اوراہم ہے اسلئے نبی علیہ السلام نے اسکی تاکید کی ہے۔

انصاف کے اصول:۔

ان آیات سے نظام انصاف کے چند اہم اصول واضح ہیں (۱) انصاف کی بنیاد قرآن وسنت اور اسکے راستہ پر ہونی چاہیے۔ (۲) فیصلہ حق کی بنیاد پر ہونا ضروری ہے کسی طرح کی رعایت ملزم کے ساتھ بالکل منع ہے۔ (۳) جھوٹا الزام لگانا بہت بڑا گناہ ہے اور جرم کے علاوہ اسکی بھی سزا ضروری ہے۔

اسلامی نظام عدل میں ہر انسان برابر ہے مجرم شخص کسی بھی مذہب، گروہ، زبان، علاقہ یا نسل سے تعلق رکھتا ہو قانون کے مطابق سزا کا حقدار ہے اور کسی رعایت کا مستحق نہیں۔ یہی طریقہ ان حکمرانوں اور قاضیوں نے اختیار کیا جو اسلام پر یقین رکھتے

تھے۔

نبی کا مقام:۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کے علم اور گناہ سے محفوظ ہونے کا ذکر کیا ہے یہ ضروری ہے ورنہ نبی کی تعلیمات پر بھی شک واقع ہوگا اور سارا مذہب اور نظام شک کی لپیٹ میں آکر ناکام ہو جائے گا۔ آپ کو اللہ نے علم و حکمت عطا فرمایا جو کسی کو نہیں ملا۔ اور کوئی آپ عظمت سے انکار کرتا رہے آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور واقعتاً یہود، کفار، مشرکین نے کتنی سازشیں کیں لیکن ناکام ہوئی آپ کا مقام سب سے برتر سب سے بلند ہے۔ بقول شاعر

؎ یا صاحب الجمال و سید البشر من وجھک المنیر لقد نور القمر

اے خوبصورت جمال والے انسان کے سردار، آپ کے منور چہرے سے چاند نے روشنی لی ہے

؎ لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کی تعریف جس طرح کہ حق ہے ممکن نہیں، قصہ مختصر یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے بعد آپ کی ذات ہی بزرگ و برتر ہے

لَا خَيۡرَ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰٮهُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍ بَيۡنَ النَّاسِ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ فَسَوۡفَ نُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا[4:114]

ان (لوگوں) کی سرگوشیوں میں اکثر کوئی بھلائی نہیں ہوتی سوائے اس شخص کے جو کسی نیک کام صدقہ دینا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے اور جو کوئی یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے تو ہم اس کو عنقریب بڑا اجر دیں گے۔

وَ مَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَ يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتۡ مَصِيۡرًا [4:115]

اور جو شخص رسول ﷺ کی مخالفت کرے اسکے باوجود کہ اس پر ھدایت کی راہ واضح ہو چکی ہے اور اہل ایمان کی راہ سے جو علیحدہ راہ پر چلے تو اس کو ہم اس طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر (مڑ) گیا اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے جو بہت بڑا ٹھکانہ ہے۔

پچھلے مضمون کیساتھ انسانی معاملات کا ذکر ہے کہ نیکی، بھلائی، لوگوں کی خیر خواہی ہر صورت میں ظاہری طور پر ضرور اور خفیہ طور پھر بھی کی جا سکتی ہے۔ عموماً پوشیدہ کام وہی ہوتا جس کے ظاہر ہونے سے کوئی خطرہ ہو اور خطرہ ان کاموں سے ہوتا ہے جو

عموماً خطرناک اور برے ہوتے ہیں اچھے کام تو اچھے ہی ہیں انکو چھپانے کا کیا فائدہ؟ اسلئے فرمایا کہ سرگوشیاں عموماً برے کاموں کے لئے ہوتی ہیں اسلئے نہیں کرنی چاہیں ہاں اگر کوئی نیکی یا بھلائی کا کام ہو تو سرگوشی کے ذریعہ بھی کیا جا سکتا ہے لوگوں کی اصلاح و بھلائی ایک ایسا کام ہے جسکا اللہ کے ہاں کے بڑا مرتبہ ہے بشرطیکہ اسی کی ذاتی مفاد، مالی صفت یا شہرت کی خاطر نہ کیا جائے بلکہ محض انسانی ہمدردی یعنی رضائے ربانی کے لئے کیا جائے۔

اختیار کی اہمیت اور عمل کی ضرورت:۔

حضور علیہ السلام نے انسانی جھگڑوں کو مٹانے کو بہت اہم فرمایا ہے، حضرت ابی الدرداء سے روایت ہے کہ صحابہ سے حضور نے کہا کہ میں تمہیں ایسی چیز کیوں نہ بتاؤں جو کہ روزہ، نماز اور صدقہ سے افضل ہے تو صحابہ نے کہا فرمائیے تو آپ نے کہا لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا۔ اس حدیث سے اسکی اہمیت واضح ہوتی ہے لیکن ایک نکتہ یاد رہے کہ یہاں روزہ نماز صدقہ سے مراد نفلی عبادات ہیں فرائض نہیں۔ بحوالہ ابوداؤد ترمذی۔ ایک اور حدیث شریف کہ براویت ابوایوبؓ ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کروا جب وہ فساد کریں ان کو قریب کرو جب ایک دوسرے سے دور ہوں (بیہقی)۔ اسلام ایک محبت و امن کی بنیاد پر معاشرہ قائم کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اسلام نے حق کو قرآن اور رسول علیہ السلام کے طریقہ زندگی اور تعلیمات سے واضح کر دیا ہے اسکے باوجود بھی اگر کوئی حق سے منہ موڑے اور رسول علیہ السلام کے احکام سے انکار کرے یا عمل نہ کرے تو اسکی اس کوشش کو جو اسنے خود اختیار کی ہے اور اس پر عمل کر رہا ہے ہم اسے چلنے دیں گے اور وہ پھر اپنے انجام تک پہنچے گا جو دنیا میں ذلت کی صورت اور آخرت میں عذاب کی صورت میں ہوگا اگر دنیا میں عذاب سے بچ گیا تو اسکا کئی گنا عذاب آخرت میں ملے گا اس سے ایک اہم پیغام ہے کہ زندگی میں عمل بہت اہم ہے اور جب تک عمل اور محنت نہیں کی جائے گی کچھ فائدہ نہیں ہوگا اور عمل کا اختیار اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل، سچ اور جھوٹ کے راستے بتا کر انسان کو دے دیا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

کچھ حضرات اقبال کے اس شعر کو نہیں سمجھتے اور اسکو انسان کی پیدائش کے وقت گناہوں سے معاف ہونے کے خلاف سمجھتے ہیں حالانکہ جب کوئی آدمی بچپن سے نکلتا ہے تو وہ نہ گنہ گار ہوتا ہے نہ نیکو کار اسکے بعد اسکے اعمال اسے جنت وجہنم میں لے کر جائیں گے۔

اجماع امت کی اہمیت:۔

دوسرا اہم نکتہ اجماع امت ہے کہ جماعت مومنین سے علیحدہ ہونا گمراہی ہے اسلئے واضح طور پر رسول علیہ السلام کے ذکر کے بعد فرمایا کہ جو مومنین کی جماعت یعنی اکثریت (سواد اعظم) بڑے گروہ سے مخالفت کرے گا وہ گمراہی پر ہوگا اسلئے ایک حدیث بحوالہ مسند احمد بن حنبل ہے کہ " **لاتجمع امتی علی الضلالہ**" کہ میری امت (کی اکثریت) گمراہی پر اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ یہ حدیث بھی جمہوری فیصلہ کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا [116:4]

بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا جائے، اسکے علاوہ (گناہ) جسکے لئے چاہے معاف کر دیتا ہے۔اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ گمراہی میں دور تک بھٹک گیا۔

اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا[117:4]

یہ(مشرکین) اللہ کے سوا دیویوں کی پوجا کرتے اور وہ سرکش شیطان کی پوجا کرتے ہیں۔ **لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ**☆

وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا[118:4]

جس پر(شیطان) اللہ نے لعنت کی (وہ اسکی اطاعت کر رہے ہیں) اور جس (شیطان) نے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک معین حصہ ضرور لوں گا۔

وَّ لَاُضِلَّنَّہُمۡ وَ لَاُمَنِّیَنَّہُمۡ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا[119:4]

میں انہیں ضرور گمراہ کروں گا، انہیں غلط امیدیں دلاؤں گا، اور انہیں ضرور حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان چیریں گے اور انہیں حکم دوں گا کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کو بدلیں گے اور جو کوئی اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا دوست (والی) بنائے۔تو اس لئے صریح نقصان اٹھایا۔

یَعِدُہُمۡ وَ یُمَنِّیۡہِمۡ ؕ وَ مَا یَعِدُہُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا[120:4]

وہ (شیطان) ان سے وعدے کرتا ہے اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے اور شیطان جو ان کو وعدہ دلاتا ہے وہ صرف فریب ہی ہے۔

اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۫ وَ لَا یَجِدُوۡنَ عَنۡہَا مَحِیۡصًا[121:4]

ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہاں سے بچ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔

عدل کی اہمیت کے بعد حقوق اللہ کی اہمیت کا ذکر ہے کہ خالق جس نے پیدا کیا اور ساری نعمتیں دیں اسکے احکام سے انکار اور اسکے علاوہ کسی کی عبادت کرنا بہت بڑا ظلم ہے یہ ایسا جرم ہے جسکی کوئی معافی نہیں اسکے علاوہ جرائم کی معافی ممکن ہے اور اس میں گمراہی بہت بڑی گمراہی ہے۔

اشیاء کی ماہیت کے مطابق استعمال:۔

مشرکین مکہ کے عقائد کا ذکر کیا کہ وہ خدا کے بجائے مختلف عورتوں کے ناموں والے بتوں (لات ،منات وغیرہ) کی پوجا کرتے تھے جبکہ دوسری طرف عورتوں کو حقیر جانتے تھے اور انہیں حقوق نہیں دیتے تھے۔اس گمراہی کا بڑا سبب شیطان ہے جس نے سجدہ سے انکار کرنے کے بعد جب دھتکارا گیا تو کہا کہ میں تیری مخلوق کو گمراہ کروں گا اور جو اس نے طریقے استعمال کرنے تھے ان کا ذکر ہے کہ جھوٹی امیدیں دلانا۔کہیں دولت کی / کہیں اقتدار کی / کہیں شہرت کی / کہیں لوگوں میں عزت کی / کہیں برابری کے حقوق کی / بعض توہمات کو عبادت کا درجہ دینا جس طرح عرب میں اونٹنی کے زیادہ بچے ہوتے اسکے کان چیر کر چھوڑ دیتے اور بتوں کے نام پر مقدس جانتے اور اس طرح بعض اشیاء یا مخلوق کو جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اسکے علاوہ ان کو استعمال کرنا انکی ہیبت یا شکل بگاڑنا اور اسے ایک کامیابی تصور کرنا مثلاً مرد عورت کی طرح انداز اختیار کرے عورت مرد کے انداز اپنائے۔غیر طبعی امور مرد کی مرد سے شادی۔عورت کی عورت سے شادی۔عورت کی نسل بندی یا مرد کی نس بندی یا ایسی مساوات جو طبعی طور پر ممکن نہیں اس سے واضح ہے کہ اسلام کس قدر شفافیت کی تاکید کرتا ہے کیونکہ یہ سارے کام اصل حقیقت کو چھپانا اور ایک جھوٹی حقیقت یا صورت دکھانا ہے۔ جو صرف اس فرد کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی دھوکہ ہے۔ یہ سارے حالات ایک سراب ہیں جسکی اصل حقیقت اسلئے نہیں کہ وہ اپنی فطری صلاحیت اور حقیقت کے خلاف ہیں یہ شیطانی اعمال ہیں۔ ان چیزوں پر عمل کرنے والے اللہ کے احکام سے منہ موڑنے والے ہیں شیطانی نظریات پر یقین اور ان کی پیروی کرنے والوں کا ٹھکانہ شیطان کی طرح جہنم ہے کیونکہ وہ ظالم ہیں اور مصنوعی بناوٹ کے ذریعہ دوسروں کو دھوکہ دے رہے ہیں اس لئے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا [122:4]

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم انہیں عنقریب جنت میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون

ہے۔

لَیۡسَ بِاَمَانِیِّکُمۡ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ وَ لَا یَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ لِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا[4:123]

(انجام کار) نہ تمہاری امیدوں پر نہ اہل کتاب کی امیدوں پر ہے جو کوئی براعمل کرے گا اسکی سزا پائے گا اور اللہ کے بغیر اپنا کوئی حمایتی یا مددگار نہیں پائیگا۔

وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا[4:124]

جو اچھے عمل کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور تل (ذرہ) بھرحق تلفی نہیں کی جائے گی۔

وَ مَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِیۡمَ خَلِیۡلًا[4:125]

اور دین (زندگی) کے لحاظ سے اس شخص سے بہتر کون ہے جس نے اپنا سر جھکا دیا اللہ کے سامنے اور وہ احسان کرنے والا ہوا اور ہر باطل سے منہ موڑ کر ملت ابراہیمؑ کی پیروی کی اور اللہ نے ابراہیمؑ کو مخلص دوست بنالیا تھا۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطًا[4:126]

اور اللہ کا ہی ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اور اللہ ہر چیز کو محیط (گھیرے ہوئے) ہے۔(یعنی اسکے علم وکنٹرول میں ہے)

عمل کی اہمیت:۔

شیطان کی پیروی کرنے والوں کا ذکر کے بعد انسانی اعمال کی اہمیت کا ذکر ہے۔اس بات کو واضح کیا ہے کہ عمل بہت ضروری ہے محض عمل کے بغیر کسی جزاء کی امید رکھنا کہ جنت اور اللہ کی رضامل جائے۔ایک عبث خیال ہے۔انسانی تمناؤں پر اسکا دارو مدار نہیں بلکہ مرد ہو یا عورت انسانیت میں برابر ہیں اور فضیلت کا تعلق اعمال سے ہے۔

قبولیت عمل کے لوازمات:۔

فضیلت کسی سے نسبت سے نہیں ہاں اہل ایمان کی فضیلت ان کے ایمان باللہ کی وجہ سے ہے لیکن اصل دارومدار اعمال پر ہوگا۔ نیک عمل بالکل ذرہ بھر بھی ضائع نہیں ہوگا اور نیک اعمال کرنے والے جنت کے حقدار ہوں گے۔ اہل کتاب کے اس دعویٰ کو کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کرتے ہیں اسکی تصحیح کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم توحید خداوندی اور اللہ کے آگے سر جھکائے مخلص تھے اور اس اخلاص پر اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیل (دوست) کے مقام سے نوازا۔ اور خلیل وہ دوست ہے جسکے دل میں دوست کے سوا اور کوئی نہیں بستا۔ اب وہی عمل اعلیٰ قبولیت کا مستحق ہے جو خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے اور اس کو اچھے طریقے سے ادا ہونا چاہیے اور بہترین طریقہ وہ ہے جو حضرت محمد ﷺ نے انسانیت کے لئے چھوڑا ہے اسلئے اس کا اہتمام بہت ضروری ہے اور اللہ کی گرفت سے سرکشی کرنے والا نہیں بچ سکتا۔

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا[4:127]

لوگ آپ سے عورتوں کے بارے فتویٰ پوچھتے ہیں آپ کہہ دیں کہ اللہ تمہیں ان کے بارے حکم دیتا ہے جو احکام تم کو (پہلے) کتاب میں سنائے جارہے ہیں ان یتیم عورتوں کے بارے میں جنہیں تم وہ حقوق نہیں دیتے جو انکے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور تم چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کرو (ان کے مال کے خاطر) اور بے بس بچوں کے بارے (احکام) ہیں کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کرو گے بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا[4:128]

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی جانب سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف رکھتی ہو تو دونوں (میاں بیوی) پر کوئی حرج نہیں کہ آپس میں (مناسب کمی بیشی پر) صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے اور طبیعتوں میں بخل موجود ہے۔ اگر تم احسان کرو اور نیکی اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔

وَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَ لَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ وَ اِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا [129:4]

تم ہرگز اس بات کی طاقت نہیں رکھتے کہ بیویوں کے درمیان پورا انصاف کر سکو۔ اگر چہ تم کتنا ہی چاہو۔ پس ایک (بیوی) کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو لٹکتی ہوئی چیز کی طرح چھوڑ دو۔ اگر تم (اپنے رویہ کی) اصلاح کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

وَ اِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا [130:4]

اور اگر دونوں جدا ہو جائیں (میاں بیوی) تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے (کی محتاجی) سے بے نیاز کر دے گا اللہ بڑی وسعت اور بڑی حکمت والا ہے۔

آیت مبارکہ میں انسانی اعمال بالخصوص عائلی امور کے بارے احکام ہیں تاریخ اور روایات کے مطابق عرب عورتوں کے ساتھ زیادتی بالخصوص یتیم لڑکیاں جو خوبصورت ہوتیں تو نکاح کر لیتے اور ان کے معاشرتی و معاشی حقوق مثلاً مہر وغیرہ ادا نہیں کرتے بلکہ ان کی وراثت پر قبضہ کر لیتے اور اگر خوبصورت سے نکاح نہ کر سکتے تو اسے نکاح نہ کرنے دیتے تا کہ اسکی وراثت پر قابض رہیں اور اگر بدصورت ہوتی تو نہ اس سے نکاح کرتے اور نہ اسے کرنے دیتے تا کہ مال ان کے قبضہ سے نہ نکل جائے اور ویسے بھی عورتوں اور بچوں کو وراثت میں ان کو حصہ نہیں دیا جاتا تھا اس کے بارے حکم ہے کہ سابقہ احکام کی طرح ان کے حقوق کا پورا لحاظ رکھنا فرض ہے اور اسی طرح یتیم بچوں کا بھی جب تک وہ بالغ نہ ہوں ان کا پورا پورا خیال رکھنا ضروری ہے اور ان کے مال کی حفاظت کی جائے۔ یہ عمومی احکام تھے اسکے بعد خصوصی عائلی (خاندانی) احکام اور مرد وعورت کے تعلقات کا ذکر ہے چونکہ خاندان کی بنیاد میاں اور بیوی ہیں اگر ان کے اندر تعلقات صحیح طور پر نہیں ہوں گے تو نہ صرف اولاد متاثر ہوگی بلکہ وہ خود بھی نفسیاتی طور پر پریشان ہوں گے اور بالخصوص عورت چونکہ معاشی طور پر کمزور ہوتی ہے اسلئے اسکے نقصان کا تحفظ اہم ہے عائلی مشکلات میں درج ذیل طریقہ کار بتایا گیا ہے۔

(۱) معاملات کے حل کے لئے میاں بیوی آپس میں تفاھم کریں۔

(۲) تفاھم کے سلسلہ میں اگر دونوں کو کوئی مالی یا معاشرتی کمی وبیشی اپنے حقوق میں کرنی پڑے تو فراخدلی سے کریں۔ مثلاً مہر میں کمی یا نفقہ دوسری مراعات میں کمی۔

(۳) انسانی طبقوں کے اندر بخل اور مفاد کی محبت کا ایک طبعی عنصر شامل ہے اسکو کنٹرول کرنا ضروری ہے تا کہ نا انصافی کم سے کم ہو سکے۔

(۴) بخل کے مقابل احسان اور بھلائی کے طریقہ کار کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔ مثلاً ایک دوسرے کی کمزوریوں کا احساس کرتے ہوئے درگزر کی جائے اور رشتہ قائم رکھا جائے تاکہ اولاد اور نفسیاتی طور پر کوئی بھی خاوند یا بیوی پریشان نہ ہو۔

(۵) ان حالات میں ظاہری معاملات اور اختیاری امور میں پورا پورا انصاف کیا جانا ضروری ہے اور بیویوں کے درمیان عدل کیا جائے اور وہ امور جو غیر اختیاری ہیں محبت خصوصی وہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیگا اور وہ تمام حالات کا جاننے والا ہے لیکن ظاہری اور اختیاری امور مثلاً شب باشی (رات کا گزارنا) کھانے پینے کا خرچ، مکان (رہائش) فرنیچر، معاشرتی مساوات اور اولاد کا خیال وغیرہ میں مساوات لازمی ہے اسلئے فرمایا کہ دوسری کو لٹکتا نہ چھوڑو کس قدر خوبصورت مثال لٹکتی چیز کس قدر تکلیف اور پریشانی میں ہوتی ہے اسطرح اصلاح اور خوف خدا کی یاد دہانی کرائی ہے۔

(۶) ان تمام امور کی ہدایات کے باوجود اگر عمل ممکن نہیں تو دونوں کو علیحدہ ہو جانا چاہیے اور اس میں فساد زیادتی اور نا انصافی نہیں کرنی چاہیے تاکہ دونوں کے حقوق محفوظ رہیں اس صورت میں عورت بھی طلاق طلب کر سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دونوں کو ان کی آنے والی زندگی میں وسعت اور بہتری عطا فرمائیگا اسکے خزانے اور قدرت بہت وسیع ہے اور یہ جدائی بھی ان کی آنے والے زندگی میں بہتری کا سبب بن سکتی ہے۔

دنیا کا کوئی بھی نظام اس سے بہتر عملی طریقہ کار نہیں بتا سکتا جو اسلام نے اچھے معاشرے کی بنیاد کے لئے دیا ہے۔ اسکا مقصد معاشرے میں فساد۔ جھگڑے مقدمہ بازی اور انفرادی دشمنی ونفرت کو ختم یا کم سے کم کرنا ہے تاکہ خاندانی نظام محفوظ رہے اور آنے والے افراد یعنی اولاد کی تربیت اچھی طرح کی جا سکے۔ ہمیں چاہیے کہ ان تعلیمات پر مکمل طور پر عمل کریں۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ لَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا[4:131]

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمان اور جو کچھ زمین میں ہے اور بیشک ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی حکم دیا ہے اور تمہیں (بھی حکم ہے) کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم انکار (نافرمانی) کرو تو بے شک اللہ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا[4:132]

اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ

قَدِيْرًا [4:133]

اگر وہ چاہے تو تمہیں ہٹا کر (تمہاری جگہ) دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر پوری قدرت والا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا [4:134]

جو کوئی دنیا کا انعام طلب کرتا ہے تو اللہ کے ہاں دنیا کا ثواب اور آخرت کا ثواب ہے اور اللہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے (سمیع وبصیر) ہے

معاشرے میں اجتماعی اور انفرادی امور کے بارے ہدایات وتعلیمات کے بعد واضح کر دیا کہ اللہ سے ڈرو اسکے احکام پر عمل کرو۔ اسکی طاقت سب سے بڑھ کر ہے وہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کا مالک ہے اور انسانوں سے بے نیاز ہے انسانوں اور ساری مخلوق کو اسکی ضرورت ہے اور جسکے ساتھ وہ ہے اسکو اسکے علاوہ کسی سہارے کی ضرورت نہیں اگر تم اللہ کے احکام اور تعلیمات سے منہ نہ موڑو گے تو تمہارا نقصان ہوگا۔ معاشرہ تباہی، ظلم، ناانصافی کی طرف جائے گا اور تمہارے بدلے اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو حکمرانی دے دے گا اللہ اس پر قادر ہے۔ اقوام کی تاریخ عروج وزوال اسکی شاہد ہے۔ پھر اللہ کے ہاں اس دنیا میں نیک اور اچھے اعمال جیسے انصاف، مساوات، انسانی احترام، حقوق انسانی کی حفاظت کا صلہ ہے جسکے ذریعہ سے معاشرہ خوشحالی سے بھر جاتا ہے اور زندگی آسان ہو جاتی ہے یہ دنیا میں بھلائی (ثواب دینا) اس سے بڑھ کر آخرت کی زندگی میں بھی کامیابی مل سکتی ہے جبکہ انسان ان اعمال حسنہ کے ساتھ خالق کی عبادت کرے اسکی توحید اور اسکے احکام کی پیروی کرے جو اس نے اپنے انبیاء اور کتابوں کے ذریعے انسانیت کو دیے ہیں اور آخری پیغام اور نبی آخر الزمان پر ایمان لا کر ان کی تعلمات پر عمل کرے تو اسے ثواب دنیا اور ثواب آخرت حاصل ہوگا۔ اللہ کی ذات قدرت والی علیم وخبیر اور مخلوق سے بے نیاز اور اسکے تمام امور کے لئے کافی ہے اس لئے اسکے احکام پر عمل میں ہی کامیابی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا [4:135]

اے ایمان والو! تم انصاف کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ یہ (گواہی) خود تمہارے یا والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ اگر چہ (فریق معاملہ جسکے خلاف

گواہی ہو) مالدار ہے یا غریب اللہ ان دونوں کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ اور اگر تم ہیر پھیر والی بات کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بیشک اللہ ان سب کاموں سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو۔

عدل کی اہمیت اسلام میں:۔

معاشرتی قوانین وحقوق اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کے بعد زمین پر عدل وانصاف کے احکام کا ذکر ہے۔اسکا حکم اتنے شدید الفاظ میں فرمایا کہ مومنوں کا یہ فرض ہے کہ وہ انصاف کو نہ صرف نافذ کریں بلکہ اسکے نظام کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں تاکہ وہ قوتیں جو انصاف کے خلاف کام کر رہی ہوں ناکام رہیں۔

گواہی کی نصیحت:۔

انصاف کے عمل میں انسانی گواہی بڑی اہم ہے اگر گواہ نہ ہو تو کسی مسئلہ یا معاملہ میں انصاف کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اسلئے گواہی دینا اسلامی فرائض کا حصہ ہے اور یہ فرض ملزم یا مدعی کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور عدل کی سر بلندی کے لئے ہے اس میں کسی تعلق محبت جو والدین کی صورت ہو رشتہ داروں یا کسی مالی نفع وسماجی مفادات کی وجہ یا غریب وامیر کمزور وطاقتور کے لحاظ سے قطعاً نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے لئے سچ اور سچی بات کی گواہی دینی ضروری ہے یہ تمام عوامل جو عدل اور سچی گواہی کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں ان کا ذکر فرمایا کہ ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھکرا دیا جائے کیونکہ اللہ کی ذات تمام متعلقہ افراد (مدعی، ملزم اور گواہ) کے زیادہ قریب اور پھر سب حالات کا جاننے والا ہے علیم وخبیر ہے عدل وانصاف حکومت کی ذمہ داری ہے اور ساتھ ہی مسلمان فرد کی اسکی حد تک ذمہ داری ہے، انبیاء وکتب کا مقصد اللہ کے احکام کی وضاحت ہے۔پھر اس عدل کے نفاذ میں خوف خدا ہی وہ محرک ہے جو انسان کے کسی معاشی، سماجی دباؤ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔قرآن مجید کی متعدد آیات میں عدل کے لئے حکم فرمایا گیا ہے عادل حکمران کو حدیث کے مطابق اللہ کی نعمت وظل (سایہ) قرار دیا ہے۔اللہ کے ناموں میں العادل نام بھی ہے حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے تمام عمر عدل وانصاف کی سر بلندی کے لئے کام کیا اور اسی طرح تمام مسلمان قاضی ہمیشہ عدل کو نافذ کرتے رہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا [136:4]

اے ایمان والوں! تم ایمان لاؤ اللہ پر اسکے رسول پر اور کتاب جو اتاری گئی اسکے رسول پر جو کتاب اس سے پہلے اتاری گئی تھی اور جو کوئی اللہ کا، اسکے فرشتوں کا، اسکی کتابوں کا اور اسکے رسولوں کا اور جو کوئی یوم آخرت کا انکار کرے وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا۔

اِنَّ الَّـذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَھُمۡ وَ لَا لِیَھۡدِیَھُمۡ سَبِیۡلًا [4:137]

بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں اور بڑھ گئے اور اللہ ہرگز ان کو نہیں بخشے گا اور نہ انہیں سیدھا راستہ دکھائے گا۔

عدل کے بعد اللہ تعالیٰ پر ایمان اور ایمان کے اجزاء کے بارے حکم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ، اسکی کتابوں (قرآن، انجیل و توریت) اور رسولوں اسکے فرشتوں اور یوم آخرت پر جو ایمان لائے وہی ایمان والا ہے۔ اور جو کوئی ان سے انکار کرے وہ گمراہ ہے اور گمراہی میں بہت بھٹک گیا ہے اسی طرح جو لوگ اللہ کے احکام کا انکار کرتے ہیں پھر اقرار کرتے ہیں پھر بھٹک جاتے ہیں اور انکار کرتے ہیں تو وہ اپنے اعمال کی وجہ انکار میں بہت دور نکل جاتے ہیں تو ان کو اللہ سیدھے راستہ کی توفیق نہیں دے گا اور اپنے کفر اور انکار کی وجہ سے ان سے توبہ کی توفیق چھن جائے گی اور وہ گمراہی پر مریں اور بخشش سے محروم رہیں گے انجام کار پر دوزخ کا عذاب ہوگا۔

بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَھُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا [4:138]

آپ منافقوں کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

الَّـذِیۡـنَ یَتَّـخِذُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَیَبۡتَـغُوۡنَ عِنۡدَھُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا [4:139]

جو لوگ (منافق) مومنوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ عزت (طاقت) کی خاطر کرتے ہیں بے شک ساری کی ساری عزت (طاقت) اللہ ہی کے لئے ہے۔

وَ قَـدۡ نَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکۡفَرُ بِھَا وَ یُسۡتَھۡزَاُ بِھَا فَلَا تَـقۡـعُـدُوۡا مَعَھُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِہٖۤ ۫ اِنَّـکُمۡ اِذًا مِّثۡلُھُمۡ ؕ اِنَّ الـلّٰہَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡکٰفِرِیۡنَ فِیۡ جَھَنَّمَ جَمِیۡعَانِ [4:140]

اور بے شک (اللہ نے) تم پر کتاب (قرآن) میں یہ حکم دیا ہے کہ تم جب یہ سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ (مذاق چھوڑ کر) کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں ورنہ تم بھی انہی کی طرح ہوگے بے شک اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا[4:141]

وہ (منافق) جو تمہاری (فتح وشکست کی) انتظار میں رہتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہو جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو (ظاہری فتح میں سے) کچھ حصہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں (کے ہاتھوں نقصان) سے نہیں بچایا۔ پس اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر (غلبہ کی) ہرگز کوئی راہ نہیں دے گا۔

مدینہ شریف کے ابتدائی سالوں میں مسلمانوں کی جب تعداد قلیل تھی اس وقت اور بالخصوص غزوہ احد کے بعد منافقین کا رول بڑا کھلا ہو گیا اور یہودیوں اور غیر مسلم قبائل کے ساتھ اپنے تعلقات بنانے لگے جسکی اصل وہ ان کی ایمان کی کمزوری اور دنیا کی محبت تھی کہ اگر کفار غالب آجائیں تو وہ ان کے ظلم یا بدلہ سے بچ جائیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ کفار مکہ کا پلڑا بھاری رہے گا یا یہودی اور دوسرے غیر مذہب قوتیں جو اسلام کے خلاف تھیں مسلمانوں کی بے سر و سامانی کی وجہ سے کامیاب ہوں گی اور اس طرح ان کی جان بچ جائے گی کچھ مسلمان اپنی رشتہ داری۔ تعلق۔ معاشی یا سماجی اعراض کی وجہ سے ان منافقین یا یہود سے معاملہ رکھتے تھے اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنا پڑتا تھا اسکے بارے حکم دیا کہ چونکہ یہ مجالس یا گفتگو اسلام کے خلاف ہوتی ہے اسلئے اس میں بیٹھنا منع ہے اور ایسی گفتگو کرنے والوں کو روکنے کیلئے اپنی نفرت کا اظہار ضروری ہے تاکہ وہ خاموش ہو جائیں یا ایسی بے ہودہ گفتگو کم دیں اور اگر کم نہ کریں تو ایسی مجلسیں چھوڑ دینی چاہیے۔ منافقین کے تعاون کے دلائل جو وہ کفار سے کرتے ہیں جھوٹے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں دشمنان اسلام یا اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کی مجالس میں بیٹھنے سے ان کے پروپیگنڈہ کا اثر بھی ہوتا ہے اور ان کو تقویت بھی دیتا ہے اسلام کے خلاف پروگراموں یا مجالس میں بیٹھنے کی اسی وقت اجازت ہے جب کسی مسلمان کو مجبوری ہو یا وہاں وہ تبلیغ کرنا چاہتا ہے تاکہ اسلام کا موقف واضح کر سکے ورنہ گناہ ہے۔ درحقیقت منافقین اور کفار کا انجام کار

دوزخ ہے جہاں یہ سب اپنے اعمال کی وجہ سے اکھٹے ہوں گے اسلئے فرمایا کہ ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے جہنم کی خوشخبری دے دو اور مسلمانوں کو بتایا کہ عزت، طاقت، قوت اللہ کی ہے اور وہی عزت دینے والا ہے انسانوں کے بس کی بات نہیں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال اور اسلام پر عمل کی بنیاد پر عزت دے گا مسلمانوں کو مرعوب نہیں ہونا چاہیے جس طرح کے اللہ نے مسلمانوں کو عزت دی جو تاریخ میں موجود ہے۔مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر مغرب میں مراکش اور سپین تک پہنچ گئے لیکن اگر مسلمان اسلام کے احکام پر عمل نہیں کریں گے تو ان کی یہ عزت ختم ہو جائے گی پھر وہ منافقین کے درجہ پر آجائیں گے جو زبان سے اسلام کا نام لیتے تھے مگر دل میں کفار کے خوف سے ڈرتے تھے۔اور جب بھی مسلمان اسلام کے عدل، مساوات انسانی احترام اور خوف خدا کی بناء پر حکمرانی کریں گے یا زندگی گزاریں گے تو کفار ان پر غلبہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اِنَّ الْـمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَ ھُوَ خَادِعُھُمْ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُ وْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا[4:142]

بے شک منافقین (اپنے گمان میں) اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اللہ (خود) ان کو ان کے دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے۔اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ لوگوں کو صرف دکھانے کیلئے اور اللہ کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں۔

مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَلَہٗ سَبِیْلًا [4:143]

متذبذب ہیں (کافروں اور مسلمانوں) درمیان نہ ادھر نہ ادھر، جسے اللہ بھٹکا دے تو آپ اس کے لئے کوئی راستہ (ہدایت) نہیں پاؤ گے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا[4:144]

اے ایمان والوں مومنین کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ (کفار کی دوستی کر کے) اپنے خلاف اللہ کیلئے واضح حجت بنا دو۔

منافق کی نفسیات:۔

وہی موضوع منافقین اور کفار کا جاری ہے منافق کی نفسیاتی کیفیت کا ذکر ہے کہ وہ اپنی طرف سے دونوں کشتیوں میں

سوار رہنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے اپنی کامیابی سمجھتا ہے کہ ہر طرف سے کامیابی کے امکانات ہوں گے درحقیقت یہ اسکا خیال اسکے لئے خود ایک دھوکہ ہے اگرچہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ دونوں اطراف کو خوش کر کے وہ ان کو چکمہ دے رہا ہے۔لیکن وہ خود دھوکہ کھا رہا ہے اور اسکی وجہ اسکی ارادے کی کمزوری ہے اور قوت فیصلہ کی کمی ہے جو ہر منافق کا نفسیاتی تجزیہ ہے اس عدم اطمینان اور یک سوئی کی وجہ سے وہ انتہائی نقصان میں ہے اور اسکی کامیابی کا کوئی راستہ یا امکان نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اسکے اعمال کی وجہ سے اسے گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے اور اسے کوئی ہدایت کے راستہ پر نہیں لاسکتا۔کونکہ وہ گمراہی میں گم ہو جاتا ہے اس کیفیت کے بعد فرمایا کہ تم مومنین کو دوست بناؤ وہی دوستی کے لائق ہیں (تاکہ منافقین سے بچ جاؤ) اور اگر مومنین کے مقابل منافقین اور کفار کو دوست بنایا تو اللہ سے کیسے معافی پاؤ گے تم خود اپنے خلاف احکام سے انکار کی حجت پیدا کر رہے ہو لہٰذا اس سے بچو۔مسلمانوں کو بالخصوص ریاستی سطح پر اپنے بین الاقوامی اور علاقائی تعلقات میں ترجیحات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق رکھنا ضروری ہے تاکہ مسلمان قوتوں کا اتحاد رہ سکے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا[145:4]

بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا[146:4]

البتہ وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور اللہ سے مضبوط تعلق جوڑ لیا اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر لیا تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ مومنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا [147:4]

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار اور ایمان دار بن جاؤ۔ اللہ بڑا قدر دان اور خوب جاننے والا ہے۔

منافقین کا انکے اعمال کی وجہ سے ذکر جاری ہے کہ وہ دوزخ کی نچلی ترین سطح میں رہیں گے یعنی شدید عذاب میں مبتلا رہیں گے کیونکہ حق جانتے ہوئے بھی انہوں نے حق ماننے والوں سے دھوکہ کیا مگر وہ لوگ جو اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے توبہ کی اور ایمان پر مستحکم ہو گئے اللہ تعالیٰ سے دل لگا لیا وہ پھر مومنوں میں شامل ہو گئے دیکھئے اللہ کی رحمت اور اسکا بندوں سے کتنا پیار ہے کہ ایک انسان گمراہ تھا جب اسنے توبہ کی تو اللہ کی ذات نے اسے معاف کر دیا بلکہ اپنی رحمت مین گھیر لیا۔اور یہ خوش خبری بھی

سنائی کہ مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ایک حدیث شریف کے مطابق دنیا کی تکالیف بھی مومن کے لئے اسکا کفارہ ہیں جسکی جزا آخرت میں ملے گی۔ اللہ کی ذات نے واضح فرما دیا کہ اسکو بندوں سے پیار ہے ان کی نیکی' عبادت' بھلائی کو وہ خوب جانتا ہے اور اسکی قدر فرماتا ہے لہٰذا انہیں نیکی کی طرف آگے بڑھنا چاہیے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا

[148:4]

اللہ کسی بری بات کو بلند آواز کہنا پسند نہیں کرتا سوائے اسکے جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ خوب جاننے والا اور سننے والا ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا[149:4]

اگر تم بھلائی کو ظاہر کر دیا مخفی رکھو اور کسی کی برائی سے درگزر کر و تو بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے۔

معافی کی اہمیت:۔

منافقین کے کردار، معاشرے کی مشکلات اور ظلم کے سلسلہ میں مظلوم کے حقوق اور ظالم کے ظلم سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے بارے تعلیمات ہیں ظلم کے خلاف جس پر ظلم کیا جارہا ہے اسے احتجاج کا حق دیا ہے اور اسے غیبت تصور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ظلم کی وجہ سے وہ لوگوں کو مطلع کرتا ہے۔ دوسری طرف عدالت کا دروازہ کھٹکٹانا اسکا حق ہے۔ اسکے ساتھ مظلوم کو یہ بھی تسلی کرادی کہ اگر لوگ اس پر توجہ یا عدالت کے ذریعہ یا گواہی کے مسائل سے اسے انصاف میں تکلیف یا تاخیر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سننے والا جاننے والا ہے ساتھ یہ فرمایا کہ بھلائی یا نیک عمل کو ظاہر کر دیا چھپا یا دونوں صورتوں میں اجر وثواب میں کمی نہیں ہوگی لیکن اگر برائی یا زیادتی کے بعد تم زیادتی کرنے والے کو معاف کر دو تو یہ بھی بہت اچھا ہے کیونکہ معاف و درگذر کرنا اللہ کی عادت ہے اور اسطرح تم اللہ کی عادت کو اپنا رہے ہو جبکہ اللہ انسانوں کو ان کے اعمال پر سزا کی قدرت رکھتا ہے اور بڑی قدرت والا ہے لیکن پھر بھی معاف کرتا ہے۔ لہذا معاف کرنا بڑی نیکی ہے۔ اسلامی معاشرہ میں جہاں عدل و انصاف کا پورا پورا انتظام ہے وہاں عدل کے ساتھ ہی مظلوم کو اللہ کی رحمت اور معاف کرنے کی ترغیب بھی دی ہے تا کہ معاشرہ قانون کیساتھ انفرادی محبت وعفو کو قائم کرے اور ظلم کا خاتمہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا[150:4]

بلا شبہ جو لوگ اللہ اور اسکے رسول سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اسکے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کچھ کو مانتے اور کچھ کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اس کے (کفر وایمان)

درمیان کوئی راستہ نکال لیں۔

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا[151:4]

ایسے لوگ پکے کافر(انکار کرنے والے) ہیں اور ہم نے کافروں(انکار کرنے والوں) کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

انبیاء پر ایمان:۔

منافقین کے ساتھ ان کفار و غیر مسلمین کا ذکر ہے جو اللہ کی ذات پر یقین رکھتے تھے مگر انبیاء پر یقین نہیں رکھتے تھے جسطرح کہ قدیم فلاسفہ تھے یا جدید نیچری یا ہیومنسٹ نظریات والے لوگ ہیں، کچھ اہل کتاب ہیں جو اپنے نبی کو تو مانتے ہیں اور دوسرے انبیاء کو نہیں مانتے مثلاً یہودی، عیسائی بعض اوقات وہ ماننا چاہتے ہیں لیکن اپنے نظریات کو بھی ساتھ رکھنا چاہتے ہیں اور کوئی تیسرا راستہ چاہتے ہیں اور یہ راستہ بھی حق سے دور ہے کیونکہ اللہ کی ذات کے احکامات وصفات اسکے انبیاء کے بغیر کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا نہ راستہ دکھلا سکتا ہے کیونکہ انبیاء کی راہنمائی خود ذات خداوندی کرتی ہے اسلئے اللہ کی ذات کے ساتھ اسکے انبیاء کا ایمان بھی ضروری ہے اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ پکے کافر ہیں اور ان کی سزا کے لئے سخت جہنم تیار ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا [152:4]

اور وہ لوگ جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے اور ان کے درمیان تفریق نہیں کی تو عنقریب ان کو وہ(اللہ تعالیٰ) ان کا اجر عطا فرمائے گا۔

کفار کے بعد ان افراد کا ذکر ہے جنکا کردار ان کے برعکس (خلاف) ہے اور وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور کسی ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کریں۔ایسا نہیں کرتے یہ مومن ہیں اللہ ان کے اس عمل اور یقین کی وجہ سے ان کو بہترین اجر عطا فرمائے گا جسطرح کفار کو ان کے اعمال پر عذاب دے گا۔

یَسْئَلُکَ اَهْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓی اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِکَ وَ اٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطٰنًا

مُّبِيۡنًا[4:153]

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار لائیں تو وہ موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑا سوال کر چکے ہیں انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ (کی ذات) کھلم کھلا دکھلا دو پس ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اسکے بعد انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا پھر ہم نے ان کے اس جرم کو معاف کر دیا اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ عطا کیا۔

وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَ قُلۡنَا لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِي السَّبۡتِ وَ اَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا [4:154]

اور ہم نے ان سے پختہ عہد لینے کے لئے طور (پہاڑ) ان کے اوپر اٹھایا (معلق کر دیا) اور ہم نے ان سے کہا کہ تم دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور ہم نے ان سے کہا کہ ہفتہ کے دن میں بھی حد سے نہ بڑھنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا۔

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ وَ كُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ وَّ قَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا[4:155]

پس (جو انہیں سزا ملی وہ) ان کی عہد توڑنے اور آیات الٰہی کا انکار اور نبیاء کو ناحق قتل کرنے اور ان کی اس بات کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں (جو حقیقت میں ایسا نہ تھا) بلکہ اللہ نے ان کے کفر (انکار) کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی سو وہ چند ایک کے سوا ایمان نہیں لائیں گے۔

یہود کی عہد شکنی:۔

ان افراد (کفار و اہل کتاب) کا ذکر جاری ہے جو کہ بعض احکام مانتے ہیں اور بعض کا انکار۔ آیت کا تعلق ایک واقعہ سے بھی ہے جب یہود کا ایک سردار اور عالم حضور علیہ السلام کے پاس چند ساتھیوں کیساتھ آیا اور کہا کہ اگر آپ قرآن کے بدلے ایک کتاب کی صورت میں جسطرح توریت تھی نازل کروائیں تو ہم مان جائیں گے یہ صرف ایک جھوٹی حجت تھی جسکا جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کی کارستانیاں بیان فرمائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مختلف مطالبے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم سامنے دیدار کرنا چاہتے ہیں جب بجلی کی کڑک نے انہیں آلیا اور وہ سب مر گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوئے اسکے بعد بھی جب حضرت موسیٰ چلہ کیلئے گئے تو انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی یوم السبت (ہفتہ کے روز) میں کام کاج کی ممانعت کے

باوجود مختلف حیلوں سے احکام کی خلاف ورزی کی جب انہیں بستی میں داخل ہوتے وقت سجدہ ریزی کا حکم دیا تو نافرمانی کی اسکے علاوہ جو انبیاء حضرت موسیٰ کے بعد تشریف لائے تو حکمرانوں نے تبلیغ کی وجہ سے اور ان کے ساتھ یہودی علماء نے بھی ان پر مظالم ڈھائے۔ مثلاً حضرت زکریا، یحیٰ اور زرمیاہ علیہم السلام وغیرہ ہیں۔ اس پر کوئی شرمندگی نہیں بلکہ فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو غلاف میں گھرے ہوئے ہیں ان پر حق کی تعلیمات اثر نہیں کرتیں ان کی ہٹ دھرمی اور ان مظالم کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو کفر میں ڈھک دیا اور اکثریت ان کی حق (اسلام) کی پیروی سے محروم رہی۔

وَّ بِکُفۡرِهِمۡ وَ قَوۡلِهِمۡ عَلٰی مَرۡیَمَ بُهۡتَانًا عَظِیۡمًا[4:156]

اور ان کے کفر اور قول کے باعث جو انہوں نے مریم پر زبردست بہتان لگایا۔

وَّ قَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِیۡحَ عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَ مَا قَتَلُوۡهُ وَ مَا صَلَبُوۡهُ وَ لٰکِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡهُ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوۡهُ یَقِیۡنًا [4:157]

اور ان کے اس کہنے پر (فخریہ دعویٰ) کہ ہم نے اللہ کے رسول، مریم کے بیٹے کو قتل کر ڈالا حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ سولی دی بلکہ ان کے لئے اشتباہ کی صورت پیدا ہوگئی (ہم شکل بنا دیا گیا) بے شک جو لوگ ان کے بارے اختلاف کر رہے ہیں (قیاس آرائیاں) وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں انہیں (حقیقت حال کی) کچھ خبر نہیں وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ہرگز قتل نہیں کیا۔

بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیۡهِ وَ کَانَ اللّٰهُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا [4:158]

بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف (آسمان پر) اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یَکُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ شَهِیۡدًا[4:159]

اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا مگر وہ ان (عیسیٰ علیہ السلام) پر ان کی موت سے پہلے ضرور ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ان پر گواہ ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیت اور مسیحیت کی نظر میں:۔

یہودی کارستانیوں کا ذکر جاری ہے۔ پچھلی آیت میں چند مظالم کا ذکر تھا مزید فرمایا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کی ولادت ایک معجزہ تھی اور وہ معجزہ سب کے سامنے اس طرح ظاہر ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے پنگھوڑے میں اپنی ذات اور اپنے منصب کا اعلان کر دیا جس نے سبکو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور سب کی زبانیں بند ہوگئیں اور یہود خاموش رہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا اور ان کو ان کی غلط عادات اور گمراہی پر ہدایت کی راہ دکھائی تو وہ پھر مخالف ہو گئے اور رومی حکمران کو ان کے خلاف بھڑکایا ان پر بہتان لگایا کہ وہ ریاست کے دشمن ہیں پھر ان کی ذات اور حضرت مریم علیہ السلام پر بھی بہتان تراشتے پھر ان کو سزا دلانے کیلئے پوری کوشش کی اور نشان دہی کر کے سولی پر لٹکوایا۔ اور ان حرکات پر شرمندہ ہونے کے بجائے فخریہ انداز اپنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان حرکات کو نہ صرف گناہ کبیرہ کہا بلکہ فرمایا کے ان کی ساری معلومات جھوٹی ہیں جو صرف شکوک وشبہات پر مبنی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہیں آئی بلکہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور آپ کے ہم شکل شخص کو سولی پر موت کی سزا دے دی گئی اور یہ اشتباہ بہت بڑھ گیا یہودی شک میں پڑ گئے کہ جو شخص سولی پر مرا وہ شکل سے تو ان کے مشابہ تھا مگر جسم میں مختلف تھا۔ لہٰذا اگر مصلوب اور شخص ہے تو حضرت عیسیٰ کہاں ہیں اور اگر حضرت عیسیٰ کو سولی پر موت دی گئی تو ان کا شخص جو نشان دہی کیلئے گیا تھا کدھر گیا اور مختلف روایات ہیں چونکہ قبل از اسلام سے ہے اس لئے مأخذ اسرائیلیات ہیں جن کی احادیث سے تصدیق نہیں۔

اسلامی نظریہ حیات مسیح:۔

اس شک کی تصیح قرآن مجید نے کر دی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا۔ دوسرے طرف عیسائی بھی شک وشبہ میں تھے کہ کیا حضرت عیسیٰ اس وقت آسمان پر گئے یا بعد میں قبر سے نکل کر گئے اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی ذات کے ساتھ منسلک کر دیا اور آج تک عیسائیوں میں مختلف عقائد کے فرقے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات سے واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گے اور آپ کی موت بذریعہ سولی نہیں ہوئی آپ زندہ ہیں۔ کچھ لوگ یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی سے اتار کر پھر قتل کیا گیا لیکن یہ مفروضہ اسلئے غلط ہے کہ سولی کا مقصد ہی کسی فرد کو زندگی سے مارنا ہے ورنہ سولی پر لٹکانے کا کیا فائدہ۔ اللہ کی قدرت کاملہ کے سامنے کسی فرد کا اس عالم سے غائب ہونا ناممکن نہیں جدید سائنس میں اگر آدمی خلائی لباس میں زمین سے باہر چاند یا کسی سیارے تک جا سکتا ہے بلکہ پورا سال قیام کرسکتا ہے تو قدرت الٰہی جسکی طاقت میں ساری کائنات اور اسکے سارے نظام ہیں اسکے لئے کیا مشکل ہے کہ اس لباس میں وہ قوت رکھ دے جو کشش ثقل اور ریڈیائی شعاعیں سے انسان کو محفوظ کر دے اور روشنی کی یا اس سے تیز رفتار سے انسان کو کائنات کے کسی مقام پر لے جا کر قیام کرائے دوسری طرف NASA سائنس دان اب اس بات کو مان رہے ہیں کہ کائنات میں ایسے سیارے ہیں کہ جہاں زندگی ممکن ہے۔

نے زمین کی طرح ایک سیارہ جو کہ سورج کے گرد چکر لگا رہا ہے دریافت کیا ہے اسکا نام کیپلر B252 (KEPLER 252B) ہے یہ سیارہ کیپلر خلائی دور بین کے ذریعہ دریافت ہوا یہ دور بین 2009 سے سیاروں کی تلاش کر رہی ہے اسکا اعلان ناسا نے 23 جولائی کو کیا اور نیوز THE NEWS اخبار نے 20 جولائی 2005 کو خبر شائع کی۔اس خبر کے مطابق ایک زون جسکا نام GOLD/LOCK زون (ZONE) ہے وہاں زندگی ممکن ہے کیونکہ یہ زیادہ گرم اور نہ زیادہ ٹھنڈا ہے لہٰذا پانی ممکن ہے یہ 1400 نوری سال دور ہے اور ایک مٹی والا سیاہ ہے "Potentially Rocky Planet" اور اپنے ستارے اتنے فاصلے پر جتنی زمین سورج سے دور مدار میں ہے۔اسی طرح ڈاکٹر سارا سیگر (SARA SEAGER) جو کہ سیاروں کے سائنسدان ہیں اور میا چوٹس انسٹیو سٹاف ٹیکنالوجی (M.I.T) میں کام کرتے ہیں نے بھی کہا ہے کہ آپ بڑے واضح ثبوت ہیں کہ انسانی زندگی کے ثبوت زمین کے علاوہ بھی کائنات میں موجود ستاروں پر ہیں اور اس کا مکمل ثبوت بیس سال میں میسر ہو جائے گا۔ (بحوالہ ڈیلی ٹیلیگراف مورخہ 7 جولائی 2015) لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان میں چلا جانا اور وہاں زندہ رہنا سائنسی لحاظ سے اب نا ممکن یا محال نہیں رہا۔ سائنس کے نظریات بدلتے رہتے ہیں لیکن قرآن کی حقیقت ابدی اور آخری ہے۔ دوسری طرف جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ذکر فرمایا کہ تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے یعنی احادیث کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قرب میں زمین پر تشریف لائیں گے اور دین اسلام کو نافذ کریں گے اسطرح یہود جو ان کی نبوت کو نہیں مانتے اور عیسائی جو خدا مانتے ہیں ان پر بطور نبی ایمان لائیں گے مسلمان تو پہلے ہی آپ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں وہ دور اسلام کی عظمت کا دور ہوگا۔ پھر قیامت کو آپ ان کے ایمان پر گواہی دیں گے کہ ان کے عقائد ان کے بارے غلط تھے یعنی ابن اللہ (اللہ کا بیٹا عیسائیت کے مطابق یا نبی نہ ہونا، یہودیت کے مطابق)۔

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَیۡهِمۡ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَ بِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ کَثِیۡرًا[4:160]

پھر یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں جو ان پر حلال تھیں حرام کر دیں اور اس وجہ سے کہ وہ اکثر لوگوں کو اللہ کے راستہ (اطاعت) سے روکتے تھے۔

وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَ اَکۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا[4:161]

اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ سود کی ممانعت کر دی گئی تھی اور لوگوں کا ناحق مال کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْھُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِکَ سَنُؤْتِیْھِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا[4:162]

لیکن ان میں پختہ علم والے اور ایمان والے لوگ ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوا (اترا) اور آپ سے پہلے (رسولوں) پر اترا اور وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو ہم عن قریب اجر عظیم عطا کریں گے۔

آیات میں یہود کے بارے سلسلہ جاری ہے کہ ان کے اعمال بالخصوص ان کی نافرمانی اور ہٹ دھرمی انبیاء کے احکام سے انکار کی وجہ سے کئی ایسی چیزیں جو حلال تھیں جسطرح کہ امت مسلمہ میں حلال ہیں یا عیسائیت میں حلال ہیں ان کے لئے حرام کر دی گئیں۔ مثلاً ہر وہ مردہ جانور حرام کر دیئے جنکے ناخن ہوتے ہیں، گائے، بکری کی چربی بھی حرام کر دی گئی۔ ان کے اکثر علماء اور حکمران اپنی من مانی کرتے اور توریت کی صحیح تشریح وتنفیذ میں رکاوٹ ڈالتے اسی طرح سود جسکو منع کر دیا گیا تھا۔ اسکی خلاف ورزی کرتے ہیں توریت کے احکام ہیں۔

”اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا۔ اگر تو کسی وقت ہمسایہ کے کپڑے گروی رکھ بھی لے تو سورج کے ڈوبنے تک اسکو واپس کر دینا کیونکہ فقط وہی ایک اس کا اوڑھنا ہے اس کے جسم کا وہی لباس ہے پھر وہ کیا اوڑھ کر سوئے گا۔ پس جب وہ فریاد کرے گا تو میں اس کی سنوں گا کیونکہ میں مہربان ہوں۔ خروج باب ۲۲۔ (۲۵-۲۷)

اسکے علاوہ بھی اور جگہوں پر سود کی ممانعت کا حکم آیا ہے لیکن ساری دنیا میں یہودی سودی نظام کو بڑھا رہے ہیں۔ اور جو لوگ ظلم اور ناحق مال کھاتے ہیں ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ اسکے علاوہ انہیں میں سے وہ لوگ جو حق کو جانتے تھے اسکا اقرار کر لیا انہوں نے توریت اور قرآن کو تسلیم کیا حضور کی نبوت پر ایمان لائے قیامت پر یقین کیا اللہ کے احکام (حقوق اللہ) پورے کئے، یعنی نماز قائم کی اور ساتھ حقوق العباد پورا کیا زکوٰۃ ادا کی اور اعمال صالحہ کئے جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ اسکی حقیقت تاریخ سے ثابت ہے کہ یہودی حضرت موسیٰ کے احکام یعنی بنی عمالقہ کے خلاف شام پر قبضہ کیلئے جہاد سے انکار کر کے چالیس سال صحرا ہی میں بھٹکتے رہے جبکہ مسلمانوں (حضور کے اصحاب) نے چالیس سال خلفاء راشدین کے دور میں اسلامی مملکت کو مشرق ومغرب میں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اسی اجر عظیم کا اللہ نے وعدہ فرمایا اور جو آخرت میں ملے گا وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا[4:163]

بے شک ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسے ہم نے نوح کی طرف اوران کے بعد نبیوں کی طرف بھیجی تھی اورہم نے ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب اوران کی اولاداورعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلمان کی طرف وحی بھیجی اورہم نے داؤدکوزبورعطا کی۔

وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا [4:164]

اورایسے رسول جن کے حالات ہم آپ کو بتا چکے ہیں اورکئی رسول جن کے حالات نہیں بتائے (ہم نے بھیجے ہیں) اوراللہ نے موسیٰ سے کلام کیاجسطرح کلام کیا جاتا ہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا [4:165]

اورسارے رسول خوشخبری سنانے والے اورڈرانے والے (بھیجے) تاکہ ان کے آنے کے بعدلوگوں پراللہ کے مقابل کوئی حجت نہ رہے اوراللہ غالب اورحکمت والا ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا[4:166]

لیکن جوکچھ آپ پرنازل ہوااللہ اس پرشاہد ہے کہ اس نے اس کواپنے علم سے نازل کیا ہے اوراسکے فرشتے بھی اس پرگواہ ہیں اوراللہ کا گواہ ہونا ہی کافی ہے۔

پچھلی آیات میں یہود کی بداعمالیوں کا ذکر تھا کہ وہ احکام الٰہی اوراحکام توریت کو جاننے کے باوجود انکار کرتے تھے۔ انکی تردید اورحضور کی تصدیق کے لئے یہ فرمایا کہ یہی وحی وہی ہے۔ جوحضرت آدم سے لے کر آج تک یعنی حضور علیہ السلام تک اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تمام انبیاء علیہ السلام کا ذکر کیا بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ اس وقت کے لوگوں کوانکار کرنے کی وجہ سے عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے نوسوسال تک برابر ہدایت کی اور ہر طرح کے ظلم وستم کا مقابلہ کیا

آپ کے طوفان کے بعد سارے مومنین رہ گئے تھے اور پھر گمراہی شروع ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اسکے بعد ابراہیم۔ اسماعیل اسحاق۔ یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد حضرت ھارون، یونس، ایوب وسلیمان علیھم السلام کا ذکر فرمایا اور حضرت داؤد علیھم السلام کو زبور عطا فرمانے کا ذکر فرمایا۔

انبیاء علیھم السلام پر وحی کے بارے تفصیل فرمائی کہ یہ کہیں بذریعہ فرشتہ، کہیں بذریعہ کلام، کہیں بذریعہ کتاب کی صورت میں احکام دیے گئے اور ان احکام پر عمل واجب تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خصوصی کلام جو کوہ طور پر ہوا تھا کا ذکر فرمایا۔ حضور نبی پاک علیہ السلام کا اعزاز ہے کہ آسمان پر بلا کر معراج النبی کے موقعہ کلام فرمایا۔ انبیاء علیہ السلام کی تعداد کے بارے ایک روایت بذریعہ حضرت ابوذر غفاری سے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک لاکھ چوبیس ہزار 'انبیاء بھیجے' یہ جن میں تین سو تیرہ اصحاب شریعت تھے (بحوالہ قرطبی بذریعہ معارف القران) ان تمام انبیاء کا مقصد احکام الٰہی کا پہنچانا اور ان پر عمل کرنے والوں کو انعام خداوندی کی خوش خبری اور عمل نہ کرنے والوں کو برے انجام اور عذاب سے ڈرانا تھا تاکہ کوئی امت قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکے کہ ان کو ان احکام کی اطلاع نہیں ملی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت تمام ہوجائے اور آخری نبی الزمان حضرت محمد ﷺ رسول اللہ ہیں اور آپ کا پیغام دنیا میں ہر جگہ پہنچ گیا ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے ہیں اسلئے حجت تمام فرمائی اور اپنی قوت کی وجہ سے عذاب وثواب پر قادر ہیں لہٰذا ان احکام پر عمل کرنے میں ہی نجات ہے۔

یہود اور کفار کے انکار پر آپ کی تسلی اور حق کے اعلان کے طور پر فرمایا کے یہ قرآن مجید بھی اسی وحی کا سلسلہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام پر صحیفہ نوح سے جاری ہے کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ان احکام میں حالات کے مطابق ترمیم فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ توریت بشمول صحیفہ زبور کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اسکے مضامین اس کتاب میں تحریف وتبدیلی کے باوجود اللہ کی توحید ورسالت قیامت اور وہ حقائق جو قرآن مجید میں موجود ہیں سے ملتے ہیں اسی طرح بائیبل میں بشمول مختلف صحائف جو دوسرے انبیاء سے متعلق کا مطالعہ کیا جائے تو تحریف وتبدیلی کے باوجود اللہ کا کلام محسوس ہوتا ہے اور آخری کتاب قرآن مجید سے بہت سارے مضامین میں مطابقت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ آپ ﷺ کی تسلی اور دنیا کی معلومات کے لئے فرمایا کہ سارا قرآن مجید اللہ نے نازل کیا ہے اور اس پر وحی لانے والے فرشتے گواہ ہیں اور ان سے بڑھ کر اللہ کی ذات کی گواہی یہ اسکا کلام ہی کافی ہے جو اس انکار کرتے ہیں اور اسکی مخالفت کرتے ہیں ان کے بارے احکام اگلی آیات میں فرمائے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلاًۢ بَعِيۡدًا[4:167]

جن لوگوں نے ماننے سے انکار کیا اور خدا کے راستہ سے روکا بے شک وہ گمراہی میں بہت دور چلے گئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا[4:168]

جن لوگوں نے کفر (انکار) کیا اور ظلم وستم کیا اللہ ان کو کبھی نہیں بخشے گا اور نہ سیدھی راہ دکھائے گا۔

اِلَّا طَرِیۡقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا[4:169]

سوائے جہنم کے راستہ کے جسمیں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ (کام) اللہ کے لئے آسان ہے۔

پچھلے مضمون سے متعلق ہے کہ جو لوگ وحی الٰہی پر عمل سے منکر ہیں یا یقین نہیں کرتے اور اس پر عمل کرنے والوں کیلئے بھی رکاوٹ پیدا کرتے ہیں وہ انتہائی درجہ کی گمراہی میں ہیں اسلیئے جن لوگوں نے اس سے انکار کیا اور دنیا میں ظلم وستم کیا اور ایک طرف اپنے خالق سے انکار کر کے، اسکے احکام سے انکار کر کے اور تمام اطلاعات اور ہدایات کے باوجود اپنے گناہ اور حق کے خلاف سرگرم عمل رہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ان اعمال اور گمراہی وظلم پر اصرار کی بناء پر حق سے ان کو محروم کر دے گا جسکے نتیجہ میں وہ حق موجود ہونے کے باوجود گمراہ رہیں گے اور بالاخر جہنم میں عذاب بھگتیں گے یہ تمام امور اس خالق کائنات اور عظیم قدرت والی ذات کیلئے بہت آسان ہیں لہذا ہر انسان کو باطل سے بچنے اور حق پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے تا کہ عذاب سے بچ سکے۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ وَ اِنۡ تَکۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا[4:170]

اے لوگو! تحقیق تمہارے پاس یہ رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آیا ہے پس ایمان لے آؤ تمہارے لئے یہی بہتر ہے اور اگر تم انکار کرتے ہو بیشک (جان لو) جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اللہ کا ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

پچھلی آیات میں حق کی اہمیت وحی کی صداقت اور گمراہ لوگوں کے عذاب کے بارے اطلاع کر کے لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ یہ رسول خدا برحق ہے اسکا پیغام حق پر مبنی ہے لہذا تمہاری سلامتی اور کامیابی اسی میں ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ اسکی تعلیمات پر عمل کرو اگر تم ان تعلیمات سے انکار کرو گے تو اللہ کی ذات سب سے زیادہ قدرت والی ہے زمین اور آسمان پر اسکا قبضہ ہے اسکا علم اور حکمت سب سے بڑھ کر ہے اس لئے تمہارا کوئی چھٹکارا نہیں ہوگا۔

یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَ رُوۡحٌ مِّنۡہُ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ

رُسُلِهٖ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا[4:171]

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے آگے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے حق کے سوا کچھ نہ کہو، حقیقت یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم کی طرف پہنچا دیا اور اسکی طرف سے ایک روح ہے پس اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین (معبود) ہیں۔ باز آجاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے بے شک اللہ ایک ہی خدا ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اور جو کچھ زمین و آسمانوں میں ہے اسی کا ہے اور اللہ خبر گیری (کفالت) کیلئے کافی ہے۔

چونکہ اسلام یہودیت اور مسیحیت کے مذاہب کی تکمیل ہے اسلئے ہم ان کی کتابوں اور انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب آپ نے نبوت کا اعلان کیا تو کفار مکہ کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی مخالفت کی جب کہ توریت اور انجیل میں آپ کی آمد کی پیش گوئی دی گئی تھی اور انہوں نے اسکو نظر انداز کر دیا۔ آپ کی نبوت کی صداقت کے بعد اہل کتاب کے دین میں غلو کا ذکر فرمایا۔

غلو:۔

غلو سے مراد حدود سے تجاوز کرنا یعنی کسی چیز کی حمایت میں یا مخالفت میں حدود کو پار کر دینا ہے یہاں اہل کتاب سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔ یہود نے حضرت عیسیٰ کی نبوت سے نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کی والدہ حضرت مریم علیہ السلام پر تہمت لگائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزا دلوانے کی بھر پور کوشش کی اور تمام مذہبی و اخلاقی حدود کو نظر انداز کر دیا دوسری طرف عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی شان کو نبوت سے اٹھا کر الوہیت (اللہ کا شریک) ٹھہرا دیا یہ دونوں فریق اس لحاظ سے غلو (زیادتی) کے مرتکب ہوئے۔

قرآن مجید نے عیسائیوں کے غلو کو جو کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود/الٰہ بنانے کے جرم کے بارے ذکر فرمایا کہ یہ بات انجیل میں یا حضرت عیسیٰ نے کبھی نہیں کہی اور یہ سراسر ان کی اپنی ایجاد ہے اور حق (جو فی الحقیقت واقع ہے) اسکو آیت مبارکہ میں بیان فرمایا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے رسول ہیں چونکہ ان کی ولادت انسانی نطفہ اور مرد وعورت کے جنسی اختلاط کے بغیر ہوئی اسلئے اسے ایک معجزہ قرار دیتے ہوئے اسے فرمایا کہ 'کلمہ' کو حضرت مریم علیہ السلام کی طرف بھیجا جسکی وجہ سے رحم میں حمل نے استقرار پکڑا۔ ابتداء میں ہی راز تمام یہودیوں اور عیسائیوں پر واضح تھا جسکا اظہار حضرت عیسیٰ نے بچپن میں کلام سے کر دیا تھا (سورۃ بقرہ) لیکن بعد میں عیسائیوں نے یونانی فلسفہ سے گمراہ ہو کہ کلمہ کو کلام

یانطق (Locos) کا ہم معنی سمجھ لیا پھر اس کلام ونطق سے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت کلام مراد لے لی پھر یہ قیاس قائم کی کہ اللہ کی اس ذاتی صفت نے مریم علیہ السلام کے بطن میں داخل ہو کر جسمانی صورت اختیار کی جو مسیح کی شکل میں ظاہر ہوئی اسطرح عیسائیوں میں مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا فاسد عقیدہ پیدا ہوا اور اس غلط تصور نے جڑ پکڑ لی کہ خدا نے خود اپنے آپ کو یا اپنی ازلی صفات میں سے نطق وکلام کی صفت کو مسیح کی شکل میں ظاہر کیا ہے۔ مسیح علیہ السلام کو آیت میں روح منہ (خدا کی طرف سے ایک روح) کہا گیا ہے اور سورہ بقرہ میں اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ ''ایدناہ بروح القدس'' (ہم نے پاک روح سے مسیح کی مدد کی) دونوں عبارتوں کی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو وہ پاکیزہ روح عطا کی جو بدی سے ناآشنا تھی۔ سراسر حقانیت اور راست بازتھی اور ازسرتاپا فضیلت اخلاق تھی۔ یہی تعریف انجناب کی عیسائیوں کو بتائی گئی ہے مگر انہوں نے اس میں غلو کیا روح من اللہ کو عین روح اللہ قرار دے دیا اور روح القدس (Holy Ghost) کا مطلب یہ لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی روح مقدس تھی جو مسیح کے اندر حلول کر گئی اسطرح اللہ اور مسیح کے ساتھ تیسرا خدا روح القدس کو بناڈالا گیا۔ یہ عیسائیوں کا دوسرا زبردست غلو تھا جسکی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہوئے لطف یہ ہے کہ آج بھی انجیل متی میں یہ فقرہ موجود ہے کہ ''فرشتے نے اسے (یوسف نجار کو) کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے (باب ۱ آیت ۲۰ بحوالہ تفہیم القرآن جلد اول مطبوعہ تعمیر انسانیت اگست ۱۹۸۰ء) کلمہ اور روح کا ذکر فرمانے کے بعد حکم دیا کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ اس کو واحد الٰہ مانو اور اس کے تمام رسولوں کی رسالت بشمول حضرت عیسیٰؑ پر کہ وہ ایک رسول ہیں ایمان لاؤ یہی سچی تعلیم اور امر حق ہے اور تین والے عقیدہ کو چھوڑ دو۔ تین والے عقیدہ کی تشریح میں جو تفہیم القرآن جلد اول میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ''تین الٰہوں کے عقیدے کو چھوڑ دو خواہ کسی شکل میں تمہارے اندر پایا جاتا ہو۔ حقیقت یہ کہ یہ بیک وقت عیسائی توحید کو بھی مانتے ہیں اور تثلیث کو بھی۔ مسیح علیہ السلام کے صریح اقوال جو اناجیل میں ملتے ہیں ان کی بناء پر کوئی عیسائی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ خدا بس ایک ہی خدا ہے اور اسکے سوا دوسرا کوئی خدا نہیں ان کے لئے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ توحید اصل دین ہے مگر جو غلط فہمی ابتداء میں پیش آئی تھی کہ کلام اللہ نے مسیح کی شکل میں ظہور کیا اور روح اللہ نے اس میں حلول کیا۔ اس کی وجہ سے انہوں نے مسیح اور روح القدس کی الوہیت کو بھی خداوند عالم کی الوہیت کے ساتھ ماننا خواہ مخواہ اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اس زبردستی کے الزام سے ان کے لئے یہ مسئلہ ایک ناقابل حل چیستان بن گیا کہ عقیدہ توحید کے باوجود عقیدہ تثلیث کو اور عقیدہ تثلیث کے باوجود عقیدہ توحید کو کس طرح نبھائیں۔ تقریباً انیس سو سال سے مسیحی علماء اس خود پیدا کردہ مشکل کو حل کرنے میں سر کھپا رہے ہیں۔ بیسیوں فرقے اسکی مختلف تعبیرات پر بنے ہیں اسی پر ایک گروہ نے دوسرے کی تکفیر کی ہے اسی کے جھگڑوں میں کلیسا پر کلیسا الگ ہوتے چلے گئے اسی پر ان کے سارے علم کلام کا زور صرف ہوا حالانکہ یہ مشکل نہ خدا نے پیدا کی نہ اُسکے بھیجے ہوئے مسیح نے اور نہ اس مشکل کا کوئی حل ممکن ہے کہ خدا تین مانے

جائیں اور پھر وحدانیت بھی برقرار رہے۔ اس مشکل کو صرف ان کے غلو نے پیدا کیا اور اس کا بس یہی ایک حل ہے کہ وہ غلو سے باز آ جائیں۔ مسیح اور روح القدس کی الوہیت کا تخیل چھوڑ دیں صرف اللہ کو الہ واحد تسلیم کرلیں اور مسیح کو اس کا پیغمبر قرار دیں نہ کسی طور پر شریک فی الوہیت (الوہیت میں شریک)۔

پھر آیت میں فرمایا کہ اللہ کی ذات پاک ہے کہ اسکا کوئی بیٹا ہو۔ یہ بھی عیسائیوں کے چوتھے غلو کی تردید ہے۔ بائیبل کے عہد نامہ جدید کی روایات اگر صحیح بھی ہوں تو ان سے (خصوصاً پہلی تین انجیلوں سے) زیادہ سے زیادہ بس اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے خدا اور بندوں کے تعلق کو باپ اور اولاد کے تعلق سے تشبیہ دی تھی اور باپ کو لفظ خدا کے لئے محض مجاز اور استعارہ کے طور پر استعمال کرتے تھے یہ تنہا مسیح ہی کی خصوصیت نہیں قدیم ترین زمانہ سے بنی اسرائیل خدا کے لئے باپ کا لفظ بولتے چلے آرہے تھے اور اسکی بکثرت مثالیں بائیبل کے پرانے عہد نامہ میں موجود ہیں۔ مسیح نے یہ لفظ اپنی قوم کے محاورے کے مطابق ہی استعمال کیا تھا اور وہ خدا کو صرف اپنا باپ ہی نہیں بلکہ سب انسانوں کا باپ کہتے تھے لیکن عیسائیوں نے پھر یہاں غلو سے کام لیا اور مسیح کو خدا کا اکلوتا بیٹا قرار دیا ان کا عجیب وغریب نظریہ اس باب میں یہ ہے کہ چونکہ مسیح خدا کا مظہر ہے اور اس کے کلمے اور اسکی روح کا جسدی ظہور ہے اسلئے وہ خدا کا اکلوتا بیٹا ہے اور خدا نے اپنے اکلوتے کو زمین پر اس لئے بھیجا کہ انسانوں کے گناہ اپنے سر لے کر صلیب پر چڑھ جائے اور اپنے خون سے انسان کے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ خالانکہ اسکا کوئی ثبوت خود مسیح علیہ السلام کے کسی قول سے وہ نہیں دے سکتے۔ یہ عقیدہ ان کے اپنے تخیلات کا افریدہ اور اس کے غلو کا نتیجہ ہے جس میں وہ اپنے پیغمبر کی عظیم الشان شخصیت سے متاثر ہو کر مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں (آیت میں) کفارہ کے عقیدے کی تردید نہیں کی۔ کیونکہ عیسائیوں کے ہاں یہ مستقل عقیدہ نہیں ہے بلکہ مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینے کا شاخسانہ اور اس سوال کی ایک صوفیانہ فلسفیانہ توجیہ ہے کہ جب مسیح خدا کا اکلوتا تھا تو صلیب پر چڑھ کر لعنت کی موت کیوں مرا لہذا اس عقیدے کی تردید آپ سے آپ ہو جاتی ہے اگر مسیح کے ابن اللہ ہونے کی تردید کر دی جائے تو اس غلط فہمی کو دور کر دیا جائے کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے تھے (ماخوذ از تفہیم القران جلد اول)۔

غلو کی ممانعت:۔

غلو کے اثرات کا نتیجہ یہودیت اور عیسائیت میں دیکھنے کے بعد اسلام میں بھی حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے حج کے موقع پر فرمایا "**ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلک من قبلکم بغلو فی دینھم**" (براوایت حضرت عبداللہ بن عباس) دین میں غلو سے بچے رہو کیونکہ تم سے پہلی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک وبرباد ہوئیں۔ آپ نے اپنی ذات مبارکہ کے بارے بھی فرمایا "**لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبد فقولو اعبداللہ و رسولہ**" میری تعریف

میں ایسا مبالغہ نہ کرو جو نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کے معاملہ میں کیا ہے بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اسلئے تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو(مسند احمد بن حنبل بروایت حضرت عمر فاروق ؓ) لیکن آپ کا مقام بندہ خدا کے ساتھ بحیثیت رسول اور خاتم النبین بھی ہے اور جسکا مقام

ع بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر

معاشرت اور دین کے معاملات میں حضور اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین وصحابہ کرام نے ایک معیار چھوڑا ہے اور وہی معیار ہے اسکے علاوہ کوئی کمی وبیشی غلو کا حصہ بن جاتی ہے اور آج امت مسلمہ میں غلو کی وجہ ذاتی توجیہات ہیں اور جسکا نتیجہ فرقہ واریت ہے اور فرقہ واریت کی وجہ سے تشدد ہے اور اس نفاق واختلاف نے امت کو کمزور کر دیا ہے جسکی وجہ سے دین و دنیا میں نقصان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

لَنۡ يَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِيۡحُ اَنۡ يَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الۡمَلٰٓئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ وَ مَنۡ يَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَ يَسۡتَكۡبِرۡ فَسَيَحۡشُرُهُمۡ اِلَيۡهِ جَمِيۡعًا[172:4]

: مسیح نے کبھی اس (بات) کو عار نہیں جانا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتوں نے (اس کو عار جانا) اور جو کوئی اس (اللہ) کی بندگی سے عار محسوس کرے اور تکبر کرے تو (اللہ) ان تمام کو اپنے سامنے حاضر کرے گا۔

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَ يَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ وَ اَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡتَنۡكَفُوۡا وَ اسۡتَكۡبَرُوۡا فَيُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا وَّ لَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ لِيًّا وَّ لَا نَصِيۡرًا[173:4]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ انہیں پورا پورا اجر دے گا اور اپنے فضل سے مزید اضافہ کرے گا اور وہ لوگ جنہوں نے عار (عبادت کرنے) محسوس کی اور تکبر کیا تو وہ انہیں دردناک عذاب دے گا۔ وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کسی کو دوست اور مددگار نہیں پائیں گے۔

عقدہ تثلیث سے متعلق مضمون جاری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام جو کہ اللہ کے رسول ہیں اب اپنے کو اللہ کا بندہ اور اسکی عبادت کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے اور اسی طرح کوئی مقرب سے مقرب فرشتے بھی عار محسوس نہیں کرتے کیونکہ بندگی سے وہی عار محسوس کرے گا جو اپنے آپ کو اسکی ذات سے بالا سمجھے اور تکبر کرے اور ایسے افراد جو تکبر اور اس کی بندگی سے

عار محسوس کریں گے ان کو قیامت کے دن اکٹھا کر کے اسکی سزا دی جائے۔ ہمارے نبی علیہ اسلام نے معراج کے موقعہ پر اپنے لئے بندگی کے اعزاز کو پسند فرمایا اور ہمیشہ ہی فرمایا کہ میں شکر گزار بندہ بننا پسند کرتا ہوں اور آپ کو عبدہ (خاص بندہ) کی خصوصی نعمت سے نوازا گیا اعمال صالحہ کی اہمیت جو لوگ حق بندگی ادا کرتے ہیں اور ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا بلکہ اعمال صالحہ کی وجہ سے انہیں مزید اکرام سے نوازا جائے گا اور جو تکبر کی وجہ سے بندگی اور اعمال صالحہ سے محروم رہے وہ دردناک عذاب پائیں گے اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی بچا نہیں سکے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا[4:174]

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے قطعی دلیل (ذات نبی) آ گئی ہے اور تمہاری طرف واضح اور روشن نور اتارا گیا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا[4:175]

پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو عنقریب (اللہ) انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا راستہ دکھائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیت میں نیک اعمال کے ضمن میں اپنے انعام یعنی حضور علیہ السلام کی ذات کے ذریعہ ہدایت اور قرآن مجید کے نور کے ذریعہ رہنمائی کا ذکر فرمایا اور جو لوگ ان ہدایت کے منبع سیرت النبی اور قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں یعنی تعلمات خداوندی اور ہدایات نبوی پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی ہدایت اور قربت کا راستہ دکھائے گا اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرما کر جنت الفردوس کا انعام دے گا۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ[4:176]

آپ سے حکم پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ (بغیر اولاد اور بغیر والدین کے فوت ہونے والا) کی وراثت کے بارے یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اسکی ایک

بہن ہوتو اس کے لئے اس (مال) کا ادھا حصہ ہے جواس نے چھوڑا اور (اگر مرنے والی بہن کلالہ ہو اور مرنے کی صورت اسکا) بھائی (پورا) وارث ہوگا پھر اگر (مرنے والا بھائی کلالہ ہو) دو بہن (وارث) ہوں تو ان کے لئے جواس نے مال چھوڑا (اس) کا دو تہائی (حصہ) ہے اور اگر (مرنے والے کلالہ کے) کچھ بہن بھائی ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا اللہ نے تمہارے لئے احکام واضح بیان کئے ہیں تا کہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

آیات مبارکہ میں مسلمانوں کی اللہ کے احکام کیلئے جستجو کا ذکر ہے کہ وہ مسائل کے بارے پوچھتے ہیں تا کہ احکام الٰہی کی روشنی میں زندگی بسر کرسکیں آیت مبارکہ وراثت کے قانون سے متعلق جو کہ اس شخص کے بارے میں ہے جسکے والدین بھی زندہ نہ ہوں اور کوئی اولاد بھی زندہ نہ ہو اس صورت میں اگر ایک سگی بہن (یا والد کی طرف سے بہن) ہو تو اسکو نصف ترکہ ملے گا اور بقیہ دوسرے رشتہ داروں چچا یا چچا زاد بھائی کو وغیرہ ملے گا اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر اسکی طرف لوٹ آئے گا یعنی اسکو مل جائے گا اور اگر دو بہنیں ہیں تو ان کو دو تہائی ملے گا اور ایک تہائی دوسرے ورثاء کا حق ہوگا اور اگر بہت سارے بہن بھائی ہوں تو بھائی کو بہن کے مقابلہ میں دوگنا حصہ ملے گا۔ ساتھ یہ بھی وضاحت فرمادی کہ یہ احکام تفصیلی اللہ کی طرف سے تمہاری مصلحت کے لئے ہیں اور وہ انسان کی ضرورت اور حکمتوں کو جانتا ہے۔ اس تقسیم میں بھی مرد کی ضرورت و ذمہ داری کی وجہ سے دوگنا ہے اور عورت کو بھی وراثت سے محروم نہیں رکھا گیا بلکہ مرد کے نصف دیا ہے کیونکہ اسکی رہائش کا خرچ اسکے شوہر کے ذمہ ہوتا ہے اور پھر دوسرے حصہ داروں کو بھی حصہ دیا ہے تا کہ تقسیم عادلانہ ہو۔

الحمدللہ سورۃ النساء کے ساتھ پہلی جلد مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے قبول فرمائے۔ آمین